اُس پر حملہ نہیں کریں گے۔ وہ شاید صلح کے لیے ہمارے پاس ایلچی بھی بھیجے گا۔ اب ہم اُس کے ساتھ کوئی صلح یا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔ وہ اب ہمارا قیدی ہے۔ اگر زندہ ہمارے ہاتھ نہ آیا تو میں تمہیں اُس کی لاش دکھاؤں گا۔ اپنے سپاہیوں سے کہہ دو کہ صلاح الدین ایوبی امام مہدی یا پیغمبر نہیں اور اس کی فوج میں کوئی جن بھوت نہیں۔ ہم اُس کی فوج کو بے خبری میں جا پکڑیں گے۔"

اپنے سامعین کو اشتعال دلا کر اور اُن کا حوصلہ بڑھا کر اُس نے انہیں رُخصت کر دیا اور اپنے اُن خیموں میں چلا گیا جنہوں نے جنگل میں منگل بنا رکھا تھا۔ اُس کا اپنا خیمہ بہت بڑا تھا جس کے اندر قالین بچھے ہوئے تھے اور بیش قیمت پلنگ تھا۔ شراب کی صراحی اور نہایت دلکش پیالے رکھے تھے۔ اندر سے خیمہ کسی محل کا کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے ارد گرد کئی اور خیمے تھے جو فوجی خیموں سے مختلف اور خوبصورت تھے۔ اِن میں حرم کی لڑکیاں اور ناچنے گانے والیاں رہتی تھیں۔ خیموں سے دُور دُور پہرہ دار کھڑے تھے۔ گمشتگین کے خیمے کے باہر نو آدمی اُس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر گمشتگین تیز چل پڑا اور قریب جا کر انہیں اندر چلنے کو کہا۔ اندر جاتے ہی لڑکیوں کی ایک قطار ہاتھوں میں طشتریاں اٹھائے خیمے میں داخل ہوئی۔ کھانا چُن دیا گیا اور شراب کی صراحیاں بھی آگئیں۔ گمشتگین ان نو آدمیوں کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گیا۔

یہ نو آدمی کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے بُھنے ہوئے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ہاتھوں میں لے کر مُردار خور درندوں کی طرح کھانے شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ وہ شراب پانی کی طرح پی رہے تھے۔ اُن کی آنکھیں لال سرخ تھیں جن سے وہ وحشی اور خونخوار لگتے تھے۔ تین چار خوبصورت لڑکیاں اُن کے پیالے شراب سے بھرتی جا رہی تھیں اور یہ وحشی کبھی کسی لڑکی کے بکھرے ہوئے بالوں پر ہاتھ پھیرتے کبھی اُن کے عُریاں بازوؤں کو پکڑ کر ان پر اپنے گال رگڑتے۔ کھانا اور چھیڑ خانی چلتی رہی۔ گمشتگین اُن کی حرکتیں اور کھانے کا انداز دیکھ کر مسکراتا رہا مگر اُس کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ زبردستی مسکرا رہا ہے اور اُسے یہ لوگ بالکل پسند نہیں۔

کھانے پینے سے فارغ ہو کر گمشتگین نے لڑکیوں کو باہر بھیج دیا اور ان نو آدمیوں کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ لگا کر کہا — "اب وقت آگیا ہے کہ میں تمہیں صلاح الدین کی طرف رخصت کروں۔ اب کے وار خالی نہیں جانا چاہیے۔"

"اگر آپ ہمیں روک نہ لیتے تو اب تک آپ یہ خوشخبری سُن چکے ہوتے کہ صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے اور قاتل معلوم نہیں کون تھے۔" ایک آدمی نے کہا۔

یہ حسن بن صباح کے وہی نو فدائی تھے جنہیں اُن کے مُرشد شیخ سنان نے تریپولی سے سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجا تھا۔ یہ منتخب افراد تھے جو بظاہر انسان تھے لیکن خصلت کے درندے تھے۔ انہوں نے اپنے اپنے دائیں ہاتھ کی درمیانی انگلی سے خون کے دس دس قطرے نکال کر "مقدس" پیالے میں گرائے، اُن پر شراب اور حشیش ڈالی اور تینوں چیزیں ملا کر ہر ایک نے ایک ایک گھونٹ پیا اور اپنے مخصوص الفاظ میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے یا زندہ نہیں رہیں گے۔ شیخ سنان نے انہیں تارک الدنیا صوفیوں کے لباس میں، ہاتھوں

میں تسبیحیں اور گلے میں قرآن لٹکا کر اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا تھا کہ وہ سلطان ایوبی تک رسائی حاصل کریں اور اُس کے سامنے یہ مسئلہ رکھیں کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف نہیں لڑنا چاہیے، اور وہ ثالث بن کر آپس میں لڑنے والے مسلمان امراء کا صلح نامہ کرائیں گے۔ اس طرح تنہائی میں یہ سلطان ایوبی کو قتل کر دیں گے۔

شیخ سنان نے طریقہ اچھا سوچا تھا۔ سلطان ایوبی مذہبی پیشواؤں کو احترام سے اپنے پاس بٹھانے اور اُن کی بات توجہ سے سننے کا عادی تھا۔ اُس کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ وہ چاہتا ہی یہی تھا کہ کوئی درمیان میں آ کر مخالفین کے ساتھ اُس کا سمجھوتہ کرا دے تاکہ مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل نہ ہو ورنہ صلیبیوں کو جنگی تیاریوں کا اور حملہ کر کے بہت بڑی کامیابی حاصل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ اُس نے حلب وغیرہ میں اپنے ایلچی بھیجے بھی تھے، جو توہین آمیز جواب لائے تھے۔ اب نو صوفی منش چُغوں میں خنجر اور تلواریں چھپائے اُس کی خواہش پوری کرنے کا دھوکہ لے کر آرہے تھے۔ وہ اُسے آسانی سے قتل کر سکتے تھے۔ تریپولی سے وہ روانہ ہوئے اور حرن پہنچے تھے۔ گمشتگین کو اُس کے صلیبی مشیروں نے بتایا تھا کہ یہ سلطان ایوبی کو قتل کرنے جا رہے ہیں۔ اُس نے اُن سے قتل کا طریقہ سنا تو اُسے مسترد کر کے انہیں اپنے پاس شاہی مہمانوں کی حیثیت سے روک لیا اور صلیبی مشیروں سے کہا تھا کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرنے جا رہا ہے۔ ان نو فدائیوں کو وہ اپنے ساتھ لے جائے گا اور موزوں موقعے پر اور کسی بہتر طریقے سے سلطان ایوبی کو قتل کرائے گا۔ چنانچہ وہ انہیں اپنے ساتھ محاذ پر لے آیا تھا۔

اب گمشتگین نے میدانِ جنگ میں اُن کے لیے موقع پیدا کر لیا اور اُن کا بہروپ بھی تیار کر لیا تھا۔ اُس نے کھانے سے فارغ ہو کر انہیں کہا — "آج میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے قتل کا کیا طریقہ سوچا ہے۔ تم نے صوفیوں کا جو روپ دھارا ہے وہ شک پیدا کر سکتا ہے۔ ایوبی کی نظر بڑی گہری ہے۔ اُس پر پہلے چار پانچ قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ وہ اور زیادہ محتاط ہو گیا ہے۔ اُس کے ساتھ دو بڑے ہی تجربہ کار سراغرساں ہیں، ایک علی بن سفیان اور دوسرا حسن بن عبداللہ۔ وہ ایک نظر میں انسان کو بھانپ لیتے ہیں۔ ہمارے جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق اِس وقت حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ ہے اور علی بن سفیان قاہرہ میں ہے۔ صلاح الدین ایوبی سے کوئی اجنبی ملنے جاتا ہے تو دو تین سالار اور حسن بن عبداللہ اُس کی بڑی گہری چھان بین کرتے ہیں۔ انہیں شک ہو تو اُس کی تلاشی بھی لیتے ہیں۔ . . .

"ایوبی یا حسن بن عبداللہ کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ چپقلش تو کئی مہینوں سے چل رہی ہے، تمہیں صلح نامے کا خیال آج کیسے آیا ہے؟ ایوبی یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ تم کہاں کے مذہبی پیشوا ہو اور وہ کوئی ایسا سوال پوچھ سکتا ہے جس کا تم لوگ جواب نہ دے سکو یا ایسا جواب دو جو تمہیں بے نقاب کر دے۔ وہ خود عالم ہے، مذہب اور تاریخ کا اُس کا گہرا مطالعہ ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے چہروں پر داڑھیوں کے سوا صوفیوں والی کوئی نشانی نظر نہیں آتی۔ تم میں سے چار کی داڑھیاں ابھی چھوٹی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مہینے سے بڑھائی گئی ہیں۔ تمہاری آنکھوں میں حشیش اور شراب کا نشہ چڑھا ہُوا ہے۔ مجھے اِن چہروں پر پاکیزگی کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔"

ان نو میں سے کسی نے بھی بُرا نہ مانا۔ ان کے سرغنہ نے کہا۔ "مجھے آپ کی ہر ایک بات سے اتفاق ہے

اگر صلاح الدین ایوبی نے ہمیں صوفی یا امام سمجھ کر عزت سے اپنے خیمے میں بٹھا لیا اور کچھ کھانے پینے کے لیے ہمارے آگے رکھ دیا تو میرے یہ دوست ٹوٹ پڑیں گے۔ ہم میں سے کسی کو بھی علم نہیں کہ امام اور خطیب کھاتے کس طرح ہیں۔ آپ نے کیا طریقہ سوچا ہے؟"

"نہایت سہل اور بے خطر۔" گمشتگین نے کہا۔ "میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے رضاکار محافظ بنا کر قرون حماۃ بھیج رہا ہوں۔ اُس کے محافظ کڑی چھان بین کے بعد منتخب کیے جاتے ہیں۔ اُن کے خاندانوں کی بھی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اس لیے یہ ناممکن ہے کہ تم جاتے ہی اُس کے محافظ دستے میں شامل ہو جاؤ گے۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے جو مجھے اُمید ہے کامیاب ہوگا۔ جاسوسوں نے بتایا ہے کہ دمشق کے لوگوں میں ہمارے خلاف اور صلاح الدین ایوبی کے حق میں اتنا جوش و خروش اور جذبہ پایا جاتا ہے کہ وہ رضاکارانہ طور پر محاذ پر آ رہے ہیں۔ وہاں جسے دیکھو تیغ زنی اور تیر اندازی کی مشق کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہُوا ہے کہ ایوبی ان رضاکاروں کو باقاعدہ فوج میں تو نہیں رکھتا، دوسرے کاموں کے لیے رکھ لیتا ہے۔ میں اس تقاضے سے فائدہ اٹھا رہا ہوں۔"

اُس نے الگ رکھا ہُوا لکڑی کا ایک بکس کھولا۔ اس میں کپڑے تھے۔ اُس نے فدائیوں سے کہا۔ "تم سب یہ لباس پہن کر صلاح الدین ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ یہ اُس کے محافظ دستے کا مخصوص لباس ہے۔ تم میں سے ایک آدمی کے ہاتھ میں ایوبی کا جھنڈا ہوگا۔ باقی آٹھ کی برچھیوں کے ساتھ اُس کی فوج کی جھنڈیاں ہوں گی۔ تم سیدھے ایوبی کے پاس جاؤ گے۔ تمہیں روک لیا جائے گا۔ اُس تک نہیں پہنچنے دیا جائے گا۔ تم جوش اور جذبات سے کہنا کہ ہم رضاکار ہیں اور دمشق سے سلطان صلاح الدین ایوبی کی حفاظت کے لیے آئے ہیں۔ یہ بھی کہنا کہ ہم نے بڑی محبت سے محافظ دستے کا لباس سلوایا اور دل میں سلطان کی عقیدت لے کر آئے ہیں۔ ہمیں سلطان کے اردگرد پہرے پر لگایا جائے یا ہمیں جانباز دستے میں شامل کیا جائے۔ ہم واپس نہیں جائیں گے..... تمہیں صلاح الدین تک جانے نہیں دیں گے۔ تم ضد کرنا اور کہنا کہ ہم اتنی دُور سے عقیدت اور جذبات سے آئے ہیں، ہم سلطان سے ملے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ جذبے کی بہت قدر کرتا ہے، تم سے ملے گا ضرور۔ برچھیاں تمہارے ہاتھوں میں ہوں گی۔ اگر وہ باہر ہُوا تو گھوڑوں سے اُترنا نہیں۔ قریب جا کر گھوڑوں کو ایڑ لگا دینا اور اُس کا جسم برچھیوں سے چھلنی کر کے نکلنے کی کوشش کرنا۔ تم سب نے جان کی بازی لگانے کا حلف اٹھایا ہے، لیکن مجھے اُمید ہے تم سب نکل آؤ گے۔ مجھے پوری توقع ہے کہ اپنے سلطان کو زخمی حالت میں دیکھ کر محافظوں میں افراتفری بپا ہو جائے گی۔ پیشتر اس کے کہ وہ سمجھ پائیں کہ یہ ہُوا کیا ہے تم اُن کے تیروں کی زد سے نکل آؤ گے۔ میں تمہیں عرب کی اُس نسل کے گھوڑے دے رہا ہوں جن کے تعاقب میں ہوا بھی نہیں پہنچ سکتی۔"

"طریقہ بہت اچھا ہے۔" فدائی قاتلوں کے سرغنہ نے کہا۔ "ہمارے وہ ساتھی بدبخت، اناڑی اور بزدل تھے جو اُسے سوتے وقت بھی قتل نہ کر سکے۔ اُسی کے ہاتھوں مارے گئے اور جو زندہ رہے وہ پکڑے گئے۔ اب ہم جا رہے ہیں۔ اگر اُس کا سر کاٹ کر نہ لا سکے تو آپ یہ خبر ضرور سنیں گے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے۔"

"اور اگر ہم اُسے قتل کر آئے تو؟" ایک فدائی نے حرم کی لڑکیوں کے خیموں کی طرف اشارہ کر کے اور شیطانی

مسکراہٹ سے کہا۔

گمشتگین شیطان کی مسکراہٹوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اُس نے ایسی ہی مسکراہٹ سے کہا۔ "تم میں سے جو زندہ آئیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کر کے آئیں گے انہیں میں ایک ایک خیمے میں داخل کر دوں گا۔ تمہیں جو انعام حلبی دیں گے اُس سے اتنے زیادہ زر و جواہرات میں دوں گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھے اور تم میں سے جو آدمی صلاح الدین ایوبی کا سر کاٹ کر لائے گا، اُسے اُس کی پسند کی دو لڑکیاں ہمیشہ کے لیے دوں گا۔"

فدائیوں نے وحشیوں کی طرح چیخ چیخ کر قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ گمشتگین نے بڑی مشکل سے انہیں خاموش کیا اور کہا۔ "آؤ، تمہیں وہ راستہ بتا دوں جو دمشق سے قرون کی طرف آتا ہے۔ تم یہاں سے دُور کا چکر کاٹ کر دمشق کے راستے پر پہنچو گے لیکن خیال رکھنا کہ راستے میں کوئی بھی پوچھے کہ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو یہی بتانا کہ تم دمشق سے آئے ہو اور محاذ پر جا رہے ہو۔ راستے میں تمہیں صلاح الدین ایوبی کے جاسوس اور چھاپہ مار ملیں گے۔ تمہیں آج ہی رات روانہ ہونا ہے۔"

"آج ہی رات؟" ایک فدائی نے پوچھا۔ "کل دن کو نہ جائیں؟"

"اتنا وقت نہیں۔" گمشتگین نے جواب دیا۔ "تمہارا چکر بہت لمبا ہے۔ دو دنوں بعد منزل پر پہنچو گے۔ گھوڑوں کو آرام دیتے جانا ورنہ تھکے ہوئے گھوڑوں سے وہاں سے بھاگ نکلنا دشوار ہو جائے گا۔"

گمشتگین نے بکس سے کپڑے نکال کر انہیں کہا کہ پہن لو۔ اُس نے دربان سے کہا کہ وہ نو گھوڑے لے آ، جو میں نے الگ کر رکھے ہیں۔

آدھی رات کے بعد نو گھوڑسوار گمشتگین کے کیمپ سے دُور اُس سمت جا رہے تھے جدھر دمشق سے قرون حماۃ کو راستہ جاتا تھا۔ اگلے گھوڑسوار کے پاس سلطان ایوبی کا جھنڈا تھا اور باقی آٹھ کی برچھیوں کی انیوں کے ساتھ چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں بندھی تھیں۔

☆

اُسی روز جس وقت گمشتگین اپنے سالاروں اور کمانڈروں کو اشتعال انگیز تقریر سے جوش دلا رہا تھا، سیف الدین اور حلب کی فوجیں بھی ایسی ہی اشتعال انگیز تقریریں سُن رہی تھیں۔ حلب کا ایک سالار گھوڑے پر سوار اپنی فوج سے کہہ رہا تھا۔ "یہ وہی صلاح الدین ہے جس نے حلب کا محاصرہ کیا تھا۔ تم نے اسی صلاح الدین کو اُس کی اسی فوج کو حلب سے بھگایا تھا۔ ربِ کعبہ کی قسم! یہ روایت جھوٹی ہے کہ صلاح الدین جس قلعے اور جس شہر کو محاصرے میں لیتا ہے اُسے فتح کر کے دم لیتا ہے۔ وہ حلب کے محاصرے میں کیوں کامیاب نہیں ہُوا تھا؟ اُس نے محاصرہ اٹھا کیوں لیا تھا؟ صرف اس لیے کہ تم شیر ہو۔ تم جان پر کھیل جانے والے سرفروش ہو۔ تم نے شہر سے نکل نکل کر اُس پر جو حملے کیے تھے انہیں وہ برداشت نہ کر سکا۔ فتح اُس کی ہوتی ہے جس پر خدا خوش ہوتا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی خوشنودی تمہیں حاصل ہے۔ صلاح الدین ایوبی پر خدا کیوں خوش ہوگا۔ وہ لٹیرا ہے۔ اُس نے دمشق پر قبضہ کیا اور اس شہر کے لوگوں کی اُس نے جو حالت کی ہے وہ وہاں جا کر دیکھو۔ کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں رہی۔ ہمیں دمشق چھوڑ کر

حلب آنا پڑا۔ ہمیں وہاں واپس جانا ہے۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی سے انتقام لینا ہے۔۔۔۔ اور اللہ کے سپاہیو! یہ نہ سوچنا کہ تم مسلمان ہو کر مسلمان فوج کے خلاف لڑنے جا رہے ہو۔ وہ مسلمان کافر سے بدتر ہے جو مسلمانوں کے شہروں کو فتح کرتا پھر رہا ہے۔ تم پر ایسے مسلمان کا قتل خدا نے فرض کر دیا ہے۔۔۔۔

"خلافت کے محافظو! تمہارے دشمن صلیبی نہیں صلاح الدین ایوبی اور اُس کی فوج ہے۔ صلیبیوں کو دشمن اس شخص نے بنایا ہے۔ نورالدین زنگی نے قوم پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا ہے کہ صلاح الدین کو مصر کی امارت دے دی ورنہ یہ شخص چھوٹے سے ایک جیش کی کمان کرنے کے بھی قابل نہ تھا۔ میں اُسے اپنی فوج میں سپاہی کی حیثیت سے بھی نہ رکھوں۔ آج اس شخص کی موت اُسے اِن چٹانوں میں لے آئی ہے۔ اب اُس کے سامنے تمہاری تلواریں، تمہاری برچھیاں اور تمہارے گھوڑے ہوں گے اور اُس کے پیچھے چٹانیں اور پہاڑیاں ہوں گی۔ تم اُسے اور اُس کی فوج کو یہیں کر رکھ دو گے۔ تمہیں حلب کی توہین اور بربادی کا انتقام لینا ہے۔ اگر تم نے صلاح الدین کو یہاں، انہی پہاڑیوں میں ختم نہ کیا تو وہ سیدھا حلب پر آئے گا۔ اُس کی نظریں حلب پر لگی ہوئی ہیں۔ وہ تمہیں اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری بہنیں اور بیٹیاں اس کے سالاروں کے حرم کی زینت بنیں گی۔ اگر میں جھوٹا ہوں تو نورالدین زنگی کا بیٹا جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ سیف الدین والیٔ موصل جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ گمشتگین جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اگر اتنے امراء جھوٹے نہیں ہیں تو اکیلا صلاح الدین ایوبی جھوٹا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تین فوجیں اُسے کچلنے کے لیے آئی ہیں۔ تم سب سچے ہو۔ غیرت اور حمیت والے ہو۔ ثابت کر دو کہ غیرت اور حمیت کی خاطر تم اپنے بھائی کا بھی خون بہا سکتے ہو۔"

فوج بظاہر خاموشی سے سُن رہی تھی لیکن اُس کے اندر اشتعال نے طوفان بپا کر رکھا تھا۔ سالار نے حقائق پر پردہ ڈال کر فوج کے جذبات کو مشتعل کر دیا اور فوج نعرے لگانے لگی۔ "ہم غلام نہیں بنیں گے۔ صلاح الدین ایوبی زندہ نہیں رہے گا۔" ایک شور تھا جو زمین و آسمان کو ہلا رہا تھا۔

سیف الدین کے کیمپ کی بھی کیفیت جذباتی تھی۔ وہ بھی اپنی فوج کے جذبات کو بھڑکا رہا تھا۔ اُس نے سپاہیوں کے لیے یہ سہولت بھی پیدا کر دی تھی کہ دو علماء سے یہ فتویٰ لے لیا تھا کہ میدانِ جنگ میں روزہ فرض نہیں۔ تمام فوج خوش تھی۔ سیف الدین نے کہا کہ ہم اُس وقت حملہ کریں گے جب صلاح الدین ایوبی کی فوج کا دم خم ٹوٹ چکا ہو گا۔ پھر ہماری منزل دمشق ہو گی۔ دمشق میں بے انداز دولت ہے جو تمہاری ہو گی۔

☆

اُدھر لشکروں اور فوجوں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اِدھر سلطان صلاح الدین ایوبی کے کیمپ میں چھ چھ، آٹھ آٹھ، دس دس چھاپہ ماروں کے حساب سے ٹکڑیاں بن رہی تھیں۔ سلطان ایوبی نے اپنی فوج سے کوئی خطاب نہیں کیا، کوئی جوشیلی تقریر نہیں کی۔ اُس کی نظر اُس زمین پر تھی جس پر اُسے لڑنا تھا۔ اس زمین کے خدوخال سے وہ زیادہ سے زیادہ جنگی فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اُس نے جو بھی بات کی اپنے سینئر اور جونیئر کمانڈروں سے کی اور وہ بھی حقیقت کی بات کی۔ کبھی کبھی وہ اس وجہ سے جذباتی ہو جاتا تھا کہ اُس کے مسلمان بھائی فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے ہیں اور مسلمان مسلمان کے ہاتھوں قتل ہوں گے۔ اس کا اُس کے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ وہ صلح اور امن کے لیے ایلچی بھیج کر

اپنی توہین کرا چکا تھا۔ اب وہ تصادم کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ اُس نے مصر سے آئی ہوئی کمک کو اپنی سکیم کے مطابق تقسیم کر دیا تھا اور دشمن کے انتظار میں بے چین ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے مشیروں سے اس خیال کا اظہار بھی کیا تھا کہ دشمن شاید یہ چاہتا ہے کہ پہاڑیوں سے نکل کر اُس پر حملہ کیا جائے۔ سلطان ایوبی چٹانوں سے نکلنے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ دشمن کو پہل کرنے کا موقع دے رہا تھا۔ وہ اگر چاہتا تو اپنے چھاپہ ماروں سے دشمن کے کیمپوں میں تباہی مچا سکتا تھا۔ یہ اس کا خصوصی طریقہ جنگ تھا لیکن اُس نے چھاپہ ماروں کو بھی استعمال نہ کیا۔ وہ دشمن کی چال اور حرکت دیکھ رہا تھا۔

دمشق میں نورالدین زنگی مرحوم کی بیوہ نے اپنا ایک اور محاذ کھول رکھا تھا۔ جب سے سلطان ایوبی دمشق سے نکلا تھا، اس عظیم عورت نے لڑکیوں کی ایک رضاکار فوج تیار کرنی شروع کر دی تھی۔ لڑکیوں کو زخمیوں کو میدانِ جنگ سے اٹھانے، خون روکنے اور ابتدائی مرہم پٹی کی تربیت دی جاتی تھی لیکن زنگی کی بیوہ انہیں تیغ زنی، نیزہ بازی اور تیر اندازی کی تربیت بھی دے رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے اُس نے چند ایک تجربہ کار مرد اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی محاذ پر عورت کی موجودگی کو پسند نہیں کرتا، اور یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ لڑکیوں کو فوج میں شامل کرے گا۔ اس کے باوجود زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو جنگی تربیت دے رہی تھی۔ وہاں کیفیت یہ تھی کہ کسی کو یہ کہنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو مرہم پٹی وغیرہ کی تربیت کے لیے بھیجا کرے۔ لوگ اپنی بیٹیوں کو تربیت کے لیے بھیج کر فخر محسوس کرتے تھے۔ دس بارہ سال کی عمر کے بچّے اپنے طور پر لکڑی کی تلواریں بنا کر تیغ زنی کرتے رہتے تھے۔

زنگی کی بیوہ کی فوج میں چار لڑکیوں کا اضافہ ہُوا۔ ان میں ایک تو فاطمہ تھی جسے سلطان ایوبی کا ایک چھاپہ مار جاسوس حرن سے ملک گمشتگین کے حرم سے نکال لایا تھا۔ دوسری مُوصل کے خطیب ابن المخدوم کی بیٹی منصورہ تھی۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اُسے اپنے باپ کے ساتھ کس طرح مُوصل سے نکالا گیا تھا۔ باقی دو وہ لڑکیاں تھیں جنہیں حلب سے گمشتگین کے پاس تحفے کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ انہیں سالار شمس الدین اور سالار شاد بخت نے حرن کے قاضی کو قتل کر کے وہاں سے نکالا تھا۔ یہ حمیرہ اور سحر تھیں۔ یہ سلطان ایوبی کے پاس محاذ پر پہنچی تھیں جہاں سے انہیں دمشق بھیج دیا گیا تھا۔ ایسی بے ٹھکانہ لڑکیوں کو نورالدین زنگی کی بیوہ کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ یہ چاروں اُس کے پاس پہنچیں تو انہوں نے وہاں لڑکیوں کو تربیت حاصل کرتے دیکھا۔ یہی اُن کی خواہش تھی جو فوری طور پر پوری ہو گئی۔

انہوں نے زنگی کی بیوہ کو اپنی اپنی آپ بیتی سنائی۔ وہ انہیں ان لڑکیوں کے سامنے لے گئی اور انہیں کہا کہ وہ تمام لڑکیوں کو تفصیل سے سنائیں کہ دشمن کے قبضے میں اُن پر کیا گزری ہے۔ چاروں نے اپنی اپنی کہانی سنائی۔ خطیب کی بیٹی منصورہ ذہنی طور پر زیادہ مستعد اور ہوشیار تھی۔ اُس نے لڑکیوں سے کہا۔ "عورت قوم کی آبرو ہوتی ہے۔ دشمن جب کسی شہر پر قبضہ کرتا ہے تو اُس کی فوج سب سے پہلے عورتوں پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ تم نے ان دو لڑکیوں (حمیرہ اور سحر) سے سُن لیا ہے کہ جو علاقے صلیبیوں کے قبضے میں ہیں وہاں صلیبی مسلمانوں کے

ساتھ کتنا ہولناک سلوک کر رہے ہیں۔ وہاں کسی مسلمان لڑکی کی عزت محفوظ نہیں۔ خدانخواستہ دمشق بھی اُن کے قبضے میں آگیا تو تمہارا بھی وہی حشر ہوگا۔ اگر ہم نے خون کی قربانی دینے سے گریز کیا تو صلیبی ہمارے آقا بن کر رہیں گے۔ انہوں نے ہمارے بہت سے امراء کو خرید لیا ہے۔ اب صلیبی بھی تمہارے دشمن اور مسلمان اُمراء بھی تمہارے دشمن ہیں۔ اگر تم فتح حاصل کرنا چاہتی ہو تو انتقام کے جذبے کو زندہ و پائندہ رکھو۔ میرے محترم والد کہا کرتے ہیں کہ جو قوم اُن معصوموں کو فراموش کر دیتی ہے جو کفار کی بربریت کا شکار ہوئے تھے وہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی.....

"میری بہنو! میں محترم سلطان صلاح الدین ایوبی کی مرید ہوں۔ اُن کے نام پر سُولی چڑھنے کو تیار ہوں لیکن مجھے اُن کا یہ اُصول پسند نہیں کہ عورت محاذ پر نہ جائے۔ انہوں نے جو سوچا ہے ٹھیک ہی سوچا ہے لیکن عورت کو کمزور سمجھا جا رہا ہے۔ نوجوان اور خوبصورت لڑکیوں کو حرموں میں ٹھونس دیا جاتا ہے۔ ہمیں مرد کی تفریح کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے۔ اس طرح قوم کی آدھی قوت بیکار ہو کر رہ گئی ہے۔ دشمن لشکرے کرآتا ہے۔ اُس کے مقابلے میں ہماری فوج آدھی بھی نہیں ہوتی۔ ہم مردوں کے دوش بدوش لڑیں گی اور فوج کی کمی پوری کریں گی۔ میں مُوصل میں جاسوسوں کے گروہ میں رہی ہوں۔ میں اس محاذ پر لڑ کر آئی ہوں۔ یہ میرے والد کی غلطی تھی کہ انہوں نے جذبات میں آکر والیٔ مُوصل پر اپنے اصل خیالات کا اظہار کر دیا۔ اگر وہ نہ پکڑے جاتے تو وہاں ہمارے ارادے کچھ اور تھے۔ ہم وہاں تباہ کاری نہ کر سکے اور ہمیں وہاں سے نکلنا پڑا۔"

ان چاروں لڑکیوں کی آپ بیتی اور منصورہ کی باتوں نے لڑکیوں کے جذبے کی شدت میں اضافہ کر دیا۔ ان میں سے چار سو لڑکیاں تربیت حاصل کر کے تیار ہو چکی تھیں۔ انہیں محاذ کے لیے روانہ کیا جانے لگا۔ چاروں لڑکیوں نے چند دنوں میں کچھ تربیت حاصل کر لی تھی۔ انہیں روک لیا گیا لیکن اُن میں انتقام کا جذبہ اتنا زیادہ تھا کہ وہ اِسی جَیش کے ساتھ محاذ پر جانے کی ضد کرنے لگیں۔ فاطمہ، حمیرہ اور سحر کی ضد اتنی سخت تھی کہ تینوں رو پڑیں۔ اُن کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ زنگی کی بیوہ نے انہیں بھی چار سو کے اس جَیش میں شامل کر لیا۔ اُن کے ساتھ ایک سو مردوں کو بھیجا گیا۔ یہ رضاکار تھے۔ انہوں نے لڑنے کی تربیت حاصل کر لی تھی۔ اُن کا کمانڈر حجاج ابو وقاص تھا۔

نورالدین زنگی کی بیوہ نے حجاج ابو وقاص کو ایک تحریری پیغام دے کر کہا۔ "یہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو دے دینا۔ میں نے سب کچھ لکھ دیا ہے۔ تم انہیں یہ بتانا کہ یہ لڑکیاں زخمیوں کی دیکھ بھال کے لیے تیار کی گئی ہیں۔ تم ایک بار پھر سُن لو۔ ان لڑکیوں اور رضاکار محافظوں کو اپنے ساتھ رکھنا۔ سب کو شب خون مارنے کی تربیت دی گئی ہے اور لڑکیاں بھی لڑ سکتی ہیں۔ زخمیوں کو سنبھالنے کے بجائے تم سب لڑو گے۔ فوج کے سامنے رکاوٹ نہ بن جانا۔ جہاں موقع ملے دشمن کو کمزور کرو۔ میں نے لڑکیوں کو بتا دیا ہے کہ وہ دشمن کے ہاتھ زندہ نہ آئیں۔ وہ خود کہتی ہیں کہ پکڑے جانے کا خطرہ ہُوا تو وہ اپنی تلوار سے اپنے آپ کو ختم کر دیں گی۔"

چار سو لڑکیوں اور ایک سو رضاکار مردوں کا یہ دستہ گھوڑوں پر سوار دمشق سے روانہ ہُوا تو سارا شہر اُمڈ کر باہر آگیا۔ لوگوں نے جانے والوں پر پھول برسائے۔ اس قسم کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ "واپس نہ آنا۔ آگے جانا..... صلاح الدین ایوبی سے کہنا کہ دمشق کی تمام عورتیں آئیں گی..... اللہ تمہیں فتح دے گا..... اسلام کا کوئی دشمن زندہ نہ رہے۔" شہر کے بہت سے آدمی گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار دُور تک اس جَیش کے ساتھ گئے۔

☆

رمضان کا مہینہ تھا۔ راستے میں ایک رات پڑاؤ کرنا تھا۔ افطاری کے وقت سے کچھ دیر پہلے یہ قافلہ ایک جگہ رُک گیا۔ لڑکیاں کھانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئیں اور مرد خیمے نصب کرنے لگے۔ اپریل کا مہینہ تھا۔ راتیں سرد ہو جاتی تھیں۔ گھوڑوں کے اِس قافلے کے ساتھ اُونٹ بھی تھے جن پر خیمے لدے ہوئے تھے لیکن خیموں میں برچھیاں، تلواریں اور تیر و کمان لپٹے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے بارہ گھوڑسوار آگئے۔ یہ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار تھے، جو دمشق سے محاذ پر جانے والے راستے کی حفاظت میں گھوم پھر کر رہے تھے۔ انہوں نے لڑکیوں اور رضاکاروں کے قافلے کو دیکھ لیا تھا۔

ان آٹھ سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر میرِ کارواں حجاج ابو وقاص آگے بڑھا۔ چھاپہ ماروں کا کمانڈر انطانون تھا۔ اُس نے ابو وقاص سے پوچھا کہ وہ کون ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ ابو وقاص نے اُسے مکمل جواب دیا اور اُسے مطمئن کر دیا۔ چھاپہ ماروں کو دیکھ کر بہت سی لڑکیاں دوڑی گئیں اور اُن کے گرد جمع ہو گئیں۔ سب کا یہی ایک سوال تھا کہ محاذ کی کیا خبر ہے۔ انطانون نے انہیں بتایا کہ جنگ ابھی شروع نہیں ہوئی، اور کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ کس وقت شروع ہو جائے۔

انطانون بولتے بولتے چُپ ہو گیا اور اُس کی نظریں ایک لڑکی پر جم گئیں۔ اُس نے حیران سا ہو کر پوچھا۔ "فاطمہ! تم کیسے آگئی ہو؟"

فاطمہ بے تابی سے آگے بڑھی اور انطانون کا ہاتھ پکڑ لیا۔ انطانون نے فاطمہ کو گمشتگین کے حرم سے نکالا تھا۔ ابو وقاص نے انطانون سے کہا کہ وہ افطاری اُن کے ساتھ کریں اور کھانا بھی انہی کے ساتھ کھائیں۔ سب بکھر گئے۔ ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ انطانون اور فاطمہ نے اتنا سا موقع پیدا کر لیا کہ انطانون نے اُسے رات کو ملنے کی ایک جگہ بتا دی۔ دمشق سے دور اس ویرانے میں اذان کی صدائے مقدس گونجی۔ سب نے روزہ افطار کیا، نماز پڑھی اور کھانا کھایا۔ سب دن بھر کے تھکے ہوئے تھے۔ جنہیں سونا تھا وہ سو گئے۔ لڑکیوں نے ٹولیوں میں بٹ کر گیت گانے شروع کر دیے۔ چھاپہ ماروں نے ان سے کچھ دُور اپنا ڈیرہ جما لیا۔ انطانون اپنی پارٹی کو یہ کہہ کر چلا گیا کہ وہ اِدھر اُدھر دیکھ بھال کرنے جا رہا ہے۔

فاطمہ چپکے سے لڑکیوں میں سے غائب ہو گئی۔ وہ خیمہ گاہ سے دُور ایک جگہ کھڑی انطانون کا انتظار کر رہی تھی۔ انطانون بھی آگیا۔ فاطمہ کے ساتھ اُس کی پہلی ملاقات حران میں ہوئی تھی۔ اُس وقت انطانون سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اُس نے اس لڑکی کو صرف اس لیے پھانسا تھا کہ وہ حران کے حکمران اور سلطان ایوبی کے دشمن گمشتگین کے حرم کی لڑکی تھی۔ اسے وہ اپنی جاسوسی کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ حالات کچھ ایسے ہوئے کہ فاطمہ نے ایک

صلیبی مشیر کو قتل کر دیا اور انطانون گرفتار ہو کر فرار ہوا اور فاطمہ کو ساتھ لے آیا۔ سلطان ایوبی نے فاطمہ کو دمشق بھیج دیا اور انطانون اپنی درخواست پر چھاپہ مار دستے میں شامل ہو گیا۔ اب اتنے دنوں بعد فاطمہ اُسے اچانک مل گئی تو انطانون نے بڑی شدت سے محسوس کیا کہ اس لڑکی کے بغیر اُس کی زندگی روکھی پھیکی ہو گئی ہے اور یہ لڑکی اُس کے دل میں اُتر گئی ہے۔ یہ تعلق صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ وہ لڑکی کو جاسوسی کے لیے استعمال کرتا تھا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت فاطمہ کی تھی۔

اُن کی ملاقات جذباتی تھی۔ وہ اپنے اپنے قابو میں نہیں رہے تھے لیکن انطانون نے اُس کے بازوؤں سے نکل کر کہا۔ "فاطمہ! ہمارا فرض ابھی پورا نہیں ہوا۔ میں حرن میں بھی اپنا فرض پورا نہیں کر سکا تھا۔ تمہیں وہاں سے نکال لانا کوئی کارنامہ نہیں تھا اور یہ میرے فرائض میں شامل بھی نہیں تھا۔ میں سلطان کے آگے شرمسار ہوں اور میں اپنی قوم کے آگے بھی شرمسار ہوں۔ میں چھاپہ مار دستے میں اس لیے شامل ہوا ہوں کہ فرض پورا نہ کر سکنے کے گناہ کا کفارہ ادا کر سکوں۔ سلطان محترم نے مجھ پر ذمہ داری عائد کر دی ہے کہ ان سات چھاپہ ماروں کی کمان اور قیادت مجھے دے دی ہے۔ اب ایک بار پھر تم میرے راستے میں نہ آجانا۔ مجھے تم سے محبت ہے لیکن مجھے پہلے فرض ادا کرنے دو۔"

"میں بھی فرض ادا کرنے آئی ہوں۔" فاطمہ نے کہا۔ "میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی ہوں۔"

"ناممکن ہے۔" انطانون نے کہا۔ "محترم سلطان عورت کو محاذ سے بہت دور رکھتا ہے۔ وہ شاید تم سب کو واپس بھیج دے گا۔"

"میں واپس نہیں جاؤں گی۔" فاطمہ نے غصے سے کہا۔ "میں ثابت کر دوں گی کہ عورت حرم کے لیے نہیں جہاد کے لیے پیدا کی گئی ہے...... انطانون! میری یہ خواہش پوری کرو کہ مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ مجھے مردانہ کپڑے پہنا کر اپنے ساتھ رکھو۔"

"ایسا ہو نہیں سکتا۔" انطانون نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اپنے ساتھ رکھ بھی لوں تو میری توجہ تم پر لگی رہے گی۔ میں اپنا کام نہیں کر سکوں گا، اور اگر میں پکڑا گیا تو مجھے اس جرم میں قید خانے میں ڈال دیں گے کہ میں نے ایک لڑکی اپنے ساتھ رکھی ہوئی تھی۔ میری اور تمہاری نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو یہ جرم معمولی نہیں...... فاطمہ! جنگ جذبات سے نہیں لڑی جاتی۔ اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ تم جدھر جا رہی ہو اُدھر جاؤ۔ ہو سکتا ہے سلطان تم سب کو زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے اپنے ساتھ رکھ لے۔"

"تم پھر مل سکو گے؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"شاید کہیں زندہ یا مُردہ مل جاؤں۔" انطانون نے جواب دیا۔ "چھاپہ مار اپنے متعلق بتا نہیں سکتا کہ وہ کس وقت کہاں ہو گا اور اُس کی لاش کہاں سے ملے گی۔ چھاپہ ماروں کی لاشیں ملا نہیں کرتیں۔ وہ دشمن کی جمعیت میں جا کر مرا کرتے ہیں۔ زندہ رہا تو سیدھا تمہارے پاس آؤں گا۔"

"ہو سکتا ہے تم زخمی ہو جاؤ تو میں ہی تمہاری مرہم پٹی کروں۔" فاطمہ نے کہا۔

"چھاپہ ماروں کی مرہم پٹی دشمن کیا کرتا ہے۔" انطانون نے جواب دیا۔ "فاطمہ جذبات میں نہ آؤ۔ ہمیں جذبات

کو بھی اور ایک دوسرے کو بھی قربان پڑے گا۔ اگر تم یہ چاہتی ہو کہ تم جیسی لڑکیاں حرموں میں نہ جائیں اور وہ صلیبیوں کے وحشی پن سے بچی رہیں تو میرا خیال دل سے نکال دو۔ میدانِ جنگ میں تمہیں جو فرض سونپا جائے صرف اُسے دل میں رکھنا۔ تم گمشتگین کو قتل نہیں کر سکو گی۔ یہ ارادہ بھی دل سے نکال دو۔"

وہ بوجھل دل سے جدا ہوئے۔ فاطمہ پر انطانون کی کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ اُس کے دل سے گمشتگین کے قتل کا ارادہ بھی نہ نکلا اور انطانون کی محبت بھی نہ نکلی۔

☆

سلطان ایوبی کی سرگرمیاں دو ہی تھیں۔ میدانِ جنگ کا نقشہ دیکھتا اور اس کی لکیروں میں کھویا رہتا یا گھوڑے پر سوار اپنی فوج کی مورچہ بندیاں دیکھتا رہتا تھا۔ وہ کچھ دیر کے لیے یا موزوں وقت تک کے لیے دفاعی جنگ لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ اصل جنگ ترون کے اندر لڑنا چاہتا تھا جس کی اُس نے سکیم بنا رکھی تھی لیکن ایک پہلو اُسے پریشان کر رہا تھا۔ بائیں پہلو پر تو چٹانیں اور اُن کے پیچھے پہاڑیاں تھیں لیکن دائیں پہلو پر چٹانیں زیادہ نہیں تھیں۔ اُن کے پیچھے میدان تھا۔ دشمن اُس طرف پیشقدمی کر کے یا پہلو بدل کر آگے نکل سکتا تھا۔ اس سے سلطان ایوبی کا سارا پلان تباہ ہونے کا خطرہ تھا۔ اُس کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ اُس میدان میں سواروں اور پیادوں کی دیوار کھڑی کر سکتا۔ قریبی چٹان پر اُس نے تیر انداز بٹھا دیے تھے لیکن یہ انتظام کافی نہیں تھا۔ میدان کے لیے اُس نے دو دستے سوار اور پیادہ تیار کر لیے تھے لیکن انہیں ابھی چھپا کر رکھا ہوا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ میدان پریشان کر رہا تھا۔ اُن دو دستوں کے علاوہ اُس نے ایک منتخب دستہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔

وہ ایک چٹان پر کھڑا اُدھر دیکھ رہا تھا کہ دُور افق سے اُسے گرد اٹھتی نظر آئی۔ ایسی گرد فوجی اچھی طرح پہچانتے تھے۔ وہ کوئی سوار فوج آ رہی تھی۔ گرد کے پھیلاؤ سے پتہ چلتا تھا کہ گھوڑے ایک صف میں نہیں چار چار یا چھ چھ کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے ہیں۔ دشمن کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا۔ "کیا اُس راستے پر اپنا ایک بھی آدمی نہیں تھا؟ تیاری کا حکم دو۔"

تیاری کے نقارے بج اُٹھے۔ فوج کو جس طرح دفاع کے لیے تیاری کی مشق کرائی گئی تھی وہ اسی طرح تیار ہو گئی۔ ذرا سی دیر بعد گھوڑے نظر آنے لگے۔ اُن کی چال دشمن والی یا حملے والی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے حکم دیا کہ دو چار سوار دوڑاؤ، دیکھو یہ کون لوگ ہیں...... سوار دوڑا دیے گئے اور جب وہ واپس آئے تو دُور سے چلانے لگے "دمشق سے رضاکار آئے ہیں۔ ساتھ عورتوں کی فوج ہے۔"

"عورتوں کی فوج؟" سلطان ایوبی نے حیران ہو کر پوچھا۔ "عورتوں کی فوج؟" اُس نے ذرا توقف سے سکون کی آہ لے کر کہا۔ "یہ فوج میری بیوہ بہن نے تیار کر کے بھیجی ہو گی۔ زنگی مرحوم کی بیوہ ہی یہ کام کر سکتی ہے۔"

سلطان ایوبی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ وہ اتنا کبھی نہیں ہنسا تھا۔ ہنستے ہنستے وہ سنجیدہ ہو گیا، اور اپنے پاس کھڑے سالاروں سے کہنے لگا۔ "میری قوم کی بچیاں تمہیں فتح یاب کر کے دم لیں گی۔ ہم کیوں نہ مر مٹیں ان بچیوں کی آبرو پر... لیکن میں انہیں واپس بھیج دوں گا۔ اگر ایک بھی لڑکی دشمن کے ہاتھ چڑھ گئی تو میں مر کر بھی چین حاصل نہیں کر سکوں گا۔"

وہ چٹان سے اُتر کر آگے چلا گیا۔ لڑکیوں اور رضاکاروں کی فوج قریب آگئی۔ اس کا کمانڈر ابو وقاص گھوڑے سے اُتر کر سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ سلام کے بعد نورالدین زنگی کی بیوہ کا تحریری پیغام دیا۔ اُس نے لکھا تھا——

"میرے بھائی! اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میرا شوہر زندہ ہوتا تو تم اتنے سارے دشمنوں کے سامنے اکیلے نہ ہوتے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ جو مجھ سے ہو سکتا تھا وہ پیش کر رہی ہوں۔ ان لڑکیوں کو میں نے زخمیوں کو سنبھالنے اور زخموں کی مرہم پٹی کی تربیت دلائی ہے۔ دوائیوں کا ذخیرہ بھی بھیج رہی ہوں۔ ایک سو رضاکار بھی ساتھ ہیں۔ بوڑھے فوجیوں نے انہیں جنگی تربیت دی ہے۔ تقریباً تمام کو شبخون مارنے کی مشق بھی کرائی ہے۔ یہ سب جوش اور جذبے والے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ ان لڑکیوں کو تم محاذ پر رکھنا پسند نہیں کرو گے۔ میں تمہارے خیالات سے آگاہ ہوں، لیکن یہ خیال رکھنا کہ تم نے انہیں واپس بھیج دیا تو دمشق والوں کا دل ٹوٹ جائے گا۔ تم نہیں جانتے کہ اس شہر میں لوگوں میں کیا جذبہ ہے۔ مرد تو محاذ پر جانے کو تیار ہیں، عورتیں بھی تمہاری قیادت میں لڑنے کو بیتاب ہیں۔ اِس جیش کو سارے شہر نے عقیدت اور ولولے سے رخصت کیا ہے۔ یہاں تو بچے بھی فوجی تربیت حاصل کر رہے ہیں۔ تمہیں فوج کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔"

پیغام پڑھ کر سلطان ایوبی کے آنسو نکل آئے۔ اُس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ وہ تھیں تو لڑکیاں لیکن گھوڑوں پر وہ سپاہی لگتی تھیں۔ سلطان ایوبی نے سب کو گھوڑوں سے اتار کر اپنے سامنے کھڑا کر لیا۔ اُس نے کہا۔ "میں تم سب کو میدانِ جنگ میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ تمہارے جذبے کا صلہ میں نہیں دے سکتا، خدا دے گا۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ لڑکیوں کو محاذ پر بلاؤں گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تاریخ کہے گی کہ صلاح الدین ایوبی نے اپنی بیٹیوں کو لڑایا تھا۔ میں تمہارے جذبات کو مجروح بھی نہیں کر سکتا۔ تمہیں اپنے پاس رکھنے سے پہلے میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں کہ سوچ لو۔ تم میں اگر کوئی ایسی لڑکی ہے جو اپنی مرضی سے نہیں آئی تو وہ الگ ہو جائے، اور وہ لڑکیاں بھی الگ ہو جائیں جن کے دل میں ذرا بھی شک اور خوف ہے۔"

کوئی ایک بھی لڑکی الگ نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہیں پیچھے محفوظ جگہ رکھوں گا۔ جنگ کے دوران تمہیں آگے نہیں جانے دوں گا۔ پھر بھی یہ علاقہ ایسا ہے کہ تم دشمن کی زد میں آسکتی ہو۔ ہو سکتا ہے تم میں سے کئی تیروں سے ماری جائیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی دشمن کے ہاتھ چڑھ جائے۔ یہ بھی سُن لو کہ برچھی اور تلوار کا زخم بہت گہرا اور بڑا ہی بھیانک ہوتا ہے۔"

ایک لڑکی کی آواز بلند ہوئی۔ "آپ تاریخ سے ڈرتے ہیں اور ہم بھی تاریخ سے ڈرتی ہیں۔ ہم واپس چلی گئیں تو تاریخ کہے گی کہ قوم کی بیٹیوں نے صلاح الدین ایوبی کو تنہا چھوڑ دیا اور گھروں میں بیٹھی رہی تھیں۔"

ایک اور لڑکی نے کہا۔ "خدا صلاح الدین کی تلوار میں اور زیادہ قوت دے۔ ہم حرموں کے لیے پیدا نہیں ہوئیں۔"

تیسری لڑکی نے کہا۔ "تین چاند پہلے میرا بیاہ ہوا تھا۔ اگر آپ نے مجھے واپس بھیج دیا تو میں اپنے خاوند کو اپنے اوپر حرام سمجھوں گی۔"

"تمہارا خاوند خود کیوں نہیں آیا؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "اُس نے اپنی دلہن کو کیوں بھیج دیا ہے؟"

"وہ آپ کی فوج میں ہے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

پھر تمام لڑکیوں نے چلانا شروع کر دیا۔ اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ اپنے جوش اور جذبے کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ شور ذرا تھما تو کسی لڑکی کی آواز سنائی دی۔ "محترم سلطان! ہمیں لڑنے کا موقع دیں۔ ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گی۔"

"یہ بھول جاؤ کہ میں تمہیں لڑائی میں شریک ہونے دوں گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "تمہیں چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم کر دوں گا۔"

اُس نے اُسی روز لڑکیوں کو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر ٹولی کے ساتھ ایک ایک رضاکار لگا دیا گیا۔ رضاکاروں کے متعلق کہا گیا تھا کہ انہیں جنگی ٹریننگ دی گئی ہے لیکن سلطان ایوبی نے انہیں زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام دیا کیونکہ وہ باقاعدہ فوج کے سپاہی نہیں تھے۔ انہیں فوج کے ساتھ مل کر لڑنے کا تجربہ نہیں تھا۔ لڑکیوں اور رضاکاروں کی خیمہ گاہ قرون سے دُور بنائی گئی۔ انہیں اُن سپاہیوں کے حوالے کر دیا گیا جو زخمیوں اور لاشوں کو اٹھانے اور زخمیوں کی مرہم پٹی کا کام کرتے تھے۔ ان سپاہیوں نے لڑکیوں اور رضاکاروں کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔

☆

فاطمہ، منصورہ، حمیرا اور سحر ایک ٹولی میں آگئیں۔ ان کا ایک ٹولی میں اکٹھا ہو جانا قدرتی امر تھا کیونکہ وہ اکٹھی دمشق پہنچیں اور ان کے دلوں میں ایک ہی جیسی خواہش اور ولولہ تھا۔ اُن کے ساتھ آذر بن عباس نام کا ایک رضاکار تھا۔ اُس کا چھوٹا سا خیمہ الگ تھا اور اس کے قریب ہی چاروں لڑکیوں کے لیے بڑا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ ان لڑکیوں میں خطیب کی بیٹی منصورہ، جسمانی اور دماغی لحاظ سے تیز اور ہوشیار تھی۔ شام سے کچھ دیر پہلے اُس نے دیکھا کہ ان کا ساتھی رضاکار آذر ایک چٹان پر چڑھتا جا رہا ہے۔ وہ اُوپر چلا گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ منصورہ بھی اوپر چلی گئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وادیوں میں اور ڈھلانوں پر سپاہی نظر آرہے تھے۔ آذر نے منصورہ سے کہا۔ "آؤ آگے چلیں۔" وہ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ آذر قدرتی مناظر اور پہاڑی علاقے کی تعریفیں کرتا رہا۔

آذر خوبرو جوان تھا۔ اُس کی باتوں میں زندہ دلی اور چاشنی تھی۔ اُس نے منصورہ کے ساتھ بڑی شگفتہ سی باتیں شروع کر دیں۔ منصورہ نے بھی اس میں دلچسپی لینی شروع کر دی۔ وہ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے واپس آئے۔ اتنے سے وقت میں آذر منصورہ کے دل میں اُتر چکا تھا۔ افطاری کے بعد لڑکیاں اپنے خیمے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھیں۔ فوج کے کسی کمانڈر نے خیمے میں جھانک کر دیکھا اور لڑکیوں سے پوچھا کہ انہیں کوئی تکلیف تو نہیں؟ لڑکیوں نے آرام اور اطمینان کا اظہار کیا تو کمانڈر خیمے سے ہٹ گیا۔ باہر آذر کھڑا تھا۔ اُس نے کمانڈر کو باتوں میں لگا لیا۔ وہ بہت دیر باہر کھڑے باتیں کرتے رہے۔ منصورہ اُن کی باتیں سُن رہی تھی۔ آذر

نے کمانڈر سے پوچھا کہ اتنی تھوڑی فوج سے وہ تین فوجوں کا مقابلہ کس طرح کریں گے۔

"دشمن کے لیے پھندا تیار ہے،" کمانڈر نے کہا۔ "جنگ اس میدان میں نہیں ہوگی جہاں دشمن کو توقع ہے۔ ہم اُسے اُس جگہ گھسیٹ لائیں گے جہاں ہم نے وسیع پیمانے پر گھات تیار رکھی ہوئی ہے۔" اس کمانڈر نے آذر کی جذباتی اور جوشیلی باتوں سے متاثر ہو کر تفصیل سے بتا دیا کہ سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو کس طرح تقسیم کیا ہے اور وہ کیا کرے گا۔ مصر کی کمک کے متعلق بھی تفصیل بتا دی۔

اُسی رات کا واقعہ ہے۔ آدھی رات کے لگ بھگ منصورہ کی آنکھ کھل گئی۔ اُسے آذر بن عباس کے خیمے سے باتیں سنائی دیں۔ وہ سمجھی کہ آذر کا کوئی دوست ہوگا لیکن اُسے یہ الفاظ سنائی دیئے۔ "تم ابھی نکل جاؤ۔ کچھ باتیں تم نے خود معلوم کر لی ہیں۔ باقی میں نے بتا دی ہیں۔ میرے لیے یہاں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔ اچھا ہُوا تم آ گئے۔ اب راستہ سمجھ لو۔" اس آدمی نے آذر کو بتایا کہ وہ کس طرف سے نکلے۔ اُسے سارا راستہ سمجھا کر کہا۔ "تم پیدل جا رہے ہو۔ پیدل ہی جانا چاہیے۔ صبح سے پہلے پہنچ جاؤ گے۔ جلدی پہنچنے کی کوشش کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل ہی اندھا دھند حملہ کر دیں۔ پھندا تیار ہے اور مضبوط ہے۔ قردن کے اندر نہ آئیں۔ خدا حافظ!"

منصورہ کو اس آدمی کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ وہ چلا گیا تھا۔ منصورہ نے خیمے کا پردہ ذرا سا ہٹا کر باہر دیکھا۔ آذر اپنے خیمے سے باہر کھڑا تھا۔ وہ ایک طرف چل پڑا۔ منصورہ نے اپنے خیمے کی کسی لڑکی کو جگائے بغیر اپنے سامان سے خنجر نکالا اور باہر نکل گئی۔

★

آسمان پر ہلکے ہلکے بادل تھے جن کی وجہ سے چاندنی بہت ہی دُھندلی تھی۔ منصورہ کو آذر سائے کی طرح تیرتا نظر آ رہا تھا۔ کچھ فاصلہ رکھ کر اور اوٹ میں ہو ہو کر اُس نے آذر کا تعاقب کیا۔ آذر ایک چٹان کے دامن میں ہو گیا اور چلا گیا۔ منصورہ بھی اُسی راستے پر ہو گئی۔ راستے میں کوئی سنتری یا کوئی اور فوجی اِدھر اُدھر آتا جاتا نظر نہ آیا۔ اس سے منصورہ سمجھ گئی کہ لڑکیوں اور رضا کاروں کے خیمے اگلے مورچوں سے بہت پیچھے لگائے گئے ہیں اور اس سے پیچھے کوئی فوج نہیں۔ منصورہ کو معلوم نہیں تھا۔ وہاں کئی جگہوں پر فوج موجود تھی لیکن جو آدمی آذر کے پاس آیا تھا وہ اُسے ایسا راستہ بتا گیا تھا جو اُسے فوج کی نظر سے بچا سکتا تھا۔ وہ ایک کٹی ہوئی چٹان کے اندر چلا گیا۔ منصورہ رُکی۔ ذرا دیر بعد وہ بھی چٹان کے کٹاؤ میں داخل ہو گئی۔

آگے وادی تھی جس میں درخت بھی تھے۔ آذر کسی درخت کے پیچھے رُک جاتا، اِدھر اُدھر دیکھتا اور چل پڑتا۔ منصورہ کے بھی چلنے، رُکنے اور چھپنے کا انداز یہی تھا۔ کچھ دُور اونچی پہاڑی کا دامن آ گیا۔ آذر چلا جا رہا تھا اور منصورہ اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ اس پہاڑی کے اندر تنگ سا درّہ تھا۔ آذر اس میں داخل ہو گیا۔ منصورہ بھی اس میں داخل ہُوئی تو یخ ہوا کے تیز و تُند جھونکے نے اُس کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور اُس کا جسم سُن ہونے لگا۔ آذر نے کسی شک کی بنا پر پیچھے دیکھا اور رُک گیا۔ منصورہ بڑے سے ایک پتھر کے پیچھے بیٹھ گئی۔ آذر آگے کو چل پڑا۔ منصورہ اٹھی اور جس طرف پہاڑی کا سایہ تھا اُس طرف ہو گئی۔

درّے سے باہر نکلے تو کھلا میدان تھا۔ آذر تیز چل پڑا۔ منصورہ نے بھی رفتار تیز کر دی لیکن وہ عورت تھی۔ بہت سا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ ٹھنڈ بھی تھی اور نیچے پتھر تھے۔ وہ تھک گئی۔ یہ تو اُس کا جذبہ تھا جو اُسے تعاقب میں چلائے جا رہا تھا۔ اب وہ اس سوچ میں پڑ گئی کہ اس تعاقب کا انجام کیا ہوگا۔ اگر آذر دوڑ پڑا تو وہ اُس تک نہیں پہنچ سکے گی۔ وہ جس شک پر اُس کے تعاقب میں گئی تھی وہ یقین میں بدل چکا تھا۔ آذر دشمن کی طرف جا رہا تھا۔ منصورہ نے تعاقب کا یہ پہلو تو سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اسے پکڑے یا پکڑوائے گی کیسے۔ اب تو وہ بہت تیز چل پڑا تھا۔ اگر اُسے پکڑنا ہی تھا تو یہ دُو بدو مقابلہ تھا۔ منصورہ کے پاس خنجر تھا۔ اُس نے خنجر زنی کی تربیت موصل میں اپنے باپ سے لی تھی لیکن وہ صرف تربیت تھی۔ دشمن سے کبھی مقابلہ نہیں ہُوا تھا۔ یہ دشمن تنومند مرد تھا۔ کیا منصورہ اسے زیر کر کے پکڑ سکے گی؟

وہ سوچتی گئی اور تیز چلتی گئی۔ آذر اچانک رُک گیا اور اُس نے پیچھے دیکھا۔ منصورہ کے قریب ایک درخت تھا وہ پھُرتی سے درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ درخت کے ساتھ جگہ ذرا بلند تھی اور وہاں پتھر تھے۔ منصورہ کا پاؤں پتھروں پر پھسلا اور وہ گر پڑی۔ رات کے سکوت میں پتھروں کی آواز بہت اونچی سنائی دی۔ آذر پیچھے کو آیا۔ منصورہ نے اُسے آتے دیکھ لیا۔ وہ اٹھی نہیں، درخت کے پیچھے بیٹھ گئی اور آذر کو دیکھتی رہی۔ اُس نے خنجر نکال لیا۔ آذر درخت کے بالکل قریب آ گیا تو منصورہ نے دیکھا کہ اُس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ آذر درخت سے ذرا آگے ہُوا تو منصورہ نے اُس کے پاؤں پر جھپٹا مارا اور اُس کے دونوں ٹخنے پکڑ لیے۔ وہ اب پیٹ کے بل تھی۔ اُس نے پوری طاقت سے آذر کے ٹخنے پیچھے کو کھینچے۔ وہ منہ کے بل گرا۔ دوسرے لمحے منصورہ اُس کی پیٹھ پر گھٹنے رکھ چکی تھی اور اُس کے خنجر کی نوک آذر کی گردن پر تھی۔ یہ عمل دو تین سیکنڈ میں مکمل ہو گیا۔

ایک لڑکی ایک ہٹے کٹے جوان کو اپنے گھٹنوں اور جسم کے تمام تر وزن سے بے بس نہیں کر سکتی تھی لیکن گردن پر خنجر کی نوک نے آذر کو حرکت نہ کرنے دی۔ اُس کی تلوار اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پرے جا پڑی تھی۔

"کون ہو تم؟" آذر نے پیٹ کے بل بے بس پڑے ہوئے پوچھا۔

"جس کے ہاتھ سے تم بچ کر نہیں جا سکو گے۔" منصورہ نے جواب دیا۔

"تم عورت ہو؟"

"ہاں!" منصورہ نے جواب دیا۔ "میں عورت ہوں جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔ میرا نام منصورہ ہے۔"

"اوہ، پاگل لڑکی!" آذر نے ہنس کر کہا۔ "تم نے کیا مذاق کیا ہے؟ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ ہٹو، اُٹھو، اپنا خنجر ہٹا لو، میری کھال میں اُتر رہا ہے۔"

"یہ مذاق نہیں آذر..... تم کہاں جا رہے ہو؟"

"خدا کی قسم میں کسی اور لڑکی کے پیچھے تو نہیں جا رہا۔" آذر نے دوستانہ لہجے میں کہا۔ "تم سے زیادہ اچھی کوئی لڑکی ہے ہی نہیں۔ میں تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا۔"

"مجھے نہیں تم میری قوم کو دھوکہ دینے جا رہے تھے۔" منصورہ نے کہا۔ "تم مجھے سب سے زیادہ اچھی لڑکی سمجھتے تھے، اور میں نے تمہیں سب سے زیادہ اچھا مرد سمجھا تھا مگر اب نہ میں تمہارے لیے اچھی ہوں نہ تم میرے

یے اچھے ہو۔ فرض نے جذبات پر مہر ثبت کر دی ہے۔ تم اپنا فرض ادا کرنے چلے تھے، میں اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ اگر تم میرے خاوند ہوتے، میرے جسم اور روح کے مالک اور میرے بچوں کے باپ ہوتے تو بھی میرا خنجر تمہاری گردن پر ہوتا۔"

"تم نے مجھے کیا سمجھ کر گرا لیا ہے؟" آذر نے پوچھا۔

"نام کا مسلمان اور صلیبیوں کا جاسوس" منصورہ نے کہا۔ "تم صلیبیوں کے دوستوں کو بتانے جا رہے ہو کہ احتیاط سے حملہ کرنا اور قرون کے اندر نہ آنا۔"

"تم گنوار لڑکی کیا جانو جاسوس کسے کہتے ہیں؟" آذر نے کہا۔ "میں دشمن کو دیکھنے جا رہا تھا۔"

"میں جانتی ہوں جاسوس کیسے ہوتے ہیں" منصورہ نے کہا۔ "میں بہت بڑے جاسوس کی بیٹی ہوں۔ ابن المخدوم ککبوری کا نام کبھی سنا ہے؟ وہ موصل کے خطیب تھے۔ میں اُن کے گروہ کی جاسوس ہوں۔ میں نے اپنے باپ کو موصل کے قید خانے کے تہہ خانے سے نکلوا کر فرار کرایا اور خود اُن کے ساتھ موصل سے فرار ہو کر آئی ہوں۔ تم اناڑی جاسوس ہو۔ تجربہ کار جاسوس دُور جا کر باتیں کیا کرتے ہیں۔ کسی کے خیمے کے پاس کھڑے ہو کر راز کی باتیں نہیں کیا کرتے۔ تم رضا کار بن کر آئے تھے۔ یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"میرے اُوپر سے اٹھو" آذر نے کہا۔ "خنجر ہٹاؤ، میں ایک ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"تمہاری زبان آزاد ہے" منصورہ نے کہا۔ "کہو، ضروری بات کہو، میں سن رہی ہوں۔"

آذر خاموش ہو گیا۔ اُس کا جسم بے حس ہو گیا۔ اُس نے ماتھا زمین سے لگا دیا۔ منصورہ کے سامنے اب یہ مسئلہ آ گیا کہ اسے باندھے کیسے اور وہاں سے کس طرح لے جائے۔ اگر اسے قتل کرنا ہوتا تو اس کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ اسے زندہ سلطان ایوبی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ چونکہ وہ خود جاسوسوں کے گروہ کے ساتھ رہ چکی تھی، اس لیے جانتی تھی کہ جاسوسوں کو زندہ پکڑا جاتا ہے۔ اُسے یہ خیال آیا کہ ارد گرد کہیں اپنے سپاہی ہوں گے۔ اُس نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا "کوئی ہے تو پہنچو۔ آؤ۔ آؤ۔ آؤ" پھر اُس نے "آہو۔ ماآہو" کی آوازیں بلند کیں۔

آذر جو بے حس ہو گیا تھا، اچانک اتنی زور سے اُچھلا کہ منصورہ جو اُس کی پیٹھ پر گھٹنے دبا کر بیٹھی ہوئی تھی، لڑھک کر ایک طرف جا پڑی۔ آذر تلوار کی طرف لپکا۔ منصورہ نے بجلی کی تیزی سے اُٹھ کر آذر کو پیچھے سے اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ آگے کو گرا۔ منصورہ نے تلوار اٹھالی۔ آذر دوڑ پڑا۔ اُس کے لیے مقابلہ کرنے کی بجائے نکل بھاگنا زیادہ ضروری تھا۔ منصورہ شور مچاتی اُس کے پیچھے دوڑی۔ اُس کے پاؤں میں بلا کی تیزی آ گئی تھی۔ دُور کہیں گشتی سنتری گشت کر رہے تھے۔ انہیں منصورہ کا واویلا سنائی دیا تو دوڑے آئے۔ آگے ندی تھی۔ آذر کو رُکنا پڑا۔ منصورہ پہنچ گئی اور دو سنتری بھی پہنچ گئے۔ آذر نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ منصورہ چلائی "جانے نہ دینا جاسوس ہے۔ زندہ پکڑو۔"

سنتری بھی ندی میں کُود گئے اور آذر پکڑا گیا۔ اُسے باہر لائے لیکن ایک لڑکی کو دیکھ کر وہ غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ وہ سمجھے کہ یہ کوئی اور گڑ بڑ ہے۔ اُن کے پوچھنے پر منصورہ نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہے اور محاذ پر کس طرح پہنچی ہے اور یہ آدمی رضا کار بن کے آیا ہے لیکن مشتبہ ہے۔ اُسے سلطان صلاح الدین ایوبی کے پاس لے چلو۔

"سنو میرے دوستو!" آذر نے سنتریوں سے کہا۔ "تمہیں یہاں کیا ملتا ہے؟ چند سکوں اور دو وقت کی روٹی کی خاطر مرنے آئے ہو۔ میرے ساتھ چلو۔ شہزادے بنا دوں گا۔ اس جیسی لڑکیوں کے ساتھ شادی کرا دوں گا۔ دولت سے مالا مال کر دوں گا۔"

"ہم تمہارے ساتھ چلے چلیں گے" ایک سنتری نے کہا۔ "پہلے تم ہمارے ساتھ چلو۔ تم بھی چلو لڑکی۔ وہاں جا کر دیکھیں گے کہ یہ جاسوس ہے یا تم بھی جاسوس ہو یا دونوں اِدھر بدمعاشی کے لیے آئے تھے۔"

☆

سلطان ایوبی کے خیمے سے تھوڑی ہی دُور حسن بن عبداللہ کا خیمہ تھا۔ سنتری، آذر اور منصورہ کو اپنے کمانڈر کے پاس لے گئے۔ کمانڈر انہیں حسن بن عبداللہ کے پاس لے گیا۔ اُسے جگایا اور آذر کو اُس کے حوالے کر دیا۔ منصورہ نے حسن بن عبداللہ کو تمام تر واردات سنائی۔ تعاقب کی تفصیل بھی سنائی۔ حسن بن عبداللہ نے منصورہ کو غور سے دیکھ کر پوچھا۔ "تمہارا چہرہ میرے لیے اجنبی نہیں۔ تم شاید موصل سے فرار ہو کر آئی تھیں۔ تمہارے ساتھ موصل کے خطیب ابن المخدوم بھی تھے؟"

"میں اُن کی بیٹی ہوں" منصورہ نے کہا۔

"تم نے میری حیرت ختم کر دی ہے" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "ہماری لڑکیاں تم سے زیادہ دلیر ہو سکتی ہیں، لیکن یہ ذہانت کم ہی پائی جاتی ہے جس کا مظاہرہ تم نے کیا ہے۔"

"مجھے محترم والد نے تربیت دی ہے" منصورہ نے کہا۔ "میرے کانوں میں صرف دو جملے پڑے اور میں سمجھ گئی کہ یہ معاملہ کیا ہے۔"

آذر کی جامہ تلاشی لی گئی۔ اُس سے کاغذ برآمد ہوئے۔ ان پر نشان لگے ہوئے تھے جو سلطان ایوبی کی فوج کی پوزیشنیں ظاہر کرتے تھے۔ کاغذوں پر ٹیڑھی ٹیڑھی لکیریں تھیں۔ یہ قرون حماۃ کا خاکہ تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ سلطان ایوبی کا مکمل دفاعی پلان دشمن کے پاس جا رہا تھا۔

"آذر بھائی!" حسن بن عبداللہ نے آذر کو کاغذات دکھاتے ہوئے کہا۔ "ان کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ گئی ہے تو بتا دو، پھر میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔ اگر بے گناہ ہو تو بولو۔ مجھے یقین دلاؤ... تم مسلمان ہو؟"

"خدائے ذوالجلال کی قسم!"

حسن بن عبداللہ نے اُس کے منہ پر سیدھا گھونسا اس قدر زور سے مارا کہ آذر کئی قدم پیچھے پیٹھ کے بل گرا۔ حسن نے دھیمی مگر قہر آلود آواز میں کہا "جاسوسی کافروں کی کرتے ہو اور قسم ہمارے خدا کی کھاتے ہو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ تم جاسوس ہو یا نہیں۔ میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ یہاں تمہارے جتنے ساتھی ہیں اُن کے نام بتا دو اور بتاؤ کہ وہ کہاں کہاں ہیں۔"

"میں مسلمان ہوں" آذر نے التجا کی۔ "یہ سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے بخش دو۔ میں اگلی صف میں لڑوں گا۔"

"پہلے میرے سوال کا جواب دو" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "اب تم مجھ پر اپنی کوئی شرط نہیں ٹھونس سکتے۔"

وہ بہت کا پکا معلوم ہوتا تھا۔ بولا۔ "میں اکیلا ہوں"۔

"اس لڑکی نے تمہارے خیمے میں جس دوسرے آدمی کی باتیں سنی تھیں وہ کون تھا؟"

"میں نے اُسے پہچانا نہیں تھا۔" آذر نے جواب دیا۔ "وہ اندھیرے میں آیا اور اندھیرے میں چلا گیا تھا۔"

حسن بن عبداللہ نے اپنے دو آدمیوں کو بلایا اور کہا۔ "اسے لے جاؤ اور پوچھو کہ اس کے ساتھی کون ہیں اور کہاں ہیں۔" اُس نے منصورہ سے کہا۔ "تم جا کر سو جاؤ۔ فجر کی نماز کے بعد تمہیں بلائیں گے۔"

☆

سلطان ایوبی جب فجر کی نماز پڑھ کر آیا تو حسن بن عبداللہ اُس کے ساتھ تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ خطیب ابن المخدوم کی بیٹی نے رات ایک جاسوس پکڑا ہے۔ اُس نے سارا واقعہ سنایا تو سلطان ایوبی نے کہا۔ "اسلام کی بیٹیوں کا یہی کردار تھا۔ اگر ہم نے اپنے کلمہ گو دشمنوں کو خون سے لکھا ہوا سبق نہ پڑھایا تو وہ قوم کی بیٹیوں کا کردار ختم کر دیں گے..... وہ جاسوس کہاں ہے؟"

"ابھی آپ اُسے نہ دیکھیں۔" حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "میں اُس کا سینہ خالی کروں تو اُسے آپ کے پاس لے آؤں گا۔ خوبرو جوان ہے۔ اپنے آپ کو دمشق کا باشندہ کہتا ہے۔ یہاں رضا کار بن کے آیا تھا۔"

اُس وقت آذر ایک درخت کے ٹہن کے ساتھ اُلٹا لٹکا ہوا تھا۔ اُس کا سر زمین سے گز ڈیڑھ گز اوپر تھا۔ نیچے انگارے دہک رہے تھے۔ ایک سپاہی تھوڑی دیر بعد آگ میں کچھ پھینکتا تھا جس کے دھوئیں سے آذر تڑپتا اور کھانستا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے اُسے نیچے اتروایا۔ اُس کی آنکھیں سُوج گئی تھیں۔ سارا خون چہرے پر آ گیا تھا۔ وہ کھڑا نہ رہ سکا۔ تھوڑی دیر غشی کی حالت میں زمین پر پڑا رہا۔ اُس کے منہ میں پانی ٹپکایا گیا۔ اُس نے آنکھیں کھولیں تو حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "یہ بسم اللہ ہے۔ نہیں بولو گے تو تمہارا ایک ایک جوڑ الگ کیا جائے گا۔"

اُس نے پانی مانگا۔ حسن بن عبداللہ نے کہا۔ "دودھ پلاؤں گا۔ میرے سوال کا جواب دو۔" اور اُس نے ایک سپاہی سے کہا۔ "دودھ لے آؤ، اور ایک گھوڑا اور ایک رسّہ بھی لے آؤ۔ رسّہ اس کے پاؤں کے ساتھ باندھ کر گھوڑے کے ساتھ باندھ دو۔"

آذر نے دو نام بتا دیئے۔ یہ دو تو رضا کار تھے۔ اِن میں رات والا آدمی بھی تھا۔ اُس نے دمشق کے اڈے کی بھی نشان دہی کر دی۔ حسن بن عبداللہ نے اُسی وقت دونوں رضا کاروں کو پکڑنے کا حکم دے دیا اور آذر کو سلطان ایوبی کے پاس لے گیا۔

"کہاں کے رہنے والے ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"دمشق کا۔"

"کس کے بیٹے ہو؟"

آذر نے ایک جاگیردار کا نام بتایا۔

"میں شاید اُسے جانتا ہوں۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ دمشق میں ہے؟"

"جب الملک الصالح کی فوج دمشق سے بھاگی تھی تو وہ بھی حلب چلا گیا تھا۔"

"اور تمہیں جاسوسی کے لیے پیچھے چھوڑ گیا تھا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"میں خود ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔" آذر نے کہا۔ "میرے باپ نے ایک آدمی کے ہاتھ حلب سے پیغام بھیجا تھا کہ میں جاسوسی کروں۔ مجھے پوری ہدایات ملی تھیں۔" اُس نے ہاتھ جوڑ کر سلطان ایوبی سے التجا کی۔ "میں مسلمان ہوں، مجھے باپ نے گمراہ کیا تھا۔ مجھے اپنے ساتھ رکھ لیں۔ میں اس گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں اللہ کے قانون میں دخل نہیں دے سکتا۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون سا مسلمان مرد ہے جس کے ہاتھ سے ایک عورت نے تلوار گرائی اور اسے پکڑ لیا ہے..... تم نے یہاں کیا کیا دیکھا ہے؟"

"میں نے یہاں بہت کچھ دیکھ لیا تھا۔" آذر نے کہا۔ "باقی معلومات میرے ان دو ساتھیوں نے دی تھیں جو یہاں پہلے سے موجود تھے۔ مجھے کہا گیا تھا کہ یہ دیکھوں کہ منجنیقیں اور تیر انداز کہاں ہیں۔ میں نے یہ دیکھ لیے تھے۔"

"تم سے پہلے تمہارا کوئی ساتھی یہ معلومات لے کر یہاں سے گیا ہے؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"نہیں۔" آذر نے جواب دیا۔ "ہم تینوں کے سوا یہاں اور کوئی نہیں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم کتنے خوبرو اور وجیہہ جوان ہو؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔ "اور کیا تم جانتے ہو کہ ایک لڑکی نے تمہیں کس طرح گرا لیا تھا؟"

"اگر وہ پیچھے سے میرے دونوں ٹخنے نہ پکڑ لیتی تو میں نہ گرتا۔"

"تم پھر بھی گر پڑتے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "جن کا ایمان فروخت ہو چکا ہوتا ہے وہ بڑی آسانی سے گرا کرتے ہیں اور وہ تمہاری طرح منہ کے بل گرا کرتے ہیں۔ تم حق والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہوتے تو دس کافر مل کر بھی تمہیں نہ گرا سکتے۔ اصل قوت بازو اور تلوار کی نہیں ایمان کی ہوتی ہے۔"

"مجھے ایک موقع دیں۔" آذر نے کہا۔

"اس کا فیصلہ دمشق کا قاضی کرے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ یہ باتیں اس لیے کر رہا ہوں کہ تم مسلمان کے بیٹے ہو۔ تمہیں ہمارے ساتھ ہونا چاہیے تھا مگر تم اُدھر چلے گئے۔ میں جانتا ہوں دمشق کی دو چار لڑکیاں تمہاری محبت کا دم بھرتی ہوں گی۔ چہرے اور جسم کے لحاظ سے تم اس قابل ہو کہ لڑکیاں تمہیں پسند کریں لیکن اب وہ لڑکیاں تمہارے منہ پر تھوکیں گی۔ خدا نے بھی تم سے نظریں پھیر لی ہیں..... میں کچھ کہہ نہیں سکتا کہ دمشق کے محترم قاضی تمہیں کیا سزا دیں گے۔ اگر وہ سزائے موت دیں تو جتنی دیر زندہ ہو اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگتے رہنا۔ کم از کم مرنے سے پہلے مسلمان ہو جانا۔"

"میرے باپ کو کون سزا دے گا؟" آذر نے غصے سے کہا۔ "اس گناہ کی ترغیب مجھے باپ نے دی تھی۔

اُسی نے میرے دل میں دولت کا لالچ ڈالا تھا۔ اُسی نے میرے دل سے ایمان نکالا تھا۔"

"اللہ کا قانون اُسے نہیں بخشے گا۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ "دولت کا نشہ عارضی ہوتا ہے۔ ایمان کی قوت مر کر بھی ختم نہیں ہوتی۔"

"میری ایک عرض سُن لیں۔" آذر نے کہا۔ "میرا باپ کوئی دولت مند انسان نہیں تھا۔ دولت کا پرستار تھا۔ میری دو بہنیں جوان ہوئیں تو اُس نے دونوں کو دو امراء کے حوالے کر دیا اور دربار میں جگہ حاصل کر لی۔ اُس نے اپنی بیٹیوں کی بہت زیادہ قیمت وصول کی۔ پھر وہ مخبری اور غیبت کرنے لگا۔ مجھے بھی اس نے اسی کام پر لگا لیا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کر دیا۔ نور الدین زنگی کی وفات کے بعد میرے باپ نے اور زیادہ اونچی حیثیت حاصل کر لی۔ وہ اب تجربہ کار سازشی اور جوڑ توڑ کا ماہر ہو گیا تھا۔ اس وقت تک وہ خاصی جاگیر حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی فوج آئی تو الملک الصالح اور اُس کے درباری اُمراء اور جاگیردار دمشق سے بھاگ گئے۔ ان میں میرا باپ بھی تھا۔ میں کسی ارادے کے بغیر ہی دمشق میں رہ گیا تھا۔ کچھ دنوں بعد حلب سے ایک آدمی آیا۔ وہ میرے باپ کا یہ پیغام لایا کہ میں جاسوسی کا کام شروع کر دوں۔ وہ آدمی مجھے دمشق میں ہی اُس اڈے پر لے گیا جس کی میں نے نشاندہی کی ہے۔ وہاں مجھے بہت سی رقم دی گئی اور دو تین دنوں میں بتا دیا گیا کہ مجھے کیا کرنا اور کس طرح کرنا ہے۔ میں اس گروہ میں شامل ہو گیا۔ خوب عیش و عشرت کی۔ ایک روز ہمارے سرغنہ نے ہمیں کہا کہ محاذ پر رضاکار جا رہے ہیں، تین چار آدمی ان میں شامل ہو جاؤ۔ ہم تین آدمی شامل ہو گئے۔ دو پہلے ہی یہاں آ گئے تھے۔ پھر مجھے حکم ملا کہ میں بھی یہاں آؤں اور آپ کی فوج کی ساری کیفیت دیکھ کر تمام معلومات مشترکہ کمان تک پہنچاؤں۔ میں آ گیا۔ میرے ساتھی یہاں کا نقشہ تیار کر چکے تھے۔ انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ آپ اپنے دشمن کی فوج کو اس جگہ لا کر لڑانا چاہتے ہیں جو چٹانوں میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے چٹانوں پر چھپے ہوئے آپ کے تیر انداز اور منجنیقیں بھی دیکھ لی تھیں۔"

اُس کے آنسو بہنے لگے۔ اُس نے کہا۔ "میں پکڑا گیا ہوں تو محسوس کیا ہے کہ میں گناہ کر رہا تھا۔ آپ کی باتوں نے میرے اندر ایمان کی حرارت بیدار کر دی ہے۔ اگر میرا باپ اپنی بیٹیوں کو بیچ کر دولت مند نہ بنتا تو میرا ایمان قائم رہتا۔ یہ گناہ میرے باپ کا ہے۔ سلطان! آپ کا اقبال بلند ہو۔ مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کا موقع دو۔"

سلطان ایوبی نے حسن بن عبداللہ کو اشارہ کیا تو آذر کو خیمے سے باہر لے گئے۔

☆

اُسی روز آذر کو دمشق کو روانہ کر دیا گیا۔ اُس کے ساتھ دو محافظ تھے۔ تینوں گھوڑوں پر سوار تھے۔ آذر کے ہاتھ رسی سے بندھے ہوئے تھے۔ سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے وہ آدھا راستہ طے کر چکے تھے۔ رات کے لیے رُکنا تھا۔ راستے میں دونوں محافظ اُس سے سنتے رہے تھے کہ اُس کا جُرم کیا ہے۔ آذر نے اُن کے ساتھ جذباتی سی باتیں کر کے انہیں متاثر کر لیا تھا۔ شام کے وقت آذر نے انہیں کہا کہ تھوڑی سی دیر کے لیے وہ اُس کے ہاتھ کھول دیں۔ محافظوں نے اس خیال سے اُس کے ہاتھ کھول دیے کہ یہ نہتا ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔

انہوں نے دوسری احتیاط یہ کی کہ اُسے گھوڑے سے اُتار لیا۔ وہ پیدل تو بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ بیٹھ گئے اور اُن کے پاس کھانے کے لیے جو کچھ تھا کھانے لگے۔

آذر نے موقع دیکھ لیا اور اچانک اُٹھ کر بہت ہی تیزی سے دوڑا۔ گھوڑے قریب ہی کھڑے تھے۔ آذر ایک ثانیے میں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ محافظ پہنچ تو گئے لیکن آذر نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر رُخ اُن کی طرف کر دیا۔ وہ دونوں اِدھر اُدھر ہو گئے اور اپنے گھوڑوں تک بروقت نہ پہنچ سکے۔ جتنی دیر میں وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اتنی دیر میں آذر بہت سا فاصلہ حاصل کر چکا تھا۔ محافظوں نے گھوڑے بھگائے لیکن اب تعاقب بے سُود تھا۔ شام گہری ہونے لگی تھی۔ زمین اونچی نیچی تھی۔ کہیں کہیں ٹیلے اور چٹانیں بھی تھیں۔ محافظ دُور تک گئے مگر آذر غائب ہو چکا تھا۔

دوسرے دن دونوں محافظ سر جھکائے ہوئے، شکست خوردہ اور بُری طرح تھکے ہوئے حسن بن عبداللہ کے پاس پہنچے۔ ایک نے کہا۔ "ہمیں گرفتار کر لیں۔ قیدی بھاگ گیا ہے۔" انہوں نے یہ بھی بتا دیا کہ قیدی کے کہنے پر انہوں نے اُس کے ہاتھ کھول دیے تھے۔ حسن بن عبداللہ نے انہیں حراست میں لے لیا لیکن گھبراہٹ سے اُس کا پسینہ نکل آیا کیونکہ آذر معمولی قسم کا قیدی نہیں تھا۔ وہ سلطان ایوبی کا سارا پلان اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ فتح و شکست کا دارومدار اس پلان پر تھا۔ حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی کو بتانے سے ڈر رہا تھا کہ پکڑا ہوا جاسوس ہاتھ سے نکل گیا ہے اور اپنے سارے منصوبے بیکار ہو گئے ہیں۔ چھپانا بھی ٹھیک نہیں تھا۔

سلطان ایوبی کو جب حسن بن عبداللہ نے بتایا کہ قیدی بھاگ گیا ہے تو سلطان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کتنی ہی دیر اُس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا۔ اُٹھ کر خیمے میں ٹہلنے لگا۔ اُس دور کا ایک وقائع نگار اسد الاسدی لکھتا ہے۔ "صلاح الدین ایوبی انتہائی خطرناک صورتِ حال میں بھی نہیں گھبراتا تھا لیکن اس جاسوس کے بھاگ جانے کی خبر سُن کر اُس کے چہرے سے خون غائب اور آنکھیں بے نور ہو گئیں۔۔۔۔ خیمے میں ٹہلتے ٹہلتے وہ رُک گیا، اور آسمان کی طرف دیکھ کر بولا۔ 'خدائے ذوالجلال! کیا یہ اشارہ ہے کہ میں یہاں سے واپس چلا جاؤں؟ کیا تیری ذاتِ باری نے میرے گناہ بخشے نہیں؟ میں نے کبھی ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ کبھی پسپا نہیں ہوا تھا، پھر اُس کی آواز رندھیا گئی۔ اُسے شاید غیب کا کوئی اشارہ مل جایا کرتا تھا جو اس موقعے پر بھی ملا۔ اُس نے حسن بن عبداللہ سے کہا۔ اُن دونوں سپاہیوں کو زیادہ سزا نہ دینا۔ سزا سے بچنے کے لیے وہ مفرور ہو سکتے تھے لیکن وہ تمہارے پاس آ گئے۔ انہیں غلطی کی سزا ضرور دینا، نیک نیتی اور سچ بولنے کا صلہ بھی ضرور دینا۔۔۔ سالاروں کو بلاؤ، اُس کے چہرے پر رونق اور آنکھوں میں چمک عود کر آئی۔"

تین سالار آ گئے۔ سلطان ایوبی نے اُن سے کہا۔ "وہ جاسوس بھاگ گیا ہے جس کے پاس دفاعی منصوبہ تھا۔ اُس نے جو نقشے بنائے تھے وہ ہمارے پاس رہ گئے ہیں۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھ لیا تھا اور اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم دشمن کو کہاں لا کر لڑانا چاہتے ہیں۔ بھاگنے والے کے دو ساتھی ابھی ہمارے پاس ہیں۔ حسن بن عبداللہ انہیں ابھی یہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اب ہمارے لیے صورت یہ پیدا ہو گئی ہے کہ ہم نے دشمن

کے لیے جو پھندا تیار کیا تھا وہ بیکار ہو گیا ہے۔ وہ اب قرون کے اندر نہیں آئے گا۔ ہو سکتا ہے وہ ہمیں محاصرے میں لے لے اور ہماری رسد کا راستہ روک لے۔ بہتر مشورہ دو کہ ہم اپنا منصوبہ بدل دیں یا اسی پر قائم رہیں۔"

تینوں سالاروں نے اپنے اپنے مشورے دیئے جو ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ صرف اس بات پر تینوں متفق تھے کہ پلان بدل دیا جائے۔ سلطان ایوبی نے اتفاق نہ کیا اور کہا کہ پلان بدلنے کے لیے وقت چاہیے۔ خطرہ یہ ہے کہ اس دوران دشمن نے حملہ کر دیا تو ہمارے لیے مشکل پیدا ہو جائے گی۔ کھلی جنگ لڑنے کے لیے فوج کم تھی۔ لہٰذا یہ فیصلہ ہوا کہ پلان میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ اس کی بجائے چھاپہ ماروں کو حکم دیا گیا کہ وہ وسیع پیمانے پر شبخون ماریں اور وہ دشمن کی مشترکہ کمان کے مرکز اور تینوں فوجوں کے مرکزوں پر زیادہ شبخون ماریں۔ رسد کے راستے کو اور زیادہ محفوظ کر لیا جائے۔ اس نے چھاپہ ماروں کے سالار سے کہا کہ وہ اپنے اُس دستے کو بے آئے جسے ٹلے توڑنے کا کام سونپا گیا ہے۔

سالار نے احکام لے کر چلے گئے۔ سلطان ایوبی نے یہ احکام خود اعتمادی سے دیئے تھے لیکن وہ بہت پریشان تھا۔ اُسے پورا یقین تھا کہ جاگنے والے جاسوس نے اُس کا سارا پلان تباہ کر دیا ہے اور اب معلوم نہیں کیا ہو گا۔

کچھ دیر بعد بارہ چھاپہ ماروں کا ایک جیش اُس کے سامنے لایا گیا۔ صلیبیوں نے حلب والوں کو آتش گیر مادے کے جو ٹلے بھیجے تھے وہ میدانِ جنگ میں لائے گئے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسوں نے یہ ذخیرہ دیکھ لیا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ جب دشمن حملہ کرے تو یہ ذخیرہ تباہ کر دیا جائے۔ اس کے لیے بارہ جانباز اور جنونی قسم کے چھاپہ مار منتخب کئے گئے اور انہیں سلطان ایوبی کے سامنے لایا گیا۔ اُس نے دیکھا اور ایک چھاپہ مار کو دیکھ کر مسکرایا۔ بولا: "انطانون! تم اس جیش میں آ گئے ہو؟"

"مجھے اسی جیش میں آنا چاہیے تھا۔" انطانون نے کہا۔ "میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کروں گا۔"

"میرے عزیز دوستو!" سلطان ایوبی نے چھاپہ ماروں سے کہا۔ "تم نے کہاں کہاں قربانیاں نہیں دیں لیکن اب مذہب اور ملّت کی آبرو تم سے بہت بڑی قربانی مانگ رہی ہے۔ تم جنگ کا پانسہ پلٹ سکتے ہو۔ تمہیں بہت بتا دیا گیا ہے۔ اگر تم نے اسے تباہ کر دیا تو آنے والی نسلیں بھی تمہیں یاد رکھیں گی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اپنی فوج تھوڑی ہے اور دشمن کے تین لشکر ہیں۔ ان سے اپنی فوج کو تم بچا سکتے ہو۔"

"ہم مذہب اور ملّت کو مایوس نہیں کریں گے۔" چھاپہ ماروں کے کمانڈر نے کہا۔

انہیں چند اور ہدایات دے کر رخصت کر دیا گیا۔

☆

اگلی صبح ایک سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی ابھی اپنے خیمے میں تھا۔ سوار نے اطلاع دی کہ دشمن آ رہا ہے۔ فاصلہ ایک میل رہ گیا تھا۔ رُخ قرون کی طرف تھا۔ اتنے میں ایک اور سوار آ گیا۔ اُس نے اطلاع دی

کہ دائیں طرف سے بھی دشمن کی فوج آ رہی ہے۔ اس فوج کے رُخ سے سلطان ایوبی نے اندازہ لگایا کہ دائیں پہلو پر آ رہی ہے۔ اس پہلو کے متعلق سلطان ایوبی کو پریشانی تھی۔ وہ اب اور زیادہ پریشان ہو گیا۔ اُس کے اعصاب پر آذر جاسوس سوار تھا جو نہایت قیمتی راز لے کر چلا گیا تھا۔ اُس نے اندازہ لگایا کہ یہ جاسوس گزشتہ رات پہنچا ہو گا اور اس کی معلومات پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ سلطان ایوبی نے تیاری کا حکم دے دیا۔ اُس کے قاصد اِدھر اُدھر دوڑ پڑے۔ قرون کے درمیان خیمے لگے رہے۔ سپاہی خیموں میں سے بے پروا اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے رہے تاکہ دشمن یہ سمجھے کہ وہ تیار نہیں۔ چٹانوں پر تیر انداز تیار ہو گئے۔

دشمن کی رفتار تیز تھی۔ اُس کے ہراول نے دیکھا کہ خیمے ابھی تک کھڑے ہیں تو ہراول نے اس خیال سے کہ انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو بے خبری میں آ لیا ہے پیچھے خبر دے دی کہ رفتار تیز کرو۔ سلطان ایوبی ایک بلند چٹان پر چلا گیا جہاں سے سارا منظر اور دائیں طرف کا میدان بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ گمشتگین کی فوج سیدھی قرون کی طرف آ رہی ہے۔ سلطان ایوبی کے سپاہیوں نے ہدایات کے مطابق اپنے گھوڑوں پر زینیں اُس وقت ڈالیں جب دشمن بالکل قریب آ گیا تھا۔ پیادوں نے آگے بڑھ کر چند ایک تیر چلائے۔ اُدھر سے للکار سنائی دینے لگی ——— "کچل دو۔ کسی کو زندہ نہ چھوڑو۔ صلاح الدین ایوبی کو زندہ پکڑو۔ سر کاٹ لو۔"

سلطان ایوبی کے سوار آگے بڑھے مگر پیچھے کو آ گئے۔ پیادوں اور سواروں نے حملے کی اگلی صف کا مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے پیچھے ہٹتے آئے، حتیٰ کہ تمام حملہ آور دستے قرون کے اندر اُسی پھندے میں آ گئے جہاں انہیں سلطان ایوبی لانا چاہتا تھا۔ چٹانوں میں گھرا ہوا یہ میدان ڈیڑھ میل کے لگ بھگ وسیع اور عریض تھا۔ جونہی دشمن اندر آیا دو طرف کی چٹانوں سے اُس پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ دشمن کے گھوڑے تیر کھا کر بدکتے، منہ زور ہو جاتے اور اپنے ہی پیادوں کو کچلتے پھرتے تھے۔ دشمن کے کمانڈر سمجھ نہ سکے کہ یہاں خیموں میں جو فوج تھی وہ کہاں غائب ہو گئی ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ آگے چٹانوں میں ایک کٹاؤ ہے جو ایک وادی میں چلا جاتا ہے اور سلطان ایوبی کی فوج اس میں لاپتہ ہوتی جا رہی ہے۔ میدان میں خیمے کھڑے تھے جن کی رسیاں رکاوٹ پیدا کر رہی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد فلیتوں والے آتشیں تیر آنے لگے جو خیموں پر چلائے جا رہے تھے۔ انہوں نے خیموں کو آگ لگا دی اور میدانِ جنگ سے شعلے اُٹھنے لگے۔ دشمن کے کمانڈروں کے لیے بڑی مشکل پیدا ہو گئی۔ اُن کی جمعیت بکھر گئی تھی۔ دستے گڈ مڈ ہو گئے تھے۔ گھوڑوں کے ہنہنانے کا، زخمیوں کی چیخ و پکار کا اور کمانڈروں کے واویلے اور للکار کا اتنا زیادہ شور تھا کہ آوازوں کو الگ کر کے سمجھنا ناممکن تھا۔ کم و بیش دو گھنٹے دشمن کے سپاہی افراتفری کی کیفیت میں اور ان کے کمانڈر انہیں سنبھالنے کی کوشش میں سلطان ایوبی کے تیر اندازوں سے زخمی اور ہلاک ہوتے رہے۔ وہ بھی آخر مسلمان سپاہی تھے۔ عسکری جذبہ انہیں پسپا نہیں ہونے دے رہا تھا۔ اُن میں سے کئی ایک اُن چٹانوں پر چڑھنے لگے جہاں سے تیر آ رہے تھے۔ یہ اُن کی دلیری کا مظاہرہ تھا لیکن اوپر سے آتے ہوئے تیر انہیں پتھروں کی طرح لڑھکا رہے تھے۔

بہت ہی مشکل سے دشمن کے دستوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں پیچھے ہی ہٹنا تھا۔ مگر پیچھے ہٹے تو

انہیں پتہ چلا کہ عقب میں سلطان ایوبی کی فوج کھڑی ہے۔ اعلان ہونے لگے۔ "ہتھیار ڈال دو۔ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم تمہیں ہلاک نہیں کریں گے۔" ان اعلانات کے ساتھ ساتھ گھوڑے بڑھتے اور پھیلتے آ رہے تھے۔ گمشتگین کے گھرے ہوئے سپاہیوں میں اب لڑنے کا دم خم نہیں رہا تھا۔ اُن میں سے آدھے مارے گئے یا زخمی ہو گئے تھے، جو زندہ تھے اُن پر دہشت طاری ہو گئی تھی۔ وہ کچھ اور توقع لے کر آئے تھے۔ انہیں بتایا گیا تھا کہ یہ بڑی سہل فتح ہوگی مگر اُن کے لیے میدانِ جنگ جہنم بن گیا۔ انہوں نے ہتھیار پھینکنے شروع کر دیئے۔

☆

سلطان ایوبی کی یہ چال تو کامیاب رہی لیکن دوسری طرف دشمن نے اُس کے لیے مشکل پیدا کر دی۔ یہ دائیں پہلو کا وہی میدان تھا جس کے متعلق اُسے شروع سے ہی فکر تھا۔ اُس طرف سے صحرائی آندھی کی طرح دشمن کی فوج آ رہی تھی۔ اُس کے مقابلے میں سلطان ایوبی کے مختصر سے دو دستے تھے۔ حملہ آوروں کے جھنڈے نظر آنے لگے۔ یہ حلب کی فوج تھی۔ سلطان ایوبی نے حلب کا محاصرہ کر کے اِس فوج کے جوہر دیکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ یہ فوج گمشتگین اور سیف الدین کی فوج سے مختلف ہے۔ فنی مہارت اور شجاعت کے لحاظ سے یہ فوج یقیناً برتر تھی۔ سلطان ایوبی نے اپنے آپ کو کبھی خوش فہمیوں میں مبتلا نہیں کیا تھا۔ وہ فوراً جان گیا کہ اُس کے یہ دستے اِس فوج کو نہیں روک سکیں گے۔ وہ اپنے ریزرو کو ابھی استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے دماغ کو حاضر رکھا۔ اپنے پاس کھڑے سالاروں کو اُس نے کوئی ہدایات دے کر بھیج دیا۔

اُس نے ریزرو ٹروپس کے علاوہ منتخب سواروں کا ایک دستہ اپنے ساتھ رکھا ہُوا تھا۔ اُس طرف والی چٹان پر جو تیر انداز تھے اُن کے کمانڈر کو حکم بھیجا کہ قرون سے ہٹ کر منہ پیچھے کر لیں اور اسی پوزیشن سے نئے حملہ آوروں کو نشانہ بنائیں۔ اُس نے اپنے منتخب سواروں کے کمانڈر کو حکم دیا کہ دستہ میدان میں لاؤ، میں خود کمان کروں گا۔ نہایت تھوڑے وقت میں وہ چٹان سے اُترا۔ اُس کا دستہ تیار تھا۔ وہ بھی میدان میں آ گیا۔

سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں اپنا جھنڈا نہیں لہرایا کرتا تھا تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے کہ وہ کہاں ہے لیکن اِس موقع پر اُس نے بلند آواز سے کہا — "میرا جھنڈا اونچا رکھو" — قاضی بہاؤالدین شدّاد اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے: "اس معرکے میں اپنا جھنڈا چڑھا کر صلاح الدین ایوبی اپنے دستوں کو بتانا چاہتا تھا کہ اُن کی کمان اور قیادت سلطان خود کر رہا ہے اور وہ حلب کے حملہ آوروں کو بھی بتانا چاہتا تھا کہ اُن کا مقابلہ صلاح الدین کے ساتھ ہے۔"

سلطان ایوبی نے اشارے اور الفاظ مقرر کر رکھے تھے۔ اُس نے نہایت تیزی سے سواروں کو اِس ترتیب میں کر لیا کہ دو گھوڑے آگے، چار پیچھے، اُن کے پیچھے چھ، اُن کے پیچھے آٹھ اور باقی تمام آٹھ آٹھ کی ترتیب میں رہے لیکن اُس نے ترتیب کہیں کھڑے ہو کر نہیں بنائی بلکہ تین چار صفوں میں دوڑتے گھوڑ سواروں کو اس ترتیب میں ہونے کا حکم دیا تھا۔ سامنے سے دشمن صف در صف پھیلا ہُوا آ رہا تھا۔ قریب جا کر سلطان ایوبی کے سوار اس ترتیب میں ہو گئے۔ تصادم اس طرح ہُوا کہ یہ گھوڑ سوار ایک کیل کی طرح دشمن کے لشکر میں داخل

ہو گئے۔ سلطان ایوبی اس ترتیب کے درمیان میں تھا۔ دشمن کے گھوڑسوار دائیں بائیں سے آگے نکل گئے۔ راستے میں جو آیا اُسے برچھیوں سے مجروح کرتے گئے۔

دشمن کے سواروں کے پیچھے پیادہ دستے تھے۔ سلطان ایوبی نے قدرے آگے جا کر سواروں کو پیچھے موڑا، اور فوراً صفوں کی ترتیب میں لا کر پوری رفتار سے پیادہ دستوں پر حملہ کیا۔ پیادوں نے مقابلہ تو بہت کیا لیکن گھوڑے اور سوار انہیں روندتے اور کاٹتے آگے نکل گئے۔ سلطان ایوبی کے پیادہ دستے سامنے تھے۔ انہوں نے دشمن کے سواروں کا مقابلہ کیا۔ عقب سے سلطان ایوبی نے ہلہ بول دیا۔ قریبی چٹانوں سے تیر اندازوں نے تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن حلب کی فوج کا حوصلہ نہ ٹوٹا۔ سلطان ایوبی نے اپنی کمان نہ بکھرنے دی۔ معرکہ بڑا ہی خوں ریز تھا اور بڑا ہی شدید۔ تمام مؤرخین لکھتے ہیں کہ اگر سلطان ایوبی اس معرکے کی کمان خود نہ لیتا تو اُس کا سارا پلان اِس پہلو سے تباہ ہو جاتا۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد نے مؤرخین سے کچھ اختلاف کیا ہے۔ اُس کی یادداشتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حملہ آور فوج حلب کی نہیں مُوصل کی تھی اور اس کی کمان سالار مظفرالدین بن زین الدین کر رہا تھا، اور یہ کمان اتنی دانشمندانہ تھی کہ مظفرالدین نے سلطان ایوبی کے اس پہلو کو اکھاڑ پھینکا تھا۔ قیادت کی دانشمندی کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ مظفرالدین سلطان ایوبی کے ساتھ سالار رہ چکا تھا اور اُس نے یہ فن سلطان ایوبی سے ہی سیکھا تھا۔ نفری زیادہ ہونے کے علاوہ مظفرالدین کو یہ فائدہ بھی حاصل تھا کہ وہ سلطان ایوبی کی چالوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

سلطان ایوبی نے قاصدوں کو اپنے ساتھ رکھا اور اُن کے ذریعے چھوٹے سے چھوٹے جیش کے ساتھ بھی رابطہ قائم رکھا۔ اُس نے ایسی چال چلی کہ دشمن کو اُس چٹان کے قریب لے گیا جس پر تیر انداز تیار تھے۔ انہوں نے بہت کام کیا۔ سلطان ایوبی نے اپنی نفری میں اتنی کمی محسوس کی کہ اُسے ابتدائی پلان بدلنا پڑا۔ اُس نے ریزرو ٹروپس کو بھی بلانے کا فیصلہ کر لیا لیکن عین اُس وقت ایک قاصد نے اُسے بتایا کہ ایک طرف سے اپنے چار پانچ سو سوار آ رہے ہیں۔ سلطان ایوبی نے غصے سے پوچھا کہ وہ کون سا دستہ ہے اور کیوں آیا ہے؟ وہ میدانِ جنگ میں ڈسپلن کا زیادہ پابند ہو جاتا تھا، حالانکہ اُسے اس میدان میں کمک کی شدید ضرورت تھی لیکن اُس کی اجازت اور ہدایت کے بغیر کسی کی حرکت اُسے پسند نہ آئی۔ اُس نے قاصد کو دوڑایا کہ خبر لائے کہ یہ سوار کون ہیں۔

قاصد جو خبر لایا اُس نے سلطان ایوبی کو سُن کر دیا۔ خبر یہ تھی کہ یہ چار سو لڑکیاں اور ایک سو رضا کار ہیں۔ اُن کی قیادت حجاج ابو وقاص کر رہا ہے اور وہ سالار شمس الدین کی اجازت سے آئے ہیں۔ سلطان ایوبی انہیں روک سکتا تھا لیکن جس انداز سے یہ پانچ سو گھوڑ سوار آئے اُس سے سلطان ایوبی سمجھ گیا کہ کمان وقتی شمس الدین کر رہا ہے۔ یہ سوار دشمن کو چٹان کی طرف دھکیل رہے تھے۔ اس معرکے میں پیادے گھوڑوں تلے کچلے جا رہے تھے۔ دشمن کی پیش قدمی روک لی گئی تھی۔ وہ آگے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر اُسے وہیں اُلجھا لیا گیا۔

مسلمان، مسلمان کے ہاتھوں کٹ رہا تھا۔ اللہ اکبر کے نعرے اللہ اکبر کے نعروں سے ٹکرا رہے تھے۔ زمین کانپ رہی تھی۔ آسمان خاموش تھا۔ صلیبی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ تاریخ دم بخود تھی۔ لڑکیاں اپنے بھائیوں

اور باپوں کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ لہولہان ہو رہی تھیں۔ قوم کی عظمت گھوڑوں
اور باپوں کے دوش بدوش بھائیوں
کے سُموں تلے روندی جا رہی تھی، اور خدا دیکھ رہا تھا۔

دن بھر کے معرکے کا یہ انجام ہوا کہ دشمن کا حوصلہ ختم ہو گیا۔ اُس کے سپاہیوں نے ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ وہ نیم محاصرے میں آ گئے تھے۔ سالار نکل گئے۔ رات زخمیوں کے واویلے سے لرزتی رہی۔ دن بھر کی تھکی ہوئی لڑکیاں رات کو زخمیوں کو اٹھاتی رہیں۔ صبح ہوئی تو اس میدان کا منظر بھیانک اور ہولناک تھا۔ دُور دُور تک لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ گھوڑے مرے پڑے تھے۔ جنگی قیدیوں کو دُور پرے لے گئے تھے۔ ان لاشوں میں لڑکیوں کی جو لاشیں تھیں وہ اٹھا لی گئی تھیں۔

"بادشاہی کا نشہ انسان کو اس سطح پر بھی لے آتا ہے جہاں ایک انسان اپنی قوم کو دو دھڑوں میں کاٹ کر انہیں آپس میں لڑا دیتا ہے۔" سلطان ایوبی نے میدانِ جنگ کا منظر دیکھ کر کہا۔ "اپنے بھائی اپنی بہنوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ اگر ہم نے بادشاہی کے رجحان کو ختم نہ کیا تو کفار اس قوم کو قوم کے سربراہوں کے ہاتھوں آپس میں لڑا لڑا کر ختم کر دیں گے۔"

☆

قرونِ حماۃ اور اُس کے پہلو کا معرکہ ختم ہو گیا تھا، جنگ ابھی جاری تھی۔ معرکے کی رات بارہ چھاپہ مار حلب کی فوج کے اُس ذخیرے تک پہنچ چکے تھے جہاں آتش گیر مادے کے مٹکے رکھے تھے۔ رات کے وقت مٹکے کھول کر اس سے کپڑے بھگوئے جا رہے تھے جن کے گولے بنا کر منجنیقوں سے پھینکنے تھے۔ ہانڈیاں بھی بھر بھر کر رکھی جا رہی تھیں۔ ابھی ایک فوج ریزرو میں تھی۔ اُسے اطلاع مل گئی تھی کہ دونوں فوجوں کے حملے ناکام ہو چکے ہیں۔ لہٰذا یہ فوج آخری حملے کے لیے تیار ہو رہی تھی۔ حملے کی کامیابی کے لیے آگ پھینکنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

سلطان ایوبی کے بارہ چھاپہ ماروں نے اپنا ہدف دیکھ لیا۔ ان میں سے چار پانچ کے پاس کمانیں تھیں اور فلیتے والے تیر بھی تھے۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر آگے چلے گئے۔ فلیتے جلا کر انہوں نے تیر چلا دیئے۔ یکلخت شعلے بلند ہوئے اور وہاں بڑبونگ بپا ہو گئی۔

چھاپہ ماروں کو بتایا گیا تھا کہ مٹکے بے شمار ہیں۔ وہاں بھگدڑ مچی تو چھاپہ ماروں نے ہلّہ بول دیا۔ شعلوں سے وہاں بہت روشنی ہو گئی تھی۔ چھاپہ ماروں کو محفوظ مٹکے بھی نظر آ گئے۔ انہوں نے اپنی برچھیوں کے ساتھ ہتھوڑیوں کی طرح ۔ ہے کے ٹکڑے باندھ رکھے تھے۔ دوڑتے گھوڑوں سے انہوں نے مٹکے توڑنے شروع کر دیئے۔ ان میں سے ایک نے آگ لگانے کا انتظام کر دیا۔ دشمن نے انہیں گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ یہ ایک خونریز معرکہ تھا۔ بارہ جانباز سینکڑوں کے نرغے میں لڑ رہے تھے۔ شعلے ہر طرف پھیل گئے تھے۔ سارے کیمپ پر دہشت طاری ہو گئی۔ گھوڑے اور اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگنے لگے۔

جہاں سلطان ایوبی کی فوج تھی وہاں ایک چٹان پر کھڑے کسی آدمی نے چلّا کر کہا۔ "آسمان جل رہا ہے۔ خدا کا قہر نازل ہو رہا ہے۔"

سلطان ایوبی کو اطلاع ملی تو وہ دوڑتا ایک چٹان پر جا چڑھا۔ اُسے دشمن کے کیمپ کی طرف آسمان لال سرخ ہوتا نظر آیا۔ اُس کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "آفرین۔ آفرین۔ اللہ تمہیں صلہ دے۔"

موصل کی فوج فوری طور پر جوابی حملے کے قابل نہ رہی۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار سرگرم ہو گئے۔ انہوں نے تین راتیں گمشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح کے کیمپوں میں اتنی تباہی مچائی کہ اُن کے مرکز بھی ہل گئے۔ آخر انہوں نے کسی اور طرف سے حملے کا فیصلہ کر کے کُوچ کا حکم دیا۔ تب انہیں پتہ چلا کہ اُن کے عقب میں سلطان ایوبی کی فوج آ چکی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنی مخصوص چالوں سے دشمن کو بے حال کر دیا۔ وہ مارتا بھی نہیں تھا چھوڑتا بھی نہیں تھا۔ یہ جنگ "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑی جا رہی تھی۔ دشمن کی فوج بکھرتی جا رہی تھی اور اس کے سپاہی بکھر بکھر کر ہتھیار ڈالتے جا رہے تھے۔ یہی سلطان ایوبی کا مقصد تھا۔

۱۹ رمضان المبارک ۵۷۱ھ (۱۲ اپریل ۱۱۷۶ء) کی صبح سحری سے فارغ ہوتے ہی سلطان ایوبی نے اپنے پلان کی آخری کڑی پر عمل کیا جس کی ہدایات وہ ایک روز پہلے جاری کر چکا تھا۔ اُس نے کھلا حملہ کر دیا۔ کوئی قابلِ ذکر مزاحمت نہ ہوئی۔ سلطان ایوبی وہاں تک جا پہنچا جہاں گمشتگین اور سیف الدین کی خیمہ گاہیں تھیں مگر وہ دونوں غائب تھے۔ وہ ایسی بزدلی سے بھاگے کہ اپنی ذاتی خیمہ گاہیں جن سے جنگل میں منگل بنا ہوا تھا جُوں کی تُوں چھوڑ گئے۔ حرم کی لڑکیاں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے وہیں تھے۔ سلطان ایوبی کی فوج گئی تو لڑکیاں خوف سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ انہیں پکڑ کر سلطان ایوبی کے سامنے لے جایا گیا۔ اُس نے اُن تمام کو رہا کر کے دمشق بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ دلچسپ خیمہ گاہ والیٔ موصل سیف الدین کی تھی۔ وہاں لڑکیوں کے علاوہ خوشنما پنجرے بھی تھے جن میں رنگ برنگے پرندے بند تھے۔

اُس رات سلطان ایوبی کے سامنے ایک اور لڑکی لائی گئی جو دشمن کے اُس کیمپ میں لاشوں کو پہچانتی پھر رہی تھی جس پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شبخون مارا اور آتش گیر مادے کے مٹکے تباہ کیے تھے۔ سلطان ایوبی نے اُسے پہچان لیا اور کہا۔ "تم میرے ایک جاسوس انطانون کے ساتھ حرن سے آئی تھیں۔"

"جی ہاں!" اُس نے کہا۔ "میرا نام فاطمہ ہے۔ میں لڑکیوں کی فوج کے ساتھ دمشق سے آئی ہوں۔" وہ زخمی بھی تھی۔ کہنے لگی۔ "مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ انطانون یہاں شبخون مارنے آیا تھا۔ اُس کی لاش ڈھونڈ رہی ہوں۔"

"نہ ڈھونڈو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔

"وہ بھی کہتا تھا کہ چھاپہ ماروں کی لاشیں نہیں ملا کرتیں۔" فاطمہ نے اداس لہجے میں کہا۔ "اُس نے مجھے کہا تھا کہ آؤ ایک دوسرے کو فرض پر قربان کر دیں۔ مجھے خوشی ہے کہ اُس نے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ میرا فرض ابھی باقی ہے۔ میں گمشتگین کو قتل کرنے آئی تھی۔"

اس لڑکی کی جذباتی حالت دیکھ کر کوئی بھی اپنے آنسو نہ روک سکا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "دمشق سے جو لڑکیاں آئی ہیں ان سب کو واپس بھیج دو۔ انہوں نے دشمن کو شکست دینے میں میری بہت مدد کی ہے۔ اُس وقت میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے مدد کی کتنی ضرورت تھی۔ یہ لڑکیاں جیسے غیب سے آئی تھیں، لیکن میں انہیں اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔"

لڑکیوں کے احتجاج اور غصے کے باوجود انہیں دمشق بھیج دیا گیا۔ سلطان ایوبی اب کہیں رُکنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے دشمن کو جو شکستِ فاش دی تھی اس سے وہ پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہتا تھا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ تمام فوج کو حلب کی سمت کُوچ کے لیے تیار کیا جائے۔ اپنے سالاروں کو وہ اگلے پلان کے متعلق بتا رہا تھا۔ ایک گھوڑسوار گھوڑا دوڑاتا آ رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں برچھی تھی اور برچھی میں کوئی چیز اڑسی ہوئی تھی۔ وہ قریب آیا تو سلطان ایوبی کے باڈی گارڈوں نے اُسے روک لیا۔ سلطان ایوبی نے دیکھا کہ سوار نے کسی انسان کا سر برچھی میں اُڑسا ہُوا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے آگے آنے کی اجازت دے دی۔

وہ آذر بن عباس تھا۔ وہی جاسوس جو دمشق جاتے ہوئے محافظوں کی حراست سے بھاگ گیا تھا۔ اُس نے گھوڑے سے اُتر کر برچھی سے سر اتارا اور سلطان ایوبی کے قدموں میں پھینک کر کہا۔ "میں آپ کا مفرور قیدی ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ مجھے بخش دیں، میں گناہوں کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ آپ نے میری عرض نہ مانی۔ میں نے راستے میں سوچا کہ مجھے جاسوس، باپ نے بنایا اور میرے دل میں دولت کا لالچ پیدا کیا ہے۔ میں صرف اس کام کے لیے بھاگا تھا۔ میں حلب گیا۔ اپنے باپ کو قتل کیا اور اُس کا سر کاٹ کر لے آیا ہوں۔ اگر اس سے میرے گناہوں کا کفارہ ادا نہیں ہوتا تو مجھے پھر قید کر لیں اور اسی طرح میرا سر کاٹ کر پھینک دیں۔"

سلطان ایوبی نے اُسے حسن بن عبداللہ کے حوالے کر دیا اور کہا۔ "اسے اگر قابلِ اعتماد سمجھا جا سکتا ہے تو اس کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔ اس نے میرے ایک سوال کا جواب دے دیا ہے۔ میں آج تک سوچ رہا ہوں کہ دشمن کا جاسوس پوری معلومات لے گیا تھا، پھر بھی دشمن میرے پھندے میں آ گیا۔ اب معلوم ہُوا ہے کہ یہ خبر دینے نہیں بلکہ اپنے باپ کو قتل کرنے گیا تھا۔"

اس سے اگلے دن سلطان ایوبی خیمے میں سویا ہُوا تھا۔ باہر بہت سے آدمیوں کی باتوں سے اُس کی آنکھ کُھل گئی۔ باہر کوئی جھگڑا ہو رہا تھا۔ سلطان ایوبی نے دربان کو اندر بلا کر پوچھا کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ دربان نے بتایا کہ نو آدمی آپ کے محافظ دستے کی وردیاں پہنے اور آپ کا جھنڈا اٹھائے آئے ہیں۔ کہتے ہیں وہ دمشق سے آئے ہیں۔ یہ رضاکارانہ آپ کے محافظ دستے میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ انہیں روکا ہے تو کہتے ہیں کہ وہ اتنی دُور سے عقیدت اور جذبے سے آئے ہیں۔ وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

یہ شیخ سنان اور گمشتگین کے بھیجے ہُوئے فدائی قاتل (حشیشین) تھے۔ اُن کی چال کامیاب ہو گئی۔ سلطان ایوبی نے دربان سے کہہ دیا کہ انہیں اندر بھیج دو۔ اُن سے برچھیاں باہر رکھوا لی گئیں۔ وہ خیمے میں گئے اور فوراً ہی انہوں نے خنجر اور تلواریں نکال لیں۔ سلطان ایوبی کے دو محافظ بھی ان کے ساتھ اندر آ گئے تھے۔ ایک فدائی نے سلطان ایوبی پر حملہ کیا۔ سلطان نے پُھرتی سے حملہ روک لیا اور اپنی تلوار اٹھا لی۔ پہلے ہی وار سے اُس نے حملہ آور کا پیٹ چاک کر دیا۔ خیمے میں جگہ تھوڑی تھی۔ دوسرے فدائیوں نے بھی سلطان ایوبی پر حملے کئے۔ دونو محافظوں نے جم کر مقابلہ کیا۔ باہر سے دوسرے محافظ بھی آ گئے۔

خیمے کے اندر تلواریں اور خنجر ٹکرانے لگے۔ باڈی گارڈوں نے قاتلوں کو اپنے ساتھ اُلجھا لیا۔ وہ خیمے

سے باہر آ گئے۔ سلطان ایوبی کی لمبی تلوار نے کسی کو قریب نہ آنے دیا۔ فدائیوں میں سے پانچ چھ مارے گئے باقی بھاگنے لگے۔ انہیں زندہ پکڑ لیا گیا۔ خیمے کے اندر سے ایک فدائی نکلا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی کی اُدھر پیٹھ تھی۔ زخمی فدائی نے پیچھے سے سلطان پر حملہ کیا۔ ایک باڈی گارڈ نے بروقت دیکھ لیا۔ وہ چلّایا۔ "سلطان نیچے" اور حملہ آور کی طرف دوڑا۔ سلطان ایوبی فوراً بیٹھ گیا۔ قاتل کی تلوار ہوا کو کاٹتی سلطان کے اُوپر سے گزر گئی۔ باڈی گارڈ نے فدائی کے پہلو میں برچھی اتار دی۔ وہ تو پہلے ہی زخموں سے مر رہا تھا۔ وہ گرا اور مر گیا۔

سلطان ایوبی اس حملے سے بھی بال بال بچ گیا۔

بعض یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی پر یہ قاتلانہ حملہ کرنے والے اُس کے اپنے باڈی گارڈ تھے جو ایک عرصے سے اُس کے ساتھ تھے، لیکن اُس دَور کے وقائع نگاروں کی تحریروں سے شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ بہاؤالدین شدّاد نے اور ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ یہ شیخ سنان کے بھیجے ہوئے نَو فدائی تھے جو حلف اُٹھا کر آئے تھے کہ سلطان ایوبی کو قتل کریں گے ورنہ زندہ نہیں لوٹیں گے۔ وہ سلطان ایوبی کو تو قتل نہ کر سکے البتہ اُن میں سے زندہ کوئی بھی نہ لوٹا۔ جو زندہ رہے انہیں سزائے موت دے دی گئی۔ ✡ ✡

قوم کی نظروں سے دُور

کسی سپاہی کی بہادری کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک سالار کھانے کے بعد کی محفل میں کسی معرکے کی باتیں کر رہا تھا۔ ایک سپاہی کی بہادری کا ذکر آ گیا۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "لیکن تاریخ میں نام آئے گا تو وہ آپ کا اور میرا ہوگا۔ تاریخ لکھنے والوں کی یہ بے انصافی ہے کہ وہ بادشاہوں، سلطانوں اور سالاروں سے نیچے کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ فتح اور شکست اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن فتح کا سہرا ہمیشہ سپاہیوں کے سر ہوتا ہے۔ ہمارے چھاپہ مار جانباز دشمن کے پاس جا کر اس کے دوست بن جائیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ معرکوں میں سپاہی لڑنے کی بجائے اپنی جان کی فکر زیادہ کریں تو آپ فتح کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ تاریخ میں ہمارے ان سپاہیوں کا ذکر ضرور آئے جو اکیلے اکیلے دس دس کا مقابلہ کرتے ہیں اور اپنے پرچم کو سرنگوں نہیں ہونے دیتے۔ یہ سپاہی جب کبھی ہاریں گے تو میری اور آپ کی نالائقی کی وجہ سے ہاریں گے یا انہیں وہ غدّار اور ایمان فروش شکست دیں گے جو ہماری صفوں میں موجود ہیں۔"

"خدا نے ہمیں کس گناہ کی سزا دی ہے کہ ہم میں غدّار پیدا کر دیے ہیں۔" — محفل میں کسی نے جھنجلا کر کہا۔

"میں عالم نہیں کہ اس سوال کا جواب دے سکوں۔" — سلطان ایوبی نے کہا۔ "شاید خدائے ذوالجلال نے غدّاروں کی صورت میں ہم پر یہ خطرہ مستقل طور پر سوار کر دیا ہے کہ ہم ہر لمحہ چوکس اور چوکنے رہیں اور ایک کے بعد دوسری فتح حاصل کرتے کرتے مغرور نہ ہو جائیں...... خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایمان فروشی کسی دَور میں اسلام کے وقار کو لے ڈوبے گی۔ آپ صلیبیوں کے اس عزم سے بے خبر تو نہیں کہ ان کی جنگ آپ کے نہیں اسلام کے خلاف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک صلیب زندہ ہے چاند ستارے کے پرچم کے خلاف برسرِ پیکار رہے گی۔ وہ اپنی آنے والی نسلوں کے لیے یہی عزم ورثے کے طور پر چھوڑ جائیں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم اپنے ان سپاہیوں کے کارنامے قلمبند کر لیں جو شمالی مصر کے صحراؤں میں بھی لڑے اور حماۃ کی برف پوش وادیوں میں بھی۔ ان چھاپہ ماروں کے بھی تذکرے قلمبند کر لیں جو دشمن کی صفوں کے عقب میں چلے جاتے اور اتنی تباہی مچاتے ہیں جو پوری فوج بھی نہیں مچا سکتی۔ ان میں سے کتنے زندہ واپس آتے ہیں؟...... دس میں سے ایک۔ وہ بھی زخمی۔"

"ہاں سلطانِ محترم!" — سالار نے کہا۔ "یہ ایک قیمتی ورثہ ہے جو ہم آنے والی نسلوں کے لیے چھوڑ جائیں گے

قومیں شجاعت کی روایات سے زندہ رہتی ہیں۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ ہمارے بعض سپاہی ملک سے دور، قوم کی نظروں سے دور ایسی جنگ لڑتے ہیں جن کا انہیں ہماری طرف سے حکم ہی نہیں ملتا" ـــ سلطان ایوبی نے کہا ـــ "ان لوگوں پر اپنے مذہب کے وقار کا جنون سوار ہوتا ہے۔ ان کی اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی، کوئی ذات نہیں ہوتی۔ وہ دشمن کے قبضے میں ہوتے ہیں تو بھی سرکش اور آزاد رہتے ہیں۔ قوم کو جب فتح حاصل ہوتی ہے تو قوم ان سے ناواقف رہتی ہے جو پردوں کے پیچھے عجیب و غریب طریقوں سے جنگ لڑتے اور قوم کا نام روشن کرتے ہیں۔"

اس دور کی غیر مطبوعہ تحریروں میں ایسے ہی چند ایک سپاہیوں کا ذکر ملتا ہے جن کا ذکر سلطان ایوبی کر رہا تھا۔ ایک کا نام عمرو درویش تھا۔ وہ سوڈانی مسلمان تھا۔ اس سلسلے کی کہانیوں میں جو آپ کو سنائی جا چکی ہیں آپ نے پڑھا ہو گا کہ سلطان ایوبی کے بھائی تقی الدین نے سوڈان پر فوج کشی کی تھی مگر دشمن کے دھوکے میں آ کر سوڈان کے صحرا میں اتنی دور نکل گیا جہاں تک رسد کا سلسلہ قائم رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ دشمن نے رسد کے راستے روک لیے اور تقی الدین کی فوج کو صحرا میں بکھیر کر جمعیت اور مرکزیت ختم کر دی تھی۔ اسلامی فوج کو بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ پیش قدمی کی تو اُمید ہی ختم ہو گئی تھی۔ پسپائی بھی ممکن نہیں رہی تھی۔ جنگی قیدی بہت ہوئے تھے جن میں تقی الدین کے دو تین نائب سالار اور کماندار بھی تھے۔

ان قیدیوں میں مصریوں اور لبنانیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اِن میں کچھ سوڈانی مسلمان بھی تھے۔ سلطان ایوبی نے اپنی جنگی سوجھ بوجھ اور غیر معمولی فہم و فراست سے کام لیتے ہوئے تقی الدین کی بکھری ہوئی فوج کو سوڈان سے نکالا تھا۔ اس کے بعد اُس نے سوڈانیوں کے پاس اس پیغام کے ساتھ ایلچی بھیجے تھے کہ جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا جائے۔ سوڈانیوں نے انکار کر دیا تھا کیونکہ ان کا کوئی قیدی سلطان ایوبی کی فوج کے پاس نہیں تھا۔ سوڈانیوں نے جنگی قیدیوں کے عوض مصر کے کچھ علاقے کا مطالبہ کیا تھا۔ سلطان ایوبی نے جواب دیا تھا ـــ "تم مجھے، میری بیوی اور میرے بچوں کو سُولی پر کھڑا کر دو، میں تمہیں سلطنتِ اسلامیہ کی ایک انچ جگہ نہیں دوں گا۔ میرے سپاہی غیرت والے ہیں۔ اپنی قوم کے وقار کے لیے جانیں قربان کرنا جانتے ہیں۔"

اس کے بعد سوڈانی حکومت نے مصر پر حبشیوں سے حملہ کرایا تھا جن میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکا تھا۔ جو زندہ رہے وہ قید میں ڈال دیئے گئے تھے۔ توقع تھی کہ سوڈانی ان کی رہائی کا مطالبہ کریں گے لیکن انہوں نے کوئی ایلچی نہ بھیجا۔ وہ ان حبشیوں کو دھوکے میں مصر میں لائے تھے۔ یہ ان کی باقاعدہ فوج نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے ان حبشی قیدیوں کی مزدور فوج بنائی تھی۔ مصر میں ان سے کھدائی، باربرداری اور اس قسم کے دوسرے کام لیے جاتے تھے۔

سوڈان والے سلطان ایوبی کی فوج کے جنگی قیدیوں کو دراصل اس وجہ سے نہیں چھوڑ رہے تھے کہ انہیں وہ سوڈانی فوج میں شامل ہو جانے کی ترغیب دے رہے تھے۔ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر تھے..... وہی سوڈانیوں کو سلطان ایوبی کے خلاف استعمال کر رہے تھے۔ یہ منصوبہ انہی کا تھا کہ مصری فوج کے قیدیوں کو بہلا

پھسلا کر سوڈانی فوج میں شامل کر لیا جائے۔ تاریخ اور اُس دور کی تحریریں یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ انہوں نے کتنے مسلمان سپاہیوں کو اپنی فوج میں شامل کر لیا تھا۔ البتہ یہ شہادت مل گئی تھی کہ سوڈانیوں کا پیار اور محبت کا اور اچھے سلوک کا حربہ جس پر بھی ناکام ثابت ہُوا اُسے انہوں نے بے رحمی سے اذیتیں دیں اور تڑپا تڑپا کر مارا۔

ان قیدیوں میں اسحاق نام کا ایک عہدیدار تھا جو سلطان ایوبی کی فوج کے کسی دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ سوڈان کا رہنے والا تھا اور نوجوانی میں مصری فوج میں شامل ہُوا تھا۔ سوڈان کے ایک پہاڑی علاقے میں وہاں کے مسلمان آباد تھے جن کی تعداد چار یا پانچ ہزار کے درمیان تھی۔ ان کے مختلف قبیلے تھے لیکن اسلام نے ان میں اتحاد پیدا کر رکھا تھا۔ تمام قبیلوں کے سرداروں نے ایک کمیٹی سی بنا رکھی تھی۔ تمام قبیلے اس کے احکام اور فیصلوں کی پابندی کرتے تھے۔ ان لوگوں نے روایت بنا رکھی تھی کہ مصری فوج میں بھرتی ہو جاتے تھے۔ سوڈانی فوج میں شمولیت سے گریز کرتے تھے۔ وہ جنگجو بھی تھے اور خونخوار بھی۔ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ سوڈانی فوج اور حکومت نے انہیں بہت لالچ دیئے تھے۔ انہیں جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی دھمکی بھی دی تھی لیکن ان مسلمان قبائل کو پہاڑیوں کا فائدہ حاصل تھا۔ دو بار ان پر سوڈانی فوج نے حملہ کیا لیکن مسلمان تیر اندازوں نے چٹانوں کی چوٹیوں سے وہ تیر برسائے کہ سوڈانیوں کے گھوڑے تیر کھا کر اپنے پیادہ سپاہیوں کو کچلتے بھاگ گئے۔

☆

تقی الدین کی جنگی لغزش سے سوڈان والوں کے ہاتھوں جہاں مصر کی بہت سی فوج قید ہو گئی تھی وہاں ایک کماندار اسحاق بھی تھا۔ اپنے قبیلوں پر اس کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ جنگی قید میں سوڈانیوں نے اُسے کہا کہ اگر وہ اپنے مسلمان قبیلوں کو سوڈان کی فوج میں شامل ہونے پر راضی کر لے تو اسے نہ صرف رہا کر دیا جائے گا بلکہ جس پہاڑی علاقے میں مسلمان آباد ہیں، اس تمام علاقے کی الگ ریاست بنا کر اُسے اس کا امیر یا سلطان بنا دیا جائے گا۔

"میں اس ریاست کا پہلے ہی سلطان ہُوں" ـــ اسحاق نے جواب دیا ـــ "یہ ہماری آزاد ریاست ہے۔"

"وہ سوڈان کا علاقہ ہے" ـــ اُسے کہا گیا ـــ "ہم کسی بھی روز وہاں کے لوگوں کو قید کر لیں گے یا تباہ کر دیں گے۔"

"تم پہلے اس علاقے پر قبضہ کرو" ـــ اسحاق نے کہا ـــ "وہاں کے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرو۔ تم انہیں اپنی فوج میں شامل نہیں کر سکو گے۔ اس علاقے میں اپنا جھنڈا لے جا کر دکھا دو، پھر میں انہیں تمہاری فوج میں شامل ہونے پر راضی کر لوں گا۔"

اسحاق کو قید خانے میں رکھنے کی بجائے ایک خوشنما کمرے میں رکھا گیا جو کسی شہزادے کا محل معلوم ہوتا تھا۔ ایک سوڈانی سالار نے اُسے اس کمرے میں داخل کر کے اپنی تلوار دونوں ہاتھوں میں لے کر اور دو زانو ہو کر اُسے پیش کی اور کہا۔ "ہم آپ جیسے جنگجو کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ آپ ہمارے قیدی نہیں مہمان ہیں۔"

"میں آپ کی تلوار قبول نہیں کروں گا" ـــ اسحاق نے کہا ـــ "میں مہمان نہیں قیدی ہوں۔ میں نے شکست کھائی ہے۔ میں آپ سے تلوار اسی طرح لوں گا جس طرح آپ نے مجھ سے لی ہے۔ تلوار تلوار کے زور سے لی

جاتی ہے"۔

"مگر ہم آپ کے دشمن نہیں"۔۔۔ سوڈانی سالار نے کہا۔

"میں آپ کا دشمن ہوں"۔۔۔ اسحاق نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "تلواروں کا تبادلہ اتنے خوبصورت کمرے میں نہیں میدانِ جنگ میں ہوا کرتا ہے۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری اتنی عزت کی"۔

"ہم اس سے زیادہ عزت کریں گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "آپ کی مسند خرطوم کے تخت کے ساتھ رکھی جائے گی"۔

"اور روزِ محشر میری مسند دوزخ کے تہ خانے میں رکھی جائے گی"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "کیونکہ میں نے دنیا میں مسند تخت کے ساتھ رکھی تھی"۔

"میں دُنیا کی بات کر رہا ہوں"۔

"مگر مسلمان آخرت کی بات کیا کرتا ہے۔ جب ہم سب اپنے اعمال نامے خدا کے حضور پیش کریں گے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "مجھے یہ بتائیں کہ آپ کے بعد کون آئے گا اور کیا تحفہ لائے گا"۔

سوڈانی سالار نے مسکرا کر کہا۔۔۔ "اب کوئی بھی آئے مجھے کیا۔ میں سپاہی ہوں۔ آپ بھی سپاہی ہیں۔ میں نے آپ کی سپاہیانہ شان کو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔ آپ نے میرا دل توڑ دیا"۔

"آپ نے میری سپاہیانہ شان دیکھی ہی کب ہے؟"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "مجھے تو لڑنے کا موقعہ ملا ہی نہیں۔ میرا دستہ صحرا کے ایک ایسے حصے میں جا پھنسا جہاں پانی کی بوند نظر نہیں آتی تھی۔ تین چار دنوں میں صحرا نے میرے پیادوں، سواروں اور گھوڑوں کو مچھلیوں میں بدل دیا۔ سپاہی اور سوار زبانیں باہر نکالے پانی ڈھونڈنے لگے۔ آپ کے ایک دستے نے حملہ کر دیا اور ہم پکڑے گئے۔ ہمیں صحرا نے شکست دی ہے۔ آپ نے میری تلوار کے جوہر کہاں دیکھے ہیں کہ مجھے خراجِ عقیدت پیش کر رہے ہیں"۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ بہادر ہیں"۔۔۔ سالار نے کہا۔

"سنی سنائی پر یقین نہ کریں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "کل صبح ایک تلوار مجھے دیں، ایک آپ لیں اور میرے مقابلے میں آئیں۔ مجھے امید ہے کہ میں آپ کی تلوار قبول کر لوں گا مگر اُس وقت آپ زندہ نہیں ہوں گے"۔

سالار کچھ اور کہنے لگا تھا کہ اسحاق نے کہا۔۔۔ "غور سے سُن لو محترم سالار! مجھے تم لوگ کل جو قید خانے میں ڈال دو گے، ابھی ڈال دو۔ میں اتنی خوبصورت قید سے مخمور ہو کر اپنا ایمان نہیں بیچوں گا"۔

"قید خانے کی غلاظت کی بجائے آپ اس دل نشیں ماحول میں بہتر طریقے سے سوچ سکیں گے"۔۔۔ سالار نے کہا۔۔۔ "میں اُمید رکھوں گا کہ آپ کے سامنے جو شرط پیش کی گئی ہے، اس پر آپ غور کریں گے۔ مجھے ایک سپاہی بھائی سمجھ کر میرا یہ مشورہ قبول کر لیں کہ اپنا مستقبل تاریک نہ کریں۔ خدا نے آپ کی قسمت میں بادشاہی لکھ دی ہے اس پر لکیر نہ پھیریں"۔

"میرے خدا نے میری قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "اور

تمہارے خدا نے جو کچھ لکھا ہے میں اسے بھی جانتا ہوں... تم جاؤ مجھے سوچنے دو"۔

سالار چلا گیا تو کھانا آگیا۔ کھانا لانے والی تین لڑکیاں تھیں۔ جوان اور بہت ہی خوبصورت۔ وہ نیم عریاں بھی تھیں۔ کھانے کی اقسام ایسی جو اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی تھیں۔ کھانے کے ساتھ خوشنما صراحیوں میں شراب بھی تھی۔ اسحاق نے ضرورت کے مطابق کھایا اور پانی پی لیا۔ دسترخوان سمیٹ لیا گیا اور ایک لڑکی اُس کے پاس آگئی۔ اسحاق اُسے دیکھتا رہا اور اس کی ہنسی نکل گئی جس میں طنز تھی۔

"کیا آپ نے مجھے پسند نہیں کیا؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میں نے تم جیسی بدصورت لڑکی پہلی بار دیکھی ہے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔

لڑکی کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ تو بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اسحاق نے اس کی حیرت بھانپتے ہوئے کہا۔۔۔ "حُسن حیا میں ہوتا ہے۔ عورت عریاں ہو جائے تو اس کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ عریانی نے تمہارا طلسم توڑ دیا ہے۔ میں اب تمہارے قبضے میں نہیں آسکوں گا"۔

"کیا آپ نے مجھے دیکھ کر بھی میری ضرورت محسوس نہیں کی؟"۔۔۔ لڑکی نے پوچھا۔

"میرے جسم کو تمہاری کوئی ضرورت نہیں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میری رُوح کی ایک ضرورت ہے جو تم پوری نہیں کر سکو گی۔ تم جاؤ"۔

"لیکن میرے لیے حکم ہے کہ آپ کے پاس رہوں"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "اگر میں نے حکم کے خلاف کوئی کام کیا تو مجھے سزا کے طور پر وحشی حبشیوں کے حوالے کر دیا جائے گا"۔

"دیکھو لڑکی!"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ کچھ اور ہے۔ میں تمہیں اس کمرے میں نہیں رکھ سکتا۔ اگر تم اس کمرے میں رات بسر کرنے کا حکم لے کے آئی ہو تو یہیں رہو اور میں باہر سو جاؤں گا"۔

"یہ بھی میرا جرم ہوگا"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "آپ مجھے اس کمرے میں رہنے دیں۔ مجھ پر رحم کریں"۔۔۔ لڑکی نے دیکھ لیا تھا کہ یہ شخص پتھر ہے۔ اُس نے اسحاق کی منت سماجت شروع کر دی۔

"تمہارا کام کیا ہے؟"۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔۔۔ "کس مقصد کے لیے تمہیں میرے پاس بھیجا گیا ہے؟ مجھے اپنا مقصد بتا دو تو اس کمرے میں رہنے دوں گا"۔

"میرا کام یہ ہے کہ آپ جیسے مردوں کو موم کروں"۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا۔۔۔ "آپ پہلے مرد ہیں جس نے مجھے ٹھکرایا ہے۔ میں نے مذہب کے شیدائیوں کو اپنا گرویدہ بنایا اور انہیں سوڈان کے سانچے میں ڈھالا ہے"۔

لڑکی نے پوچھا۔۔۔ "کیا واقعی آپ نے مجھے بدصورت سمجھا ہے یا مذاق کیا تھا؟"

"تم جسے خوشبو کہتی ہو وہ میرے لیے بدبُو ہے"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔۔۔ "میری نظر میں تم واقعی بدصورت ہو.... جہاں سونا چاہتی ہو سو جاؤ۔ پلنگ پر سو جاؤ، میں فرش پر سو جاؤں گا"۔

لڑکی فرش پر لیٹ گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے لڑکی؟"۔۔۔ اسحاق نے پوچھا۔

"آشی۔"

"اور تمہارا مذہب؟"

"میرا کوئی مذہب نہیں۔"

"تمہارے ماں باپ کہاں رہتے ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" لڑکی نے کہا۔

اسحاق پر نیند کا غلبہ ہونے لگا اور ذرا سی دیر میں اس کے خراٹے سنائی دینے لگے۔

☆

"اس شخص کے ساتھ آپ وقت ضائع کر رہے ہیں۔" اس لڑکی نے کہا جس نے رات اسحاق کو اپنا نام آشی بتایا تھا۔ اس کے سامنے سوڈانی فوج کے اعلیٰ افسر بیٹھے ہوئے تھے۔ آشی نے کہا۔ "اس شخص کے اندر جذبات نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ جانتے ہیں میں نے کیسے کیسے پتھر موم کیے ہیں مگر اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی کوتاہی کی ہے۔" ایک افسر نے کہا۔

لڑکی نے پوری تفصیل سنائی کہ اُس نے اسحاق کو کیسے کیسے طریقوں سے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی مگر وہ نشہ پیتا تھا اور اُسے خاموشی سے دیکھتا رہتا تھا۔ ذرا دیر بعد سو جاتا تھا۔

چار پانچ دن سوڈانی حکام اسحاق کو اپنی بات پر لانے کی کوشش کرتے رہے۔ راتوں کو اس پر بڑے بڑے حسین طلسم طاری کرنے کے جتن کیے گئے مگر اسحاق نے بات یہیں پر ختم کی کہ میں مصری فوج کے ایک دستے کا کمانڈر ہوں، مسلمان ہوں اور قیدی ہوں۔

آخر اُسے محل سے نکال کر قید خانے میں لے گئے اور ایک تنگ سی کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ سلاخوں والے دروازے پر قفل چڑھا دیا گیا۔ کوٹھڑی میں ایسی بدبو تھی کہ دماغ پھٹا جاتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ ایک سپاہی دیا لے آیا جو اُس نے سلاخوں میں سے اسحاق کو دے دیا۔ اسحاق نے دیا فرش پر رکھا تو اُسے کوٹھڑی میں ایک لاش پڑی نظر آئی جو خراب ہو رہی تھی۔ لاش کا منہ کھلا ہُوا اور آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں۔ لاش سُوج گئی تھی۔ اسحاق نے قید خانے کے سپاہی کو آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ یہ کس کی لاش ہے۔

"تمہارا ہی کوئی دوست ہوگا۔" سپاہی نے جواب دیا۔ "کوئی مصری تھا۔ جنگ میں پکڑا گیا تھا۔ اسے بہت اذیتیں دی گئی تھیں۔ پانچ چھ دن ہوئے کوٹھڑی میں مر گیا۔"

"لاش یہاں کیوں پڑی ہے؟" اسحاق نے پوچھا۔

"تمہارے لیے۔" سپاہی نے طنزیہ کہا۔ "اسے اٹھا لیا تو تم اکیلے رہ جاؤ گے۔" سپاہی ہنستا ہُوا چلا گیا۔

اسحاق نے دیا اوپر کر کے لاش کو دیکھنا شروع کر دیا۔ کپڑوں سے اُس نے پہچان لیا کہ مصری فوج کا آدمی تھا۔ اسحاق نے کوٹھڑی میں جو بدبو محسوس کی تھی وہ غائب ہو گئی۔ اُس نے سوجی ہوئی لاش کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا اور کہا۔ "تمہارا جسم گل جائے گا، روح زندہ رہے گی۔ تم نے خدا کی راہ میں جان دی ہے۔ تم مجھ سے بہتر ہو۔

تم زندہ ہو، زندہ رہو گے۔ سپاہی ٹھیک کہہ گیا ہے۔ تم نہ ہوتے تو میں اکیلا رہ جاتا۔"

وہ بہت دیر اس کے ساتھ باتیں کرتا رہا اور لاش کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح اُسے جگایا گیا۔ اُس نے دیکھا کہ وہی سوڈانی سالار کھڑا تھا جس نے اُسے تلوار پیش کی تھی۔ سالار نے کہا۔ "کسی چیز کی ضرورت ہو تو حاضر کروں۔"

"میں نے تمہارے پیسے کو پہچان لیا ہے۔" اسحاق نے کہا۔ "میں ہارا ہُوا ہوں، تم مجھے طعنے دے سکتے ہو۔ اگر تم واقعی میری کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو میدانِ جنگ سے تمہیں مصر کے پرچم بھی ملے ہوں گے۔ ایک پرچم لا دو۔ میں اس لاش پر ڈالنا چاہتا ہوں۔"

سالار نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "کیا تمہارے پرچم کو ہم نے سینے سے لگا رکھا ہوگا؟ ہم نے مصر کے کسی جھنڈے کو ہاتھ لگانا بھی گوارا نہیں کیا۔" اُس نے سپاہی سے کہا۔ "اسے باہر نکالو اور میرے پیچھے چلو۔ لاش یہیں رہنے دو۔"

اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں لے گئے۔ وہاں ایسی بدبو تھی جیسے بے شمار لاشیں پڑی ہوں۔ سوڈانی سالار آگے آگے تھا۔ ایک جگہ چھ سات مصری اُلٹے لٹکے ہوئے تھے اور اُن کے بازوؤں کے ساتھ وزن بندھا ہُوا تھا۔ آگے ایک آدمی کو بہت بڑی صلیب کے ساتھ اس طرح لٹکایا ہُوا تھا کہ اس کی ہتھیلیوں میں ایک ایک کیل گڑھا ہُوا تھا۔ خون ٹپک رہا تھا۔ ایک جگہ ایک چوڑا اور بہت بڑا پہیہ تھا۔ اس پر ایک آدمی پیٹھ کے بل اس طرح بندھا تھا کہ ٹخنوں سے زنجیریں بندھی تھیں جو فرش میں ٹھونکی ہوئی تھیں۔ بازو اوپر کر کے پہیے کے ساتھ بندھے تھے۔ ایک آدمی پہیے کو ذرا سا چلاتا تو اس آدمی کے بازو اور ٹانگیں اوپر اور نیچے کو کھینچی جاتی تھیں۔ وہ درد سے چیختا تھا۔

اسحاق کو تہہ خانے میں گھما پھرا کر دکھایا گیا کہ یہاں کیسی کیسی اذیتیں دی جا رہی ہیں۔ جگہ جگہ خون تھا۔ بعض قیدی قے کرتے تھے اور چند ایک بے ہوش پڑے تھے۔ اذیت کا ہر ایک طریقہ دکھا کر سوڈانی سالار نے اسحاق سے پوچھا۔ "آپ کو جو طریقہ پسند ہو وہ بتا دیں۔ ہم آپ کو وہاں لے چلتے ہیں۔ اگر آپ اس کے بغیر ہی ہماری بات مان جائیں تو آپ کا ہی بھلا ہوگا۔"

"جہاں جی چاہے لے چلو، تو م سے غداری نہیں کروں گا۔" اسحاق نے کہا۔

"میں ایک بار پھر بتا دیتا ہوں کہ ہم تم سے کیا کروانا چاہتے ہیں۔" سالار نے کہا۔ "تمہیں کہا گیا تھا کہ تمام مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں لے آؤ۔ اس کے عوض تمہیں رہا بھی کیا جائے گا اور مسلمان قبیلوں کے علاقے کا امیر بنا دیا جائے گا۔ اب تم اپنا یہ حق کھو بیٹھے ہو۔ اب ہماری شرط یہی ہے مگر تمہیں یہ انعام دیا جائے گا کہ کوئی اذیت نہیں دی جائے گی اور تمہیں سوڈانی فوج میں اچھا عہدہ دیا جائے گا۔"

"عہدے کی بجائے مجھے کسی بھی اذیت میں ڈال دو۔" اسحاق نے کہا۔

اُسے اس طرح اُلٹا لٹکا دیا گیا کہ ٹخنوں سے زنجیریں ڈال کر چھت سے باندھ دیا گیا۔ سالار نے سپاہیوں سے کہا۔ "شام تک اسے یہیں رہنے دو۔ شام کے وقت اسے لاش والی کوٹھڑی میں پھینک دینا۔ مجھے اُمید ہے کہ

اس کا دماغ صاف ہو جائے گا۔"

☆

شام تک وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ ہوش میں آیا تو وہ لاش کے پاس پڑا تھا۔ ایک کونے میں تھوڑا سا پانی اور کچھ کھانا رکھا تھا۔ اُس نے پانی پیا اور کھانا کھا لیا۔ اُس نے لاش سے کہا۔ "میں تمہاری رُوح کے ساتھ دھوکا نہیں کروں گا۔ میں جلدی تمہارے پاس آ رہا ہوں"۔۔۔ باتیں کرتے کرتے اُس کی آنکھ لگ گئی۔

آدھی رات کے وقت اُسے پھر جگایا گیا اور پہیے کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ سوڈانی سالار موجود تھا۔ اُس نے کہا۔۔۔ "ہزاروں مسلمان ہمارے ساتھ ہیں۔ تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ تم اسلام کے لیے قربانی دے رہے ہو لیکن صلاح الدین ایوبی اپنی بادشاہی کو آدھی دنیا پر پھیلانے کے لیے تم جیسے پاگلوں کو مروا رہا ہے۔ وہ بدبخت شراب بھی پیتا ہے اور اُس نے پریوں جیسی لڑکیوں سے حرم بھر رکھا ہے اور تم ہو کہ اُس کے نام پر مرتے ہو۔"

"سالارِ محترم!" اسحاق نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے مذہب کے امیر اور سلطان کے خلاف جھوٹ بولنے سے روک نہیں سکتا، اور تم مجھے اپنے عقیدے پر جان قربان کرنے سے روک نہیں سکتے۔ میری قوم کے کسی بھی قبیلے کا کوئی ایک بھی مسلمان تمہاری فوج میں شامل نہیں ہوگا۔ مسلمان مسلمان کے خلاف تلوار نہیں اٹھائے گا۔"

"تم شاید نہیں جانتے کہ عرب میں مسلمان مسلمان کا خون بہا رہا ہے۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "صلیبی فلسطین میں بیٹھے تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ تمام امیروں اور مسلمان حکمرانوں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔"

"انہوں نے کر دی ہوگی۔" اسحاق نے کہا۔ "میں نہیں کروں گا۔ جنہوں نے بغاوت کی ہے وہ اِس دنیا میں بھی سزا بھگتیں گے، اگلے جہان میں بھی۔۔۔۔ تم اپنا وقت ضائع نہ کرو۔ میرے ساتھ جو سلوک کرنا چاہو کرو اور کسی دوسرے سوڈانی مسلمان کو پکڑو۔ شاید وہ تمہارا کام کر دے۔"

"ہمیں بتایا گیا ہے کہ تم صرف اشارہ کر دو تو تمام مسلمان ہمارے ساتھ ہوں گے۔" سالار نے کہا۔ "ہم تم سے یہ کام مفت نہیں کرانا چاہتے۔ تمہاری قسمت بدل دیں گے۔"

"میں آخری بار کہتا ہوں کہ میں اپنی قوم کو نہیں بیچوں گا نہیں"۔۔۔ اسحاق نے کہا۔

وہ پہیے کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ نیچے ٹخنے فرش کے ساتھ، اوپر کلائیاں پہیے کے ساتھ۔ تین چار حبشی اُس لمبے کھمبے کے ساتھ کھڑے تھے جسے دھکیلنے سے پہیہ حرکت میں آتا تھا۔ سوڈانی سالار نے اشارہ کیا تو حبشیوں نے کھمبے کو ایک قدم دھکیلا۔ رہٹ کی طرح پہیہ چلا۔ اسحاق کا جسم اوپر اور نیچے کو کھنچنے لگا۔ اُس کے بازو کندھوں سے اور ٹانگیں کولہوں سے الگ ہونے لگیں۔ اُس کے جسم سے پسینہ اس طرح پھوٹا جیسے کسی نے اُس پر پانی انڈیل دیا ہو۔

"اب سوچو اور جواب دو۔" اُس کے کانوں میں سوڈانی سالار کی آواز پڑی۔

"ایمان نہیں بیچوں گا۔" اسحاق نے کراہتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اُس کی کھال پھٹنے لگی۔

"اب اچھی طرح سوچ سکو گے۔"

"میری لاش بھی یہی جواب دے گی۔ اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔" اسحاق نے یہ الفاظ بڑی مشکل سے منہ سے نکالے۔

"اسے کچھ دیر یہیں رہنے دو۔" سالار نے حکم دیا۔ "مان جائے گا۔"

اسحاق نے قرآن کی آیات کا ورد شروع کر دیا۔ سالار چلا گیا۔ اسحاق کے جسم کے جوڑ کُھل رہے تھے۔ کھال جیسے اتاری جا رہی تھی۔ اُس کا منہ آسمان کی طرف تھا۔ اُس نے تصور میں خدا کو اپنے سامنے دیکھا اور کہا۔ "خداوندِ دو عالم! میں گناہگار ہوں تو مجھے اور زیادہ سزا دو۔ میں آپ کی راہ میں سچا ہوں تو مجھے سکون عطا کرو۔ میں آپ کے حضور شرمسار نہیں ہونا چاہتا"۔۔۔ اس نے آنکھیں بند کر کے آیات کا ورد شروع کر دیا۔

"تم چیختے کیوں نہیں؟" اُس کے پاس قید خانے کا جو سپاہی کھڑا تھا اُس نے کہا۔ "زور زور سے چیخو۔ اس سے تکلیف ذرا کم ہو جاتی ہے۔"

"میں تکلیف میں نہیں ہوں۔" اسحاق نے کہا۔ "پہیہ اور آگے کر دو۔"

قید خانے کے سپاہی درندے تھے۔ اس سپاہی نے حبشیوں سے کہا کہ پہیہ ذرا اور چلائیں۔ حبشیوں نے دھکا لگایا تو پہیہ اور آگے چلا گیا۔ اسحاق کے جسم سے کڑاک کڑاک کی آوازیں نکلیں۔ ایک اور سپاہی دوڑتا آیا۔ اُس نے اپنے ساتھی سے کہا۔۔۔ "تمہیں کس نے کہا ہے کہ پہیہ چلاؤ۔ یہ مر جائے گا۔ اسے ابھی زندہ رکھنا ہے"۔۔۔ پہیہ ذرا نیچے کر دیا گیا۔

"یہ کہتا ہے مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو رہی۔" سپاہی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"تم ہوش میں ہو؟" سپاہی نے اسحاق سے پوچھا۔ "تم کیا بول رہے ہو؟"

"بے ہوشی میں بول رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "تم نے چکر جہاں تک پہنچا دیا تھا وہاں انسان مر جاتا ہے۔ یہ ہوش میں نہیں ہو سکتا۔"

"میں ہوش میں ہوں دوستو!" اسحاق کی نحیف آواز سنائی دی۔۔۔ "میں اپنے خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہوں۔"

دونوں سپاہیوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا۔ ایک نے کہا۔۔۔ "یہ اتنا طاقتور تو نہیں لگتا۔ اس حالت میں تو بھینسوں جیسے وحشی حبشی بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی عالم ہوگا۔ اس کے پاس خدا کی طاقت ہے۔"

"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" اسحاق نے کہا۔ "میرے پاس خدا کی طاقت ہے۔ میں خدا کا کلام پڑھ رہا ہوں۔ پہیے کو پورا چکر دے کر دیکھو۔ میرا جسم دو حصوں میں کٹ جائے گا۔ دونوں حصوں سے یہی آواز آئے گی جو تم سن رہے ہو۔"

وہ گنوار سپاہی تھے۔ توہم پرستی اُن کا مذہب تھا۔ وہ مسلمان نہیں تھے۔ پیروں فقیروں اور مجذوبوں کو خدا سمجھتے تھے۔ بتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ اس پہیے کو (جسے چکر شکنجہ کہتے تھے) وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کے ساتھ بندھا ہوا انسان پہیے کی ذرا سی حرکت پر چیخ اٹھتا اور ہر بات مان لیتا تھا۔ ذرا مزید حرکت سے بے ہوش ہوتا اور کچھ دیر بعد مر جاتا تھا لیکن اسحاق پہیے کے آخری نشان تک زندہ ہی نہ رہا، ہوش میں رہا۔ سپاہی جان گئے کہ یہ آدمی عام قسم کا انسان نہیں۔

"تم آسمانوں کا حال جانتے ہو؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"میرا خدا جانتا ہے۔" اسحاق نے جواب دیا۔

"تمہارا خدا کہاں ہے؟"

"میرے دل میں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "وہ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا۔"

"ہم غریب لوگ ہیں۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "یہاں تم جیسے انسانوں کی ہڈیاں توڑ کر بال بچوں کو روٹی کھلاتے ہیں۔ تم ہماری قسمت بدل سکتے ہو؟"

"باہر جا کر۔" اسحاق نے کہا۔ "میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں وہ تمہیں بتا دوں گا۔ تمہاری قسمت بدل جائے گی۔"

"ہم پہیہ پیچھے کر دیتے ہیں۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "سالار کو آتا دیکھیں گے تو اوپر کر دیں گے۔"

"نہیں!" اسحاق نے کہا۔ "میں تمہیں یہ بددیانتی نہیں کرنے دوں گا۔ یہی میری طاقت ہے۔ اسے ہم ایمان کہتے ہیں۔"

"ہم تمہاری مدد کریں گے۔" ایک سپاہی نے کہا۔ "جب کہو گے جو کہو گے ہم کریں گے۔ اگر ہو سکا تو تمہیں قید خانے سے نکال دیں گے۔"

☆

سالار آ گیا۔

"کیوں بھائی؟" اُس نے اسحاق سے پوچھا۔ "ہوش میں ہو؟"

"میرے اللہ نے مجھے بے ہوش نہیں ہونے دیا۔" اسحاق نے جواب دیا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اسحاق نے صاف طور پر محسوس کیا کہ اُس کا جسم دو حصوں میں کٹ گیا ہے اور اس کا آخری وقت آ گیا ہے۔ اُس نے کراہتی ہوئی آواز میں کلام پاک کا ورد اور زیادہ بلند آواز سے شروع کر دیا۔ پہیہ اور آگے چلایا گیا۔ اُس کے جسم سے ایسی آوازیں آئیں جیسے جوڑ ٹوٹ رہے ہوں۔

"خوش نہ ہو کہ ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔" سوڈانی سالار نے کہا۔ "تم زندہ رہو گے اور تمہارے ساتھ ہر روز یہی سلوک ہوگا۔ ہم تمہاری جان لے کر تمہیں اذیت سے آزاد نہیں کرنا چاہتے۔"

اسحاق نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُس نے وِرد جاری رکھا۔

سالار کے اشارے پر پہیہ ذرا پیچھے کر دیا گیا۔ سالار کے ساتھ فوج کا ایک اور افسر تھا۔ سالار اُسے الگ لے گیا اور کہا۔ "بہت سخت جان معلوم ہوتا ہے۔ اتنی دیر میں یہ بے ہوش بھی نہیں ہُوا۔ ہم نے زیادتی کی تو مر جائے گا۔ اُسے ابھی زندہ رکھنا ہے۔ میں نے ایک اور طریقہ سوچا ہے۔ معلوم ہُوا ہے کہ اس کی ایک بیٹی کی عمر چودہ پندرہ سال ہے اور اس کی بیوی بھی ہے۔ ان دونوں کو یہ دھوکہ دے کر یہاں بلایا جائے کہ یہ شخص قید خانے میں ہے اور مر رہا ہے۔ تمہیں اجازت دی جاتی ہے کہ اسے دیکھ جاؤ، اور اگر یہ مر گیا تو اس کی لاش لے جاؤ۔"

"ہاں۔" دوسرے افسر نے کہا۔ "دھوکے سے ہی بلانا پڑے گا ورنہ وہاں کے مسلمان ہمارے کسی آدمی کو اپنے علاقے میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

"ان دونوں کو بلا کر اس کے سامنے ننگا کر کے کھڑا کر دیں گے۔" سالار نے کہا۔ "پھر اسے کہیں گے کہ ہماری شرط مان لو ورنہ تمہاری کمسن بیٹی اور بیوی کو تمہارے سامنے بے آبرو کیا جائے گا۔"

دونوں سپاہی جو سالار کی غیر حاضری میں اسحاق کے ساتھ باتیں کرتے رہے تھے قریب کھڑے سُن رہے تھے۔ سالار نے انہی میں سے ایک کو بھیج کر فوج کے کمانڈر کو بلایا۔ اُسے اسحاق کے گاؤں کا راستہ بتا کر پیغام دیا اور یہ بھی بڑی اچھی طرح سمجھا دیا کہ مقصد کیا ہے۔ اُسے کہا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ بہت ہی احترام سے بات کرے اور صلاح الدین ایوبی کی تعریفیں بھی کرے ورنہ مسلمان اُسے زندہ نہیں نکلنے دیں گے۔

کمانڈر اُسی وقت روانہ ہو گیا۔ اسحاق کو چلر شکنجے سے اتار کر اُسی کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا جس میں کسی مصری سپاہی کی لاش گل سڑ رہی تھی۔ اسحاق سے اٹھا نہیں جا رہا تھا۔ سارے جسم سے درد کی بے رحم ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں مگر اُس نے دھیان خدا کی طرف لگا رکھا تھا۔ اتنے شدید درد کے باوجود وہ اپنے آپ میں سکون محسوس کر رہا تھا۔ اُس کی رُوح میں کوئی درد نہیں تھا۔ جسمانی درد کے احساس سے وہ بے نیاز ہو چکا تھا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُسے ایسی ذلت میں ڈالنے کا اہتمام ہو رہا ہے جو اُس کی روح کو لہولہان کر دے گا۔ اُس کی کمسن بیٹی اور جوان بیوی کو قید خانے میں لانے کے لیے ایک آدمی چلا گیا تھا۔

وہاں سے اُس کا گاؤں جو پہاڑی علاقے میں تھا گھوڑے پر پورے دن کی مسافت جتنا دُور تھا۔ صبح ابھی ابھی طلوع ہوئی۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی افسر کے ساتھ چلا گیا۔ قید خانے میں دونوں سپاہیوں کی ڈیوٹی ختم ہونے والی تھی۔ دن بھر کے لیے دوسرے سپاہی آ رہے تھے۔ اِن دونوں سپاہیوں نے آپس میں بات کی اور ایک فیصلہ کر لیا۔ وہ اسحاق کو برگزیدہ انسان سمجھ رہے تھے جس کا تعلق براہِ راست کسی غیبی قوت کے ساتھ تھا۔ یہ اُن کی برداشت سے باہر تھا کہ اس برگزیدہ شخص کی بیٹی اور بیوی کو قید خانے میں بلا کر ذلیل کیا جائے۔ ایک سپاہی نے اس خطرے کا بھی اظہار کیا کہ اس شخص کی بیٹی اور بیوی کی توہین کی گئی تو سب پر قہر نازل ہوگا۔ ان دونوں کو یہ لالچ بھی تھا کہ باہر جا کر اسحاق اُن کی قسمت بدل دے گا۔

ایک سپاہی نے کہا کہ وہ اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو یہاں تک نہیں آنے دے گا۔

☆

شام ہو چکی تھی جب پیغام لے جانے والا سوڈانی کمانڈر مسلمانوں کے پہاڑی علاقے میں داخل ہُوا۔ پہلے گاؤں میں جا کر اُس نے پوچھا کہ اسحاق نام کے ایک سوڈانی مسلمان کا گاؤں کہاں ہے جو مصر کی فوج میں عہدیدار ہے۔ اسحاق کا تمام علاقے پر اثر و رسوخ تھا۔ اُسے ہر کوئی جانتا تھا۔ کمانڈر نے بتایا کہ وہ زخمی حالت میں جنگی قیدی ہُوا تھا۔ دوسرے قیدیوں کی طرح اُسے بھی قید خانے میں ڈال دیا گیا تھا۔ اُس کی حالت بگڑ رہی ہے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اُسے اُس کی بیٹی اور بیوی سے ملایا جائے۔ میں ان دونوں کو لینے آیا ہوں۔

ایک آدمی اُن کے ساتھ ہو گیا۔ وادیوں سے گزرتے، کچھ وقت بعد دونوں اسحاق کے گاؤں میں داخل ہوئے۔ پھر اُس کے گھر جا پہنچے۔ اُس کے بوڑھے باپ سے ملاقات ہوئی۔ سوڈانی کمانڈر نے جھک کر مصافحہ کیا اور نہایت اچھے انداز سے کہا: "آپ کا بیٹا اتنا بہادر ہے کہ ہمارے سالار بھی اُسے سلام کرتے ہیں۔ وہ بہادری سے لڑا مگر ریگستان نے اُسے پیاسا رکھ کر بے حال کر دیا۔ وہ زخمی حالت میں پکڑا گیا۔ اُس کا علاج اس طرح کیا جا رہا ہے جس طرح سوڈانی سالاروں اور حکمرانوں کا کیا جاتا ہے۔ اتنے اچھے علاج کے باوجود وہ صحت یاب نہیں ہوا۔ اُسے بچانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ اُس نے خواہش ظاہر کی ہے کہ اپنی بیٹی کو اور اپنی بیوی کو آخری بار دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"اگر تم لوگ اُس کی اتنی زیادہ عزت کرتے ہو تو اُسے میرے حوالے کیوں نہیں کر دیتے؟" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے ہمارے جراح اور طبیب اُسے ٹھیک کر لیں۔"

"فرمانروائے سوڈان نے کہا ہے کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "مہمان کو بیماری کی حالت میں رخصت کرنا میزبان کی بے عزتی ہے۔ صحت یاب ہوتے ہی اُسے باعزت طریقے سے رخصت کر دیا جائے گا۔"

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ اُس کی بیٹی اور بیوی اُس کے پاس رہیں اور اُس کی تیمارداری کریں؟" بوڑھے باپ نے پوچھا۔

"اگر یہ دونوں وہاں رہنا چاہیں تو انہیں عزت سے رکھا جائے گا۔" کمانڈر نے کہا۔ "ہمارے ہاں بہادروں کی عزت کی جاتی ہے۔ ہمارے مذہب الگ ہیں لیکن ہم اور آپ سوڈانی ہیں۔ ہم زمین کا احترام کرتے ہیں۔ اگر اسحاق صلاح الدین ایوبی کا سپاہی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم بھائی ہیں۔ صلاح الدین ایوبی کو ہم بہت بڑا جنگجو مانتے ہیں۔ اُس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا دیا ہے۔"

"پھر تم اُسے دشمن کیوں سمجھتے ہو؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "تم صلیبیوں کو دوست کیوں سمجھتے ہو؟"

"محترم بزرگ!" کمانڈر نے کہا۔ "اگر میں باتیں کرنے بیٹھ گیا تو یہ میرے فرض میں کوتاہی ہوگی۔ مجھے آپ کی بچی اور آپ کی بہو کو صبح سے پہلے آپ کے بیٹے تک پہنچانا ہے۔ آپ کے بیٹے کی خواہش کی تکمیل ہمارا فرض ہے.... کیا آپ کی بیٹی اور بہو میرے ساتھ ابھی چلنے کو تیار ہیں؟"

پردے کے پیچھے سے ایک نسوانی آواز آئی۔ "ہم تیار ہیں۔"

"کوئی مرد ساتھ نہیں جا سکتا؟" بوڑھے نے پوچھا۔ "میں بھی تو اپنے بیٹے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"سفر لمبا ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "آپ اتنی لمبی گھوڑسواری برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھے جو حکم ملا ہے وہ بیٹی اور بیوی کو لانے کا ہے۔"

قید خانے کا سپاہی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر گھر گیا۔ بہت جلدی میں اُس نے کپڑے بدلے۔ سر کو اس طرح ڈھانپا کہ چہرہ بھی چھپ گیا۔ اُس نے گھوڑے کے لیے چارہ اور پانی گھوڑے کے ساتھ باندھا اور کسی کو بتائے

بغیر کہ کہاں جا رہا ہے روانہ ہو گیا۔ اُس نے وہ راستہ معلوم کر لیا تھا جو اسحاق کے گاؤں کو جاتا تھا۔ سالار جب پیغام لے جانے والے کمانڈر کو راستہ سمجھا رہا تھا یہ سپاہی پاس کھڑا سن رہا تھا۔ اُس کے دل میں عقیدت تھی۔ آبادی سے نکل کر اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ کمانڈر اُس سے بہت پہلے نکل گیا تھا اس لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اُس سے پہلے اسحاق کے گھر پہنچ جاتا۔ سورج بہت اُوپر آ چکا تھا۔

☆

اسحاق کے باپ کے پاس دو گھوڑے تھے۔ اُس نے دونوں تیار کیے۔ اسحاق کی بیٹی اور بیوی جلدی میں تیار ہو کر سوار ہو گئیں۔ گاؤں کے کچھ اور لوگ بھی وہاں آ گئے تھے۔ سب سوڈانی کمانڈر کی باتوں میں آ گئے اور انہوں نے اسحاق کی بیٹی اور بیوی کو کمانڈر کے ساتھ رخصت کر دیا۔ رات کا سفر تھا۔ راستے میں کہیں رُکنا نہیں تھا۔ دونوں مستورات کے دلوں میں اسحاق کے متعلق جو جذبات تھے ان سے اُن کی نیند اُڑ گئی۔ اُن کے لیے گھوڑے کی سواری کوئی نئی یا مشکل بات نہیں تھی۔ یہاں کے مسلمان اپنے بچوں کو گھوڑسواری اور تیر اندازی بچپن میں ہی سکھا دیا کرتے تھے۔

تینوں گھوڑے پہاڑی علاقے سے نکل گئے۔ کمانڈر خوش تھا کہ اُس نے کامیابی سے دونوں مستورات کو جال میں پھانس لیا تھا۔ اسحاق اُس کوٹھڑی میں بیٹھا تھا جس میں گلی سڑی لاش پڑی تھی۔ یہ لاش اُسے پریشان کرنے کے لیے وہاں رکھی گئی تھی لیکن اسحاق نے اپنے آپ کو جسمانی احساسات سے بیگانہ کر دیا تھا۔ وہ لاش کے ساتھ اس طرح باتیں کرتا تھا جیسے وہ زندہ ہو۔ اُسے بدبُو کا ذرّہ بھر احساس نہیں تھا۔ وہ اب جسم نہیں رُوح بن گیا تھا۔ سارا دن اُسے کوٹھڑی سے باہر نہ نکالا گیا۔ شام کے بعد بھی اُسے کسی نے نہ چھیڑا۔ وہ حیران بھی ہوا کہ اُسے کیوں آرام دیا جا رہا ہے۔ شاید سوڈانی سالار اُس سے مایوس ہو گیا تھا؟

کمانڈر دونوں مستورات کے ساتھ پہاڑی علاقے سے نکل کر صحرا میں جا رہا تھا۔ وہ اِن دونوں کو اسحاق کی بہت اچھی اچھی باتیں سُنا رہا تھا۔ دونوں پوری دلچسپی سے سُن رہی تھیں۔ سوڈانی سالار اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا۔ "اپنی بیٹی اور بیوی کی بے عزتی کون برداشت کر سکتا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کمانڈر ان دونوں کو لے آئے گا۔ میں اسحاق سے کہوں گا کہ جب تک تم مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر کے سوڈان کا وفادار نہیں بنا دیتے تمہاری بیٹی اور بیوی کو آزاد نہیں کیا جائے گا۔"

"صبح تک ہمارے کمانڈر کو آ جانا چاہیے۔" سالار کے ساتھی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ذرا پہلے آ جائے۔" سالار نے کہا۔ "آدمی ہوشیار ہے۔"

قید خانے کا جو سپاہی کمانڈر کے پیچھے روانہ ہوا تھا ریتیلے ٹیلوں کے علاقے میں سے گزر رہا تھا۔ اُس نے آدھے سے زیادہ راستہ طے کر لیا تھا۔ اُس رات چاند نہیں تھا۔ صحرا کی فضا رات کو شفاف ہو جاتی ہے۔ ستاروں کی روشنی بھی مسافروں کو راستہ دکھا دیتی ہے۔ سپاہی کو رات کی خاموشی میں کسی کی باتیں سنائی دیں۔ بولنے والا اُسی کی طرف آ رہا تھا۔ ٹیلے گونج پیدا کر رہے تھے۔ سپاہی ایک ٹیلے کی اوٹ میں رُک گیا۔ باتیں بلند ہوتی گئیں اور گھوڑوں کے پاؤں کی آہٹیں بھی سنائی دینے لگیں۔ تھوڑی سی دیر بعد سپاہی نے ٹیلے کی اوٹ سے تین گھوڑے گزرتے

دیکھے۔ اُس نے تلوار نکال لی۔ اُس وقت بھی کمانڈر اسحاق کی باتیں کر رہا تھا۔ سپاہی کو یقین ہو گیا کہ یہ کمانڈر ہے اور اس کے ساتھ اسحاق کی بیٹی اور بیوی ہے۔

اُس نے گھوڑا باہر نکالا اور اُن کے پیچھے گیا۔ اُس کے گھوڑے کے قدموں کی آواز نے کمانڈر کو چونکا دیا۔ وہ تلوار سونت کر پیچھے کو مُڑا لیکن سپاہی گھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔ اُس نے دوڑتے گھوڑے سے کمانڈر پر ایسا وار کیا کہ اُس کا ایک بازو صاف کاٹ دیا۔ گھوڑا روک کر وہ پیچھے مُڑا۔ کمانڈر لڑنے کی حالت میں نہیں تھا۔ اُس نے رحم کے لیے پکارا لیکن سپاہی نے اُس کی گردن پر وار کر کے اُسے گھوڑے سے لڑھکا دیا۔

دونوں مستورات سُن ہو گئیں۔ اسحاق کی بیوی نے اپنی بیٹی سے کہا۔ "بھاگو۔ ڈاکو معلوم ہوتے ہیں۔"

انہوں نے گھوڑے موڑے۔ سپاہی نے اپنا گھوڑا اُن کے راستے میں کر لیا اور کہا۔ "یہاں کوئی ڈاکو نہیں ہے۔ مجھ سے نہ ڈرو۔ میں نے تمہیں ایک ڈاکو سے بچایا ہے۔ میرے ساتھ اپنے گاؤں چلو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا، تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ میں اکیلا ہوں۔"

وہ دونوں حیران و پریشان تھیں کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ سپاہی نے کمانڈر کے گھوڑے کی لگام اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دی اور گھوڑے کو بھی ساتھ لے چلا۔ راستے میں اُس نے دونوں کو بتایا کہ اسحاق قید خانے میں بند ہے۔ اُسے کہا جا رہا ہے کہ وہ مسلمان قبیلوں کو سوڈانی فوج میں شامل کر دے۔ اسحاق نہیں مان رہا۔ سپاہی نے ان دونوں کو یہ نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ تم دونوں کو اُس کے سامنے عریانی کی حالت میں کھڑا کر کے اور تم دونوں کی بے عزتی کی دھمکی دے کر اسحاق کو اپنی بات پر لانے کے لیے بلایا گیا ہے۔ یہ آدمی جسے میں نے قتل کیا ہے تم دونوں کو اسی نیت سے لے جانے آیا تھا۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔"

"تم کون ہو؟" اسحاق کی بیوی نے پوچھا۔ "مسلمان ہو؟"

"میں قید خانے کا سپاہی ہوں۔" اُس نے جواب دیا۔ "میں مسلمان نہیں ہوں۔"

"پھر تمہیں ہمارے ساتھ کیسے ہمدردی پیدا ہو گئی؟"

"میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر ہوتے ہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "تمہارا خاوند پیغمبر معلوم ہوتا ہے۔"

اسحاق کی بیوی نے اُس سے پوچھا کہ وہ اُس کے خاوند کو کیوں پیغمبر سمجھتا ہے۔ سپاہی نے اصل بات نہ بتائی اور کہا۔ "اب تو میں اُسے سچا پیغمبر سمجھتا ہوں۔ وہ قید خانے میں قید ہے۔ مسلمان ہے۔ میں مسلمان نہیں ہوں۔ اُسے معلوم ہی نہیں کہ اُس کی بیٹی اور بیوی کو بے عزت کرنے کا انتظام کر دیا ہے۔ میرے دل میں خیال آ گیا کہ میں تم دونوں کی عزت کی حفاظت کروں گا۔ میں نے ایسا کام کیا ہے جو میری ہمت سے باہر تھا۔ یہ اُسی کی غیبی قوت ہے۔ میں اُسے پیغمبر سمجھتا ہوں۔"

☆

سحر کے وقت اسحاق کے گھر کے سامنے چار گھوڑے رُکے۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ اسحاق کا باپ

اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو اُن کے ساتھ ایک اور آدمی کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اندر جا کر سپاہی نے اُسے تمام حالات اور واقعات سنا دیئے لیکن اُسے بھی نہ بتایا کہ اسحاق کے ساتھ قید خانے میں کیا سلوک ہو رہا ہے۔

اسحاق کے باپ نے اُسی وقت اپنے قبیلے کے لوگوں کو اطلاع دے دی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ سپاہی نے انہیں بتایا کہ اسحاق کو اس شرط پر رہائی دینے کا وعدہ کیا جا رہا ہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو سوڈان کی فوج میں شامل کر دے اور تمام مسلمان سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ سپاہیوں نے بتایا کہ اسحاق کہتا ہے کہ مجھے جان سے مار دو میں اپنی قوم کے ساتھ غداری نہیں کروں گا۔

تمام لوگ بھڑک اُٹھے۔ سوڈان کو بھلا بُرا کہنے لگے۔ کسی نے کہا۔ "یہاں صلاح الدین ایوبی آئے گا۔ یہ خدا کی زمین ہے۔"

"ہم قید خانے پر حملہ کر کے اسحاق کو رہا کرائیں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"تمہارے لیے یہ کام آسان نہیں۔" سپاہی نے کہا۔ "تہہ خانے میں سے تم کسی کو نہیں نکال سکتے۔"

"تم قید خانے کے سپاہی ہو۔" اسحاق کے باپ نے کہا۔ "تم ہماری مدد کر سکتے ہو۔"

"میں غریب اور ادنیٰ سپاہی ہوں۔" اُس نے کہا۔ "میں آپ کے بیٹے کو پیغمبر سمجھتا ہوں۔ میں نے اُسے کہا تھا کہ میری قسمت بدل دو۔ اُس نے کہا تھا کہ باہر آ کر بدل دوں گا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا ہے میں اُس کا مرید ہوتا جا رہا ہوں۔ یہ سب لوگ اس پر جانیں قربان کرنے پر تیار ہیں۔ کیا میری زندگی بھی ایسی ہو سکتی ہے جیسی تمہاری ہے؟"

"مسلمان ہو جاؤ اور یہیں رہو۔" اسحاق کے باپ نے اُسے کہا۔ "ہم لوگ جنت میں رہتے ہیں۔ یہاں پانی کے چشمے ہیں اور ہرے بھرے درخت ہیں۔ یہاں کی زمین اتنا اناج دیتی ہے کہ جو کاشت کاری نہیں کرتا وہ بھی بھوکا نہیں رہتا۔ یہ ہمارے اللہ کی شان ہے۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ اور اپنی قسمت بدل لو۔ ہم لوگ آزاد ہیں۔ یہ پہاڑیاں ہمارا قلعہ ہیں جو ہمارے اللہ نے ہمارے لیے بنایا ہے۔"

سپاہی نے وہیں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسحاق کے باپ نے اُسے حلقہ بگوش اسلام کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔

صبح طلوع ہو چکی تھی۔ سوڈانی سالار بے تابی سے کمانڈر کا انتظار کر رہا تھا مگر اُس کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ سورج اُوپر اٹھتا گیا اور سالار بے چین ہوتا گیا۔ وہ سمجھا کہ کمانڈر راستہ بھول گیا ہو گا۔ اُس نے ایک اور عہدیدار کو بلایا اور اُسے وہی باتیں بتا کر جو اُس نے پہلے کمانڈر کو بتائی تھیں روانہ کر دیا۔

اسحاق کوٹھڑی میں بند رہا۔ یہ دن بھی کوٹھڑی میں گزر گیا۔ اُس کی کوٹھڑی میں پڑی ہوئی لاش پھٹنے لگی تھی۔ قید خانے کے سنتری جو انسانوں کے جسم توڑنے اور تہہ خانے کی بدبُو کے عادی تھے وہ بھی اسحاق کی کوٹھڑی کے قریب آنے سے گریز کرنے لگے۔ بڑی ہی بُری بدبُو تھی۔ ایک سنتری نے ناک پر ہاتھ رکھ کر اسحاق سے پوچھا۔ "او مردود! تم اس بدبُو کو کس طرح برداشت کر رہے ہو؟ یہ لوگ جو کچھ تم سے منوانا چاہتے ہیں مان

جاؤ اور یہاں سے رہائی لو۔ اِس مُردار کی بدبُو سے پاگل ہو جاؤ گے۔"

"مجھے کوئی بدبُو محسوس نہیں ہو رہی۔" اسحاق نے کہا۔ "یہ مُردار نہیں شہید ہے۔ میں رات کو اس کے ساتھ لگ کر سوتا ہوں۔"

"تم پاگل ہو چکے ہو۔" سنتری نے کہا۔ "لاش کی بدبُو کا یہی اثر ہوتا ہے۔"

اسحاق کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی اور اُس نے لاش کے پاس بیٹھ کر قرآن کی ایک آیت کا ورد شروع کر دیا۔

☆

یہ رات بھی گذر گئی۔ صبح کے دھندلکے میں جس دوسرے کمانڈر کو سالار نے بھیجا تھا واپس آگیا۔ ایک تو مسلسل اتنے طویل سفر سے اُس کا رنگ اُڑا ہُوا تھا۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ دیکھ آیا تھا اُسے بیان کرنے سے اُس کی زبان ہکلا رہی تھی۔ اُس نے سالار کو بتایا کہ راستے میں کچھ علاقہ ریتیلے ٹیلوں اور گھاٹیوں کا ہے۔ ایک جگہ گِدھ مُردار کھا رہے تھے۔ اُس نے ایک جگہ تلوار پڑی دیکھی۔ جُوتے اور کپڑے بھی دیکھے۔ اُس نے گِدھوں کو اڑایا تو پتہ چلا کہ وہ کسی انسان کو کھا رہے تھے۔ چہرہ بھی خراب ہو چکا تھا۔ اُسے جو چیزیں مثلاً خنجر، چمڑے کا کمربند وغیرہ ملیں وہ اُٹھا کر لے گیا۔ اُسے یقین ہو گیا کہ یہ سوڈانی کمانڈر کی لاش تھی۔

اُس نے آگے جا کر زمین دیکھی۔ گھوڑوں کے پاؤں کے نشان تھے۔ یہ کمانڈر پہاڑی علاقے تک گیا۔ گھوڑوں کے نشان وہاں تک گئے تھے۔ کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کمانڈر مستورات کو ساتھ لایا تھا یا نہیں اور اُسے کس نے قتل کیا ہے۔ سوڈانی سالار نے کہا کہ معلوم ہو جائے گا۔ مسلمانوں کے اس علاقے میں سوڈانیوں نے جاسوس چھوڑ رکھے تھے جو انہی مسلمانوں میں سے تھے۔ اِن جاسوسوں کا وہاں اور کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ صرف مخبری کرتے تھے۔ اسحاق کے متعلق انہی لوگوں نے بتایا تھا کہ اس علاقے پر اُسی کا اثر و رسوخ ہے۔

ہُوا بھی ایسے ہی۔ شام کے بعد دو جاسوس پہنچ گئے۔ انہوں نے سالار کو پوری خبر سنائی کہ کمانڈر، اسحاق کی بیوی اور بیٹی کو لے گیا تھا اور قید خانے کے ایک سپاہی نے اُسے راستے میں قتل کر دیا اور مستورات کو واپس لے گیا ہے۔ انہوں نے سپاہی کا نام بھی بتایا۔ سالار نے یہ مسئلہ سوڈان کے حکمران کے آگے رکھا۔ اُس نے صلیبی مشیروں کو بتایا۔ اِن صلیبیوں نے مشورہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ۔ مسلمانوں پر فوج کشی کی حماقت نہ کر بیٹھنا۔ انہیں کسی اچھے طریقے سے دوست بنانے کی کوشش کرو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی کرو کہ اس سپاہی کو خفیہ طریقے سے قتل کرا دو تاکہ مسلمانوں کو پتہ چل جائے کہ ہمارے ہاتھ ہر جگہ پہنچ سکتے ہیں۔ اگر اسحاق تمہاری شرط تسلیم نہیں کرتا تو کسی اور سوڈانی مسلمان قیدی کو قائل کرو۔ اسحاق پر تشدد جاری رکھو۔

اسحاق کو ایک بار پھر تشدد کے شکنجے میں جکڑ لیا گیا۔ اب تو سالار اُس سے اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ اُسے اتنی درندگی کا تختۂ مشق بنا دیا گیا جتنا انسانی تصور سے باہر تھا۔ رات کے وقت وہ بیہوش ہو گیا اور اُسے کوٹھڑی میں پھینک دیا گیا۔ ہوش میں آیا تو کوٹھڑی میں اندھیرا تھا۔ باہر ایک مشعل جل رہی تھی۔ اسحاق نے ہاتھ ایک طرف کیا تو ہاتھ کسی کے جسم پر لگا۔ اُسے یاد آگیا کہ یہ وہی لاش ہے جو پہلے دن سے اُس کے ساتھ پڑی ہے مگر اُسے ایسے لگا جیسے لاش سانس لے رہی ہو۔ یہ اُس کے دماغ کی خرابی ہی ہو سکتی تھی۔ اُس کے جسم کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ اُٹھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

لاش نے حرکت کی۔ اسحاق نے چونک کر دیکھا۔ چہرے پر نظر ڈالی۔ یہ لاش نہیں تھی۔ کوئی زندہ انسان تھا اور یہ کوٹھڑی کوئی اور تھی۔ دوسرا آدمی بھی شاید بے ہوش تھا۔ وہ آہستہ آہستہ ہوش میں آیا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ اسحاق بڑی مشکل سے اُٹھا اور پوچھا۔ "تم کون ہو؟"

"عمرو درویش۔" اُس آدمی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ ..... عمرو درویش؟" اسحاق نے حیران ہو کر کہا۔ "میں اسحاق ہوں۔"

وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ عمرو درویش بھی صلاح الدین ایوبی کی فوج کے ایک دستے کا کمانڈر تھا۔ وہ بھی انہی مسلمان قبیلوں میں سے تھا جو سوڈانی ہوتے ہوئے سوڈان کی فوج میں بھرتی نہیں ہوتے تھے۔ عمرو درویش بھی جنگی قیدی ہو گیا تھا۔ اسحاق کا نام سُن کر اُٹھ بیٹھا۔

"تمہیں کیا کہتے ہیں؟" اسحاق نے پوچھا۔

"کہتے ہیں کہ عالم کے روپ میں اپنے علاقے میں جاؤ۔" عمرو درویش نے جواب دیا۔ "اور لوگوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کے خلاف دشمنی پیدا کرو۔ کہتے ہیں کہ ہم تمہیں طریقے بتائیں گے اور تمہیں شہزادوں کی طرح رکھیں گے اور جس لڑکی کو پسند کرو گے وہ تمہارے ساتھ رہے گی۔" عمرو نے پوچھا۔ "تم سے کیا منوانا چاہتے ہیں؟"

"کہتے ہیں اپنے تمام قبیلوں کو سوڈان کا وفادار بنا دو۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "اس کے عوض مجھے مسلمانوں کے علاقے کا امیر بنانے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی الگ فوج بنانا چاہتے ہیں۔"

"مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ تمہیں بہت تکلیفیں دے رہے ہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "معلوم نہیں ہمیں ایک ہی کوٹھڑی میں کیوں بند کر دیا ہے ..... شاید اس میں کوئی بہتری ہو گی۔ میں چاہتا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ۔ میں نے ایک طریقہ سوچا ہے۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے میں تم سے اجازت لینا چاہتا تھا۔ اچھا ہُوا تم مل گئے۔"

"کیا طریقہ سوچا ہے؟"

"تم نے دیکھ لیا ہے کہ یہ لوگ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم اذیتیں کب تک برداشت کریں گے۔ آج نہیں تو کل مر جائیں گے۔ یہاں اور کئی سوڈانی مسلمان قید ہیں۔ کوئی نہ کوئی اُن کے جال میں آجائے گا۔ میں ڈرتا ہوں کہ ہمارے چند ایک ساتھیوں کو یہ ورغلا کر ہماری قوم میں تفرقہ ڈال دیں گے۔ ایک صورت یہ ہے کہ تم ان کی شرط مان لو۔ اِس بہانے آزاد ہو جاؤ اور اپنے علاقے میں جا کر کچھ بھی نہ کرو۔ رات کے اندھیرے میں نکل جاؤ۔ تمہیں زندہ رہنا چاہیے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ میں ان کی بات مان لوں۔ یہ مجھے جو سبق پڑھانا چاہتے ہیں وہ پڑھ لوں۔ اُن کا بتایا ہوا بہروپ دھار لوں اور اپنے تمام قبیلوں کو خبردار کر دوں کہ وہ سوڈانیوں کے کسی چکر میں نہ آجائیں۔ اگر میں ان کا ساتھی بن گیا تو میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سوڈانی ہمارے علاقے پر حملہ کر دیں۔" اسحاق نے کہا۔ "ہمارے لوگ اتنی جلدی ہتھیار

ڈالنے والے تو نہیں لیکن فوج کی طاقت اتنی جلدی ختم نہیں ہوتی. فوج آخر فوج ہے۔"

"ہمیں قربانی دینی پڑے گی" عمرو درویش نے کہا "ہم مصر سے چھاپہ ماروں کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ فی الحال ضرورت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے ایک آدمی باہر نکل جائے۔ اگر ہم دونوں اکٹھے ان کی شرط مان کر نکل جائیں تو اور زیادہ بہتر ہے۔"

"میں یہیں رہوں گا" اسحاق نے کہا "تم انہیں دھوکہ دو۔ اگر ہم نے اکٹھے ان کی بات مان لی تو انہیں شک ہوگا۔ یہ سمجھ جائیں گے کہ ہم نے رات ایک کوٹھڑی میں رہ کر کوئی منصوبہ تیار کیا ہے۔ میں سختیاں برداشت کرتا رہوں گا۔ تم نکل جاؤ۔"

☆

صبح طلوع ہوتے ہی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا۔ ایک سپاہی نے اسحاق کو برچھی چبھوئی اور اُسے اُٹھا کر دھکے دیتا اپنے ساتھ لے گیا۔ کوٹھڑی کا دروازہ پھر بند ہوگیا۔ تھوڑی دیر بعد سوڈانی فوج کا ایک عہدیدار آیا۔ اُس نے سلاخوں میں سے عمرو درویش سے پوچھا "اگر تم نے آج انکار کیا تو تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے جسم کا کیا حال ہوگا۔ ہم تمہیں مرنے نہیں دیں گے۔ تم اس دُنیا میں دوزخ دیکھ لوگے۔ ہر روز مروگے اور ہر روز جیوگے۔"

"مجھے کسی اچھی جگہ لے چلو" عمرو درویش نے کہا "میرے جسم کو ذرا سا سکون آنے دو۔ یہاں میں کچھ بھی نہیں سوچ سکتا۔"

"میں تمہیں جنت میں بٹھا سکتا ہوں" سوڈانی عہدیدار نے کہا "تمہیں جنت کی پریوں میں بٹھا دوں گا اور اگر وہاں بھی تم نے انکار کیا تو جتنے دن زندہ رہوگے پچھتاتے رہوگے۔ ہمیں رو رو کر کہوگے کہ میں نے تمہاری شرط مان لی ہے تو بھی ہم تم پر اعتبار نہیں کریں گے۔"

وہ کراہ رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں پوری طرح کھلتی نہیں تھیں۔ اُس نے سرگوشی سی کی "ایسا نہیں ہوگا۔ مجھے کہیں لے چلو اور بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

اُسے اُسی وقت لے گئے اور ویسے ہی خوشنما کمرے میں جا رکھا جیسا اسحاق کو دیا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک طبیب آگیا۔ اُس نے اُس کے جسم کا معائنہ کرکے اُسے دوائیں پلائیں۔ اُسے اعلیٰ قسم کا کھانا کھلایا گیا۔ اس دوران اُسی سوڈانی سالار نے جو اسحاق کا جسم توڑتا رہتا تھا عمرو درویش سے پوچھا "کیا تم نے ہماری ہر بات ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے؟"

عمرو درویش نے سر ہلا کر رضامندی کا اظہار کیا۔ کھانا کھاتے ہی وہ لیٹا اور گہری نیند سو گیا۔ اُس کی جب آنکھ کھلی تو رات بھی گذر چکی تھی اور اگلا دن آدھا گذر گیا تھا۔ وہ بہت دنوں سے قید خانے کے تہہ خانے میں اذیتیں برداشت کر رہا تھا۔ جسم بہت حد تک سُوکھ گیا تھا۔ ہڈیاں دُکھ رہی تھیں۔ اتنے نرم و گداز بستر پر اتنی لمبی نیند سے اُس کے جسم میں صحت کے آثار نظر آنے لگے۔ اُسے دوائیاں دی گئیں اور اُسے بادشاہوں والا کھانا کھلایا گیا تھا۔ اُس کی آنکھ کھلی تو اُس کے سامنے ایک لڑکی کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ وہ بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی۔ اُس کے بال ریشمی تھے اور کُھلے ہوئے۔ اُس کے کندھے، بازو اور سینے کا کچھ حصہ عریاں تھا۔ عمرو درویش فوجی تھا۔ جنگلوں میں پیدا ہُوا اور فوج میں

اُس کی عمر میدانِ جنگ میں گذر رہی تھی۔ اس لڑکی کو اُس نے خواب سمجھا لیکن لڑکی نے آگے ہو کر اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اُسے یقین آیا کہ یہ خواب نہیں۔

لڑکی باہر چلی گئی اور طبیب کو بلا لائی۔ طبیب نے اُسے دیکھا اور دوائی پلا کر چلا گیا۔ فوراً بعد دو صلیبی آگئے۔ وہ سوڈانی زبان روانی سے بولتے تھے۔ تخریب کاری کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو اس مہم کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا کہ وہ اپنے علاقے میں جا کر یہ نہیں بتائے گا کہ وہ قید میں رہا ہے بلکہ یہ بتائے گا کہ میدان جنگ میں اُسے ایک بزرگ ملے تھے جنہوں نے اُسے کہا تھا کہ مصری فوج کا سوڈان پر حملہ مصر کے لیے ہنگامی ثابت ہوگا۔ مسلمانوں کے لیے بہتر یہ ہے کہ سوڈان کا ساتھ دیں ورنہ تباہ ہو جائیں گے.... صلیبیوں نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ مجذوب عالم کے بھیس میں مسلمانوں کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی اور مصر کی حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرے گا۔

عمرو درویش خندہ پیشانی سے رضامند ہوگیا۔ اُسی وقت اُس کی ٹریننگ اور ریہرسل شروع ہوگئی۔ شام کے بعد اُس کے آگے لڑکیوں نے کھانا چُنا۔ شراب بھی رکھی گئی جو اُس نے قبول نہ کی۔ کھانے کے بعد جب لڑکیاں دسترخوان سمیٹ کر لے گئیں تو ایک اور لڑکی شب خوابی کے لباس میں آگئی۔ اُس کا جسم نیم عریاں اور چال ڈھال اشتعال انگیز تھی۔

"تم کیوں آئی ہو؟" عمرو درویش نے لڑکی سے پوچھا۔

"آپ کے لیے" لڑکی نے جواب دیا "میں آپ کے پاس رہوں گی۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟"

"آشی!" لڑکی نے جواب دیا اور اُس کے پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"آشی!" عمرو درویش نے کہا "مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ تم چلی جاؤ۔"

"میں حکم لے کر آئی ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔"

"مجھ سے یہ لوگ جو بات منوانا چاہتے تھے وہ میں نے مان لی ہے" عمرو درویش نے کہا "اب مجھے تم جیسے حسین فریب کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔"

"میں جانتی ہوں" آشی نے کہا "آپ کے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ میں انعام کے طور پر آئی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ آپ کو میری ضرورت ہے۔ سپاہی جب میدانِ جنگ سے آتے ہیں تو اُن کی روح عورت کی طلب گار ہوتی ہے۔"

"میں ہارا ہُوا سپاہی ہوں" عمرو درویش نے کہا "میری روح مر گئی ہے۔ مجھے اپنے جسم سے نفرت ہوگئی ہے مجھے اس کی کسی بھی ضرورت کا احساس نہیں رہا۔ قید خانے میں اُبلے ہوئے چنے کھاتا رہا تو بھی مطمئن رہا۔ یہاں اتنے اچھے کھانے کھائے ہیں تو بھی مطمئن ہوں لیکن خوش نہیں ہوں۔ میں شکست خوردہ ہوں۔"

لڑکی ہنس پڑی جیسے کسی نے جل ترنگ چھیڑ دیا ہو۔ "شراب کے دو چار گھونٹ آپ کو مسرتوں سے مالا

حال کر دیں گے۔" لڑکی نے کہا۔ "حلق سے اُتر جائے تو مجھے دیکھنا۔ پھر میں آپ کو پھولوں کا حُسن نظر آئے گا۔"

"میری مجبوری یہ ہے کہ میں مسلمان ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ہم عصمتوں سے کھیلا نہیں کرتے، عصمتوں کی حفاظت کیا کرتے ہیں۔"

"صرف مسلمان لڑکیوں کی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہوگے۔" لڑکی نے کہا۔ "میں مسلمان نہیں۔"

"اور تم عصمت والی بھی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "پھر بھی میرا فرض ہے کہ تمہاری عصمت کا خیال رکھوں۔ لڑکی مسلمان ہو یا کسی اور مذہب سے تعلق رکھتی ہو، اپنی قوم کی ہو یا اپنے دشمن کی، مسلمان اگر ایمان کا پکا ہے تو اُس کی عصمت کی حفاظت کرے گا۔ تم تمام رات میرے پاس بیٹھی رہو، صبح سب کو بتاتی پھرو گی کہ رات ایک پتھر کے پاس بیٹھ کر گزاری ہے۔"

"کیا میں خوبصورت نہیں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"تم جیسی بھی ہو میرے کسی کام کی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میں تمہارے کام آسکتا ہوں۔ اگر تم اس ذلیل زندگی سے آزاد ہونا چاہو تو میں تمہیں جان پر کھیل کر یہاں سے نکال لے جاؤں گا اور کسی شریف گھرانے میں آباد کر دوں گا۔"

"آپ سے پہلے بھی ایک یہاں آیا تھا۔" آشی نے کہا۔ "وہ بھی آپ کی طرح باتیں کرتا تھا۔ وہ بھی سوڈانی مسلمان تھا۔ میں آپ کی یہ بات نہیں مان سکتی کہ چونکہ آپ مسلمان ہیں اس لیے آپ عورت میں دلچسپی نہیں لیتے۔ میں نے مصر کے کئی مسلمان دیکھے ہیں۔ وہ عورت کو دیکھ کر بھوکے درندے بن جاتے ہیں۔ میں تین ایسے مصری مسلمان بتا سکتی ہوں جنہیں میں نے اور شراب کی اس صراحی نے غدار بنا لیا ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہیں؟"

"وہ ایمان فروش ہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تم باتیں کر رہی ہو تو میں تمہارے چہرے پر اور تمہاری آنکھوں میں تمہاری ماں اور تمہارے باپ کی جھلک دیکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ وہ کہاں ہیں؟ زندہ ہیں؟"

"معلوم نہیں۔" آشی نے کہا۔ "آپ سے پہلے جو یہاں آیا تھا اُس نے بھی یہی پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں یا مر گئے ہیں۔" وہ اسحاق کی بات کر رہی تھی۔ اسحاق کو جب اس کمرے میں لایا گیا تھا تو اسی لڑکی کو اُس کے کمرے میں بھیجا گیا تھا۔ اُس نے عمرو درویش سے کہا۔ "اُس سوڈانی مسلمان نے مجھ سے میرے ماں باپ کے متعلق پوچھ کر مجھے پریشان کر دیا تھا۔ ایسا سوال مجھ سے کبھی کسی نے نہیں پوچھا تھا۔ وہ پہلا آدمی تھا جس نے پوچھا تو میں رات بھر سوچتی رہی کہ میرے ماں باپ کون تھے اور کیسے تھے۔ تھے ضرور۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا اور ذہن کے اندھیرے میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو اُن کی یاد سے دُور رکھنے کی کوشش شروع کر دی مگر میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ آج آپ نے اُن کی یاد پھر تازہ کر دی ہے۔ میں جب محسوس ہی نہیں کرتی تھی کہ میرے بھی ماں باپ ہوں گے تو میں خوش رہتی تھی۔ آپ سے پہلے آنے والے سوڈانی مسلمان نے میرے اندر ایسے جذبات بیدار کر دیئے ہیں کہ میری خوشی پر اب اداسی کا آسیب سوار رہنے لگا ہے۔"

"تمہارا کوئی بھائی بھی نہیں تھا؟"

"کچھ بھی یاد نہیں۔" آشی نے کہا۔ "میں خون کے رشتوں کو سمجھتی ہی نہیں کہ کیا ہوتے ہیں۔"

"تمہیں نیند آرہی ہو تو سو جاؤ۔" عمرو درویش نے کہا۔

"آپ کو نیند آرہی ہو تو میں خاموش ہو جاتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "جی چاہتا ہے کہ آپ میرے ساتھ باتیں کرتے رہیں۔ مجھے آپ جیسے آدمی اچھے لگتے ہیں۔ میں جس آدمی کے ساتھ کچھ وقت گزارتی ہوں اُس سے مجھے نفرت سی ہو جاتی ہے۔ مجھے مسکرانا پڑتا ہے۔ وہ سوڈانی مسلمان جو آپ سے پہلے یہاں آیا تھا، مجھے ساری عمر یاد رہے گا جسے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ آپ دوسرے آدمی ہیں جن کی میں ہمیشہ قدر کروں گی۔ آپ نے میرے اندر روح اور جذبات کو بیدار کر دیا ہے۔ آپ مجھے شاید روح کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرے مجھے جسم کی بھوکی نظروں سے دیکھتے ہیں۔"

"میں تمہیں آبرو باختہ لڑکی سمجھتا تھا لیکن تم عقل اور فراست کی باتیں کرتی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔

"میں حسین اور میٹھا زہر ہوں۔" آشی نے کہا۔ "پتھروں کو موم کرنے کی مجھے تربیت دی گئی ہے۔ میں کوئی سیدھی سادی لڑکی نہیں۔ جابر حکمران کی تلوار اپنے قدموں میں رکھوا سکتی ہوں اور عالموں کے منہ پھیر سکتی ہوں مگر اپنے آپ کو وہ موم سمجھنے لگی ہوں جو ذرا سی حرارت سے پگھل جاتا ہے کسی پتھر کو نہیں پگھلا سکتا۔"

"یہ میری باتوں کا اثر نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "یہ میرے ایمان کی حرارت ہے جس نے تمہیں پگھلا دیا ہے۔ میں نے تمہارے اندر خون کے رشتے بیدار کر دیئے ہیں۔ تم انسان ہو۔ تم کسی کی بیٹی ہو۔ تم کسی کی بہن ہو۔ تم کسی قوم کی آبرو ہو۔ میں تمہیں ہر رنگ میں دیکھ رہا ہوں۔"

رات گزرتی جا رہی تھی۔ نیند کا خمار اور عمرو درویش کی باتیں آشی پر غالب آتی جا رہی تھیں۔ نیند سے اُس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ وہ پلنگ کی پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہیں لڑھک گئی..... اُس کی جب آنکھ کھلی تو اُس نے اپنے آپ کو پلنگ پر اور عمرو درویش کو فرش پر سوتے دیکھا۔ اُس نے عمرو درویش کو جگایا نہیں۔ اُسے دیکھتی رہی۔ اُس کے سینے میں ہلچل بپا ہو گئی۔ اُس نے اپنے گالوں پر اپنے آنسوؤں کی نمی محسوس کی اور حیران ہوئی کہ اُس کے جسم میں آنسو بھی ہیں۔ اُس کے آنسو کبھی نہیں نکلے تھے۔ اُس نے عمرو درویش کے پاس دو زانو ہو کر اُس کا ہاتھ اٹھایا اور آنکھوں سے لگایا۔

عمرو درویش کی آنکھ کھل گئی۔ آشی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی۔ اُس نے اُسے یہ بھی نہ کہا کہ تمہیں فرش پر نہیں سونا چاہیے تھا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ واپس آئی تو اُس کے ہاتھ میں پانی تھا جس سے عمرو درویش نے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگا۔ آشی کمرے سے چلی گئی۔

☆

ناشتے کے بعد سوڈانی سالار دو صلیبیوں کے ساتھ آ گیا۔

"میری ایک بات غور سے سُن لیں۔" عمرو درویش نے سالار سے کہا۔ "مجھے کسی بھی وقت اسحاق کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔ آپ اُسے پریشان کرنا چھوڑ دیں۔ اُسے کسی کھلی اور آرام دہ کوٹھڑی میں رکھیں۔ اُسے تہہ خانے سے نکال کر اوپر لے آئیں۔ وہ میرا دوست ہے۔ مجھے جب اُس کی ضرورت محسوس ہوئی تو میں اُسے منا لوں گا۔ اُسے دھوکہ بھی دے لوں گا۔ اگر وہ نہ مانا تو آپ اس کے ساتھ جو سلوک مناسب سمجھیں کریں۔"

سوڈانی سالار نے کہا کہ ایسا ہی ہوگا۔ صلیبی مشیروں نے عمرو درویش کو ٹریننگ دینی شروع کر دی۔ اُس نے خوبی سے نقل کی۔ انہوں نے اُسے جو باتیں بتائیں وہ بھی اُس نے زبانی یاد کرنی شروع کر دیں ..... چار پانچ روز اُس کی تربیت ہوتی رہی۔ دن کے دوران صلیبی اُس کے ساتھ ہوتے تھے اور رات کو آشی اُس کے پاس ہوتی تھی۔ یہ لڑکی اُس کی مرید بن گئی تھی۔ اس کمرے میں جا کر وہ اپنے آپ کو پاکیزہ لڑکی سمجھنے لگتی تھی۔

چھٹے ساتویں روز عمرو درویش ایک درویش کے روپ میں اپنے علاقے میں جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اُسے درویشوں اور مجذوب عاملوں کے کپڑے پہنائے گئے۔ آشی نے اُسے کہا تھا کہ وہ جب اپنی مہم پر روانہ ہو تو اُسے بھی ساتھ لیتا چلے۔ اُس کی خواہش پر عمرو درویش نے سوڈانی سالار سے کہا کہ وہ اس لڑکی کو انعام کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے۔ لڑکی اُسے دے دی گئی۔ اُسے مستور کرنے کے لیے لڑکی کو برقعہ نما لبادہ دے دیا گیا۔ تین اونٹ دیے گئے۔ ایک پر عمرو درویش سوار ہُوا، دوسرے پر آشی اور تیسرے پر ایک خیمہ اور کھانے پینے کا سامان لاد دیا گیا۔ سوڈانی سالار نے عمرو درویش کو دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ اسحاق کو تہہ خانے سے نکال کر اُوپر کھلے کمرے میں بھجوا دیا گیا ہے، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کے علاقے میں اپنے آدمی موجود ہیں جو اُسے خود ہی ملیں گے اور اُس کی مدد کریں گے۔

عمرو درویش آشی کو ساتھ لے کر ایک خطرناک مہم پر روانہ ہو گیا۔

سوڈانی سالار اُس کے روانہ ہوتے ہی اپنے کمرے میں گیا۔ وہاں چھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب سوڈانی مسلمان تھے اور مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کے رہنے والے تھے۔ انہیں سوڈان کی حکومت سے بہت انعام و اکرام ملتا تھا۔ اپنے علاقے میں وہ پکے مسلمان بنے رہتے تھے۔

"وہ جا چکا ہے" سالار نے انہیں کہا۔ "تم دوسرے راستے سے روانہ ہو جاؤ۔ اکیلے اکیلے جانا۔ اپنے علاقے میں پہنچ جاؤ اور اس پر نظر رکھو۔ جہاں تمہیں شک ہو کہ یہ شخص دھوکہ دے رہا ہے، اسے ایسے طریقے سے قتل کر دو جس سے کسی کو پتہ نہ چلے۔ میں اور آدمی بھیج رہا ہوں۔ انہیں اپنے گھروں میں رکھ لینا۔"

یہ سب ایک دوسرے کے بعد روانہ ہو گئے۔ سوڈانی سالار نے دو اور آدمی بلائے۔ وہ صرف سوڈانی تھے مسلمان نہیں تھے۔ ان سے سالار نے کہا۔ "ان مسلمانوں کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اپنے علاقے میں جا کر سب ایکا نہ کر لیں۔ یہ چھ آدمی ہمارے ہی ہیں لیکن یہ نہ بھولنا کہ مسلمان ہیں۔ وہاں جا کر ان کی نیت بدل سکتی ہے۔ اگر عمرو درویش ٹھیک رہا تو تمہیں آتش گیر مادے کی ضرورت ہوگی۔ یہ ان آدمیوں نے گھروں میں چھپا رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ اسے کب اور کہاں استعمال کرنا ہے۔"

یہ دونوں بھی روانہ ہو گئے۔

وہ سپاہی جس نے اسحاق کی بیٹی اور اُس کی بیوی کو بچایا اور کمانڈر کو قتل کیا تھا اسحاق کے گھر رہتا تھا۔ جس روز عمرو درویش روانہ ہُوا اُس روز سپاہی کہیں باہر گھوم پھر رہا تھا۔ ایک تیر آیا جو اُس کے جسم کو چھوتا ہُوا ایک درخت میں جا لگا۔ سپاہی دوڑ پڑا اور اسحاق کے گھر جا پہنچا۔ اُس نے اسحاق کے باپ کو بتایا کہ اُس پر کسی نے تیر چلایا ہے۔

کوئی بھی نہ سمجھ سکا کہ تیر کس نے چلایا ہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ سوڈانیوں نے اُسے قتل کرنے کی پہلی کوشش کی ہے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کے محکمۂ جاسوسی و سراغرسانی (انٹیلی جنس) کا سربراہ علی بن سفیان قاہرہ میں تھا۔ اُس وقت سلطان ایوبی صلیبیوں کے دوست مسلمان امراء سیف الدین اور گمشتگین کو اور الملک الصالح کی فوج کو شکست دے کر ان مخالفین کے مرکزی شہر حلب کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُس کے یہ مسلمان مخالفین ایسی افراتفری اور بوکھلاہٹ میں بھاگے تھے کہ کہیں بھی قدم جما نہ سکے۔ راستے میں تین چار اہم مقام تھے جہاں وہ رُک جاتے اور اپنی بکھری ہوئی افواج کو اکٹھا کر لیتے تو صلاح الدین ایوبی کا مقابلہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے پسپائی کے ایسے راستے اختیار کیے جو جنگی لحاظ سے اُن کے لیے مزید نقصان کا باعث بنے۔ سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی اور ان اہم مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اُس کی منزل حلب تھی۔

اُسے کچھ علم نہیں تھا کہ مصر کے حالات کیسی کیسی کروٹیں لے رہے ہیں۔ قاصد اُسے رپورٹیں دیتے رہتے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ طرح طرح کی سازشیں سر اُٹھا رہی ہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں کبھی پریشان نہیں ہُوا تھا، سازشیں اسے پریشان کر دیا کرتی تھیں، اور یہ حقیقت اس کے لیے زہر کی طرح تلخ تھی کہ ان سازشوں اور تخریب کاری کے ہدایت کار صلیبی اور آلۂ کار مسلمان تھے۔ علی بن سفیان اُس کا دستِ راست تھا بلکہ اُس کی آنکھیں اور کان تھا۔ اُسے سلطان ایوبی نے مصر سے غیر حاضری کے دوران مصر میں ہی رہنے دیا تھا اور اپنے ساتھ اُس کے معاون حسن بن عبداللہ کو رکھا۔ مصر کی حکومت سلطان ایوبی کے بھائی العادل کے حوالے تھی۔ اپنے بھائی کی غیر حاضری میں العادل راتوں کو سوتا بھی کم تھا۔ علی بن سفیان کو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس طرح مصر کا امن و امان اور اس خطے میں اسلام کی آبرو کا تحفظ ان دونوں کی ذمہ داری تھی۔

انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کی غیر حاضری میں مصر میں تخریب کاری بڑھ رہی ہے۔ اس کے علاوہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ دو چار ماہ پہلے العادل نے سوڈانیوں کے ایک عجیب و غریب اور بڑے ہی خطرناک حملے کو غیر معمولی کامیابی سے تباہ کر دیا تھا لیکن سوڈانیوں کے عزائم میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، کیونکہ اُن کا یہ حملہ جو ناکام ہُوا تھا باقاعدہ فوج کا حملہ نہیں تھا۔ سوڈان کی باقاعدہ فوج نقصان کے بغیر تیار کھڑی تھی۔ اس فوج کو صلیبی تربیت دے رہے تھے اور بعض دستوں کی کمان بھی صلیبیوں کے ہاتھ تھی۔

سوڈان کے خطرے کی پیش بندی یوں کی گئی تھی کہ سرحد پر سرحدی دستوں کی نفری میں اضافہ کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ علی بن سفیان نے اپنے شعبے کے بے شمار آدمیوں کو سرحد پر پھیلا دیا تھا۔ یہ سب جاسوس اور مخبر تھے۔ وہ صحرائی مسافروں اور خانہ بدوشوں کے بھیس میں سرحد پر گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ان کا رابطہ سرحدی چوکیوں کے ساتھ تھا۔ اِن چوکیوں پر اُن کے لیے گھوڑے تیار رہتے تھے۔ سرحدی دستوں کے گشتی سنتری بھی اُن کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے۔ ایک انتظام اور بھی تھا۔ علی بن سفیان کے چند ایک ماہر جاسوس تاجروں کے بہروپ میں سوڈان کے ساتھ غیر قانونی تجارت کرتے تھے جسے آج کل سمگلنگ کہا جاتا ہے۔ انہیں مال دے کر سرحد پار کرا دی جاتی

میں دھول جھونک کر آتے ہیں۔ یہ لوگ سوڈان جاکر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مصر کے سرحدی دستوں کی آنکھوں
تھی۔ یہ لوگ سوڈان جاکر یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ مصر کے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر آتے ہیں۔
سوڈان میں بعض اجناس کی قلت تھی جس میں اناج خاص طور پر قلیل تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی ہدایت کے
تحت مصر میں زیادہ اناج اگایا جاتا تھا جس کا کچھ حصہ جاسوسی کے سلسلے کی سمگلنگ کے لیے الگ کر لیا جاتا تھا۔
سوڈان کے جو تاجر مصری "تاجروں" کے ساتھ کاروبار کرتے تھے ان میں زیادہ تر جاسوس تھے جو مصر کے
لیے کام کرتے تھے۔ انہیں جاسوس مصری جاسوسوں (تاجروں کے روپ میں) نے بنایا تھا۔ جاسوسی کا یہ طریقہ کامیاب
ہوا تو سلطان ایوبی نے حکم دے دیا تھا کہ سوڈان کو اناج اور زیادہ سستا دو تاکہ یہ سلسلہ سارے سوڈان میں جال کی
طرح پھیل جائے۔ چنانچہ جال پھیلا دیا گیا اور سوڈانی فوج اور حکومت کی ہر ایک نقل و حرکت قاہرہ میں نظر آنے لگی۔
علی بن سفیان نے سرحد کے ساتھ اپنے دو تین ہنگامی مرکز بنا دیئے تھے۔ جونہی کوئی خبر اُدھر سے آتی سرحد کے
کسی مرکز کو دے دی جاتی جہاں سے برق رفتار گھوڑوں کے ذریعے قاہرہ پہنچا دی جاتی تھی۔ اس مقصد کے لیے
جو سوار رکھے گئے تھے وہ مسلسل تمام دن اور رات بغیر آرام کے سواری کرنے کی مہارت رکھتے تھے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کو معلوم تھا کہ سوڈان میں ایک وسیع پہاڑی علاقہ ہے جس میں صرف مسلمان آباد
ہیں اور ان مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد مصری فوج میں ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ یہ مسلمان سوڈانی فوج میں بھرتی ہونا
پسند نہیں کرتے۔ اس کی ابتدا اس طرح ہوئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دورِ امارت سے کچھ پہلے مصری فوج میں سوڈانی حبشی
سفّاک مسلمان ہوا کرتے تھے۔ اِن کا کمانڈر بھی سوڈانی تھا۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ اس کمانڈر کا نام ناجی تھا۔ "داستان ایمان فروشوں
کی" کے اس سلسلے کی پہلی کہانی میں اسی فوج اور اس کے سالارِ اعلیٰ ناجی کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی
سے پہلے ناجی مصر کا مختارِ کل تھا حالانکہ یہاں خلافت کی گدی بھی تھی اور یہ باقاعدہ امارت تھی۔ کیا خلیفہ اور کیا امیر
صحیح معنوں میں بادشاہ تھے۔ صلیبیوں نے مصر کو سلطنتِ اسلامیہ سے کاٹنے کے لیے یہاں تخریب کاری اور
سازشوں کے اڈے قائم کر لیے تھے۔ ناجی ان کا اتحادی بن گیا تھا۔ اُس نے مصر کی سوڈانی فوج کو اپنے قبضے
میں لے رکھا تھا۔ اس فوج کی تعداد پچاس ہزار تھی۔

سلطان ایوبی نے مصر کی امارت سنبھالی تو اُس کی پہلی ٹکر ناجی سے ہوئی۔ سلطان ایوبی نے نور الدین
زنگی مرحوم سے منتخب اور جانباز دستوں کی کمک منگوا کر مصر کی پچاس ہزار سوڈانی فوج توڑ دی۔ اس کے بعض
سالاروں کو قید میں ڈال دیا اور نئی فوج تیار کر لی۔ تھوڑے ہی عرصے بعد اس نے یہ حکم نامہ جاری کیا کہ سوڈان کی
اس معزول فوج کے جو لوگ حلفِ وفاداری کے ساتھ خلوصِ نیت سے مصری فوج میں شامل ہونا چاہیں انہیں بھرتی
کر لیا جائے۔ سوڈان کے وہ تمام مسلمان جو اس فوج میں تھے واپس آ گئے۔ وہ جان گئے تھے کہ انہیں غیر مسلم سازش
کا آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج میں شامل ہو کر انہوں نے جب صلیبیوں کے خلاف دو تین معرکے لڑے
اور سلطان ایوبی کو انہوں نے قریب سے دیکھا تو اُن کا ایمان تازہ ہو گیا۔ فوجی ٹریننگ کے ساتھ ساتھ انہیں دین و
ایمان اور ملی وقار کے وعظ بھی سنائے جاتے اور انہیں بتایا جاتا تھا کہ اُن کا دشمن، اُن کے مذہب کا دشمن ہے
جس کی نظر میں اسلام کی بیٹیوں کی کوئی عزت اور عصمت نہیں۔ اب سلطان ایوبی کی جو فوج عرب میں لڑ رہی تھی اُس

میں خاصی نفری سوڈانی مسلمانوں کی تھی۔

قاہرہ کی انٹیلی جنس اس صورتِ حال سے بے خبر نہیں تھی کہ سوڈان کی حکومت وہاں کے مسلمانوں کو کئی ایک
طریقوں سے قائل کرنے کی کوشش کر رہی ہے کہ مصری فوج میں جانے کی بجائے سوڈان کی فوج میں بھرتی ہوں۔ سوڈانیوں
نے مسلمانوں پر تشدد کر کے بھی دیکھ لیا تھا۔ اس کے نتیجے میں سوڈان کا ایک اعلیٰ فوجی افسر خفیہ طریقے سے قتل ہو گیا تھا۔
سوڈان نے اس علاقے میں باقاعدہ فوج بھیجی تھی۔ مسلمانوں نے اُسے پہاڑیوں اور وادیوں میں بکھیر کر مار ڈالا یا بھگا دیا
تھا۔ مسلمانوں کو علاقے کا فائدہ حاصل تھا۔ چٹانیں اور پہاڑیاں انہیں آڑ مہیا کرتی اور تحفظ دیتی تھیں۔ یہ مسلمان جنگجو
بھی تھے۔

سلطان ایوبی نے اُن کے ساتھ علی بن سفیان کے شعبے کی وساطت سے رابطہ قائم رکھا ہوا تھا۔ مصری "تاجروں"
کے قافلوں کے ذریعے ان مسلمانوں کو اتنا اسلحہ دے دیا تھا جس سے وہ سال بھر کے محاصرے میں لڑ سکتے تھے۔ انہیں
چھوٹی منجنیقیں اور آتش گیر مادہ بھی پہنچا دیا گیا تھا جو لوگوں نے گھروں میں چھپا رکھا تھا۔ سلطان ایوبی کے منصوبے میں
یہ شامل تھا کہ جنگی کارروائی سے یا دیگر ذرائع سے اس علاقے کو مصر میں شامل کرنا ہے تاکہ یہ مسلمان صحیح معنوں میں آزاد
ہو جائیں۔ یہ علاقہ سرحد سے آدھے دن کی مسافت پر تھا۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے
جو محض مخبر نہیں تھے تجربہ کار لڑاکے اور چھاپہ مار (کمانڈو) تھے۔

یہ مسلمان عسکری نوعیت کا خزانہ اور بڑی کارآمد جنگی قوت تھے حالانکہ اُن کی تعداد بمشکل پانچ ہزار تھی۔
انہیں چھوڑ کر سوڈان کے پاس حبشی رہ جاتے تھے جن کے ہاں کوئی عسکری تاریخ اور جنگی روایت نہیں تھی۔ وہ
ملازموں کی حیثیت سے لڑتے تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کا رویہ یہ ہوتا تھا کہ اُن کے دشمن کے پاؤں اکھڑنے لگیں تو
شیر ہو جاتے تھے اور اگر دشمن کا دباؤ بڑھ جائے تو محتاط ہو کر لڑتے اور پیچھے ہٹنے لگتے تھے۔ اُن کی ٹریننگ کے
لیے صلیبی پہنچ گئے تھے یا مصری فوج کے دو تین غدار سالار زر و جواہرات کے لالچ میں سوڈان چلے گئے تھے۔
صلیبیوں اور اُن کے مصری سالاروں کی بدولت سوڈان کی فوج میں کچھ اہلیت پیدا ہو گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سوڈانی
حکومت مصر پر کھلا حملہ کرنے سے گھبراتی تھی، اور یہی وجہ تھی کہ وہ مسلمانوں کو اپنی فوج میں شامل کرنے کی کوشش
کر رہی تھی۔ صلیبی مشیر جانتے تھے کہ پچاس ہزار حبشیوں کی نسبت پانچ ہزار مسلمان کافی ہیں۔

☆

علی بن سفیان کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں کے سوڈانی علاقے میں یہ واقعہ ہوا ہے کہ سوڈان کے قید خانے کے
ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے کمانڈر کو قتل کر دیا اور مسلمانوں کے علاقے میں پناہ لے لی ہے۔ یہ خبر لانے والے
جاسوس نے علی بن سفیان کو پورا واقعہ سنایا۔ اُس نے اس سپاہی سے تصدیق کر لی تھی۔ سپاہی سے اُس نے یہ بھی
معلوم کر لیا تھا کہ اسحاق نام کا کمانڈر قید خانے میں زندہ ہے اور اُسے اس مقصد کے لیے تیار کرنے کے لیے قید خانے
میں اذیتوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا دے۔ جاسوس نے یہ بھی بتایا کہ اس علاقے پر
اسحاق کا اثر و رسوخ ہے۔

"یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسحاق کو قید خانے سے رہا کرا یا جائے۔" علی بن سفیان نے جاسوس سے پوری رپورٹ لے کر مصر کے قائم مقام امیر العادل سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں کہ قید خانوں میں کیسا کیسا تشدد کیا جاتا ہے۔ ہم بھی تشدد کرتے ہیں۔ پتھر بھی بول پڑتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسحاق سوڈانیوں کے رنگ میں رنگا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے دو تین اور مسلمان کمانڈر قید خانے میں ہیں۔ سب پر تشدد کیا جا رہا ہے۔ میں تو یہاں تک مشورہ دینے کو تیار ہوں کہ اپنے کچھ چھاپہ مار مسلمانوں کے علاقے میں بھیج دیے جائیں۔ میں یہ خدشہ دیکھ رہا ہوں کہ اپنے کمانڈر کے قتل کا انتقام لینے کے لیے سوڈانی فوج مسلمانوں پر حملہ کر دے گی۔"

"دوسرے ملک میں چھاپہ مار بھیجنے کے لیے ہمیں ہر پہلو پر غور کرنا پڑے گا۔" العادل نے کہا۔ "اس کا نتیجہ کھلی جنگ بھی ہو سکتا ہے۔"

"ہمارے پاس غور کرنے کے لیے وقت نہیں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "ہمیں فوری طور پر دو کارروائیاں کرنی پڑیں گی۔ کسی ذہین قاصد کو پیغام دے کر محترم سلطان کی طرف بھیجا جائے اور اُن سے حکم لیا جائے اور دوسری یہ کہ میں خود سوڈان میں داخل ہو کر مسلمانوں کے علاقے میں چلا جاؤں۔ وہاں کے حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ صحیح خاکہ صرف میری آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے وہاں فوج حملہ نہ کرے۔ وہاں صلیبی موجود ہیں۔ وہ مسلمانوں کو توہم پرستی میں مبتلا کر کے اُن کے نظریات اور عقیدوں کا رُخ پھیر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں اپنے مولوی بھیج کر لوگوں کو گمراہ کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی چالیں مصر کے اندر آکر بھی کر چکے ہیں۔ مجھے یہی ڈر ہے کہ مسلمانوں کے عقیدے اور ملّی جذبے پر حملہ ہو گا۔ آپ جانتے ہیں کہ ہماری قوم میں یہ خامی ہے کہ دشمن کی جذباتی اور ہیجانی باتوں میں جلدی آجاتی ہے۔ دشمن دیکھ چکا ہے کہ مسلمان کو میدانِ جنگ میں مارنا آسان نہیں۔ عقیدوں اور نظریوں کی معرکہ آرائی میں دشمن ایسے ہتھیار استعمال کرتا ہے کہ مسلمان ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاؤں اور آپ ابھی ایک قاصد سلطان محترم کی طرف روانہ کر دیں۔"

"آپ کی غیر حاضری میں آپ کی ذمہ داریاں کون سنبھالے گا؟"

"غیاث بلبیس۔" علی بن سفیان نے جواب دیا۔ "اس کے ساتھ میرا ایک معاون زاہدین رہے گا۔ آپ کو میری غیر حاضری محسوس نہیں ہو گی۔"

"بہت بُری طرح محسوس ہو گی۔" العادل نے کہا۔ "آپ دشمن کے ملک میں جا رہے ہیں۔ اگر واپس نہ آسکے تو ہمارا محکمہ اندھا اور بہرہ ہو جائے گا۔"

"میں نہ ہوا تو قوم مر نہیں جائے گی۔" علی بن سفیان نے مسکرا کر کہا۔ "افراد قوموں کی خاطر مرتے رہیں تو قومیں زندہ رہتی ہیں۔ سلطان صلاح الدین ایوبی یہ سوچ لیں کہ وہ مارے گئے تو قوم تباہ ہو جائے گی تو وہ گھر بیٹھ جائیں اور سلطنتِ اسلامیہ پر صلیبی ہاتھ صاف کر جائیں۔ مجھے سلطان کا یہ اصول بہت پسند ہے۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ دشمن کا انتظار گھر بیٹھ کر نہ کرو۔ اُس پر نظر رکھو۔ وہ تیاری کی حالت میں ہو تو اُس کے پہلو یا عقب میں چلے جاؤ۔ میں اسی اصول پر سوڈان جا رہا ہوں۔ دشمن نے مسلمانوں کے علاقے میں کامیابی حاصل کر لی تو ہم اپنے کون سے کارنامے

پر فخر کریں گے؟"

"آپ چلے جائیں۔" العادل نے کہا۔ "یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ احتیاط لازمی ہے۔ میں سلطان کے نام پیغام لکھ کر بھیج دیتا ہوں۔"

علی بن سفیان سوڈان میں داخل ہونے کی تیاری کرنے چلا گیا۔ العادل نے کاتب کو بلایا اور سلطان ایوبی کے نام پیغام لکھوانے لگا۔ اُس نے سوڈان سے مسلمانوں کے علاقے کی اطلاع تفصیل سے لکھوائی۔ یہ بھی لکھوایا کہ یہ پیغام آپ تک پہنچنے سے پہلے علی بن سفیان سوڈان میں جا چکا ہو گا۔ العادل نے علی بن سفیان کے مشورے بھی لکھوائے اور سلطان صلاح الدین ایوبی سے پوچھا کہ کیا کرنا چاہیے۔

قاصد کو پیغام دے کر العادل نے اُسے کہا کہ اُسے ہر چوکی سے گھوڑا بدلنا ہے اور گھوڑے کی رفتار کسی بھی حالت میں سست نہیں ہو گی۔ کھانا پینا دوڑتے گھوڑے پر ہو گا۔ اگر راستے میں دشمن کے چھاپہ ماروں کا خطرہ ہوا تو قاصد پیغام ضائع کر دے گا۔ ان ہدایات کے ساتھ قاصد کو روانہ کر دیا گیا۔

☆

عمرو درویش شہر سے بہت دُور نکل گیا تھا۔ اُس کے ارد گرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ عمرو رات کے قیام کے لیے کوئی موزوں جگہ دیکھ رہا تھا۔ دُور اُسے درخت نظر آئے جہاں پانی بھی ہو سکتا تھا لیکن اُس کے پاس پانی کا ذخیرہ موجود تھا۔ اونٹوں کو پانی کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ نخلستان سے دُور قیام کرنا چاہتا تھا تاکہ صحرائی ڈاکوؤں سے بچا رہے۔ اُس کے ساتھ آشی تھی جو سیاہ برقعے میں مستور تھی۔ یہ قیمتی لڑکی تھی کسی ڈاکو کی نظر پڑ جانے سے اُس کا بچنا ناممکن تھا...... اُسے ایک جگہ نظر آگئی۔ اُس نے اونٹ روکے اور وہیں خیمہ گاڑ دیا۔

اُسے دو شتر سوار اپنی طرف آتے نظر آئے۔ آشی کو اس نے خیمے میں بھیج کر پردے گرا دیے اور خود باہر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے چُغے میں تلوار چھپی ہوئی تھی۔ خنجر بھی تھا اور خیمے میں دو کمانیں اور بہت سے تیر بھی تھے۔ شتر سواروں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ یہ ڈاکو ہوئے تو کیا وہ ان کا مقابلہ کر سکے گا۔ اُسے یہ اطمینان تھا کہ آشی صرف دل بہلانے والی لڑکی نہیں، وہ لڑ بھی سکتی ہے۔ تیر اندازی کی بھی اُسے تربیت حاصل تھی۔ وہ صلیبیوں کی تیار کی ہوئی تخریب کار لڑکی تھی۔ شتر سوار آرہے تھے۔ عمرو درویش نے منہ آشی کی طرف رکھا اور آشی سے کہا۔ "کمان میں تیر ڈال لو۔ اگر یہ ڈاکو نکلے تو پردے کے پیچھے سے تیر چلا دینا۔"

شتر سوار خیمے کے قریب آکر رُک گئے۔ ایک نے اونٹ کی پیٹھ سے ہی پوچھا۔ "تم کون ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟"

عمرو درویش نے ہاتھ آسمان کی طرف کر کے جھومتی ہوئی آواز میں کہا۔ "جس کے سینے میں آسمان کا پیغام ہو اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ میں کون ہوں؟..... مجھے بھی معلوم نہیں۔ کبھی کچھ ہُوا کرتا تھا۔ آسمان سے ایک پیغام آیا۔ میرے سینے میں اُتر گیا۔ ذہن سے یہ نکل گیا کہ میں کون ہوں۔ میں کہاں جا رہا ہوں؟..... میرے سینے میں جو روشنی اُتر آئی ہے، وہ بتا سکتی ہے۔ اس میں میرے ارادوں کا کوئی دخل نہیں۔ میں آگے جا رہا تھا۔ صبح کو شاید پیچھے کو چل پڑوں۔"

دونوں اونٹوں سے اُتر آئے۔ ایک نے کہا ۔"آپ تو کوئی پیر پیغمبر معلوم ہوتے ہیں۔ ہم دونوں مسلمان ہیں۔ کیا آپ غیب کی خبر دے سکتے ہیں؟ ہم گناہ گاروں کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں؟"

"میں بھی مسلمان ہوں۔" عمرو درویش نے وجد کی سی کیفیت میں کہا ۔"تم بھی مسلمان ہو مجھے تمہاری تباہی نظر آ رہی ہے۔ میں بھی تمہاری طرح پوچھتا پھرتا تھا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ خون میں ڈوبی ہوئی لاشوں میں مجھے سبز رنگ کا ایک چُغہ اور اس میں سفید داڑھی والا ایک انسان کھڑا نظر آیا۔ اُس نے مجھے لاشوں سے اٹھایا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ پھر وہ لاشوں کے خون میں غائب ہو گیا..... تم پہاڑیوں میں رہتے ہو تو صحراؤں میں چلے جاؤ۔ مصر کا نام دل سے اتار دو۔ وہ فرعونوں کا ملک ہے۔ وہاں جو بادشاہ آتا ہے اُسے مصر کی مٹی اور وہاں کی ہوا فرعون بنا دیتی ہے۔"

"اب تو وہاں کا بادشاہ صلاح الدین ایوبی ہے۔" ایک شتر سوار نے کہا ۔"وہ پکا مسلمان ہے۔"

"اس کا نام مسلمانوں جیسا ہے۔" عمرو درویش نے ایسے لہجے میں کہا جیسے خواب میں بول رہا ہو ۔"وہی تمہاری تباہی لا رہا ہے۔ تم جس مٹی سے پیدا ہوئے ہو اُس کی عزت پر خون بہاؤ۔ تم سوڈان کے بیٹے ہو۔"

"مگر سوڈان کا بادشاہ کافر ہے۔" شتر سوار نے کہا۔

"وہ مسلمان ہو جائے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔"وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اُس کی فوج کافروں کی فوج ہے اس لیے وہ اسلام کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ۔ تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اُسے بتاؤ کہ تم اُس کے محافظ ہو۔ تم سوڈان کے محافظ ہو۔"

اُس نے بلند آواز سے کہا۔"جاؤ۔ اُٹھو یہاں سے چلے جاؤ۔"

دونوں اونٹوں پر سوار ہوئے اور چلے گئے۔ کچھ دُور جا کر ایک سوار نے دوسرے سے کہا۔"دھوکہ نہیں دے گا"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" دوسرے نے کہا۔"پکا معلوم ہوتا ہے۔ سبق بھولا نہیں۔"

"آتشی جیسا خوبصورت انعام ہمیں مل جائے تو ہم اپنے ماں باپ کے بھی خلاف ہو جائیں۔" شتر سوار نے کہا۔

"واپس چلتے ہیں۔" دوسرے نے کہا ۔"بتائیں گے کہ سب ٹھیک ہے..... لڑکی شاید خیمے میں ہو گی۔"

"آدمی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے لڑکی کو چھپا دیا تھا۔" اُس نے کہا ۔"میرا خیال ہے انہیں [illegible] حفاظت کی ضرورت نہیں۔"

"نہیں ہونی چاہئے۔" دوسرے نے کہا ۔"سپاہی ہے اس کے پاس ہتھیار بھی ہیں۔ تیر کمان [illegible] بھی ہوشیار ہے۔"

یہ دونوں سوڈانی جاسوس تھے جنہیں یہ معلوم کرنے کے لیے عمرو درویش کے پیچھے بھیجا گیا تھا کہ یہ [illegible] تعلیم کے مطابق کر رہا ہے یا نہیں۔ عمرو درویش نے بڑی اچھی اداکاری کی تھی جس سے یہ دونوں مطمئن ہو کر چلے گئے۔

"یہ ڈاکو نہیں تھے۔" عمرو درویش نے خیمے میں جا کر آتشی سے کہا ۔"چلے گئے ہیں۔"

"یہ ڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک تھے۔" آتشی نے کہا۔"تم نے انہیں بڑے اچھے طریقے سے ٹالا ہے۔" پھر بولی ۔"جنہوں نے تمہیں ادھر بھیجا ہے ان کے جاسوس تھے۔" آتشی نے کہا۔"یہ تمہیں دیکھنے آئے تھے کہ تم انہیں دھوکہ تو نہیں دے رہے۔"

"تم انہیں جانتی ہو؟"

"میں انہی کے درخت کی ایک ٹہنی ہوں۔" آتشی نے کہا۔"ان سے کٹ کر گر پڑی تو سوکھ جاؤں گی۔"

"مجھے تم سے بھی محتاط رہنا پڑے گا۔"

لڑکی ہنس پڑی اور بولی ۔"تم نے خود ہی مجھے انعام کے طور پر مانگا تھا۔"

☆

رات وہ خیمے میں گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ آتشی کی آنکھ کھل گئی۔ باہر بھیڑیئے غرا رہے تھے۔ اونٹ ڈر کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور عجیب طریقے سے بولنے لگے۔ آتشی نے عمرو درویش کو جگایا اور اُسے بتایا کہ وہ خوف کے مارے مر رہا ہے۔ عمرو درویش نے باہر کی آوازیں سنیں تو آتشی سے کہا ۔"یہ بھیڑیئے ہیں۔ قریب نہیں آئیں گے۔ اونٹ اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی ڈر نہیں۔ بھیڑیئے ان سے ڈر کر بھاگ جائیں گے۔"

اچانک بھیڑیئے آپس میں لڑ پڑے۔ ایسی خوفناک آوازیں تھیں کہ آتشی چیخ مار کر عمرو درویش پر جا پڑی۔ وہ بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے آتشی کو اس طرح اپنی آغوش اور بازوؤں کی پناہ میں لے لیا جس طرح ماں ڈرے ہوئے بچے کو چھپا لیا کرتی ہے۔ لڑکی کا سارا جسم کانپ رہا تھا اُس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ بھیڑیئے لڑتے لڑتے دُور چلے گئے تھے۔

عمرو درویش لڑکی کو پرے کرنے لگا اور کہا ۔"وہ چلے گئے ہیں۔ سو جاؤ۔"

"نہیں۔" آتشی نے اس کی آغوش سے سر نہ اٹھایا۔ دھیمی سی آواز میں بولی ۔"ذرا دیر اور یہیں پڑے رہنے دو۔"

عمرو درویش کو یہ صورت پسند نہیں تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ آتشی اپنے حسین جال میں پھانسنے کی کوشش کر رہی ہے۔ وہ اور زیادہ پتھر بن گیا۔ لڑکی کا جسم بڑا ہی گداز اور بال بہت ہی ملائم تھے۔ اُس نے اتنی حسین لڑکی کو کبھی چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب محسوس کرنے لگا کہ لڑکی اسی طرح اُس کی آغوش میں پڑی رہی تو وہ اس انگیخت کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ وہ آخر انسان تھا اور تنومند مرد تھا۔ اس نے اپنے نفس کا مقابلہ شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد لڑکی نے سر اٹھایا۔ تاریکی میں اُس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آ رہے تھے۔ اُس نے ہاتھوں سے عمرو درویش کا چہرہ ٹٹول کر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور کہا۔"تم نے ایک رات مجھ سے پوچھا تھا کہ تمہارے ماں باپ کون ہیں اور کہاں ہیں۔ یہی سوال تمہارے دوسرے ساتھی نے جو تم سے پہلے اُس کمرے میں آیا تھا مجھ سے پوچھا تھا۔ مجھے اُن کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا مگر یہ سوال مجھے پریشان کرتا رہا اور بہت ہی پرانی یادیں بیدار کرتا رہا۔ مجھے کچھ یاد آتا تھا لیکن ذہن کے اندھیرے میں گم ہو جاتا تھا۔ آج یاد آ گیا ہے۔ تم نے مجھے اپنے بازوؤں میں

لے کر مجھے اپنی آغوش میں چھپا لیا تو میرے ذہن میں روشنی سی چمکی۔ اس نے مجھے بہت ہی پرانا وقت دکھا دیا۔ میں اُس وقت بہت چھوٹی تھی۔ مجھے باپ نے اسی طرح سینے سے لگا کر مجھے اپنے بازوؤں میں چھپا لیا تھا۔"

وہ چپ ہو گئی۔ وہ یادوں کی کڑیاں ملانے کی کوشش میں مصروف تھی۔ اچانک بچوں کی سی شوخی سے بولی
"ہاں وہ میرا باپ تھا۔ ایسا ہی ریگستان تھا۔ معلوم نہیں رات تھی یا دن تھا۔ ہم ایک قافلے کے ساتھ جا رہے تھے۔ بہت سے گھوڑسوار آئے اور قافلے پر ٹوٹ پڑے۔ اُن کے پاس تلواریں اور برچھیاں تھیں۔ یہ ڈراؤنا سا خواب ہے جو آج تمہاری آغوش اور بازوؤں کی گرمی سے ذہن میں زندہ ہو گیا ہے۔ مجھے باپ نے تمہاری طرح پناہ میں لے لیا تھا...... یہ بھی یاد آ گیا ہے۔ میرے باپ کے بازو ڈھیلے پڑ گئے تھے اور وہ پیچھے کو گر پڑا تھا۔ اُس نے ایک بار پھر مجھے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ ماں بھی یاد آ گئی ہے۔ وہ میرے اُوپر گری تھی شاید مجھے بچانے کے لیے گری تھی...... پھر یاد آتا ہے کہ وہ ایک طرف لڑھک گئی تھی۔ مجھے خون بھی یاد آتا ہے۔ کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر اُٹھا لیا تھا اور کسی نے کہا تھا "خالص میرا ہے۔ جوان ہوئی تو دیکھنا" مجھے اپنی چیخیں بھی یاد آ گئی ہیں۔ میں آج رات کی طرح چیخی تھی۔"

"دماغ پر زیادہ زور نہ دو۔" عمرو درویش نے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "میں ساری کہانی بُوجھ گیا ہوں۔ تم مسلمان کی اولاد ہو۔ تم عرب یا فلسطین کی رہنے والی ہو۔ صلیبی مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے۔ اب بھی جو علاقے اُن کے قبضے میں ہیں وہاں وہ مسلمانوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے ہیں۔ وہ زر و جواہرات اور تم جیسی خوبصورت بچیوں کو لے جاتے ہیں۔ میں جان گیا ہوں تم یہاں تک کیسے پہنچی ہو۔"

"میں جب کچھ سوچنے سمجھنے لگی تو میں نے اپنے جیسی بہت سی بچیوں کو دیکھا۔" آشی نے کہا۔ "ہمیں بہت اچھا کھانا اور بہت خوبصورت کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ گورے گورے آدمی اور عورتیں ہم سے بہت پیار کرتی تھیں۔ انہوں نے میرے ذہن سے ساری یادیں مٹا دی تھیں۔ میں وہیں بڑی ہوئی تھی۔ وہ یروشلم تھا۔ لڑکپن سے ہمیں بے حیائی کے سبق ملنے لگے۔ شراب بھی پلائی جاتی تھی۔ عربی زبان سکھائی گئی، پھر سوڈانی زبان سکھائی گئی۔ میں جب جوان ہوئی تو مجھے اس استعمال میں لایا جانے لگا جس میں تم نے مجھے دیکھا ہے۔ تیغ زنی اور تیر اندازی کی بھی بہت مشق کرائی گئی تھی...... آج تم نے مجھے خوفزدگی کی حالت میں پناہ میں لیا تو مجھے اچانک اپنا باپ یاد آ گیا۔ میرے متعلق اس کے جذبات پاک تھے اور تمہارے جذبات بھی پاک ہیں۔ اسی لیے میں نے تمہیں کہا تھا کہ مجھے کچھ دیر اور اپنی آغوش میں پڑا رہنے دو۔ مجھے اپنے باپ کی آغوش کا لُطف آ رہا تھا۔ جب تک میں زندہ ہوں تمہاری غلام رہوں گی۔ میں اب سوڈانیوں اور صلیبیوں کے کام نہیں آ سکوں گی۔ یہ تمہاری پاکیزہ خیالی اور نیک نیتی کا کرشمہ ہے۔ میں مسلمان ہوں۔ تم نے میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون گرما دیا ہے۔ اب میں تمہیں یہ کام نہیں کرنے دوں گی جس کے لیے تم جا رہے ہو۔ تم نے میرے اندر ایمان کی قندیل روشن کر دی ہے۔"

"چند دن مجھے یہ کام کرنا پڑے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔"

"اور میں تمہاری مدد کروں گی۔"

☆ ☆

طُور کا جلوہ

عمرو درویش جب خیمہ اکھاڑ کر سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی علاقے کو روانہ ہونے کی تیاری کر رہا تھا تو وہ اس حسین و جمیل لڑکی کے متعلق سوچ رہا تھا جو اُس کی ہمسفر تھی۔ لڑکی مسلمان تھی۔ اس حیثیت کی وجہ سے عمرو درویش اُسے صلیبیوں کا آلۂ کار بنے رہنے سے باز رکھنا چاہتا تھا مگر وہ چار پانچ سال کی عمر میں صلیبیوں کے ہاتھ لگی تھی۔ انہوں نے بیس سال کا عرصہ صرف کر کے اُس پر جو رنگ چڑھا دیا تھا وہ اتارنا آسان نہیں تھا۔ بیشک لڑکی نے اپنے ذہن میں اس حقیقت کو خود ہی دریافت کر لیا تھا کہ وہ مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہے اور اُس نے اپنے دل میں صلیبی آقاؤں کے خلاف نفرت پیدا کر کے عمرو درویش سے کہا تھا کہ میں تمہاری مدد کروں گی مگر عمرو درویش سوچ رہا تھا کہ اس لڑکی پر اعتبار کرے یا نہ کرے۔

رات ایک ہی خیمے میں گزار کر صبح لڑکی نے عمرو درویش سے پوچھا۔۔۔ "مجھے شک ہے کہ تم مجھے ابھی تک اپنا دشمن سمجھ رہے ہو"۔

"عورت کے جال میں اُلجھ کر مسلمان قوم نے بہت نقصان اٹھایا ہے آشی!"۔۔۔ عمرو درویش نے جواب دیا۔۔۔ "تم بہت ہی خوبصورت ہو۔ تمہاری تربیت ایسی کی گئی ہے کہ تمہاری چال ڈھال بول چال اور انداز انسان کے اندر حیوان کو بیدار کر دیتا ہے۔ میں جوان ہوں۔ کئی سال میدانِ جنگ میں اور کچھ عرصہ سوڈان کے قید خانے میں جنگی قیدی کی حیثیت سے گزارا ہے۔ اتنی لمبی مدت گھر کی چار دیواری نہیں دیکھی۔ رات خیمے میں تم میرے ساتھ تنہا تھیں۔ میں رات بھر خدائے ذوالجلال سے مدد مانگتا رہا ہوں کہ میں حیوانیت کا مقابلہ کر سکوں۔ میں کامیاب رہا۔ خداوندِ دو عالم نے میری بہت مدد کی۔ پھر میں یہ سوچتا رہا کہ تمہیں اپنا دشمن سمجھوں یا دوست۔ میں اب بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ میں ابھی تمہارا یہ شک رفع نہیں کر سکتا کہ میں تمہیں اپنا دشمن سمجھتا ہوں۔ تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تم قابلِ اعتماد ہو"۔

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتی ہوں کہ تم نے میرے سینے میں ایمان کی شمع روشن کر دی ہے"۔ آشی نے کہا۔ "اور میں تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ تم اگر اس مہم میں جس پر تمہیں سوڈانیوں نے بھیجا ہے، سوڈانیوں کو دھوکہ

دینا چاہو گے تو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ میری جان بھی چلی جائے تو پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ یہ میں نے ہی تمہیں بتایا تھا کہ یہ جو دو آدمی تمہارے مرید بن کر گئے ہیں وہ اصل سوڈانیوں کے جاسوس ہیں۔"

"مجھے سوچنے دو آشی!" ___ عمرو درویش نے کہا ___ "میں جان گیا ہوں، میرے اردگرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ میں تمہیں بھی اس جال کا ایک حصہ سمجھتا ہوں۔ تم ابھی اس طرح کرنا جس طرح تمہیں بتایا گیا ہے۔ میں بھی اسی سبق اور ہدایت پر عمل کروں گا جو مجھے دی گئی ہے۔ میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں مگر میں اس مہم سے انحراف بھی نہیں کر سکتا۔ میں انحراف کا نتیجہ جانتا ہوں کیا ہوگا۔ دو تین تیروں کے رُخ ہر لمحہ میری طرف رہتے ہیں۔ میں انہیں اُس وقت دیکھ سکوں گا جب یہ میرے سینے میں اُتر جائیں گے۔"

"میں ہر حال میں تمہارا ساتھ دوں گی" ___ آشی نے کہا ___ "میں ثابت کروں گی کہ میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔"

وہ اونٹوں پر سوار مسلمانوں کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ تیسرے اونٹ پر اُن کا خیمہ اور دیگر سامان تھا۔ آشی جو نیم عریاں رہتی تھی، سیاہ کپڑوں میں ملبوس اور اُس کا چہرہ مستور تھا۔ دیکھنے والا کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ بدبخت لڑکی صلیبیوں کا ایک خوبصورت تیر ہے جو پتھر جیسے انسان کے دل میں اُتر جائے تو وہ موم ہو کر صلیبیوں کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ دور ایک گھوڑ سوار اُسی سمت جا رہا تھا جدھر یہ دونوں جا رہے تھے۔ عمرو درویش نے اس سوار کو کئی بار دیکھا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہ سوڈانیوں کے اُن جاسوسوں میں سے ہی ہوگا جو اس کے ساتھ سائے کی طرح لگے ہوئے ہیں۔ یہ شک اُسے پریشان کر رہا تھا کہ یہ صحرائی رہزنوں کا کوئی آدمی ہوا تو وہ کیا کریگا۔

"آشی!" ___ اُس نے اپنی ہمسفر سے کہا ___ "اس سوار کو دیکھ رہی ہو جو اُفق پر جا رہا ہے؟"

"بہت دیر سے دیکھ رہی ہوں۔"

"اگر یہ رہزنوں کے گروہ کا ہوا تو کیا ہم مقابلہ کر سکیں گے؟"

"ہمارے پاس ہتھیار ہیں" ___ آشی نے دلیرانہ جواب دیا ___ "رات کو سوتے میں ہم پر آ پڑے تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ دن کے وقت ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔ تمہارے ساتھ میں ہی ایک دولت ہوں۔ وہ مجھے زندہ نہیں لے جا سکیں گے۔"

صحرا کے ان خطروں میں وہ چلتے گئے۔ سورج اُوپر آ کر مغرب کی طرف نیچے جاتا رہا اور انہیں پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ بلند پہاڑیاں تو دور تھیں، یہ علاقہ جہاں سے شروع ہوتا تھا وہ جگہ دور نہیں تھی۔ اونٹ چلتے گئے اور وہ خطہ آ گیا جہاں عمرو درویش کو اپنی مہم کا آغاز کرنا تھا۔ مسلمانوں کا پہلا گاؤں تھوڑی ہی دور رہ گیا تھا۔ عمرو درویش خود بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا۔ گھوڑ سوار جو دور دور جا رہا تھا، رُخ بدل کر اِدھر آ گیا اور ان سے آن ملا۔

"تمہارا قیام اس جگہ ہوگا" ___ گھوڑ سوار نے عمرو درویش سے کہا ___ "تم مجھے نہیں جانتے، میں تمہیں جانتا ہوں" ___ اُسے دیکھ کر آشی نے چہرے سے نقاب اُٹھا دیا تھا اور وہ مسکرا رہی تھی۔ سوار نے اس سے پوچھا ___ "سفر اچھا گزرا؟"

"بہت اچھا" ___ آشی نے بیباک مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"تم دونوں گھبرانا نہیں" ___ سوار نے انہیں کہا ___ "تمہارے سفر کے دوران تمہاری حفاظت کا ایسا انتظام ساتھ ساتھ رہا ہے جسے تم دونوں دیکھ نہیں سکے، ورنہ اتنی خوبصورت لڑکی یہاں تک نہ پہنچ سکتی۔"

"تم کون ہو؟" ___ عمرو درویش نے اس سے پوچھا۔

"سوڈانی مسلمان" ___ سوار نے جواب دیا۔ اُس نے کہا ___ "اب یہ نہ سوچو کہ تم کون ہو اور میں کون ہوں۔ تم بھی میری طرح اسی علاقے کے مسلمان ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ یہاں ذرا سی بھی غلطی ہو گئی تو یہاں کے مسلمان ہماری بوٹیاں اڑا دیں گے" ___ سوار نے آگے ہو کر رازداری سے کہا ___ "اور یہ بھی یاد رکھنا کہ تم نے اپنے کام میں کوئی گڑبڑ کی تو بغیر اطلاع قتل ہو جاؤ گے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے یہاں تمہیں کیا کرنا ہے۔ آج رات تم آرام کرو گے۔ کل تمہارے پاس یہاں کے لوگ آنے لگیں گے۔ آشی کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

عمرو درویش کو سب کچھ معلوم تھا۔ اُسے اس علاقے کے مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت پھیلانی تھی اور مسلمانوں کو سوڈان کا وفادار بنا کر انہیں اُس سوڈانی فوج میں بھرتی ہونے کے لیے تیار کرنا تھا جسے مصر پر حملہ اور قبضہ کرنے کے لیے تیار کیا جا رہا تھا۔ سلطان ایوبی مصر سے غیر حاضر تھا۔ وہ اس وقت بن بر سرِ پیکار تھا۔ صلیبیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ سوڈانی فوج کو تیار کر کے مصر پر حملہ کیا جائے مگر سوڈانی مسلمانوں کے جنگجو قبیلے سوڈان کے باشندے ہونے کے باوجود سلطان صلاح الدین ایوبی کے معتقد اور مرید تھے۔ عمرو درویش ان کے عقیدوں کو نہس نہس کرنے آیا تھا۔

سورج غروب ہو گیا تھا جب عمرو درویش نے اس سوار کی مدد سے خیمہ گاڑ لیا۔ سوار نے جانے سے پہلے کہا۔ "کل شاید مجھے تمہارے ساتھ الگ بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ لوگ صبح سویرے یہاں آ جائیں گے" ___ اُس نے ایک پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے کہا ___ "شام کو دھندلاہٹ میں بھی وہ اوپر تمہیں چھاتے کی طرح درخت نظر آ رہا ہوگا اُسے یاد رکھنا۔ کل رات تمہیں اُدھر مشعل کا اشارہ کرنا ہے۔ کل جو کپڑا تمہیں استعمال کرنا ہے اُسے صبح تیار کر لینا..... میں جا رہا ہوں۔ اب ذرا ذرا سی حرکت میں بھی احتیاط کرنا۔"

وہ لڑکی کو اشارے سے باہر لے گیا اور اُسے کہا ___ "تمہیں زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ یہاں کے مسلمان وحشی ہیں۔ ہم تمہاری حفاظت کے لیے موجود ہیں لیکن تمہیں اپنی حفاظت خود زیادہ کرنی ہوگی۔ اس آدمی کو اپنے قبضے میں رکھنا۔" اُس نے لڑکی کے شانوں پر بکھرے ہوئے بالوں کو چھیڑ کر اور ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ لا کر کہا۔ "ان حسین زنجیروں میں تو تم شیر کو بھی جکڑ سکتی ہو۔"

"تم بھی تو یہیں کے مسلماں ہو" ___ آشی نے طنزیہ کہا ___ "تم وحشی نہیں ہو؟"

"تمہیں دیکھ کر کون وحشی نہیں ہو جاتا" ___ اُس نے کہا اور گھوڑے پر سوار ہو کر شام کے گہرے ہوتے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

☆

یہ سوار ان مسلمانوں میں سے تھا جنہوں نے ایمان بیچ ڈالا تھا۔ اور دشمن کے اس زمین دوز حملے کی قیادت کر رہا تھا جو سیدھے سادے مسلمانوں کے عقیدے پر کیا جا رہا تھا۔ وہ اسی علاقے کے کسی گوشے کا رہنے والا تھا۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ قوم کی آستین کا سانپ ہے۔ اس حملے میں وہ اکیلا نہیں تھا۔ یہ آٹھ دس مسلمانوں کا گروہ تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ایک گاؤں کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اسے ایک اور آدمی مل گیا۔ وہ اسی کی راہ دیکھ رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے؟" اس نے سوار سے پوچھا۔

"ہے تو سب ٹھیک" سوار نے جواب دیا۔ "کسی بھی وقت معاملہ چوپٹ ہو سکتا ہے۔ اگر صلیبیوں نے پکے سبق پڑھائے ہیں تو میں کہہ سکتا ہوں کہ لڑکی کے تیور بدلے ہوئے لگتے ہیں۔ وہ کچھ سہمی سہمی اور خاموش خاموش نظر آتی ہے۔"

"آشی تو کہتے ہیں بہت ہوشیار اور تیز لڑکی ہے۔"

"شاید سفر کی تھکن سے تیزی ماند پڑ گئی ہو" سوار نے کہا۔ "عمرو درویش بھی تو وحشی ہے۔"

وہ باتیں کرتے گاؤں میں داخل ہوئے۔ ایک جگہ دو آدمی کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ سوار اور ساتھی ان کے پاس رک گئے۔ بتایا کہ وہ سفر میں ہیں اور اپنے گاؤں کو جا رہے ہیں۔ اپنے گاؤں کا نام بھی بتایا اور حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ "یہاں سے تھوڑی دور ایک بزرگ اترا ہوا ہے۔ صرف خدا کے ساتھ باتیں کرتا ہے۔ دن کے وقت بھی دائیں اور بائیں دو مشعلیں جلا کر رکھتا ہے۔ ہم اسے دیکھ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ قرآن پڑھ رہا تھا۔ زبانی پڑھتا ہے۔ اس نے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ ہم نے اسے بلایا۔ وہ نہیں بولا۔ اس کے خیمے کے قریب سے زمین سے دھوئیں کا بادل اٹھا بادل اوپر جا کر غائب ہو گیا اور اس میں سے ایک لڑکی نکلی جس کے حسن کو ہم بیان نہیں کر سکتے۔ ہم ڈر گئے کیونکہ لڑکی انسان نہیں جن معلوم ہوتی تھی ان نے بزرگ کے آگے سجدہ کیا۔ سجدہ سے اٹھ کر کان بزرگ کے منہ سے ساتھ لگایا۔ بزرگ کے ہونٹ ہلے۔ لڑکی ہمارے سامنے آن کھڑی ہوئی....

"ہم ڈر کر بھاگنے لگے لیکن زمین نے ہمیں پکڑ لیا۔ شاید لڑکی کی آنکھوں نے ہمیں جکڑ لیا۔ اس نے ہمیں کہا ــــ یہ خدا کا ایلچی ہے۔ تم سب کے لیے پیغام لایا ہے۔ اسے پریشان نہ کرو۔ یہ اس وقت خدا کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ کل آؤ۔ اگر اس نے تم پر کرم کیا تو تم سب کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں ابھی ابھی کوہ طور سے آئی ہوں۔ اس نے بلایا تھا۔ اس نے میرے کان میں کہا ہے کہ ان سے کہو کہ تمہاری تقدیر بدل دوں گا۔ بے صبر ہو جاؤ گے تو کہیں اور چلا جاؤں گا ــــ ہم لڑکی کے ساتھ بات نہیں کر سکے۔ ہمارے جسم پر اس کا قبضہ ہو گیا تھا۔ ہم کچھ بھی نہیں بول سکے بزرگ کی طرف دیکھا تو اس کے سر پر نور کا ہالہ تھا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔"

ان کا لہجہ سنسنی خیز تھا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ ان پر حیرت اور خوف طاری ہے۔ انسانی فطرت کی یہ کمزوری ہے کہ حیرت انگیز بات جذبات کو ہلا دیتی ہے۔ سنسنی سرور دیتی ہے۔ یہی حال ان دو سننے والوں کا ہوا۔ انہوں نے دو گھروں کے دروازوں پر دستک دے کر دو تین آدمیوں کو بلا لیا اور جنہوں نے سنا تھا وہ انہیں سنا

دیا۔ سوار اور اس کے ساتھی نے دل پسند اور لذیذ سے اضافے بھی کر دیے۔ لڑکی کا حسن اپنے الفاظ میں بیان کیا کہ سننے والے خدا اور قرآن کی بجائے اور اس بزرگ کی بجائے اپنے دماغوں پر لڑکی کو سوار کرنے لگے۔ ان آدمیوں نے سوار اور اس کے ساتھی کو مہمان ٹھہرا لیا۔ دوسرے گھروں کے آدمی بھی آ گئے۔

☆

ابھی سورج نہیں نکلا تھا جب اس گاؤں کے تمام آدمی سوار اور اس کے ساتھی کی راہنمائی میں اس جگہ کو روانہ ہو گئے جہاں عمرو درویش اور آشی نے خیمہ لگا رکھا تھا۔ خیمے کے سامنے چھوٹے سے قالین پر عمرو درویش آلتی پالتی مارے بیٹھا، آنکھیں بند کیے کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ ایک ڈنڈا اس کے دائیں طرف اور ایک بائیں طرف زمین میں گڑھا ہوا تھا۔ ان کے اوپر والے سروں پر تیل میں بھیگے ہوئے کپڑے لپٹے ہوئے تھے جو جل رہے تھے۔ یہ مشعلیں تھیں۔ جب گاؤں والے وہاں پہنچے تو عمرو درویش سے آٹھ دس قدم دور تین آدمی کھڑے تھے۔ گاؤں کے لوگ آئے تو ان تینوں کے پاس رک گئے۔

ان تین میں سے ایک نے کہا۔ "میں آگے جا کر بزرگ سے بات کرتا ہوں" ــــ وہ تین چار قدم آگے گیا تو یوں پیچھے کو پیٹھ کے بل گرا جیسے آگے سے اسے کسی نے دھکا دیا ہو۔ وہ اٹھ کر لوگوں میں جا کھڑا ہوا۔ خوف سے وہ کانپ رہا تھا۔ اس نے خوفزدہ آواز میں کہا ــــ "آگے نہ جانا۔ مجھے کسی نے آگے سے دھکا دیا ہے۔ یہ کوئی جن تھا جو مجھے نظر نہیں آیا۔"

دوسرے دو نے کہا ــــ "ہم آگے جاتے ہیں۔ تم ڈر کر گر پڑے تھے" ــــ وہ دونوں اکٹھے آگے گئے۔ تین چار قدم گئے تو دونوں پہلے آدمی کی طرح پیٹھ کے بل گرے۔ جلدی سے اٹھے۔ لوگ ڈر گئے۔ سب کو یقین ہو گیا کہ اس بزرگ نے پہرے پر جنات کھڑے کر رکھے ہیں جو کسی کو آگے نہیں جانے دیتے۔

خیمے سے ایک لڑکی نکلی۔ یہ آشی تھی۔ اس نے سیاہ ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔ تھوڑی اور منہ باریک پردے میں تھے۔ آنکھیں ننگی تھیں۔ سر سیاہ کپڑے سے ڈھانپ رکھا تھا۔ بال شانوں سے ہوتے ہوئے سینے پر پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھی مستور لیکن لباس ایسا تھا کہ نیم عریاں لگتی تھی۔ اس پہاڑی علاقے کے لوگوں نے اس قسم کی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ اسے جنات میں سے سمجھ رہے تھے۔ اس کی چال بھی نرالی اور دلکش تھی۔ آشی نے عمرو درویش کے آگے سجدہ کیا۔ سجدے سے اٹھ کر کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ آشی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم لوگ وہیں کھڑے رہو" ــــ آشی نے لوگوں سے کہا۔ "کوئی آدمی آگے آنے کی جرأت نہ کرے۔ خدا کے ایلچی نے پوچھا ہے کہ تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تم وہیں کھڑے کھڑے بات کر سکتے ہو۔"

ان تین آدمیوں میں سے جو آگے گئے اور گر پڑے تھے، ایک آدمی بلند آواز سے بولا ــــ "اے خدا کی طرف سے آنے والے! کیا تو آنے والے وقت کی خبر دے سکتا ہے؟"

"پوچھ کیا پوچھتا ہے؟" ــــ عمرو درویش نے گھمبیر سی آواز میں کہا۔

"کیا ہم اس خطے کو اسلام کی ریاست بنا سکیں گے جو سوڈان کی غلام نہ ہو؟" — اس آدمی نے پوچھا۔

عمرو درویش نے غصے سے زمین پر ہاتھ مارا۔ آشی دوڑ کر اُس کے پاس جا بیٹھی اور کان اس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔ عمرو درویش کے ہونٹ ہلے۔ آشی اُٹھ کر لوگوں سے مخاطب ہوئی۔

"خدا کے ایلچی نے کہا ہے کہ پانی کو آگ لگ جائے تو اس خطے کو تم اسلامی ریاست بنا لو گے جو سوڈان کی غلام نہیں ہو گی" — آشی نے کہا — "کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر انڈیل دو۔"

عمرو درویش سے ذرا پرے ایک کپڑا اس طرح پڑا تھا جس طرح کسی نے لباس اُتار کر گٹھڑی کی صورت رکھ دیا ہو۔ انہی تین آدمیوں میں سے جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے، ایک آگے بڑھا۔ اُس کے ہاتھ میں چمڑے کا چھوٹا سا مشکیزہ تھا۔ اس نے کہا — "میرے پاس پانی ہے۔ میں سفر میں ہوں اس لیے پانی ساتھ رکھا ہے۔"

اُس نے آگے جا کر مشکیزے کا منہ کھولا اور کپڑے پر پانی کا چھڑکاؤ کر دیا۔

آشی نے زمین سے مشعل اٹھا کر عمرو درویش کے ہاتھ میں دے دی۔ عمرو درویش نے آسمان کی طرف منہ کر کے ہونٹ ہلائے جیسے سرگوشی کی ہو، پھر اُس نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے ساتھ لگا دیا۔ کسی کو توقع نہیں تھی کہ پانی سے بھیگا ہوا کپڑا جل اُٹھے گا مگر ہوا یوں کہ جوں ہی مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب گیا تو کپڑا بھڑک اُٹھا اور تمام تر کپڑا ایک شعلہ بن گیا۔ کئی ایک آدمیوں کے منہ سے حیرت زدہ آوازیں نکلیں — "اللہ" — اُن کی نظروں کے سامنے پانی جل رہا تھا۔

"خدا کے اشارے کو سمجھ لو" — عمرو درویش نے کہا — "اور مجھے غور سے دیکھو میں کون ہوں۔ میں تم میں سے ہوں" — اُس نے اپنے گاؤں کا نام لے کر کہا — "میں اسی علاقے کا رہنے والے ہاشم درویش کا بیٹا ہوں۔ میں نبی نہیں۔ میں پیغمبر نہیں۔ خدا اپنا آخری نبی بھیج چکا ہے" — اُس نے اپنی انگلیاں چوم کر اور آنکھوں سے لگا کر کہا — "میں بھی تمہاری طرح خدا کے آخری رسولؐ کا پروانہ ہوں۔ مجھے خدا نے روشنی دکھائی اور حکم دیا ہے کہ یہ روشنی اُن کے پاس لے جاؤ جو اندھیرے میں ہیں۔"

وہ ایسے لہجے میں بول رہا تھا جیسے اُس پر وجد کی کیفیت طاری ہو۔ اُس نے کہا — "میرے گاؤں میں جا کر پوچھو۔ میں صلاح الدین ایوبی کا کمانڈر ہوں۔ میں اُس فوج کے ساتھ تھا جس نے سوڈان پر حملہ کیا تھا۔ اس فوج کا حملہ ناکام ہوا۔ ہم سب کو افسوس ہوا، تم سب کو افسوس ہوا ہو گا لیکن خدائے ذوالجلال نے مجھے مصری فوج کی لاشوں سے اٹھایا اور مجھے اشارہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج کو کیوں شکست ہوئی۔ میرا افسوس خوشی میں بدل گیا۔ میں نے ایک درخت کی شاخوں میں خدا کا نور دیکھا۔ یہ ایک روشنی تھی جیسے ایک ستارہ آسمان سے اُتر کر درخت کی شاخوں میں اٹک گیا ہو۔ اس ستارے میں سے آواز آئی — 'آگے دیکھ، پیچھے دیکھ، دائیں دیکھ، بائیں دیکھ'....

"میں نے ہر طرف دیکھا۔ آواز آئی — 'کوئی انسان تجھے زندہ نظر آتا ہے؟' — مجھے ہر طرف لاشیں نظر آئیں۔ یہ سب میرے ساتھیوں کی لاشیں تھیں۔ حالت سب کی بہت بُری تھی۔ زخمی بہت کم تھے۔ زیادہ سپاہی پیاس سے مرے تھے۔ یہ سب لڑے تھے۔ ستارے کی روشنی سے آواز آئی — 'کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہاری تلواریں کند

ہو گئی تھیں؟.... کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے تیروں کی کوئی رفتار ہی نہیں تھی؟ کیا تُو نے دیکھا نہیں تھا کہ تمہارے گھوڑوں کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تھے؟'....

"تب مجھے یاد آیا کہ میں نے سب کچھ دیکھا تھا جو روشنی کی صدا نے مجھے بتایا تھا۔ میری تلوار کی کاٹ اتنی بھی نہیں رہی تھی کہ خراش بھی ڈال سکتی۔ میں نے اپنے تیر دیکھے تھے جو ہوا میں یوں جاتے تھے جیسے ہوا کے جھونکوں سے گھاس کے خشک تنکے اُڑ رہے ہوں۔ ہمارے گھوڑے چلتے نہیں تھے۔ ریگزار نے سورج کی ساری آگ لے لی اور مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھسم کر دیا۔ میں بھی جلی ہوئی لاش تھا۔ ستارے سے ایک شرارہ آیا، میری آنکھوں میں اترا اور میرے وجود میں اُتر گیا۔ آواز آئی — 'ہم نے تجھے دوسری زندگی عطا کی۔ ہم سے پوچھ ہم نے یہ کرم کیوں کیا؟' — میں نے پوچھا۔ آواز نے جواب دیا — 'ہمیں مسلمانوں سے محبت ہے۔ مسلمان میرے رسولؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ ہمارے حضور رکوع و سجود کرتے ہیں۔ جن کی یہ لاشیں ہیں، انہیں ہم نے عبرت کا سامان بنایا ہے کہ یہ بھٹک گئے تھے، اور جو بھٹک رہے ہیں انہیں ہم سیدھا راستہ دکھانا چاہتے ہیں۔ ہم نے تجھے منتخب کیا ہے کہ تو ہر صبح قرآن کی تلاوت کرتا ہے۔ جا ہم نے تجھے روشنی دی ہے۔ یہ میرے مسلمان بندوں کو دکھا'....

"میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ میں نے کہا — 'اے میرے رب کے نور! مجھے پوری بات بتا اور بتا کہ میری بات کون مانے گا، کس طرح مانے گا۔ مجھے بتا کہ ہماری تلواریں کند کیوں ہو گئی تھیں؟ تیروں کی رفتار کہاں گئی تھی؟' روشنی کی آواز نے کہا — 'وہ تلوار کند ہو جاتی ہے جس کا وار اپنی ماں پر کیا جاتا ہے۔ وہ تیر کھجور کا سوکھا پتا بن جاتا ہے جو اپنی ماں کے سینے پر چلایا جاتا ہے۔ تُو نہیں جانتا کہ ماں کون ہے۔ وہ سرزمین جس نے تجھے جنم دیا ہے اور جس کی مٹی میں تُو کھیل کر جوان ہوا ہے تیری ماں ہے۔ جا سوڈان کے مسلمانوں سے کہہ کہ سوڈان کی زمین تمہاری ماں ہے۔ اس سے محبت کرو۔ اس کی مٹی میں جنت ہے۔ اس جنت کو فتح کرنے کے لیے باہر کا کوئی مسلمان بھی آئے گا تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ تُو نے دوزخ دیکھ لیا ہے۔ جا، اپنے کلمہ گو سوڈانی بھائیوں کو بتا کہ تمہاری ماں، تمہاری جنت اور تمہارا کعبہ سوڈان ہے'؟"

"اے برگزیدہ ہستی کہ جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے" — ایک آدمی نے کہا — "کیا تو یہ کہہ رہا ہے کہ ہم سوڈان کے اس بادشاہ کے وفادار ہو جائیں جو ہمارے رسولؐ کو نہیں مانتا؟" — یہ آدمی اُن تینوں میں سے ایک تھا جو آگے بڑھے اور گر پڑے تھے۔

"خدا کی آواز نے کہا ہے کہ یہ بادشاہ جو کافر ہے مسلمان ہو جائے گا" — عمرو درویش نے جھومتی ہوئی اثر انگیز آواز میں کہا — "وہ مسلمانوں کی راہ دیکھ رہا ہے۔ اس کی فوج کافروں کی ہے اس لیے وہ خدا اور رسولؐ کا نام نہیں لیتا۔ تم سب جاؤ، تلواریں، برچھیاں، تیر و کمان لے کر جاؤ۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جاؤ۔ اُسے بتاؤ کہ تم اُس کے محافظ ہو، تم سوڈان کے بیٹے ہو.... میں نے خدا سے کہا کہ میری زبان سے یہ بات کوئی نہیں مانے گا۔ میرے مسلمان بھائی مجھے قتل کر دیں گے۔ خدا کی آواز جو درخت کے پتوں میں اٹکی ہوئی روشنی سے آ رہی تھی

نے کہا — "ہمارے سارے پانی کو کون آگ لگا سکتا ہے۔ جا، ہم نے یہ طاقت تجھے اس شہادت کے لیے دے دی کہ لوگ تیری آواز کو ہماری آواز سمجھیں۔ کوئی انسان پانی کو آگ نہیں لگا سکتا۔"... پھر روشنی سے آواز آئی — "اگر تیری آواز کو لوگ پھر بھی باطل جانیں تو انہیں رات کو اپنے پاس بلا۔ میں انہیں وہی جلوہ دکھاؤں گا جو موسیٰ کو طُور پر دکھایا تھا"...

"کیا تم طُور کا جلوہ دیکھ کر حق کی آواز کو مانو گے؟" — عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہاں، اے خدا کے ایلچی!" — ان تین آدمیوں میں سے ایک نے کہا — "اگر تو ہمیں طُور کا جلوہ دکھا دے تو ہم تیری آواز کو خدا کی آواز مان لیں گے۔"

"جاؤ" — عمرو درویش نے زمین پر غصے سے ہاتھ مار کر کہا — "چلے جاؤ۔ اُس وقت آنا جب سورج اپنے شعلے پہاڑوں کے پیچھے لے جائے گا اور آسمان پر ستاروں کی قندیلیں روشن ہو جائیں گی۔ جاؤ۔"

☆

لوگ جب واپس گئے تو ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں تھا۔ جاتے جاتے وہ چار چار پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ہو گئے۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں اُبھر آئیں۔ عقیدے دب گئے۔ جذبے سرد ہو گئے۔ جذبات بھڑک اُٹھے۔ یہ سیدھے سادے پسماندہ لوگ تھے۔ سنسنی خیزی نے اُن کی عقل کا رُخ پھیر دیا۔ عمرو درویش کے الفاظ میں کچھ اثر تھا یا نہیں، لوگوں نے اُس اثر کو قبول کیا جو اُس کی آواز میں اور اُس کے بولنے کے انداز میں تھا۔ ان لوگوں میں سے اگر کسی نے شک کا اظہار کیا تو کسی نہ کسی نے کہہ دیا۔ "کیا تم پانی کو آگ لگا سکتے ہو؟" — ابھی رات کو طور کا جلوہ دیکھنا باقی تھا۔ یہ لوگ آتشی کو جن سمجھ رہے تھے جس کا انہوں نے صاف الفاظ میں اظہار کیا۔

یہ وہ مسلمان تھے جنہوں نے سوڈان کی غیر مسلم شہنشاہی کو خوفزدہ کر رکھا تھا۔ سوڈان کی فوجوں کو انہوں نے اس پہاڑی خطے میں بے بس کر کے پسپا کر دیا تھا۔ وہ خدا اور رسولؐ کے پرستار اور صلاح الدین ایوبی کے شیدائی تھے۔ سوڈان کے باشندے ہوتے ہوئے وہ اپنے کوہستانی خطے کو آزاد اسلامی ریاست کہتے تھے، مگر الفاظ کی سنسنی، اور چاشنی اور وجد آفرینی نے انہیں راہ سے بے راہ کر دیا اور اُن کی سوچیں بھٹکنے لگیں۔ جنہوں نے فوجوں کو پسپا کیا تھا اُن کے عقیدے پر صرف ایک انسان نے دلکش وار کیا تو اُن کے ہتھیار گر پڑے۔ یہ لوگ جدھر گئے افواہیں پھیلاتے گئے۔ انہوں نے جو دیکھا اور جو سنا تھا اسے اور زیادہ دلنشیں بنانے کے لیے اضافے کرتے گئے۔

"مجھے یہ خدشہ پریشان کر رہا ہے کہ سوڈانی مسلمان سنسنی خیز توہمات کے آگے ہتھیار ڈال دیں گے" — یہ آواز سلطان صلاح الدین ایوبی کی تھی جو سوڈان سے دُور، بہت ہی دُور فلسطین کی دہلیز پر ایک چٹان کے دامن میں اپنے مشیروں اور سالاروں کے درمیان بیٹھا تھا۔ العادل کا بھیجا ہُوا قاصد اُس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اُس نے العادل کا پیغام پڑھ لیا تھا۔ مصر کی انٹیلی جنس (شعبۂ جاسوسی اور سراغرسانی) نے سوڈانی مسلمانوں کے متعلق پوری اطلاع مصر کے قائم مقام امیر العادل کو دی تھی جو العادل نے سلطان ایوبی کے نام ایک پیغام میں لکھ بھیجی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ علی بن سفیان تاجروں کے بھیس میں سوڈان جا رہا ہے۔ پیغام میں العادل

نے سلطان ایوبی سے پوچھا تھا کہ سوڈانی مسلمانوں کے پہاڑی خطے میں اپنے چھاپہ مار بھیجے جائیں یا نہیں۔ اُس نے اس خدشے کا اظہار بھی کیا تھا کہ ہم چھاپہ مار چوری چھپے بھیجیں گے۔ اگر سوڈانی حکومت کو پتہ چل گیا تو کُھلی جنگ ہو سکتی ہے جب کہ ہماری زیادہ تر فوج عرب میں لڑ رہی ہے۔ پیغام میں تفصیل سے لکھا گیا تھا کہ سوڈانی حکومت مسلمانوں کو اپنا وفادار بنانے کے لیے ہمارے جنگی قیدیوں کو استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

سلطان ایوبی نے یہ پیغام پڑھ کر اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں اور مشیروں کو سنایا اور کہا — "سوڈان کے یہ مسلمان سوڈان کی فوج کے لیے قہرِ الٰہی ہیں۔ تم سب دیکھ رہے ہو کہ ان میں سے جتنے ہماری فوج میں ہیں، وہ کس بے جگری اور جذبے سے لڑتے ہیں مگر دشمن جب انہیں طلسماتی الفاظ میں اُلجھا اور ذہن کو خیالی عیاشی کی طرف مائل کرتا ہے تو وہ ریت کے بُت بن جاتے ہیں۔ العادل نے لکھا تو نہیں کہ صلیبی سوڈان کے مسلمان علاقے میں کردار کُشی اور ذہنی تخریب کاری کر رہے ہیں لیکن تم سب صلیبیوں کو جانتے ہو۔ وہ اِس فن کے ماہر ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ سوڈانیوں کے پاس صلیبی مشیر موجود ہیں۔ وہ ذہنی تخریب کاری ضرور کریں گے۔"

سلطان ایوبی نے العادل کے قاصد کو کھانے اور آرام کے لیے بھیج دیا اور کاتب کو بلا کر پیغام کا جواب لکھوانے لگا۔ اُس نے لکھوایا:

"میرے عزیز بھائی۔ العادل!

خدائے عزوجل تمہارا حامی و ناصر ہو۔ تمہارے پیغام نے سوڈان کے مسلمانوں کے متعلق صورتِ حال واضح کر دی ہے۔ تمہیں حیران نہیں ہونا چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ کفار اسلام کا خاتمہ چاہتے ہیں۔ وہ ہر حربہ اور ہر ہتھکنڈہ استعمال کر رہے ہیں۔ میں اس اقدام کی تعریف کرتا ہوں کہ علی بن سفیان سوڈان چلا گیا ہے اور تم نے اُسے جانے کی اجازت دی ہے۔ اللہ علی بن سفیان کی مدد کرے۔ وہ نہایت ہوشیار اور مستعد سراغرساں ہے۔ پتھروں کے اندر سے بھید بھی نکال لاتا ہے۔ وہ واپس آ کر تمہیں بتائے گا کہ وہاں کی صورتِ حال کیا ہے اور اس کے مطابق کیا کارروائی کرنی چاہیے.....

"تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ سوڈان کے مسلمانوں کو چھاپہ ماروں کی مدد دی جائے یا نہیں۔ تم نے اِس خطرے کا بھی اظہار کیا ہے کہ چھاپہ مار بھیجے تو سوڈانی جوابی کارروائی کریں گے جو کُھلی جنگ کی بھی صورت اختیار کر سکتی ہے۔ تم نے اچھا کیا ہے کہ میری اجازت ضروری سمجھی ہے، لیکن میں تمہیں خبردار کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر کبھی حالات ہنگامی ہو جائیں تو میری اجازت لینے میں وقت ضائع نہ کرنا۔ تمہیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کر کے مسلمانوں کے ہاں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا ہے، اور تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ سوڈانی ہمارے قیدیوں کو ہمارے خلاف تیار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور ہمارے اسحاق نامی ایک کماندار کی بیوی اور بیٹی تک کو انہوں نے دھوکے سے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے تو تمہیں سمجھ جانا چاہیے تھا کہ سوڈانی مسلمانوں میں کچھ غدار بھی ہیں۔ ان حالات میں تمہیں فوری طور پر چھاپہ مار وں

کی کچھ نفری تاجروں اور مسافروں کے بھیس میں سوڈانی سرحد میں داخل کر دینی چاہیے تھی۔ تاہم علی بن سفیان کا چلے جانا قابلِ تعریف ہے.....

"میرے عزیز بھائی! یہ الگ مسئلہ ہے کہ ہمارے پاس فوج تھوڑی ہے اور ہم دوسرا محاذ کھولنے کے قابل نہیں لیکن قرآن کے اس فرمان سے گریز نہ کرو کہ کسی بھی خطے میں مسلمانوں پر کفار ظلم و تشدد کر رہے ہوں یا انہیں لالچ سے یا دھوکے سے عقیدوں سے گمراہ کر رہے ہوں اور اُن کا قومی وقار اور دین و ایمان خطرے میں ڈال دیا گیا ہو تو تمام دنیا کے مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ سلطنتِ اسلامیہ کی کوئی سرحد نہیں۔ اسلام کے تحفظ کے لیے ہم کسی بھی ملک کی سرحد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم نے سوڈانی مسلمانوں کو اپنے جاسوس مار دے رکھے ہیں جو اُن کے ساتھ کاشت کاروں کے رُوپ میں رہتے ہیں۔ ہم سوڈانی مسلمانوں کو جنگی سامان بھی دے چکے ہیں۔ اگر تم ضرورت محسوس کرو تو انہیں اور زیادہ مدد دو.....

"اگر سوڈانی اپنی سرحد بند کرنے کے لیے مصر پر فوج کشی کریں تو گھبرا نہ جانا۔ تم تھوڑی سی فوج سے کئی گنا فوج کا مقابلہ کر سکتے ہو۔ تم اُن کا ایک حملہ تباہ کر چکے ہو۔ دوسرا بھی تباہ کر لو گے۔ سامنے کی ٹکر نہ لینا۔ دشمن کو وہاں گھسیٹ لینا جہاں تم کم تعداد سے زیادہ نقصان کر سکو۔ چھاپہ ماروں کا استعمال زیادہ کرنا اور دشمن کی رسد کاٹنے کا انتظام کرنا۔ تمہاری آدھی جنگ علی بن سفیان کے جاسوس جیت لیں گے۔ لیکن مجھے توقع نہیں کہ سوڈانی حملے کی حماقت کریں گے۔ اگر ان کے صلیبی مشیروں نے عقل سے کام لیا تو وہ حملے کی بجائے اپنے پہاڑی علاقے کے مسلمانوں کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں گے۔ اگر مسلمان اُن کے وفادار ہو گئے اور اُنکی فوج میں شامل ہو گئے تو وہ ہر خطرہ مول لے سکتے ہیں۔ اس لیے تمہاری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ مسلمان اُنکی ذہنی تخریب کاری کا شکار نہ ہوں.....

میں وہی بات دہراؤں گا جو سو بار کہہ چکا ہوں۔ مسلمان میدانِ جنگ میں شکست دیا کرتا ہے، شکست کھایا نہیں کرتا، مگر اس کے جذبات میں جب حیوانی جذبہ بیدار کر دیا جاتا ہے تو وہ تلوار اتار پھینکتا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کو جب بھی زوال آیا اسی جذبے کی بدولت آئے گا۔ ہمارا دشمن ہماری قوم میں یہی آگ بھڑکا رہا ہے۔ اس طرح ہم بیک وقت دو محاذوں پر لڑ رہے ہیں۔ ایک زمین کے اُوپر ہے دوسرا زمین کے نیچے۔ ہمارا دشمن ہمیں زہر میں بجھے ہوئے تیروں سے نہیں مار سکا، وہ اب ہمیں زبان کی مٹھاس اور الفاظ کے جادو سے بیکار اور مفلوج کر رہا ہے۔ یہ بڑا ہی خطرناک محاذ ہے۔ ہوشیار رہنا میرے عزیز بھائی!.....

"یہاں کے حالات سازگار ہیں۔ دشمن بُری طرح بکھرا ہوا ہے۔ میں اُسے مرکزیت اور اجتماع کی مہلت نہیں دوں گا۔ اللہ کی مدد شاملِ حال رہی تو میں حلب لے لُوں گا۔ مقابلہ شاید اب بھی سخت ہو لیکن میں نے کچھ اور انتظامات کر لیے ہیں۔ صلیبی ابھی سامنے نہیں آئے شاید ابھی سامنے آئیں گے بھی نہیں۔ وہ بھائیوں کو آپس میں لڑا کر تماشا دیکھ رہے ہیں، مگر ان کا دشمن آپس میں ہی لڑ لڑ کر مر جائے تو انہیں سامنے آنے کی کیا ضرورت ہے.....

"اللہ تمہاری مدد کرے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم گھبراؤ گے نہیں۔ خدا حافظ!"

جس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی نے یہ پیغام قاصد کو دے کر روانہ کیا اُس وقت عمرو درویش کے خیمے میں وہ تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو لوگوں کے ہجوم میں آگے ہو کر عمرو درویش کی طرف بڑھے تھے مگر اس طرح پیچھے کو گر پڑے تھے جیسے کسی نے انہیں آگے سے دھکا دیا ہو۔ لوگ چلے گئے۔ عمرو درویش باہر سے اُٹھ کر خیمے کے اندر چلا گیا تھا اور یہ تین آدمی کچھ دُور تک لوگوں کے ساتھ گئے اور اُن کی نظر بچا کر ایک ایک کر کے واپس آئے اور عمرو درویش کے خیمے میں چلے گئے تھے۔ یہ اُسی کے گروہ کے آدمی تھے اور وہ اسی علاقے کے مسلمان تھے۔ سوڈانی حکومت سے انہیں بہت انعام ملتا تھا۔

"میرا خیال تھا کہ کپڑا نہیں جلے گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اس کے نیچے آتش گیر سیال کم رکھا گیا اور اوپر پانی زیادہ انڈیل دیا گیا تھا۔"

"تمہیں ابھی یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ یہ تیل پانی پر ڈال دیا جائے تو بھی جل اٹھتا ہے۔" اُس آدمی نے کہا جس نے کپڑے پر مشکیزے سے پانی چھڑکا تھا۔ "ہم پہلے آزما چکے تھے۔"

"لوگوں پر اس کا اثر کیا ہوا ہے؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"ہم کچھ دُور تک اُن کے ساتھ گئے تھے۔" ایک نے جواب دیا۔ "وہ پانی کو آگ لگانے کو تمہارا معجزہ سمجھتے ہیں۔ کوئی یقین نہیں کرتا کہ دنیا کا کوئی انسان پانی کو آگ لگا سکتا ہے۔ تم نے جس انداز سے باتیں کی ہیں وہ اُن کے دلوں میں اُتر گیا ہے۔ خدا کی قسم!....."

"نہ دوست!" عمرو درویش نے اُسے ٹوک دیا اور سنجیدہ لہجے میں بولا۔ "خدا کی قسم نہ کھاؤ۔ ہم اس حق سے محروم ہو گئے ہیں کہ اُس سچے خدا کی قسم کھائیں جس کے احکام کی ہم خلاف ورزی کر رہے ہیں۔"

"معلوم ہوتا ہے ابھی تمہارے دل میں سچا خدا موجود ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔ "عمرو درویش! تم اپنا خدا اور اپنا ایمان فروخت کر آئے ہو۔"

دوسرے آدمی نے پاس بیٹھی ہوئی آشی کی ران پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "اور قیمت دیکھو کیسی ملی ہے۔ یہ صلیب کے بادشاہوں کا ہیرا ہے جو سوڈان کے حاکموں نے تمہیں دے دیا ہے۔"

عمرو درویش نے آشی کی طرف دیکھا تو آشی نے اُسے گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے آنکھیں سکیڑیں۔ اُس کے ماتھے پر شکن بھی پیدا ہوئے۔ عمرو درویش اس اشارے کو سمجھ گیا اور ہنس کر بولا۔ "مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ میں اتنی زیادہ قیمت کے قابل نہیں تھا..... جانے دو ان باتوں کو۔ آنے والی رات کی باتیں کرو۔"

"سب انتظام تیار ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔ "تم نے ہمارا کمال دیکھ لیا ہے۔ دیکھا ہم کس طرح پیچھے کو گرے تھے؟ اور تم اس کی بھی تعریف کرو کہ ہم نے کسی اور کو بولنے نہیں دیا۔"

"رات کو تم طُور کا جلوہ دکھاؤ گے۔" ایک اور آدمی نے کہا۔ "یاد رکھو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ ہمارے آدمی تیار ہیں۔"

"ہمیں چلے جانا چاہیے۔" تیسرے آدمی نے کہا۔ "اب خیمے سے باہر نہ نکلنا۔"

وہ تینوں چلے گئے۔

☆

سورج غروب ہوتے ہی لوگ آنا شروع ہو گئے۔ دن کے وقت جو لوگ عمرو درویش کی باتیں سُن گئے اور پانی کو آگ لگنے کا معجزہ دیکھ گئے تھے انہوں نے جہاں تک وہ پہنچ سکے "خدا کے ایلچی" کی تشہیر کر دی تھی کہ آج رات کو عمرو درویش کوہِ طور کا وہی جلوہ دکھائے گا جو خدا نے حضرت موسیٰ کو دکھایا تھا۔ سوڈان کے جاسوس بھی وہاں موجود تھے۔ انہوں نے افواہیں پھیلانے کا کام جانفشانی سے کیا۔ اس کے نتیجے میں شام کے بعد عمرو درویش کے خیمے کے سامنے لوگوں کا ہجوم دن کی نسبت زیادہ تھا۔ خیمے کے عقب میں اور دائیں بائیں کسی کو کھڑا ہونے کی اجازت نہ تھی۔

عمرو درویش ابھی خیمے میں تھا۔ باہر دو مشعلیں جل رہی تھیں جن کے ڈنڈے زمین میں گڑے ہوئے تھے۔ لوگ "خدا کے ایلچی" کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ خیمے کے پردے کو جنبش ہوئی۔ آشی سامنے آئی۔ اس کا لباس سیاہ تھا۔ یہ ایک فراک سا تھا جو کندھوں سے پاؤں تک تھا۔ اس پر ابرق کے ذرّے چپکے ہوئے تھے جو شعلوں کی روشنی میں ستاروں کی طرح ٹمٹماتے اور چمکتے تھے۔ آشی کے سر پر ریشم کا باریک رومال تھا۔ اس کے بال اسی ریشم جیسے تھے جو شانوں پر اس انداز سے پڑے ہوئے تھے کہ عریاں شانوں کی سپیدی ان میں ستاروں کی طرح نظر آتی تھی۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی، اس کا بناؤ سنگھار اور سج دھج ایسی تھی جس میں طلسماتی سا تاثر تھا اور جو حیوانی جذبے کو اُکساتی تھی۔

پہاڑیوں اور جنگلوں میں رہنے والے اِن لوگوں کے لیے یہ لڑکی، اُس کی چال اور اس کا لباس عجوبے سے کم نہ تھا۔ اُن کی نظریں گرفتار ہو گئیں اور ان پر سحر طاری ہو گیا۔ آشی کے ایک ہاتھ میں گز ڈیڑھ گز لمبے اور اس سے آدھے چوڑے قالین کا ایک ٹکڑا تھا جو اُس نے دونوں مشعلوں کے درمیان بچھا دیا۔ اُس نے دونوں بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھا۔ خیمے کا پردہ ہٹا اور عمرو درویش مستانہ چال چلتا قالین پر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے بھی آشی کی طرح بازو دائیں بائیں پھیلائے، آسمان کی طرف دیکھا اور کچھ بڑبڑانے لگا۔

"اے خدا کی برگزیدہ ہستی جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے، ہم تیرے حضور حاضر ہوئے ہیں!" یہ اُن تین آدمیوں سے ایک تھا جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ اُس نے کہا — "تیری دن کی باتیں ہمارے دلوں میں اُتر گئی ہیں مگر ایک شک ہے۔ ہمیں طور کا جلوہ دکھا جس کا تو نے وعدہ کیا تھا۔"

"مصر فرعونوں کا ملک ہے۔" عمرو درویش نے بلند آواز سے کہا — "فرعون مر گئے مگر خدا نے مصر کی بادشاہی جس کو بھی دی وہ فرعون بنا۔ یہ مصر کی زمین کی، مصر کے پانی کی اور مصر کی ہوا کی تاثیر ہے۔ جو کلمۂ رسولؐ پڑھتے تھے وہ بھی فرعون بنے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعونوں کی 'خدائی' کو للکارا اور نیل کے پانی کو کاٹ کر دکھا دیا۔ اب مصر ایک بار پھر فرعونوں کے قبضے میں آ گیا ہے۔ وہاں شراب کی نہریں بہتی ہیں اور پردہ نشین کنواریوں کی عصمتوں سے کھیلا جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمارے اِس خطے کو یہ سعادت بخشی ہے کہ مصر کو فرعون سے آزاد کراؤ۔ خداوندِ دو عالم نے

تمہیں کوہِ طور کا جلوہ بخشا ہے۔"

عمرو درویش نے بازو پھیلائے اور آسمان کی طرف دیکھ کر جوشیلی آواز میں کہا — "اپنے بھٹکے ہوئے بندوں کو اپنا وہی نُور دکھا جو تُو نے موسیٰ کو دکھایا تھا۔"

اُس نے لپک کر ایک مشعل زمین سے اکھاڑی۔ رات تاریک ہو چکی تھی۔ پہاڑ، چٹانیں اور درخت اندھیرے کی سیاہی میں روپوش ہو گئے تھے۔ روشنی صرف ان دو مشعلوں کے شعلوں کی تھی جس میں عمرو درویش اور آشی نظر آ رہے تھے۔ عمرو درویش نے مشعل اُوپر کی اور ایک سمت اشارہ کر کے کہا — "اُدھر دیکھو۔ اُدھر ایک پہاڑی ہے۔ تم اُس پہاڑی کو نہیں دیکھ سکتے۔ اس کا جلوہ دیکھو۔"

اُس نے مشعل اور زیادہ اُوپر کر کے دائیں بائیں لہرائی۔ اس کے ساتھ ہی سامنے پہاڑی سے ایک شعلہ اُٹھا اور ذرا سی دیر میں کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ حیرت زدگی نے اُن کی زبانیں گنگ کر دیں۔

"اگر تم نے خدا کے اس جلوے کو بھی اپنے دلوں میں نہ اُتارا تو یہ شعلہ جو تم نے دیکھا ہے تمہارے اس سرسبز علاقے کو ریگزار بنا دے گا۔" عمرو درویش نے کہا — "میں اسے روک نہیں سکوں گا۔ اسے تم نے دعوت دی ہے۔"

عمرو درویش اپنے خیمے میں چلا گیا۔ آشی نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ چلے جائیں۔ لوگ وہاں سے جانے لگے تو ایک دوسرے کے ساتھ بات کرتے ہوئے بھی گھبراتے تھے۔ ان کے دلوں میں کوئی شک نہیں رہا تھا۔ وہ جب خیمے سے دور نکل گئے تو ایک آدمی جو اُن کے ساتھ تھا، دوڑ کر آگے ہوا اور سب کی طرف منہ کر کے رُک گیا۔ سب نے دیکھا۔ وہ ایک گاؤں کی مسجد کا پیش امام تھا۔

"ذرا رُک جاؤ۔" امام نے بازو پھیلا کر کہا۔ سب رُک گئے تو اُس نے کہا — "اپنے ایمان کو قابو میں رکھو، مسلمانو! یہ جادوگری ہے۔ جو تم دیکھ آئے ہو یہ شعبدہ بازی ہے۔ رسولِ خداؐ کے بعد نہ کوئی پیغمبر آیا ہے، نہ آئے گا۔ خدا ایسے گناہگاروں کو جلوے اور نُور نہیں دکھایا کرتا جو اپنے ساتھ بے حیا لڑکیاں لیے پھرتے ہیں۔"

"یہ لڑکی نہیں جِن ہے۔" ایک آدمی نے کہا۔

"جنّات انسانوں کے روپ میں نہیں آ سکتے۔" امام نے کہا — "جنّات کسی انسان کے غلام نہیں ہو سکتے۔ مسلمانو! اپنے عقیدے کی حفاظت کرو۔ سلطان صلاح الدین ایوبی فرعون نہیں، وہ خدا کا سچا بندہ ہے۔ اُس نے پیغمبری کا دعویٰ نہیں کیا۔ وہ تمہارے مذہب کا پاسبان اور صلیب کا دشمن ہے۔"

"محترم امام!" ایک آدمی نے کہا — "کیا آپ پانی کو آگ لگا سکتے ہیں؟"

"اس کی نہ سنو۔" ایک اور نے کہا — "یہ اپنی امامت قائم رکھنا چاہتا ہے۔"

"ہم نے جو دیکھا ہے وہ آپ دکھا دیں۔" ایک اور نے کہا — "پھر ہم آپ کی اطاعت قبول کر لیں گے۔"

"میرے ساتھ اُس پہاڑی پر چلو جہاں سے شعلہ اُٹھا تھا۔" امام نے کہا — "میں تمہیں دکھا دوں گا کہ یہ کیا شعبدہ ہے۔ اگر میں غلط ہوا تو مجھے اُسی جگہ قتل کر دینا جہاں شعلہ بھڑکا تھا۔"

"ہم خدا کے کاموں میں دخل دینے کی جرأت نہیں کریں گے۔" ایک آدمی نے کہا۔

دو تین آدمی بیک وقت بول پڑے۔ وہ بھی امام کے خلاف بول رہے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ایسا اشتعال دلایا کہ سب چل پڑے اور امام کو دھکے دیتے آگے چلے گئے۔ امام اکیلا کھڑا رہا۔

☆

کچھ دیر وہاں کھڑے رہ کر امام اُس پہاڑی کی طرف چل پڑا جس پر شعلہ اُٹھا تھا۔ وہ بہت ہی تیز چلا جا رہا تھا۔ ایک پتھریلے ویرانے سے گزر کر چٹان کے دامن میں پہنچا تو دو آدمی اُس سے کچھ دُور پیچھے چلے جا رہے تھے۔ امام چٹان کے ساتھ ساتھ چلا جا رہا تھا۔ پیچھے جانے والے دونوں آدمی اور تیز ہو گئے۔ اُن کی قدموں کی آہٹیں سُن کر امام رُک گیا۔ وہ دونوں اُس کے قریب جا رُکے۔ اُن کے چہرے کپڑوں میں چھپے ہوئے تھے۔ امام نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اُن میں سے ایک امام کے پیچھے چلا گیا۔ امام اُس کی طرف مُڑا تو دوسرے نے امام کی گردن کے گرد اپنا بازو لپیٹ لیا۔ امام نے کمربند سے خنجر نکالا مگر اُس کا خنجر والا ہاتھ ایک آدمی کے ہاتھ کے شکنجے میں آگیا۔ اُس کی گردن دوسرے آدمی کے بازو کے شکنجے میں تھی جو اتنا تنگ اور سخت ہو گیا تھا کہ اُس کا سانس رُک رہا تھا۔

اُس نے آزاد ہونے کی آخری کوشش کی۔ وہ پوری طاقت سے اُچھلا۔ دونوں پاؤں جوڑ کر سامنے والے کے پیٹ میں مارے۔ اُسے پیچھے سے ایک آدمی نے جکڑ رکھا تھا۔ سامنے والا امام کی لاتوں سے پیچھے کو گرا اور اُس کے پیچھے والا دھکا برداشت نہ کر سکا۔ وہ بھی پیچھے کو گرا اور امام کی گردن پر اُس کے بازو کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ امام نے ایک اور جھٹکا دیا اور آزاد ہو گیا۔ وہ اب ایک خونریز لڑائی کے لیے تیار ہو کر اُٹھا لیکن وہ دونوں آدمی بھاگ گئے۔ اُن کے بھاگنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی تھی کہ وہ دونوں اُسی علاقے کے مسلمان تھے۔ انہیں پہچانے جانے کا خطرہ تھا۔ امام نے انہیں پکارا، للکارا لیکن وہ غائب ہو گئے تھے۔ امام نے آگے جانا مناسب نہ سمجھا اور وہیں سے واپس چلا گیا۔

عمرو درویش کے خیمے میں وہی تین آدمی بیٹھے تھے جو دن کے وقت بھی اُس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے عمرو درویش کو بتایا کہ لوگ وہی تاثر لے کر گئے ہیں جو اُن پر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ انہوں نے اُسے یہ بھی بتایا کہ کل رات اُسے آگے ایک اور گاؤں کے قریب جانا ہے اور "نُور کا جلوہ" ایک اور پہاڑی پر دکھانا ہے۔ تینوں چلے گئے۔ آشی عمرو درویش کے ساتھ اکیلی رہ گئی۔

"کیا تم اپنی کامیابی پر خوش ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"آشی!" عمرو درویش نے آہ لے کر کہا۔ "میں تمہیں اس قسم کے سوالوں کا جواب دینے سے ڈرتا ہوں۔"

"کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہوں؟" آشی نے کہا۔ "تم نے میرے اندر ایمان بیدار کیا ہے اور اب تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے۔"

"میں اعتبار تمہارے عمل پر کروں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تمہارے الفاظ پر نہیں۔"

"مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔" آشی نے کہا۔ "جو کہو گے کروں گی۔"

"ابھی یہی کرتی رہو جو کر رہی ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "وقت آنے پر تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔"

"ہو سکتا ہے تمہیں یہ بتانے کا وقت ہی نہ ملے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔" آشی نے کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تمہارے ارد گرد جاسوسوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ جہاں تم نے ذرا سی مشکوک حرکت کی یہ جاسوس تمہیں غائب یا قتل کر دیں گے اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اگر تم مجھے پہلے ہی بتا دو کہ تمہارا ارادہ کیا ہے تو میں تمہیں بروقت خبردار کر سکوں گی۔ مجھے تو وہ بہرحال اپنے گروہ کا فرد سمجھتے ہیں۔"

آشی کے انداز میں کچھ ایسی سادگی اور خلوص تھا جس سے عمرو درویش قائل ہو گیا کہ یہ لڑکی اُسے دھوکہ نہیں دے گی۔ اُس نے کہا۔ "تمہارے کمالات دیکھتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ تم مجھے دھوکہ دو گی۔"

"کمالات میں تو تم بھی کم نہیں ہو۔" آشی نے کہا۔ "اسی لیے تو میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم نے اپنی قوم کو دھوکہ دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔"

"میں تمہیں اپنا ارادہ بتا دیتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اور یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ تم نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور مجھے فریب دیا تو تم زندہ نہیں رہو گی۔ میں قتل ہو جانے سے نہیں ڈرتا اور قتل کرنے سے بھی نہیں ڈروں گا۔ میں نے راستے میں تمہیں بتایا تھا کہ میں کسی اور مقصد کے لیے جا رہا ہوں۔ مجھے اُمید تھی کہ میں یہاں اپنے علاقے میں آ کر اپنے خفیہ مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا مگر یہاں آ کر دیکھا ہے کہ سوڈانیوں نے مجھے جاسوسوں کے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ مجھے دوسرا غم یہ ہو رہا ہے کہ میں نے اپنی قوم کی پیٹھ میں خنجر اُتار دیا ہے۔ میں اپنے اصل مقصد کی خاطر اپنے آپ کو پوشیدہ رکھ رہا ہوں مگر میری کارستانی جسے تم میرا کمال کہتی ہو میری قوم کے مذہبی عقیدے کو زہر کی طرح مار رہی ہے۔ میں نے اگر یہ سوانگ جاری رکھا تو یہ مسلمان سوڈانیوں کی غلامی کی زنجیروں میں بندھ جائیں گے اور اُن کا قومی وقار ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔"

"تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" آشی نے پوچھا۔

"میں اسحاق کے گاؤں تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "تم اسحاق کو جانتی ہو نا۔ وہی کماندار جو جنگی قیدی کی حیثیت سے قید خانے میں پڑا ہے۔ اُسے اپنے رنگ میں رنگنے کے لیے تمہیں بھی ایک رات اُس کے پاس بھیجا گیا تھا۔"

"اس شخص کو تو میں ساری عمر نہیں بھول سکوں گی۔" آشی نے کہا۔ "اُس کی بھی اتنی ہی مرید ہوں جتنی تمہاری ہوں۔"

"میں اُس کے گھر تک پہنچنا چاہتا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "پھر میں اپنے گاؤں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ یہاں آ کر غائب ہو جاؤں گا اور یہاں کے لوگوں کو بتاؤں گا کہ وہ سوڈانیوں کے ہتھکنڈوں سے بچیں۔"

"معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی باقاعدہ منصوبہ نہیں بنایا تھا۔" آشی نے کہا۔ "ہمیں جس کام کے لیے بھیجا جاتا ہے اس کا ہمیں بڑا واضح منصوبہ دیا جاتا ہے۔"

"میں قید خانے میں ظالمانہ اذیتیں سہہ سہہ کر نکلا ہوں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اتنی سی عقل رہ گئی تھی

کر قید خانے سے نکلنے کا یہ طریقہ سوچ لیا تھا۔ یہاں آکر حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ اپنے مقصد کی کامیابی ناممکن نظر آتی ہے۔"

"اب مجھے بھی سوچنے دو" آشی نے کہا — "اگر ہم خدا کی راہ میں ثابت قدم رہے تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ گے۔ کل ہم آگے جارہے ہیں۔ کوئی صورت نکل آئے گی۔"

ضرورت یہ ہے کہ ہمیں یہاں کے کسی عقلمند آدمی کے ساتھ ملاقات کا موقع مل جائے۔"

اسی علاقے میں عمرو درویش کے مجمعے سے دو اڑھائی میل دُور مصری تاجروں کا ایک قافلہ آیا۔ چار آدمی اور چھ اونٹ تھے۔ قافلے کا سردار لمبی داڑھی والا ایک بزرگ سیرت انسان تھا جس نے ایک آنکھ پر سبز رنگ کے کپڑے کا ٹکڑا اس طرح رکھا تھا جیسے اس کی یہ آنکھ خراب ہو۔ یہ قافلہ دو راتیں پہلے سوڈان کی سرحد میں داخل ہوا تھا۔ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ سلطان ایوبی نے مصر سے سوڈان میں اناج سمگل کرنے کی درپردہ اجازت دے رکھی تھی۔ دوسری اجناس بھی سمگل کی جاتی تھیں۔ سوڈان میں ان اشیاء کی قلت تھی۔ مصر کے یہ سمگلر دراصل سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کے آدمی تھے۔ انہیں مصر کے سرحدی دستے نہیں روکتے تھے اور سوڈان کی سرحد کے پہرہ دار بھی انہیں نظر انداز کردیتے تھے۔

یہ قافلہ بھی بلا روک ٹوک سرحد پار کرکے سوڈان میں داخل ہوگیا لیکن رات کی تاریکی کی وجہ سے سوڈان کے سرحدی پہرہ دار یہ نہ دیکھ سکے کہ چار تاجروں اور چھ اونٹوں کا یہ قافلہ سوڈان کے کسی شہر کی طرف جانے کی بجائے اُس پہاڑی علاقے کی سمت چلا گیا ہے جہاں مسلمان آباد تھے۔ اُدھر تاجروں کے کسی قافلے کو جانے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ سوڈان کی حکومت مسلمانوں کو اناج اور دیگر اجناس سے اور تجارت سے محروم رکھنا چاہتی تھی۔ یہ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی تو اونٹوں کو ٹیلوں کے علاقے میں چھپا دیا گیا۔ سرحد دُور پیچھے رہ گئی تھی۔ ان لوگوں نے سارا دن وہیں چھُپ کر گزارا۔

رات تاریک ہوئی تو قافلہ پھر چل پڑا، اور آدھی رات کے وقت پہاڑی علاقے میں داخل ہوگیا۔ یہی قافلے کی منزل تھی۔ سحر کے وقت قافلہ ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ میرِ کارواں ایک مکان کے سامنے رُکا اور دروازے پہ دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا۔ ایک آدمی ہاتھ میں دیا لیے باہر آیا۔ میرِ کارواں نے اُس کے کان میں کچھ کہا۔ دروازہ کھولنے والے نے کہا — "خوش آمدید ... تم سب فوراً اندر چلو۔ اونٹوں کو ہم سنبھال لیں گے۔"

چاروں تاجر اندر چلے گئے۔ میزبان نے اپنے گھر والوں کو اور پڑوس کے دو تین آدمیوں کو جگایا۔ سب نے اونٹوں کو مختلف گھروں کے اونٹوں میں بانٹ کر باندھ دیا۔ سامان اتار کر میزبان کے گھر میں رکھ دیا گیا۔ میرِ کارواں نے کہا کہ سامان فوراً کھولو اور غائب کردو۔ سب نے سامان کھولا تو اس میں اناج کی بجائے تیروں کا ذخیرہ تھا۔ کمانیں، تلواریں اور خنجر تھے اور تین چار بوریوں میں آتش گیر مادے سے بھری ہوئی ہانڈیاں تھیں۔ یہ سامان غائب کردیا گیا۔

"کیا میں اپنے آپ میں آجاؤں؟" میرِ کارواں نے پوچھا — "تنگ آگیا ہوں۔"

"کوئی خطرہ نہیں۔" میزبان نے کہا — "سب اپنے لوگ ہیں۔"

میرِ کارواں نے لمبی داڑھی اتار دی اور آنکھ سے سبز کپڑا بھی اتار دیا۔ یہ داڑھی نقلی تھی۔ اُس کی اصلی داڑھی چھوٹی تھی اور سلیقے سے تراشی ہوئی۔ سامان اِدھر اُدھر چھپا کر جب آدمی مہمانوں کے پاس آئے تو ایک آدمی میرِ کارواں کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ میرِ کارواں مسکرایا اور پوچھا — "پہچانا نہیں تھا مجھے؟"

"اوہ میرے دوست علی بن سفیان!" اس آدمی نے کہا — "خدا کی قسم میں نے نہیں پہچانا تھا۔" اس نے آہ بھر کر کہا — "ہماری خوش نصیبی ہے کہ آپ خود آگئے ہیں۔ یہاں کے حالات ٹھیک نہیں۔"

"مجھے اطلاع مل گئی تھی کہ سوڈان کے قید خانے کے ایک سپاہی نے سوڈانی فوج کے دو کمانداروں کو قتل کردیا ہے۔" علی بن سفیان نے کہا — "اور مجھے یہ بھی پتہ چلا ہے کہ سوڈانی ہمارے جنگی قیدیوں کو ہمارے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔"

لمبی داڑھی اور آنکھ پر سبز پٹی اور تاجروں کے چغے کے بہروپ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا ماہر جاسوس اور سراغرساں علی بن سفیان تھا جو یہاں کے حالات کا جائزہ لینے آیا تھا۔ اُسے جاسوسوں نے قاہرہ جاکر جو خبریں دی تھیں وہ اُن کی روشنی میں باتیں کررہا تھا، اور وہ جس گھر میں بیٹھا تھا، وہ اُس کے بھیجے ہوئے جاسوسوں کا مرکز تھا۔ اُس کا میزبان سوڈانی باشندہ تھا۔ یہ سب لوگ سلطان ایوبی کے پرستار تھے۔ ان لوگوں نے علی بن سفیان کو ایک نئی بات سنائی۔

"افواہ پھیل رہی ہے کہ خدا کا کوئی ایلچی آیا ہے جو پانی کو آگ لگاتا ہے۔" میزبان نے علی بن سفیان کو بتایا۔ "اور وہ لوگوں کو اس قسم کی باتیں کہتا ہے کہ خدا نے مجھے یہ پیغام دے کر مُردوں میں سے اٹھایا ہے کہ مسلمانوں سے کہو کہ سوڈان کے وفادار ہوجائیں کیونکہ یہ زمین تمہاری ماں ہے۔" اس نے عمرو درویش کے متعلق ساری باتیں سُنا دیں لیکن اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش رات کو طور کا جلوہ دکھا کر لوگوں کے دلوں میں بے حد خطرناک شکوک پیدا کرچکا ہے۔

"مجھے یہی ڈر تھا کہ دشمن عقیدوں پر حملہ کرے گا۔" علی بن سفیان نے کہا — "اسی لیے میں خود آیا ہوں۔ صلیبی تخریب کاری کے ماہر ہیں اور ہماری قوم جذباتی ہے۔ صلیبی الفاظ کا بڑا ہی دلفریب جال تن دیتے ہیں۔ ہمارے بھائی کھچے ہوئے اس کے حسین تاروں میں اُلجھ جاتے ہیں .... مجھے فوری طور پر اس فتنے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات ملنی چاہئیں۔ میرا خیال ہے کہ عمرو درویش کو میں جانتا ہوں۔ ہماری فوج کے ایک دستے کا کماندار تھا۔"

اس علاقے میں مصری جاسوس چھاپہ مار بھی تھے۔ علی بن سفیان نے میزبان سے کہا کہ وہ چند ایک آدمیوں کو بلانے کا انتظام کرے تاکہ اس تخریب کاری پر جوابی حملہ کیا جاسکے۔

☆

سورج طلوع ہورہا تھا۔ جاسوسوں کو بلانے کے لیے آدمی دوڑا دیئے گئے۔ وہ گئے ہی تھے کہ ایک گھوڑا جو سرپٹ دوڑتا آرہا تھا اس مکان کے سامنے آرکا۔ سوار اُتر کر اندر آیا تو سب احترام کے لیے اٹھے۔ یہ امام تھا، اور یہ وہی امام تھا جس نے عمرو درویش کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ لوگ اسے دھکے دیتے چلے گئے تھے، پھر رات کو اس پر نامعلوم

آدمیوں نے قاتلانہ حملہ کیا تھا۔ امام وہیں سے واپس آ گیا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں نے اس گاؤں اور اس گھر کو جاسوسی اور دیگر سرگرمیوں کا خفیہ مرکز بنا رکھا ہے۔ امام اپنے گھر گیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اس گاؤں کو روانہ ہو گیا۔ یہ امام اس پر یقین رکھتا تھا کہ عمرو درویش شعبدہ باز ہے۔ وہ اس گاؤں میں رپورٹ دینے اور شعبدہ بازی کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے مدد لینے آیا تھا۔ آگے علی بن سفیان بیٹھا تھا۔

امام علی بن سفیان سے واقف نہیں تھا۔ تعارف کرایا گیا تو امام نے تفصیل سے سنایا کہ عمرو درویش نے کیا شعبدہ دکھایا ہے اور مسلمان تماشائیوں نے اس کا کس طرح اثر قبول کیا ہے۔

"اگر ہم نے یہ سلسلہ نہ روکا تو مسلمان اپنے عقیدوں سے منحرف ہو جائیں گے"۔ امام نے کہا۔ "یہ شخص جو اپنا نام عمرو درویش بتاتا ہے آج رات اگلے گاؤں کو جا رہا ہے اور یہی شعبدہ دکھائے گا"۔

انہوں نے تھوڑی دیر اس مسئلے پر غور کیا۔ ایک طریقہ یہ سوچا گیا کہ عمرو درویش کو قتل کر دیا جائے۔ علی بن سفیان نے اتفاق نہ کیا۔ اُس نے اس قسم کا اظہار کیا کہ اُسے یقین ہے کہ عمرو درویش کو قتل کیے بغیر راہِ راست پر لایا جا سکے گا اور اسی کی زبان سے کہلوایا جائے گا کہ اس نے جو معجزے دکھائے ہیں وہ شعبدہ بازی تھی۔ قتل کے خلاف دلائل دیتے ہوئے اس نے کہا کہ اس طرح لوگ اُسے اور زیادہ برحق ماننے لگیں گے۔

علی بن سفیان کے ساتھ تاجروں کے بھیس میں جو تین آدمی آئے تھے وہ مصری فوج کے غیر معمولی طور پر ذہین، اپنے فن کے ماہر اور تجربہ کار لڑاکا جاسوس تھے۔ علی بن سفیان نے انہیں تاجروں کے بھیس میں ساتھ لیا۔ خود لمبی داڑھی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی کا بہروپ چڑھایا۔ گھوڑے منگوائے۔ چند اور آدمیوں سے کہا کہ وہ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ اس نے سب کو ہدایات دیں اور امام کے ساتھ اُس سمت روانہ ہو گیا جہاں عمرو درویش کو خیمہ زن ہونا تھا۔

عمرو درویش صبح طلوع ہوتے ہی اگلے مقام کے لیے روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھی اسی علاقے کے لوگوں کے لباس میں اس کی حفاظت کے لیے جا رہے تھے۔ اس کی تشہیر دُور دُور تک ہو گئی تھی..... وہ ایک اور گاؤں سے کچھ دُور رک گیا اور خیمہ گاڑ دیا۔ تھوڑی سی دیر میں وہ اور آتشی تیار ہو گئے۔ خیمے کے سامنے دو مشعلیں جلا کر گاڑ دی گئیں۔ اس کے ساتھیوں نے گاؤں والوں کو جا بتایا کہ انہوں نے خدا کے جس ایلچی کے معجزے سُنے ہیں وہ ان کے گاؤں کے باہر خیمہ زن ہے۔ لوگ دوڑے گئے۔ جن لوگوں نے ایک روز پہلے عمرو درویش کو دیکھا تھا۔ وہ بھی دُور کا فاصلہ طے کر کے آ گئے۔

عمرو درویش دونوں مشعلوں کے درمیان چھوٹے سے قالین پر بیٹھ گیا۔ آتشی اپنے اُسی بھڑکیلے لباس اور طلسماتی بناؤ سنگھار سے آراستہ تھی۔ عمرو درویش کے سامنے کپڑا لپٹا پڑا تھا۔ اُس نے وہی اداکاری شروع کر دی جو وہ پہلے کر چکا تھا۔ ایک آدمی نے وہی سوال پوچھا جو پہلے پوچھا گیا تھا۔ عمرو درویش نے وہی باتیں اسی انداز سے دُہرا کر کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالا جائے۔ علی بن سفیان اپنی پارٹی کے ساتھ پہنچ چکا تھا اور اُس نے عمرو درویش کو پہچان لیا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ شخص مصری فوج کے ایک دستے کا کماندار ہے۔

علی بن سفیان کو بتا دیا گیا تھا کہ عمرو درویش پانی کو آگ لگاتا ہے۔ علی بن سفیان کو ایک شک تھا۔ یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ پانی کو آگ لگ سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں جو شک پیدا ہوا تھا، اس کے مطابق وہ چھوٹے سے مشکیزے میں پانی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جوں ہی عمرو درویش نے کہا کہ کسی کے پاس پانی ہو تو اس کپڑے پر ڈالے تو ایک آدمی تیزی سے آگے بڑھا۔ اس کے پاس مشکیزہ تھا۔ اس نے کچھ پانی کپڑے پر انڈیل دیا۔

علی بن سفیان آگے بڑھا اور مشعل زمین سے اکھاڑ کر لوگوں سے کہا۔ "تم میں سے کوئی آدمی آگے آئے"۔ ایک آدمی جو علی بن سفیان کے ساتھ آیا تھا آگے گیا۔ علی بن سفیان نے مشعل اس کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ "اس کپڑے پر شعلہ رکھو"۔ وہ آدمی ہچکچایا۔ علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا۔ "تم میں سے کوئی بھی آدمی اس پانی کو آگ لگا سکتا ہے"۔

اُس آدمی نے مشعل کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑے سے شعلہ بھڑک اٹھا۔ ایک آدمی جو عمرو درویش کا ساتھی تھا، بولا۔ "تم کوئی شعبدہ باز ہو۔ پیچھے ہٹو، ورنہ تم پر خدا کی اس برگزیدہ شخصیت کا قہر نازل ہوگا"۔

عمرو درویش خاموشی سے اور حیرت سے علی بن سفیان کو دیکھ رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا کمربند کھول کر عمرو درویش کے آگے رکھ دیا اور اس پر پانی انڈیل کر کہا۔ "اگر تم خدا کے ایلچی ہو تو اس کپڑے کو آگ لگاؤ"۔ اس نے مشعل عمرو درویش کے آگے کر دی مگر عمرو درویش اس کے منہ کی طرف دیکھتا رہا۔

لوگوں نے آپس میں کھسر پھسر شروع کر دی۔ علی بن سفیان کے ساتھ آئے ہوئے آدمیوں نے عمرو درویش کے خلاف بولنا شروع کر دیا۔ امام کی آواز سب سے زیادہ بلند تھی۔ عمرو درویش کے آدمیوں نے اس کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف سے بولنے والے جاسوس تھے۔ یہ بھی جنگ تھی۔ حق اور باطل معرکہ آرا تھے۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو اُدھر اُلجھا ہوا دیکھا تو عمرو درویش کے سامنے بیٹھ گیا۔

"عمرو درویش!" اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ "ایمان کی کتنی قیمت ملی ہے؟"

"تم کون ہو؟" عمرو درویش نے پوچھا۔

"بہت دُور سے آیا ہوں"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "تمہاری شہرت سرحد پار پہنچی تھی اور تمہیں دیکھنے آیا ہوں"۔ عمرو درویش نے بے چینی سے اِدھر اُدھر دیکھا اور پوچھا۔ "میں تم پر کس طرح اعتبار کر لوں؟"

"میری داڑھی پر ہاتھ پھیرو"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "مصنوعی ہے۔ ایمان کی جو قیمت وصول کی ہے اُس سے دُگنی دوں گا۔ یہ شعبدہ بازی ختم کرو۔ میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا"۔

"میں قاتلوں کے گھیرے میں ہوں"۔ عمرو درویش نے کہا۔

"میری نہیں مانو گے تو بھی قتل ہو جاؤ گے"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "تم جانتے ہو کہ یہاں ہمارے بہت سے آدمی موجود ہیں..... تمہارے ساتھ کتنے آدمی ہیں؟"

"مجھے معلوم نہیں"۔ عمرو درویش نے کہا اور پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے؟"

"یہ بتا نہیں سکتا"۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "میں جو پوچھتا ہوں وہ بتاؤ..... کفر کا جلوہ کیا ہے؟..... صاف

بتادو۔ تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتا ہوں۔"

"جب اٹھو گی تو اپنے دائیں طرف دیکھنا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "اونچی پہاڑی کے آگے ایک اونچی چٹان ہے۔ ایک بہت بڑا درخت ہے۔ شام سے ذرا بعد وہاں اپنے آدمی چھپا دینا جس طرح پانی کو آگ لگنے کا بھید جان گئے ہو، طور کا جلوہ بھی جان جاؤ گے۔ مجھے موقع دو کہ یہ تماشا دکھاؤں۔ تم وہاں سے شعلہ نہ اٹھنے دینا۔ میرے تبرک اور میری حفاظت کا فرض تم پورا کرو گے۔ یہ میری شعبدہ بازی ہی ہو گی کہ یہاں سے نکل بھاگوں۔ مجھے اسحاق کو قید خانے سے آزاد کرانا ہے...... اٹھو اور اعلان کرو کہ رات کو طور کا جلوہ دکھاؤں گا۔"

علی بن سفیان کی جگہ کوئی اور آدمی ہوتا تو وہ عمرو درویش کی یہ ادھوری سی بات نہ سمجھ سکتا۔ علی بن سفیان اسی میدان کا کھلاڑی تھا۔ وہ اشارے سمجھ لیتا تھا۔ اس نے اٹھ کر اعلان کیا۔ "خدا کا یہ برگزیدہ انسان رات کو طور کا جلوہ دکھائے گا۔ میں نے اس کی بات سمجھ لی ہے۔ تم سب چلے جاؤ۔ شام کے بعد آنا۔"

علی بن سفیان اٹھ کر چلا گیا۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ عمرو درویش کے ساتھ اس کی کیا باتیں ہوئی ہیں۔ اس نے بلند آواز سے کہا۔ "اس برگزیدہ ہستی کے سینے میں ایک پیغام اور ایک راز ہے۔ میں نے اپنا شک رفع کر لیا ہے۔ رات کو اس کا معجزہ ضرور دیکھنا۔"

عمرو درویش کے آدمی اس کے پاس جا بیٹھے اور پوچھا کہ اس آدمی کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں۔ عمرو درویش نے جواب دیا۔ "میں نے اسے قائل کر لیا ہے۔"

"لیکن یہ ہے کون؟" ایک آدمی نے کہا۔ "اسے ضرور پتہ چل گیا ہے کہ کپڑے میں آتش گیر سیال ہے جو جل اٹھتا ہے۔"

"تم کیوں فکر کرتے ہو؟" عمرو درویش نے مسکرا کر کہا۔ "میں آج رات اس کے شکوک رفع کر دوں گا۔"

"اگر یہ رات کو آیا تو اسے ہم قتل کر دیں گے۔" دوسرے آدمی نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" عمرو درویش نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ بنا بنایا کھیل بگڑ جائے۔ اگر یہ رات کو میرے پاس آیا تو میں اس خیمے میں بٹھا لوں گا۔ تم اسے باندھ کر اٹھا لے جانا۔"

"ہم اس کا پیچھا کرتے ہیں۔" تیسرے آدمی نے کہا۔ "اسے نظر میں رکھنا ضروری ہے۔"

دو آدمی اٹھے اور ان لوگوں سے جا ملے جو واپس جا رہے تھے۔ ان دونوں نے علی بن سفیان کو ڈھونڈا مگر وہ ان میں نہیں تھا۔ لوگوں سے پوچھا تو کوئی بھی نہ بتا سکا کہ وہ آدمی کہاں ہے جس کی داڑھی لمبی اور ایک آنکھ پر سبز پٹی بندھی تھی۔

علی بن سفیان گھوڑے پر سوار ہو کر دور نکل گیا تھا۔

☆

عمرو درویش خیمے میں آشی کے ساتھ اکیلا رہ گیا تو آشی نے اس سے پوچھا۔ "یہ آدمی کون تھا؟ اس نے تمہارے ساتھ اس طرح باتیں کی تھیں جیسے وہ تم سے اور تمہارے بہروپ سے واقف ہے۔"

"سنو آشی!" عمرو درویش نے کہا۔ "آج رات کچھ ہونے والا ہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ کیا ہو گا۔ اس آدمی کو میں پہچان نہیں سکا۔ اس نے بتایا بھی نہیں کہ وہ کون ہے لیکن یہ کوئی معمولی آدمی نہیں۔ مجھے امید نہیں کہ آج رات ہم فرار ہو سکیں، اور یہ توقع بھی ہے کہ میں قتل ہو جاؤں گا۔ آج رات تمہیں ثابت کرنا ہو گا کہ تمہاری رگوں میں مسلمان باپ کا خون ہے۔ اگر تم نے دھوکہ دینے کی کوشش کی تو تم میرے ہاتھوں قتل ہو گی۔"

"اگر تم مجھے کچھ اور بھی بتا دو کہ کیا ہو گا اور مجھے کیا کرنا ہے تو شاید میں زیادہ اچھے طریقے سے تمہاری مدد کر سکوں گی۔" آشی نے کہا۔ "میں تمہاری خاطر قتل ہونے کے لیے تیار ہوں لیکن اس سے تمہارا مقصد پورا نہ ہوا تو میری جان رائیگاں جائے گی۔"

"تمہیں یہ کرنا ہے۔" عمرو درویش نے کہا۔ "کہ اپنے آدمیوں کی باتوں میں نہ آنا۔ کوشش کرنا کہ ان کا ارادہ قبل از وقت معلوم کر لو اور مجھے خبردار کر دو۔ میں بتا نہیں سکتا کہ آج رات کیا ہو گا۔ تم تیار رہنا۔"

"تم کئی بار کہہ چکے ہو کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔" آشی نے کہا۔ "لیکن میں نے تمہیں ایک بار بھی نہیں کہا کہ مجھے تم پر اعتبار نہیں۔ اگر تم یہاں سے آزاد ہو گئے تو کیا تم مجھے بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟"

"تم واپس جانا پسند نہیں کرو گی؟"

"نہیں۔" آشی نے رنجیدہ مگر پرعزم لہجے میں کہا۔ "مر جانا پسند کروں گی۔"

"تم شہزادی ہو آشی!" عمرو درویش نے کہا۔ "میں نے یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ تم میرے ساتھ چلی گئی تو تمہارا مستقبل کیا ہو گا۔ تم ان جنگلوں میں رہنا یقیناً پسند نہیں کرو گی۔ میں تمہیں قاہرہ لے جاؤں گا۔ وہاں تمہارے متعلق سوچنے کے لیے بڑے اچھے دماغ موجود ہیں۔"

"تم مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھو گے؟" آشی نے پوچھا۔ "مجھے اپنی بیوی نہیں بناؤ گے؟"

"اگر یہ شرط ہے تو میں اسے قبول نہیں کروں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔ "لوگ کہیں گے کہ میں نے اپنا فرض تمہیں حاصل کرنے کے لیے ادا کیا ہے۔ میرا گھر جہاں میری ایک بیوی موجود ہے تمہارے قابل نہیں۔ آشی! میں سپاہی ہوں۔ میرا گھر میدان جنگ ہے۔ مجھے اپنی بیوی کی صورت دیکھے تین سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ تم اگر اس لیے میری بیوی بننا چاہتی ہو کہ میں تمہاری پسند کا مرد ہوں تو تم مایوس ہو گی۔ تمہاری محبت اور تمہاری دعائیں اس تیر کو نہیں روک سکیں گی جسے میرے سینے سے پار ہونا ہے...... تم مجھے اپنی خواہش بتا دو۔"

"میں ذلت اور خواری کی اس زندگی سے آزاد ہونا چاہتی ہوں۔" آشی نے کہا۔ "مجھے تمہاری مدد اور سہارے کی ضرورت ہے۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گی۔"

"اگر زندہ رہا تو تمہیں پوری مدد اور سہارا دوں گا۔"

"آخر وہ گیا کہاں؟" یہ آواز ان جاسوسوں میں سے ایک کی تھی جو عمرو درویش کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت عمرو درویش کے خیمے سے کہیں دور کھڑے علی بن سفیان کے متعلق سوچ رہے تھے۔ اس نے کہا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عمرو درویش اس کے دل کو اپنے قبضے میں لینے کی بجائے اپنا دل اس کے قبضے میں

دے چکا ہو۔ ہمیں اب بہت ہی محتاط ہونا پڑے گا۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ عمرو درویش پر بھروسہ نہ کرنا۔"

"وہ لمبی داڑھی والا آدمی آگ کا بھید جان گیا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اب یہ دیکھنا ہے کہ عمرو درویش نے اس بھید پر پردہ ڈالا ہے یا اس آدمی پر۔"

"آشی کس مرض کی دوا ہے؟" تیسرے نے کہا۔ "کیا وہ عمرو درویش کے دل کا حال معلوم نہیں کر سکتی؟ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ لڑکی بھی عمرو درویش کی سازش میں شریک ہو گئی ہو۔"

"اگر کوئی سازش ہے اور آشی اس میں شریک ہے تو اس کے متعلق حکم صاف ہے کہ قتل کر دو۔" ایک نے کہا۔

"کیا تم اتنی قیمتی چیز کو یوں ضائع کر دو گے؟" دوسرے نے کہا۔ "اسے اُڑا لے جائیں گے اور کسی دولت والے کو منہ مانگے داموں یہ ہیرا دے دیں گے۔ وہاں یہ بتائیں گے کہ آشی کو قتل کر کے دفن کر دیا ہے۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے ان میں اتفاقِ رائے ہو گیا ہو۔ ایک نے کہا۔ "آج رات ہمیں 'طُور کا جلوہ' دکھانا ہے۔ دیکھ لیں گے کہ عمرو درویش یا اس آدمی کی نیت کیا ہے۔ رات کو ہم میں سے ایک کو آشی کے ساتھ رہنا ہو گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لڑکی ہاتھ سے نکل جائے۔"

انہوں نے طے کر لیا کہ رات عمرو درویش اور آشی کے ساتھ کون ہو گا۔

☆

"چار آدمی کافی ہوں گے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "میں عمرو درویش کے ساتھ ہوں گا۔ تم سب نے ان تین چار آدمیوں کو پہچان لیا ہے جو عمرو درویش کی حمایت میں بول رہے تھے۔ یہ تمہارے علاقے کے وہ مسلمان ہیں جو سوڈانیوں کے لیے کام کر رہے ہیں۔ عمرو درویش نے مجھے انہی کے متعلق بتایا ہے کہ وہ فاتلوں کے گھیرے میں ہے۔ انہیں نظر میں رکھنا۔ ضرورت پڑے تو ختم کر دینا لیکن زندہ پکڑنا بہتر ہو گا۔"

اُس وقت علی بن سفیان ایک مسجد میں بیٹھا تھا۔ امام اسی مسجد کا تھا۔ علی بن سفیان نے اپنا بہروپ اتار دیا تھا۔ اُس نے مسجد میں ہی رات کے لیے اپنے آدمیوں کو مختلف کام بانٹ دیئے اور کہا۔ "مجھے جو شک تھا وہ صحیح ثابت ہُوا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ رات کو بھی مجھے کامیابی ہو گی۔"

سورج غروب ہونے سے ذرا پہلے اُس پہاڑی پر جو عمرو درویش نے علی بن سفیان کو دکھائی تھی ایک آدمی چڑھ رہا تھا۔ وہ اِس احتیاط کے ساتھ چڑھ رہا تھا کہ کوئی دیکھ نہ لے۔ دوسری طرف سے دو آدمی اسی کی طرح جُھکے جُھکے اوپر جا رہے تھے اور ایک اور آدمی کسی اور طرف سے اوپر جا رہا تھا۔ یہ آدمی جب اوپر چلا گیا تو رینگ کر ایک بہت بڑے درخت تک پہنچا۔ اِدھر اُدھر دیکھا اور درخت پر چڑھنے لگا۔ دو آدمی ایک بہت بڑے پتھر کے عقب میں بیٹھ گئے۔ یہ جگہ درخت سے دُور نہیں تھی۔ چوتھا آدمی بھی اوپر چلا گیا اور ایک موزوں جگہ چھپ گیا۔ جو آدمی درخت پر چڑھا تھا وہ اوپر ایک موٹے ٹہن پر اس طرح بیٹھ گیا کہ ٹانگیں اُوپر کر کے سکیڑ لیں۔ شاخیں اور پتے اتنے گھنے تھے کہ یہ آدمی نیچے سے نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ آہستہ سے ایک پرندے کی طرح بولا۔ اُسے پرندے کی آواز میں تین ساتھیوں کا جواب ملا۔

سورج پہاڑی کے عقب میں اُتر گیا تھا اور تین آدمی اکٹھے پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ ان کے پاس آگ جلانے کا سامان اور مٹی کے برتن میں آتش گیر مادہ تھا۔ ان کے پاس لمبے خنجر بھی تھے۔ شام کا دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ ان تین آدمیوں کا انداز ایسا تھا جیسے انہیں کسی بھی طرف سے کوئی خطرہ نہیں۔ وہ باتیں کرتے جا رہے تھے۔ ان کی باتیں ان چار آدمیوں کو سنائی دینے لگیں جو پہلے سے وہاں چھپے بیٹھے تھے۔ وہ پوری طرح چھپ گئے۔ وہاں سے دُور نیچے عمرو درویش کا خیمہ تھا جو شام کے اندھیرے میں نظر نہیں آتا تھا۔ خیمے کے باہر گاڑھی ہوئی دو مشعلوں کے شعلے دکھائی دے رہے تھے۔

"خدا کا ایلچی تیار ہو گیا ہے۔" ان تین آدمیوں میں سے ایک نے ہنس کر کہا جو بعد میں اوپر آئے تھے۔ "سامان کھول کر تیار کر لو۔" "آج میرا دل کسی اور طریقے سے دھڑک رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اس کے اندر کوئی وہم بیٹھ گیا ہے۔ کیا تم محسوس نہیں کر رہے کہ آج کچھ گڑبڑ ہے؟"

"میں بھی کچھ گڑبڑ اس آدمی کی وجہ سے محسوس کر رہا ہوں جس نے ایک آنکھ پر سبز پٹی باندھ رکھی تھی۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "گھبراؤ نہیں۔ ہم طُور کا جلوہ دکھا کر سب کے وہم دُور کر دیں گے۔ اگر لوگ مان گئے تو اس ایک آدمی کی کوئی پروا نہیں کرے گا۔ تم اپنا کام کرو۔ وقت تھوڑا رہ گیا ہے۔ اندھیرا گہرا ہو رہا ہے۔"

ایک آدمی نے مٹی کے برتن کا منہ کھول کر تیل کی طرح کا سیال زمین پر انڈیل دیا۔ جگہ چونکہ پتھریلی تھی اس لیے یہ مادہ جذب نہ ہو سکا۔ اس سے ذرا دُور ہٹ کر ایک آدمی نے چھوٹا سا دیا جلا کر بڑے پتھروں کے درمیان رکھ دیا تاکہ دُور سے اس کی لَو نظر نہ آ سکے۔ اس کی روشنی میں یہ تینوں آدمی نظر آ رہے تھے۔

"اب اُدھر مشعل پر نظر رکھو۔" ایک نے کہا۔ "جُوں ہی مشعل اوپر نیچے حرکت کرے دیا تیل پر پھینک دو۔ لوگوں کو طُور کا جلوہ نظر آ جائے گا۔"

یہ اہتمام اُس بڑے درخت کے نیچے کیا گیا تھا جس پر ایک آدمی بیٹھا ہُوا تھا۔ نیچے تینوں آدمی اکٹھے کھڑے ہو گئے۔ اُس نے جھینگر کی آواز پیدا کی۔ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے سے بھی جھینگر کی آواز سنائی دی۔ تینوں آدمی بے پرواہ ہو کے کھڑے رہے۔ اچانک اوپر سے ایک آدمی ان تینوں میں سے ایک آدمی کے کندھوں پر گرا۔ نیچے والا آدمی اوپر والے کے نیچے آ گیا۔ دوسرے دو بُری طرح گھبرا گئے اور اِدھر اُدھر ہوئے۔ ذرا سی دیر میں تین آدمی مختلف اوٹوں سے اُٹھے اور ان دونوں پر جھپٹ پڑے۔ انہیں خنجر نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ ان میں سے جو آدمی اوپر والے کے نیچے پڑا تھا وہ قوی ہیکل تھا۔ اُس نے اُوپر والے کو لڑھکا دیا۔ علی بن سفیان نے کہا تھا کہ انہیں زندہ پکڑنا ہے مگر اس آدمی کو ہلاک کرنا ضروری ہو گیا۔ جو آدمی اُس کے اُوپر گرا تھا اُس نے خنجر نکالا اور اس قوی ہیکل آدمی کے دل میں اتار دیا۔ دوسرے دو آدمیوں کو اُن رسیوں سے باندھ دیا گیا جو اسی مقصد کے لیے ساتھ لے جائی گئی تھیں۔

☆

عمرو درویش کے خیمے کے باہر لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ان میں علی بن سفیان بھی تھا اور اس کے ساتھ مصری

فوج کے چھاپہ مار بھی خاصی تعداد میں تھے جو اس علاقے میں مختلف بہروپوں میں رہتے تھے۔ انہیں دن کے دوران اکٹھا کر لیا گیا اور بتا دیا گیا تھا کہ اُن کا مشن کیا ہے۔ ان میں چند ایک گھوڑوں پر سوار تھے۔ اُن کے پاس ہتھیار بھی تھے۔ ..... لوگوں میں عمرو درویش پر نظر رکھنے والے اور اس کی مدد کرنے والے سوڈانی جاسوس بھی تھے۔ اُن کی تعداد پانچ چھ سے زیادہ نہیں تھی۔ علی بن سفیان نے انہیں پہچان رکھا تھا وہ بھی مرنے مارنے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُن کے مدِمقابل کتنے آدمی ہیں۔

آشی اپنے مخصوص طلسماتی لباس اور حلیے میں باہر نکلی۔ اُس نے اداکاری کی۔ دونوں شعلوں کے درمیان چھوٹا سا قالین بچھایا۔ عمرو درویش خیمے سے نکلا اور مستانہ چال چلتا قالین پر آن کھڑا ہُوا۔ دونوں بازو پھیلا کر آسمان کی طرف کیے اور منہ اُوپر کرکے کچھ بڑبڑانے لگا۔ آشی نے اُس کے آگے سجدہ کیا پھر اُس کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔

"اے خدا کے مقدس ایلچی! جس کا احترام ہم سب پر فرض ہے" — آشی نے کہا — "انسانوں کا یہ گروہ طُور کا وہ جلوہ دیکھنے آیا ہے جو خدائے ذوالجلال نے موسیٰ کو دکھایا تھا، اور جنات بھی جن سے میں تُوں طُور کا جلوہ دیکھنے آئے ہُوئے ہیں"۔

"کیا ان سب کو شک ہے کہ میں خدا کا جو پیغام لایا ہوں وہ برحق نہیں؟" — عمرو درویش نے پوچھا۔

"اگر گستاخی ہو تو مجھے بخش دینا اے خُدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر!" ایک آدمی نے کہا — "طُور کا جلوہ دکھا کر ہم گنہگاروں کے دلوں سے سارے شک نکال دے"۔

علی بن سفیان نے اس آدمی کو دیکھا۔ اُسے وہ پہچانتا تھا۔ وہ عمرو درویش کے ساتھ کا آدمی تھا۔

"ہاں مقدس ہستی!" — علی بن سفیان نے آگے آ کر کہا — "ہم شک میں ہیں۔ ہمیں طُور کا جلوہ دکھا اور اگر یہ لڑکی جنات میں سے ہے تو اسے کہہ کہ تھوڑی سی دیر کے لیے غائب ہو جائے، پھر ہمارے شک ختم ہو جائیں گے"۔

عمرو درویش نے درخت والی پہاڑی کی طرف اشارہ کرکے کہا — "اُدھر دیکھو۔ اندھیرے میں تمہیں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا" — اُس نے زمین سے ایک مشعل اکھاڑی اور بلند کی۔ اُس نے اونچی آواز میں کہا — "خدائے ذوالجلال! تیرے سادہ اور جاہل بندے شکوک کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ انہیں وہی جلوہ دکھا جو تُو نے موسیٰؑ کو دکھایا تھا اور جس سے فرعونوں کے نشیمن کو جلایا تھا"۔

اُس نے مشعل دائیں بائیں لہرائی پھر اوپر کرکے نیچے کی مگر پہاڑی پر کوئی شعلہ نمودار نہ ہُوا۔ عمرو درویش نے ایک بار پھر مشعل کو اوپر سے نیچے کو لہرایا مگر پہاڑی پر چھوٹا سا شرارہ بھی نہ چمکا۔ پہاڑی پر عمرو درویش کا ایک آدمی مرا پڑا تھا اور دو رسیوں سے بندھے ہُوئے تھے۔ وہ علی بن سفیان کے چار آدمیوں کے قبضے میں تھے۔ انہیں وہاں سے عمرو درویش کی مشعل کی حرکت نظر آ رہی تھی۔ کسی نے کہا — "آج کسی کو طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا"۔ سب نے قہقہہ لگایا۔

"آج طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا" — علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا۔ وہ عمرو درویش سے مخاطب ہُوا۔

"عمرو درویش! اگر تُو آج پہاڑی سے شعلہ اٹھا دے تو میں خدا کی بجائے تمہاری عبادت کروں گا"۔

ایک آدمی نے خنجر نکالا اور علی بن سفیان کی پیٹھ کی طرف سے آگے گیا۔ وہ دو چار قدم آگے گیا ہوگا کہ پیچھے سے ایک بازو اُس کی گردن کے گرد لپٹ گیا۔ کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ ایک آدمی خیمے کے عقب سے خیمے کے اندر چلا گیا ہے۔ اُس نے خیمے میں سے آشی کو پکارا۔ آشی اندر گئی۔

"فوراً نکلو" — اس آدمی نے آشی سے کہا — "ہمارا راز فاش ہو چکا ہے۔ یہ آدمی جس نے کہا ہے کہ آج طُور کا جلوہ نظر نہیں آئے گا یہاں کا آدمی معلوم نہیں ہوتا۔ یہ مصر سے آیا ہے۔ ہمارا ایک ساتھی پکڑا گیا ہے۔ یہاں کے مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ عمرو درویش کو قتل کر دیں۔ ہم تو نکل جائیں گے، تم ان کے ہاتھ آ گئی تو تمہارے ساتھ وحشیوں جیسا سلوک کریں گے"۔

"میں نہیں جاؤں گی" — آشی نے مسکرا کر کہا — "مجھے اِن وحشیوں اور جنگلیوں سے کوئی خطرہ نہیں"۔

"کیا تم پاگل ہو گئی ہو؟"

"میں پاگل تھی" — آشی نے کہا — "اب دماغ درست ہو گیا ہے۔ اب وہاں جاؤں گی جہاں عمرو درویش کہے گا"۔

باہر علی بن سفیان اور امام لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ انہیں وہاں لے جائیں گے جہاں سے طُور کا جلوہ نظر آتا تھا۔ وہاں انہیں دکھایا جائے گا کہ انہوں نے ایک رات پہلے جو جلوہ دیکھا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔ علی بن سفیان کے چھاپہ ماروں نے لوگوں میں سے تین آدمیوں کو اس طرح پکڑ لیا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ ان کے پہلوؤں کے ساتھ خنجروں کی نوکیں لگا کر انہیں الگ اندھیرے میں لے گئے اور اُن پر قابو پا لیا گیا تھا۔ عمرو درویش ابھی وہیں کھڑا تھا۔

☆

خیمے کے اندر ایک سوڈانی جاسوس آشی کو بچانے کے لیے اُسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا، مگر آشی جانے سے انکار کر رہی تھی۔ وہ آدمی حیران تھا کہ لڑکی انکار کیوں کر رہی ہے۔ وہ بار بار یہی کہتا تھا کہ مسلمان جنگلی اور وحشی ہیں۔ آشی نے کہا — "تم بھی مسلمان ہو، میں بھی مسلمان ہوں۔ میں اب اپنی قوم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی"۔

باہر غل غپاڑہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس آدمی نے لمبا خنجر نکال لیا اور آشی کو قتل کی دھمکی دے کر ساتھ چلنے کو کہا۔ آشی نے تلوار ایسی جگہ رکھی ہوئی تھی جہاں سے فوراً نکالی جا سکتی تھی۔ عمرو درویش نے اُسے کہہ رکھا تھا کہ ہتھیار ہر لمحہ تیار رہنے چاہئیں۔ آشی نے لپک کر تلوار کھینچ لی اور کہا — "ہم دونوں میں سے کوئی بھی باہر نہیں جائے گا"۔

ایک مرد کے لیے یہ بہت بڑا چیلنج تھا کہ اسے ایک عورت للکارے۔ وہ جان گیا کہ یہ معاملہ گڑبڑ ہے اور اتنی قیمتی لڑکی ہاتھ سے جا رہی ہے۔ اُسے قتل کر دینا یا اڑا لے جانا ضروری ہو گیا تھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ آشی تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتی ہے یا نہیں۔ وہ خنجر سے اس پر حملہ آور ہُوا۔ آشی نے اُس کے خنجر پر تلوار ماری۔ خنجر اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن خیمے سے ٹکرا کر اُس کے قریب گرا۔ اُس نے خنجر اٹھا لیا۔ آشی نے اس پر تلوار کا وار کیا۔ وہ تجربہ کار تیغ زن تھا۔ وار بچا گیا۔ آشی نے کہا — "میرا استاد بھی وہی ہے جس نے تمہیں تیغ زنی سکھائی ہے"۔

اُس نے آشی کا ایک اور وار اس طرح روکا کہ ایک طرف ہُوا اور آشی کے سنبھلنے تک اُس کے اوپر آ گیا۔ اس

نے آشی کی کلائی پکڑلی اور بولا ۔۔۔ "میں تمہیں قتل نہیں کروں گا آشی! ہوش میں آؤ" ۔۔۔ آشی نے اس کی ناک پر ٹکر ماری۔ وہ پیچھے ہٹا تو اُس کے خنجر پر کر کے خنجر پھر گرا دیا۔ وہ وار بچانے کے لیے پیچھے ہٹا تو خیمے نے اُسے روک لیا۔ اب تلوار کی نوک اُس کی شہ رگ پر تھی۔ آشی نے کہا ۔۔۔ "میں مسلمان باپ کی بیٹی ہوں" ۔۔۔ اُس نے نوک اُس آدمی کی شہ رگ میں دبائی اور بولی ۔۔۔ "بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ پیچھے کر لو۔ میری طاقت میرا ایمان ہے۔ میں اب کھلونا نہیں"

باہر اب یہ عالم تھا کہ ایک مشعل علی بن سفیان نے اٹھالی تھی اور دوسری امام نے۔ چار پانچ چھاپہ ماروں نے عمرو درویش کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اُسے انہوں نے مجرم کی حیثیت سے حراست میں نہیں لیا تھا بلکہ حفاظت کے لیے اُسے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ خطرہ یہ تھا کہ جو سوڈانی جاسوس اُس کے ساتھ لگے ہوئے تھے، وہ اُسے قتل کر سکتے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے اب کوئی بھی آزاد نہیں تھا۔ یہ ہدایت علی بن سفیان نے دی تھی کہ جونہی ہنگامہ شروع ہو عمرو درویش کو پناہ میں لے لیا جائے۔

عمرو درویش نے ایک چھاپہ مار سے کہا ۔۔۔ "خیمے میں لڑکی ہے، اسے بھی ساتھ لے چلنا ہے۔ وہ مسلمان ہے۔"

خیمے میں گئے تو وہاں کچھ اور ہی منظر تھا۔ آشی نے تلوار کی نوک پر ایک آدمی کو بٹھا رکھا تھا۔ اس آدمی کو پکڑ لیا گیا۔ عمرو درویش سے علی بن سفیان نے کہا ۔۔۔ "مجھے یقین ہے کہ میرے آدمی اس پہاڑی پر پہنچ گئے ہیں۔ اسی لیے وہاں سے شعلہ نہیں اٹھا۔ بہتر یہ ہے کہ لوگوں کو ابھی وہاں لے جا کر دکھایا جائے کہ شعلہ کیسے پیدا کیا جاتا ہے تاکہ جو اس شعبدہ بازی کے جھانسے میں آگئے ہیں، اُن کے ذہن صاف ہو جائیں۔"

"ایک مسئلہ اور ہے جس کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے" ۔۔۔ عمرو درویش نے کہا ۔۔۔ "اسحاق کو قید خانے سے رہا کرانا ہے۔ اس علاقے میں سوڈانیوں کے بہت سے جاسوس ہیں۔ ان میں سے کوئی نہ کوئی یہاں کے حالات کی اچانک اور غیر متوقع تبدیلی دیکھ کر حکومت اور فوج کو اطلاع دے دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسحاق کو قید خانے کے تہہ خانے میں ڈال کر اُسے اذیت رسانی سے مار دیا جائے گا۔ میں سوڈانی سالار کو یہ دھوکہ دے کر آیا تھا کہ میں یہاں کے مسلمانوں کے ذہن بدل دوں گا۔ میں نے قید خانے میں اسحاق کے ساتھ بات کر لی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ میں سوڈانیوں کی بات مان لیتا ہوں، اور اپنے علاقے میں جا کر چند دن اُن کی مرضی کے مطابق کام کروں گا۔ میرا ارادہ تھا کہ یہاں آکر لوگوں کو درپردہ بتا دوں گا کہ میرا اصل مقصد کیا ہے۔ میرا ارادہ یہ بھی تھا کہ قاہرہ بھی اطلاع بھجوا دوں گا اور اسحاق کو فرار کرانے کی بھی کوئی صورت پیدا کروں گا.....

"یہاں آیا تو مجھے پتہ چلا کہ بہت سے سوڈانی جاسوس جو اسی علاقے کے مسلمان ہیں میرے ارد گرد پھر رہے ہیں اور میں آزاد نہیں ہوں۔ اتفاق سے یہ لڑکی مسلمان نکلی" ۔۔۔ اُس نے آشی کے ماضی کے متعلق سب کو تفصیل سنائی اور کہا ۔۔۔ "مجھے اُمید نہیں تھی کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ میں بہت پریشان ہوں، ہمارے مسلمان بھائی اس قدر سادہ اور جذباتی ہیں کہ میری باتوں اور شعبدہ بازیوں کے قائل ہوتے گئے۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں ہر لمحہ سوڈانی جاسوسوں کی نظر میں رہتا تھا۔ خدا نے میری نیت کی قدر کی اور آپ کو بھیج دیا... باقی باتیں بعد میں سناؤں گا۔ میں اسحاق کو آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ مجھے دو بہت ہی دلیر اور عقلمند چھاپہ مار

دے دیں۔"

اُس نے علی بن سفیان کو بتایا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔ علی بن سفیان نے اس کی سکیم پر غور کیا۔ کچھ رد و بدل کی اور اُسے کہا کہ وہ دو چھاپہ ماروں اور آشی کے ساتھ اسی وقت روانہ ہو جائے اور اسحاق کو رہا کرائے۔ علی بن سفیان نے اُسے بتایا کہ وہ لوگوں کو اس پہاڑی پر لے جائے گا اور انہیں بتائے گا کہ گُمور کے جلوے کی حقیقت کیا تھی۔

عمرو درویش، دو چھاپہ مار اور آشی اُسی وقت گھوڑوں پر روانہ ہو گئے۔

☆

وہ خیمے کی پچھلی جانب سے چپکے سے نکل گئے تھے۔ علی بن سفیان خیمے سے باہر نکلا۔ لوگ پریشانی اور حیرت کے عالم میں باہر ٹولیوں میں کھڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ علی بن سفیان نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "اگر تم گمور کے جلوے کی حقیقت دیکھنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ آؤ۔ تم سب جانتے ہو کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیغمبری اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اس کے بعد خدا نے نہ کسی کو کبھی جلوہ یا معجزہ دکھایا ہے نہ دکھائے گا۔ اس آدمی کو تمہارے عقیدے خراب کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تم نے غور نہیں کیا کہ یہ شخص تمہیں صرف یہ بات کہتا رہا ہے کہ سوڈان کی فوج کو تم نے اس علاقے سے ہمیشہ دور رکھا ہے۔ اب سوڈانیوں نے تمہارے دلوں پر قبضہ کرنے کے لیے یہ حربہ استعمال کیا ہے....

"غیور مسلمانو! دشمن جب اس قسم کے اوچھے حربوں پر اُتر آتا ہے تو یہ اس حقیقت کا ثبوت ہوتا ہے کہ وہ میدان میں تمہارے مقابلے میں آنے سے ڈرتا ہے۔ تم حق پر ہو۔ یہ خطہ تمہارا ہے۔ یہاں اسلام کی حکومت ہوگی۔ کفار تمہارے دلوں سے قوم اور مذہب کا احساس ختم کرنے کے جتن کر رہے ہیں۔ آج تمہیں گمور کے جلوے دکھائے جا رہے ہیں۔ کل تمہیں صلیبی لڑکیوں کے جلوے دکھا کر تم میں بے حیائی پیدا کی جائے گی۔ تمہیں انسان سے حیوان بنایا جائے گا پھر تم محسوس بھی نہیں کرو گے کہ تم عزت، غیرت اور وقار سے محروم ہو گئے ہو۔ تم کفار کے غلام ہو گے۔ سوڈان کا بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ وہ کافر ہے۔ اسلام کا دشمن اور صلیبیوں کا دوست ہے۔ کیا تم پسند کرو گے کہ تمہاری بیٹیاں کفار کی بیٹیوں کی طرح مردوں کے ساتھ شراب پئیں اور بدکاری کریں؟ کیا تم پسند کرو گے کہ مسجدیں ویران ہو جائیں اور قرآن کے ورق زمین پر روندے جائیں؟"

"ربِ کعبہ کی قسم! ہم ایسا نہیں چاہتے" ۔۔۔ ایک آواز آئی ۔۔۔ "اُسے ہمارے سامنے لاؤ جو اپنے آپ کو خدا کا ایلچی کہتا ہے۔"

"وہ بے قصور ہے" ۔۔۔ علی بن سفیان نے کہا ۔۔۔ "وہ تم میں سے ہی ہے۔ وہ اب اصلی روپ میں تمہارے سامنے آئے گا اور تمہیں بتائے گا کہ کفار کس طرح تمہاری جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں۔ ابھی تم میری باتیں سنو۔ تم مسلمان ہو۔ خدا نے تمہیں برتری اور فوقیت عطا فرمائی ہے۔ کفار تمہیں خدا کی عطا کی ہوئی عظمت سے بیگانہ کرنا چاہتے ہیں۔"

"تم کون ہو؟" کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "تمہاری باتوں میں دانائی ہے۔ کیا تم ہمیں دکھا سکتے ہو کہ یہ سب کیا تھا جو ہمیں دکھایا گیا ہے؟"

"میں تمہیں دکھاتا ہوں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "خیمے میں سے وہ ایک برتن اٹھا لایا جس میں تیل کی قسم کا آتش گیر سیال تھا۔ اُس نے یہ تیل ایک کپڑے پر ڈال کر زمین پر رکھ دیا۔ اس پر پانی ڈالا۔ مشعل اُٹھا کر اس کا شعلہ کپڑے کے قریب کیا تو کپڑا بھڑک کر شعلہ بن گیا۔ اس نے سب کو بتایا کہ جس کپڑے پر پانی ڈال کر عمرو درویش آگ لگاتا تھا وہ بھی اسی تیل سے بھیگا ہُوا ہوتا تھا۔

"اب میں تمہیں وہ آدمی دکھاتا ہوں جو اس کے ساتھی تھے۔" علی بن سفیان نے کہا۔ اس نے کسی کو آواز دے کر کہا۔ "انہیں سامنے لے آؤ۔"

لوگوں کے ہجوم سے کچھ دُور اندھیرے میں وہ آدمی پکڑے کھڑے تھے جو عمرو درویش کے سوانگ میں شامل تھے۔ انہیں چھاپہ ماروں نے نرغے میں لے رکھا تھا۔ اچانک شور اٹھا۔ گھوڑا دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کسی نے بلند آواز سے کہا۔ "ایک بھاگ گیا۔" ایک جاسوس نکل گیا۔ دوسروں کو سامنے لایا گیا۔ مشعل اُوپر کرکے اُن کے چہرے سب کو دکھائے گئے۔

"یہ مسلمان ہیں۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔ یہ ایمان فروش ہیں۔" علی بن سفیان نے تفصیل سے بتایا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔

"انہیں قتل کردو۔" کئی آوازیں اُٹھیں۔ "سنگسار کردو۔" لوگ اُن کی طرف بڑھے۔ مشعلوں کی روشنی میں تلواریں چمکیں۔ "رُک جاؤ۔" علی بن سفیان نے درمیان میں آکر کہا۔ "خدا کا قانون اپنے ہاتھ میں نہ لو۔ ان کی سزا تمہارے بزرگ مقرر کریں گے۔ انہیں حراست میں لے لو...... اور میرے ساتھ آؤ۔"

سارے لوگ علی بن سفیان کے پیچھے چل پڑے۔ وہ انہیں اُس پہاڑی کی طرف لے جا رہا تھا جہاں اس کے چھاپہ ماروں نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا اور دو کو رسّیوں سے باندھ رکھا تھا۔

☆

اُس وقت عمرو درویش، آشی اور دو چھاپہ مار دُور نکل گئے تھے۔ وہ سوڈان کے دارالحکومت کی طرف جا رہے تھے۔

"دوستو!" عمرو درویش نے دوڑتے گھوڑے سے کہا۔ "ہمیں بہت جلدی پہنچنا ہے...... آشی! اگر تم سواری سے تھک جاؤ تو میرے پیچھے بیٹھ جانا۔ سفر بڑا ہی لمبا اور وقت بہت ہی تھوڑا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کوئی جاسوس ہم سے پہلے نہ پہنچ جائے۔"

جاسوس بھی دارالحکومت کو روانہ ہو گیا تھا۔ یہ وہی تھا جو علی بن سفیان کے آدمیوں کی حراست سے بھاگا تھا۔ وہ ایک وادی میں چلا گیا تھا کیونکہ اُسے تعاقب کا ڈر تھا۔ وہ وادی سے نکلا اور اُس نے دارالحکومت کا رُخ کرتے بہت دُور کا چکر کاٹا۔ اتنے وقت میں عمرو درویش بہت دور نکل گیا تھا۔ جاسوس کو یہ خبر دینی تھی کہ عمرو درویش کا راز بے نقاب ہو گیا ہے۔ اُسے عمرو درویش پر شک کا اظہار بھی کرنا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرو درویش کو ایک بار پھر قید خانے

میں بند ہونا تھا۔ عمرو درویش اس سے پہلے پہنچ کر سوڈانی سالار کو دھوکہ دینا اور اسحاق کو رہا کرانا چاہتا تھا۔ آشی کو اس سکیم کا علم تھا اور وہ گواہ کی حیثیت سے ساتھ جا رہی تھی۔

لوگ مشعلوں کی روشنی میں پہاڑی پر چڑھتے جا رہے تھے۔ علی بن سفیان آگے آگے تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر اُس کے آدمیوں نے دو جاسوسوں کو باندھ رکھا تھا۔ انہیں مشعلیں اُوپر آتی نظر آ رہی تھیں۔ ایک آدمی نے دیا اوپر کر دیا تاکہ آنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ انہیں کہاں آنا ہے۔

"ہمارے ساتھ چلو۔" رسّیوں سے بندھے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔ "جو مانگو گے ملے گا ہمیں چھوڑ دو۔"

"کیا تم ہر مسلمان کو ایمان فروش سمجھتے ہو؟" اُسے جواب ملا۔ "دنیا کی دولت اور دوزخ کی آگ میں کوئی فرق نہیں۔ تم اپنی قوم کو دھوکہ دے رہے تھے۔"

"وہ آ رہے ہیں۔" دوسرے قیدی نے کہا۔ "وہ ہمیں سنگسار کر دیں گے۔ یہ بڑی اذیت ناک موت ہوگی...... کہو کیا لیتے ہو۔ ہم دوسری طرف سے بھاگ چلتے ہیں۔ سونا دیں گے۔"

جوں جوں مشعلیں اوپر آ رہی تھیں، دونوں قیدیوں کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ ایک نے کہا۔ "تمہارے پاس تلواریں ہیں۔ اِن سے ہماری گردنیں کاٹ دو۔ ہمیں ان لوگوں سے بچاؤ۔"

"اللہ سے گناہوں کی بخشش مانگو۔"

مشعلیں اُن کے سر پہ آن رُکیں۔ علی بن سفیان نے لوگوں کو دُور دُور کھڑا کر دیا۔ لوگ دو آدمیوں کو رسّیوں میں بندھا دیکھ کر حیران ہونے لگے۔

"یہ ہیں طُور کا جلوہ دکھانے والے۔" علی بن سفیان نے لوگوں سے کہا اور زمین پر دیکھا۔ وہاں آتش گیر سیال گرا ہُوا تھا۔ ذرا پرے برتن پڑا تھا۔ اُس نے کہا۔ "اِس برتن میں وہی تیل تھا جو میں نے کپڑے پر ڈال کر دکھایا تھا۔ یہ تیل یہاں گرایا گیا ہے۔ میں نے چار آدمی شام کے وقت یہاں چھپا دیئے تھے۔ عمرو درویش کی مشعل کے اشارے پر ان دونوں نے اس دیئے سے اس تیل کو آگ لگانی تھی اور یہ طُور کا جلوہ تھا جو تم لوگ نہ دیکھ سکے کیوں کہ میرے آدمیوں نے انہیں آگ لگانے سے پہلے ہی پکڑ لیا تھا۔"

"یہ تین تھے۔" ایک آدمی نے کہا۔ "تیسرے نے ہلا مقابلہ کیا۔ اس کی لاش درخت کے ساتھ پڑی ہے۔"

علی بن سفیان نے مشعل کا شعلہ تیل پر رکھا تو تیل جل اُٹھا۔ شعلہ اُوپر تک آیا اور آہستہ آہستہ بجھنے لگا۔ علی بن سفیان نے کہا۔ "کیا اس کے بعد کسی شک کی گنجائش رہ جاتی ہے کہ خُدا سے تمہارا رشتہ توڑ کر تمہیں آتش پرست بنایا جا رہا تھا۔" اُس نے ان دو آدمیوں سے جو رسّیوں سے بندھے ہوئے تھے پوچھا۔ "کیا میں جُھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

"مجھے بخش دو۔" ایک نے خوفزدہ آواز میں کہا۔ "تم نے جو کہا سچ کہا ہے۔"

"کیا تم اسی علاقے کے مسلمان نہیں ہو؟"

"ہاں!" دونوں نے سر ہلائے۔

"کیا تمہیں صلیبیوں اور سوڈانی کفار نے اس کام کی تربیت نہیں دی؟"

"انہوں نے ہی دی ہے۔"

"اور تم اپنی قوم کو دھوکہ دینے اور اپنے مذہب کو تباہ کرنے کا انعام نہیں لیتے؟"

"ہاں!" — ایک نے جواب دیا — "ہم اس کا انعام لیتے ہیں۔"

"ہمیں بخش دو" — دوسرے نے کہا — "ہم اپنی قوم کے لیے جانیں قربان کر دیں گے۔"

پیچھے سے ایک جوشیلے مسلمان نے اتنی تیزی سے تلوار کے دو وار کیے کہ دونوں کے سر جسموں سے جدا ہو کر گر پڑے۔

"اگر میں قاتل ہوں تو مجھے قتل کر دیا جائے" تلوار چلانے والے نے تلوار لوگوں کے آگے پھینک کر کہا۔

"خدا کی قسم، یہ شخص قاتل نہیں ہے" — امام نے کہا۔

"یہ قتل جائز تھا" — ایک شور اٹھا۔

☆

عمرو درویش نے سحر کے آغاز میں گھوڑے روکے۔ چھاپہ ماروں اور آشی سے کہا کہ ذرا آرام کر لیں.... گھوڑوں کو بھی آرام دینا ضروری تھا۔ دارالحکومت کی طرف جانے والا جاسوس آدھی رات تک چلا اور ایک جگہ آرام کرنے کے لیے رک گیا۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ عمرو درویش آگے آگے جا رہا ہے۔ وہ لیٹا اور سو گیا۔ صبح طلوع ہوتے ہی عمرو درویش نے اپنے قافلے کو گھوڑوں پر سوار کیا اور روانہ ہو گیا۔ وہ فوجی تھا۔ چھاپہ مار بھی سختیاں برداشت کرنے کے عادی تھے۔ آشی لڑکی تھی جو محلات میں رہنے کی عادی تھی۔ اسے ٹریننگ تو ملی تھی لیکن اس کی زندگی عیش و عشرت میں گزر رہی تھی۔

"آشی!" — عمرو درویش نے اسے دوڑتے گھوڑے سے کہا — "تمہارا چہرہ اتر گیا ہے۔ تم شب بیداری کی بھی عادی نہیں۔ میرے گھوڑے پر آ جاؤ۔"

آشی مسکرائی مگر اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ عمرو درویش نے اسے ایک بار پھر کہا کہ وہ اپنا گھوڑا چھوڑ دے۔ آشی نے انکار میں سر ہلایا۔ گھوڑے دوڑے جا رہے تھے۔ کچھ دور آگے جا کر ایک چھاپہ مار نے عمرو درویش سے کہا — "لڑکی اونگھ رہی ہے، گر پڑے گی۔"

عمرو درویش نے اپنا گھوڑا آشی کے قریب کیا اور باگیں کھینچ لیں۔ آشی بیدار ہو گئی۔ عمرو درویش نے اسے کہا کہ وہ اس کے آگے سوار ہو جائے۔

"میں سہارا لینا نہیں چاہتی" آشی نے کہا — "سہارا دوں گی۔ مجھے اپنا عہد پورا کرنا ہے۔ مجھے اپنے ماں باپ کے قتل کا اور اپنی عصمت کا انتقام لینا ہے۔ میں جاگنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

گھوڑے چلے۔ بہت آگے جا کر آشی نیند پر قابو نہ پا سکی۔ عمرو درویش اس کے قریب تھا۔ اگر وہ دیکھ نہ لیتا تو آشی گر پڑتی۔ اس نے گھوڑے روک کر آشی سے کوئی بات کیے بغیر اسے کمر سے پکڑا اور اپنے گھوڑے پر اپنے آگے

بٹھا لیا۔ ایک چھاپہ مار نے آشی کے گھوڑے کی باگیں اپنی زین کے ساتھ باندھ لیں اور گھوڑے دوڑ پڑے۔ آشی نے سر عمرو درویش کے سینے پر پھینک دیا اور گہری نیند سو گئی۔ اس کے کھلے بال عمرو درویش کے چہرے پر پڑنے لگے۔ ایسے ملائم اور ریشمی بالوں کے لمس سے وہ آشنا نہیں تھا مگر ان بالوں نے اس پر وہ اثر نہ کیا جو ایک جوان مرد پر ہونا چاہیے تھا۔ اسے آشی کی باتیں یاد آنے لگیں:

"تمہاری آغوش میں مجھے اپنے باپ کی آغوش کا سرور آیا تھا" — آشی نے اسے اسی صحرا میں چند راتیں پہلے کہا تھا — "مجھے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ میرے بھی ماں باپ تھے۔ تم نے میرا ماضی میرے آگے رکھ دیا ہے۔"

پھر عمرو درویش کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہوا کے زناٹوں سے اسے آشی کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہوں — "مجھے اپنے سینے اور اپنے بازوؤں کی پناہ میں لیے رکھو۔ میں مسلمان کی بچی ہوں۔ مجھے صلیبیوں کے حوالے نہ کر دینا.... خون.... خون.... مجھے خون نظر آ رہا ہے۔ یہ میرے باپ کا خون ہے۔ یہ میری ماں کا خون ہے۔ دونوں خون ملک بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گئے ہیں.... عمرو درویش.... تمہاری رگوں میں ہاشم درویش کا خون دوڑ رہا ہے۔ تمہیں اس لہو کا خراج وصول کرنا ہے جو بیت المقدس کی ریت میں جذب ہو گیا تھا۔ تمہیں فلسطین کی آبرو پکار رہی ہے۔ قبلۂ اول کو دل سے اتار نہ دینا ہاشم کے بیٹے!"

چھاپہ ماروں نے دیکھا کہ عمرو درویش نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی تھی۔ چھاپہ ماروں کو بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کرنی پڑی۔ آشی کے بال اور زیادہ بکھر کر ہوا کے زناٹوں سے اس کے چہرے پہ اڑنے لگے۔

"عمرو درویش!" — ایک چھاپہ مار نے گھوڑا اس کے قریب کر کے کہا — "گھوڑے کسی چوکی سے بدلنے کی تو امید نہیں، گھوڑے کو اس طرح نہ مارو۔ ذرا آہستہ.... ذرا آہستہ۔"

عمرو درویش نے چھاپہ مار کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار ذرا کم کر دی اور بولا — "خدائے ذوالجلال ہمارے ساتھ ہے۔ گھوڑے تھکیں گے نہیں۔"

اس کی آواز سے آشی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے گھبرا کر پوچھا — "میں کتنی دیر سوئی رہی؟ میرا گھوڑا کہاں ہے؟"

"تم تو سو گئی تھی" عمرو درویش نے کہا — "لیکن میرے ایمان کی جو رگ سوئی ہوئی تھی وہ جاگ اٹھی ہے.... اٹھو۔ اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ ہم شام تک منزل پر پہنچ جائیں گے۔"

☆

علی بن سفیان اسی گاؤں میں چلا گیا تھا جسے مسلمانوں نے اپنی زمین دوز سرگرمیوں کا مرکز بنا رکھا تھا۔ اس نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کے سپرد یہ کام کیا کہ تمام علاقے میں پھیل کر عمرو درویش کی شعبدہ بازیوں کی حقیقت بتا دیں۔ اس نے وہاں کے لیڈروں کو بتایا کہ وہ لوگوں کو تیار کریں۔ یہ علاقہ بہرحال سوڈان کا تھا جہاں مسلمانوں کو من مانی کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ سوڈانی فوج حملہ کرنے کا حق رکھتی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے علاقے میں اپنا قانون رائج کر رکھا تھا۔ انہوں نے جن جاسوسوں کو گرفتار کیا تھا انہیں اپنے بنائے ہوئے قید خانے میں ڈال دیا تھا۔ انہیں سزا یہی تھی جو سوڈانی قانون کے مطابق جرم تھا۔ ان مجرموں نے جو کچھ کیا سوڈانی حکومت کی

بہتری کے لیے کیا تھا۔ علی بن سفیان نے خلوص دل سے لیا تھا۔ اُس نے چھاپہ ماروں کی دو پارٹیاں تیار کریں۔

قید خانے میں اسحاق کو ایک اچھے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ اُسے نہایت اچھا کھانا باعزت طریقے سے دیا جاتا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ اُس کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کیوں ہو رہا ہے۔ عمرو درویش اُسے اپنی پوری سکیم بتا کر گیا تھا۔ اسحاق تنہائی میں بیٹھا اسی کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اُسے دو خطرے نظر آرہے تھے۔ ایک یہ کہ عمرو درویش نے قید خانے کی اذیتوں سے تنگ آکر سوڈانیوں کے ہاتھوں میں کھیلنا شروع کر دیا ہوگا۔ دوسرا خطرہ یہ کہ عمرو درویش کہیں اپنے ہی منصوبے کی نذر نہ ہو گیا ہو۔ اسحاق اپنے فرار کے متعلق بھی سوچتا رہتا تھا لیکن اُسے کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ سوڈانیوں کے لیے وہ قیمتی قیدی تھا جس پر انہوں نے اضافی پہرے لگا رکھے تھے۔ جب سے عمرو درویش اُس سے الگ ہوا تھا اُسے کسی نے نہیں کہا تھا کہ وہ اپنی قوم کو سوڈان کا وفادار بنائے.....
سوڈانی سالار جو اُس کے پیچھے پڑا رہتا تھا اُس کے سامنے بھی نہیں آیا تھا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ چار گھوڑے سوڈان کے دارالحکومت میں داخل ہوئے اور سیدھے فوج کے مرکز کے سامنے جا رکے۔ عمرو درویش کو معلوم تھا کہ اُسے کہاں جانا اور کسے ملنا ہے۔ اُسے ذہنی تخریب کاری کی تربیت یہیں سے ملی تھی۔ اُس نے محافظ دستے کے کمانڈر کو اُس سوڈانی سالار کا نام بتایا جس نے اُسے اس کام کے لیے تیار کیا تھا۔ اُسے فوراً سالار کے گھر پہنچا دیا گیا۔

"ناکام لوٹے ہو یا کوئی اچھی خبر لائے ہو؟" سوڈانی سالار نے اُسے دیکھتے ہی کہا۔

"اچھی خبر اس سے سنیں۔" عمرو درویش نے آشی کی طرف اشارہ کر کے کہا — "آپ مجھ پر شاید اعتبار نہ کریں۔"
آشی تھکن سے چُور پلنگ پر گر پڑی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اُس نے عمرو درویش سے کہا — "انہیں ساری بات خود ہی بتاؤ اور ذرا جلدی کرو۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔"

"ہماری مہم اتنی جلدی کامیاب ہوئی ہے جس کی مجھے بالکل اُمید نہیں تھی۔" عمرو درویش نے کہا اور پوری تفصیل سے سنایا کہ اُس نے کس طرح پانی کو آگ لگائی اور طُور کے جلوے دکھلائے ہیں۔

"اور اس کے بولنے کا جو انداز تھا اُس نے مجھے تو حیران ہی کر دیا تھا۔" آشی نے عمرو درویش کے متعلق کہا۔ "لوگ اس کے شعبدوں سے اتنے متاثر نہیں ہوئے جتنے اس کی زبان سے۔"

"کیا آپ کو ابھی تک کوئی بتانے نہیں آیا کہ وہاں ہم نے کس حد تک کامیابی حاصل کر لی ہے؟" — عمرو درویش نے پوچھا۔

"کوئی بھی نہیں آیا۔" سوڈانی سالار نے کہا — "میں تم دونوں کے متعلق پریشان تھا۔"

عمرو درویش کو یہ سُن کر اطمینان ہُوا کہ یہاں ابھی تک کوئی جاسوس نہیں پہنچا۔ جاسوس جو مسلمانوں کی حراست سے فرار ہو کر آرہا تھا ابھی دُور تھا۔ اُس کی رفتار وہ نہیں تھی جو عمرو درویش کی تھی۔ اس رفتار سے اُسے صبح کے وقت پہنچنا تھا۔ عمرو درویش کا دھوکہ اسی جاسوس کی غیر حاضری میں ہی چل سکتا تھا۔ اس کے پہنچتے ہی اصل صورتِ حال کو بے نقاب ہونا اور عمرو درویش کو قید خانے میں بند ہونا تھا۔

"اب مجھے اسحاق کی ضرورت ہے۔" عمرو درویش نے کہا — "میں آدھے سے زیادہ مسلمانوں کے ذہن صاف کر چکا ہوں۔ میں نے انہیں اس پر آمادہ کر لیا ہے کہ وہ سوڈان کے وفادار ہو جائیں۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کے خلاف نفرت اور دشمنی پیدا کر دی ہے۔ میں نے ثابت کر دیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی فرعونوں کا جانشین ہے۔ اب مسلمانوں کو اپنا کوئی قائد کہہ دے کہ ہمیں سوڈان کا وفادار ہونا چاہیے۔ اس علاقے کی تمام تر آبادی آپ کی ہوگی۔ میں نے وہاں معلوم کیا ہے، اور میں خود بھی جانتا ہوں کہ یہ قائد اسحاق کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسے وہاں کے مسلمان پیر اور پیغمبر مانتے ہیں۔"

"مگر اسحاق سے منوائے کون؟" سوڈانی سالار نے کہا — "میں اسے اس خطے کی امارت کے لالچ دے چکا ہوں۔ اسے ایسی ایسی اذیتیں دی ہیں جو گھوڑا بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ آشی بھی ناکام ہو چکی ہے۔"

"اب مجھے کوشش کرنے دیں۔" عمرو درویش نے کہا — "اسے قید خانے سے نکال کر اسی کمرے میں بھیج دیں جہاں آپ نے اسے ایک بار رکھا تھا اور مجھے بھی رکھا تھا۔ آپ اس کے دشمن ہیں۔ میں اس کا ساتھی ہوں۔"

"کیا وہاں آشی کو ایک بار پھر آزماؤ گے؟" سوڈانی سالار نے پوچھا۔

"نہیں۔" عمرو درویش نے جواب دیا — "میں اب اپنی زبان کا جادو آزماؤں گا۔ اسے اگر ابھی اُس کمرے میں لے جائیں تو مجھے اُمید ہے کہ صبح تک میں اسے اپنے جال میں پھانس لوں گا۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔ اُس علاقے سے میری غیر حاضری لمبی نہیں ہونی چاہیے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہاں مصری جاسوس بھی ہیں۔ میں نے وہاں جو جادو چلایا ہے اسے مصری جاسوس میری غیر حاضری میں بیکار کر سکتے ہیں۔"

سوڈانی سالار نے ان دو چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا جو عمرو درویش کے ساتھ تھے۔ اُس نے بتایا کہ یہ اُس کے محافظ اور مرید ہیں، اور یہ اُس کے ساتھ رضاکارانہ طور پر آئے ہیں۔

☆

وہ ایک عمارت کا خوشنما کمرہ تھا جس میں اسحاق کو لایا گیا۔ سالار خود اسحاق کو قید خانے میں سے لانے کے لیے گیا تھا۔ اُس نے اسحاق سے کہا تھا — "میں تمہارے قومی جذبے اور ایمان کا قائل ہو گیا ہوں۔ تمہارا ایک دوست عمرو درویش تم سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری ملاقات اچھے ماحول میں ہو۔"

"مجھے قید خانے سے زیادہ غلیظ اور جہنمی ماحول اور تمہارے محلات سے زیادہ دلفریب ماحول اپنی راہ سے ہٹا نہیں سکتے۔" اسحاق نے کہا — "مجھے تہہ خانے میں لے چلو یا بالاخانے میں، میں اپنا ایمان نہیں بیچوں گا۔"

سوڈانی سالار ہنس پڑا اور اُسے اُس کمرے میں لے گیا جہاں عمرو درویش اُس کے انتظار میں موجود تھا۔
سوڈانی سالار بھی کمرے میں رہا۔

"تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ تم نے ان کافروں کے ہاتھ اپنا ایمان بیچ ڈالا ہے۔" اسحاق نے عمرو درویش سے کہا — "تمہارے چہرے کی رونق اور آنکھوں کی چمک بتا رہی ہے کہ تم بہت دنوں سے قید خانے سے باہر گھوم پھر

رہے ہو۔ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟"

"میں تمہارے چہرے پر بھی یہی رونق اور آنکھوں میں یہی چمک دیکھنا چاہتا ہوں جو تم میرے چہرے پر اور آنکھوں میں دیکھ رہے ہو۔" عمرو درویش نے کہا۔ "ذرا مجھے مہلت دو۔ ذرا سی دیر کے لیے اپنا دل اور اپنا ذہن مجھے دے دو۔ تحمل اور اطمینان سے میری بات سنو۔"

سوڈانی سالار پاس کھڑا تھا۔ وہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ اسحاق اُس کا نہایت اہم قیدی تھا، اور عمرو درویش بھی قیدی ہی تھا۔ یہ عمرو درویش کا دھوکہ بھی ہو سکتا تھا۔ وہ اِن دونوں کو ایک ایسے کمرے میں آزاد نہیں چھوڑ سکتا تھا جو قید خانے کا کمرہ نہیں تھا۔ اُس نے چار سنتریوں کا انتظام کر دیا تھا۔ دو کمرے کے سامنے کھڑے تھے اور دو پچھلے دروازے کے سامنے۔ برچھیوں اور تلواروں کے علاوہ انہیں تیر و کمان بھی دیئے گئے تھے تاکہ فرار کی کوشش کامیاب نہ ہو سکے۔ عمرو درویش چاہتا تھا کہ سالار وہاں سے چلا جائے مگر سالار وہاں سے ٹلتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ اُس کی موجودگی میں عمرو درویش اسحاق کو بتا نہیں سکتا تھا کہ اُس کا منصوبہ کیا ہے۔

آشی کو سوڈانی سالار نے نہانے دھونے اور آرام کے لیے اسی عمارت کے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔ وہ سوڈانی سالار کو اس کمرے سے لے جا سکتی تھی مگر اُس کے اِدھر آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ سوڈانی سالار الگ ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ جاسوس جو صحیح صورتِ حال بتانے آ رہا تھا شہر سے تھوڑی ہی دُور رہ گیا تھا۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔ عمرو درویش کے دونوں چھاپہ مار اسی عمارت کے ایک برآمدے میں عمرو درویش کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد آشی باہر آئی۔ وہ نہا دھو کر کپڑے بدل کر آئی تھی۔ اُس کا حُسن نکھر آیا تھا۔ چہرے سے سفر کی تھکن بھی دُھل گئی تھی۔ وہ چھاپہ ماروں کے پاس جا رُکی۔

"سالار چلا گیا ہے؟" آشی نے اُن سے پوچھا۔

"نہیں۔" ایک چھاپہ مار نے جواب دیا۔ "وہ اندر ہے۔"

"اُسے چلے جانا چاہیے۔" آشی نے کہا اور وہ اُس کمرے کی طرف چل پڑی۔

عمرو درویش نے اُسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو اُسے اُمید کی کرن نظر آئی۔ سوڈانی سالار نے اُسے دیکھا تو اُس کے ہونٹوں پر وہی مسکراہٹ آ گئی جو اُس جیسے مردوں کے ہونٹوں پر آشی جیسی دلکش لڑکی کو دیکھ کر آیا کرتی ہے۔ آشی ٹہلتے ٹہلتے سالار کے پیچھے چلی گئی۔ اُس نے عمرو درویش کو گہری نظروں سے دیکھا۔ عمرو درویش کو موقع مل گیا۔ اُس نے آشی کو اشارہ کیا کہ سالار کو یہاں سے غائب کرو۔

"اسحاق بھائی!" عمرو درویش نے پوچھا۔ "کیا ہم سوڈان کے بیٹے نہیں ہیں؟"

"میں سب سے پہلے اسلام کا بیٹا ہوں۔" اسحاق نے جواب دیا۔ "اور میں اب بھی مصری فوج کا کماندار اور سلطان صلاح الدین کا وفادار ہوں۔ اگر سوڈان کی زمین میری ماں ہے تو میں اپنی ماں کو اسلام کے دشمنوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ عمرو درویش! میں تمہاری طرح اسلام کی عظمت اور اپنی غیرت کو فروخت نہیں کر سکتا۔"

آشی نے پیچھے سے سوڈانی سالار کے کندھوں پر دونوں بازو رکھے اور منہ اُس کے کان سے لگا کر کہا۔۔۔

"چند دنوں میں آپ کا دل مر گیا ہے؟"

سوڈانی سالار نے گھوم کر دیکھا تو آشی کے گال اور بکھرے ہوئے بال سالار کے گالوں سے ٹکرا گئے۔ آشی مسکرا رہی تھی۔ اُس نے مخمور اور تشنہ لہجے میں کہا۔۔۔ "میں اتنی خطرناک اور تھکا دینے والی مہم سے واپس آئی ہوں۔ کل پھر انہی جنگلیوں کے پاس چلی جاؤں گی جن کے پاس پینے کو پانی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں تو شراب کی بُو کو بھی ترس گئی ہوں۔"

"اوہ!" سوڈانی سالار نے چونک کر کہا۔۔۔ "میں تو اس قصے میں تمہیں بھول ہی گیا تھا۔ میں کسی سے کہہ دیتا ہوں۔ تم اُسی کمرے میں چلو۔"

"اونہہ!" آشی نے کہا۔ "اکیلے کیا خاک مزہ آئے گا؟ آپ بھی چلیے۔ یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ دونوں طرف سنتری کھڑے ہیں۔ کچھ دیر بعد یہیں آ جانا۔"

آشی اس فن کی اُستاد تھی۔ بچپن سے اب تک اُسے مردوں کو اپنے جال میں پھانسنے اور انگلیوں پر نچانے کی تربیت دی گئی تھی۔ اُس نے یہی فن اپنے آقاؤں اور استادوں کے خلاف آزمانا شروع کر دیا۔ سوڈانی سالار اس کی مسکراہٹ کے فریب میں آ گیا اور اُس کے ساتھ چل پڑا۔ باہر جا کر اُس نے ایک ملازم کو شراب لانے کو کہا اور آشی کے ساتھ کمرے میں چلا گیا۔ آشی نے اُسے اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور ذرا سی دیر میں بوڑھے سالار پر جوان لڑکی کا طلسم طاری ہو گیا۔ اتنے میں شراب آ گئی۔ آشی نے سالار کو جام پہ جام پلانے شروع کر دیئے۔

☆

"نیت صاف ہو تو خدا بھی مدد کرتا ہے۔" عمرو درویش نے اسحاق سے کہا۔ "میں نے جو سوچا تھا وہ ہر لحاظ اور ہر پہلو سے عملی شکل میں آ گیا ہے۔ ساری بات شہر سے نکل کر سناؤں گا۔ دو چھاپہ مار ساتھ لایا ہوں۔ دو سنتری اِدھر کھڑے ہیں دو اُدھر۔ ہمیں صرف اُس طرف کے سنتریوں کو ختم کرنا ہے جس طرف سے نکلنا ہے۔ چار گھوڑے تیار ہیں۔ چار گھوڑے سنتریوں کے تیار کھڑے ہیں تاکہ فرار کی صورت میں وہ ہمارا تعاقب کر سکیں۔ اپنے نال مصر کے کچھ لوگ آئے ہیں۔ ایک آدمی بہت ہی دانشمند معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔ تاہم وہ اطلاع پہنچ گئی ہے کہ یہاں کیا ہوا ہے۔ سالار کو لڑکی لے گئی ہے۔ میں ذرا باہر کا جائزہ لے لوں۔ لڑکی کو بھی ساتھ لے جانا ہے۔"

"کیوں؟" اسحاق نے پوچھا۔۔۔ "اس بدکار کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟"

"باہر چل کر بتاؤں گا۔" عمرو درویش نے کہا۔۔۔ "یہ کوئی ایسا ویسا تعلق نہیں۔ لڑکی مسلمان ہے۔"

عمرو درویش باہر نکلا۔ سنتریوں نے اُسے سوڈانی سالار کے ساتھ اس کمرے میں آتے دیکھا تھا، اس لیے انہوں نے اُسے احترام کی نظروں سے دیکھا۔ وہ اپنے چھاپہ ماروں کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ سنتریوں کو سنبھالنے کا وقت آ گیا ہے۔ پھر اُس نے اُس کمرے کا دروازہ آہستہ سے ذرا سا کھولا۔ سالار کے ہوش شراب میں ڈوب چکے تھے۔ اُس نے جھوم کر پوچھا۔ "کون ہے؟"

"میں دیکھتی ہوں۔" آشی نے کہا۔۔۔ "ہوا سے دروازہ کھل گیا ہے۔" اُس نے سالار کو سہارا دے کر پلنگ

پر لٹا دیا۔ سالار نے بازو پھیلا کر لڑکھڑاتی آواز میں کہا — "تم بھی آؤ۔ نشے کو دُگنا کر دو۔"

آشی باہر نکل آئی اور آواز پیدا کیے بغیر دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ عمرو درویش اور آشی نے دونوں چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور اسحاق والے کمرے کی طرف گئے۔ سوڈانی جاسوس شہر میں داخل ہو چکا تھا اور وہ جاسوسی کے مرکز کی طرف جا رہا تھا۔ عمرو درویش نے دونوں سنتریوں سے کہا — "دونوں اندر چلو اور قیدی کو قید خانے میں لے جاؤ۔ سالار نے حکم دیا ہے کہ ہاتھ باندھ کر لے جانا۔"

دونوں سنتری اکٹھے اندر گئے۔ ان کے پیچھے دروازہ بند ہو گیا۔ دونوں چھاپہ مار بیک وقت اُن پر جھپٹے۔ دونوں کی گردنیں ایک ایک چھاپہ مار کے بازو کے شکنجے میں آگئیں۔ چھاپہ ماروں نے خنجر پہلے ہی نکال لیے تھے۔ انہوں نے سنتریوں کے دلوں پر وار کیے اور انہیں ختم کر دیا۔ سوڈانی جاسوس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا تھا اور ایک نائب سالار کو صبح رپورٹ دے رہا تھا۔ عمرو درویش نے اسحاق سے کہا — "فوراً نکلو" — باہر چار گھوڑے عمرو درویش کے کھڑے تھے اور چار سنتریوں کے۔ دوسری طرف کے سنتریوں کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

یہ سب گھوڑوں پر بیٹھے۔ رات نے فرار پر پردہ ڈالے رکھا۔ شہر گہری نیند سویا ہوا تھا۔ فرار ہونے والوں نے گھوڑوں کو فوراً ایڑ نہ لگائی۔ آشی بھی اُن کے ساتھ تھی۔ سوڈانی جاسوس نے اپنی رپورٹ دی تو نائب سالار اسے سوڈانی سالار کے پاس لے گیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ کہاں ہے۔ وہ دونوں اِدھر آئے تو راستے میں انہوں نے پانچ گھوڑ سوار جاتے دیکھے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب سے گزر گئے۔ اندھیرے کی وجہ سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکا۔

نائب سالار نے اُس برآمدے میں جا کر اِدھر اُدھر دیکھا جہاں کچھ دیر پہلے دو سنتری کھڑے تھے۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھولا تو اُسے دونوں سنتریوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔ خون بہہ بہہ کر ہر طرف پھیل گیا تھا۔ نائب سالار نے اندر جا کر دوسرا دروازہ کھولا۔ اُدھر دو سنتری آرام سے کھڑے تھے۔ بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ ایک کمرے میں سالار پلنگ پر پڑا نشے میں بدمست آشی کو پکار رہا تھا۔ نائب سالار نے اُسے بلایا اور اُٹھایا۔ آشی نے اُسے بہت ہی زیادہ پلا دی تھی۔ اُسے جب بتایا گیا کہ دو سنتری کمرے میں مرے پڑے ہیں تو ذرا ہوش میں آیا۔ جب وہ بات سننے اور سمجھنے کی حالت میں آیا اُس وقت عمرو درویش، اسحاق، دو چھاپہ مار اور آشی شہر سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ تعاقب بیکار تھا۔ صبح کے وقت اُسے صحیح صورتِ حال کا علم ہُوا۔

اگلی رات آدھی گزر گئی تھی جب عمرو درویش اپنے قافلے کے ساتھ اپنے پہاڑی علاقے میں داخل ہُوا۔ علی بن سفیان اُن کے انتظار میں بے تاب ہو رہا تھا۔ ضرورت یہ تھی کہ اسحاق اور عمرو درویش کو فوراً مصر بھیج دیا جائے لیکن ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ انہیں اس علاقے میں گھمایا پھرایا جائے تاکہ جن لوگوں نے سوڈانیوں کی شعبدہ بازیاں دیکھی ہیں انہیں اصل حقیقت معلوم ہو جائے۔ البتہ فوری طور پر یہ انتظام کر دیا گیا کہ کچھ آدمیوں کو دیکھ بھال کے لیے مقرر کر دیا گیا تاکہ سوڈانی فوج حملہ کرے تو قبل از وقت اطلاع مل جائے۔ دوسری ضرورت یہ تھی کہ مصری فوج کے کچھ اور چھاپہ مار اس علاقے میں بلا لیے جائیں جو سوڈانی فوج کے حملے کی صورت میں عقب سے شبخون

ماریں اور فوج کو اس علاقے سے دُور رکھیں۔

اس طرح عمرو درویش، علی بن سفیان اور اُس کے چھاپہ ماروں نے وہ معرکہ جیت لیا جو کمانڈروں، بادشاہوں اور قوم کی نظروں سے اوجھل ہو کر لڑا گیا تھا۔ یہ ایک انفرادی جنگ تھی جو ایمان اور قومی جذبے کی قوت سے لڑی گئی تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس در پردہ جنگ پر ہمیشہ توجہ مرکوز رکھی تھی۔ اس کا انٹیلی جنس کا نظام بہت ہوشیار تھا۔

☆

اُس وقت جب سوڈانی مسلمانوں نے یہ معرکہ جیت لیا تھا، سلطان ایوبی مسلمان امرا — گمشتگین، سیف الدین اور الملک الصالح — کی متحدہ افواج کو شکست فاش دے کر اُن کے تعاقب میں جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے چند ایک اہم مقامات اور چھوٹے چھوٹے قلعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ حلب کی طرف بڑھ رہا تھا جو ایک اہم شہر اور الملک الصالح کی فوج کا مرکز تھا۔ سلطان ایوبی اس شہر کو محاصرے میں لے کر محاصرہ اُٹھا چکا تھا۔ وہاں کے مسلمانوں نے اُس کا مقابلہ ایسی بے جگری سے کیا تھا کہ سلطان ایوبی عش عش کر اُٹھا تھا۔ محاصرہ اُٹھانے کی وجہ اس سے پہلے سنائی جا چکی ہے۔

اس کے بعد مسلمان افواج کی آپس میں جو جنگ ہوئی اس کی تفصیلات بھی سنائی جا چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان فوجوں کو بے تحاشہ نقصان پہنچا کر اس طرح پسپا کیا کہ فوجیں بکھر گئیں۔ سلطان ایوبی نے تعاقب جاری رکھا۔ اُس کی زیادہ تر توجہ حلب کی فوج پر تھی کیونکہ یہ بہادری سے لڑنے والی فوج تھی۔ یہ حلب کی سمت پسپا ہو رہی تھی۔ سلطان ایوبی اُسے راستے میں ہی تباہ کر دینا چاہتا تھا کیونکہ وہ حلب پر قبضہ کرنے کو پیش قدمی کر رہا تھا۔ اُس نے تعاقب کا انداز یہ نہ رکھا کہ اپنی فوج کو اُس کے پیچھے ڈال دیا بلکہ اُس نے اپنے برق رفتار دستے کسی دوسرے راستے سے آگے بھیج دیئے اور کچھ چھاپہ مار دونوں پہلوؤں پر بھیج دیئے۔

حلب کی فوج افراتفری کے عالم میں حلب کو جا رہی تھی۔ آگے جا کر اُس کے کمانڈروں نے دیکھا کہ سلطان ایوبی کی فوج نے راستہ روک رکھا ہے۔ حلب کی فوج رُک گئی۔ اس کے سپاہیوں میں لڑنے کی ہمت نہیں رہی تھی۔ اُن کا ساز و سامان بھی کم رہ گیا تھا۔ رسد اور خوراک کی بھی کمی تھی۔ یہ فوج رُکی تو پہلوؤں پر سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں نے شب خون اور چھاپے مارنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کے کمانڈروں نے اعلان کرنے شروع کر دیئے — "حلب والو ہتھیار ڈال دو۔"

سلطان ایوبی محاذ سے پیچھے تھا۔ اُسے اطلاعیں مل رہی تھیں کہ حلب کی فوج ہتھیار ڈالنے کی حالت میں آرہی ہے۔ اُس نے کہا — "اگر یہ فوج صلیبیوں کی ہوتی تو میں اس کے ایک بھی سپاہی کو زندہ نہ چھوڑتا مگر یہ میرے اپنے بھائیوں کی فوج ہے۔ یہ لوگ ہتھیار ڈال دیں گے تو میں انہیں بخش دوں گا۔ مجھے خوشی پھر بھی نہیں ہوگی۔ مرنے کے بعد میری روح بھی بے چین رہے گی کہ میرے دور میں مسلمانوں کی تلواریں آپس میں ٹکرائی تھیں۔ اگر ہمارے یہ بھائی اب بھی دوست اور دشمن کی پہچان کر لیں تو اس شرم ناک غلطی کا ازالہ ہو سکتا ہے۔"

دوسرے ہی دن خدا نے سلطان ایوبی کی دُعا سُن لی۔ اُس نے دو گھوڑ سوار اپنی طرف آتے دیکھے۔ اُن میں سے ایک نے سفید جھنڈا اُٹھا رکھا تھا۔ اُن کے دائیں بائیں سلطان ایوبی کی اپنی فوج کے دو کماندار تھے قریب

گھوڑے رُک گئے۔ ایک کمانڈر نے گھوڑے سے اُتر کر سلام کیا اور کہا۔ ''حلب کے حاکم الملک الصالح نے صلح کا پیغام بھیجا ہے۔ یہ دو ایلچی جنگ بندی اور صلح کا پیغام لائے ہیں۔''

ایک ایلچی نے پیغام سلطان ایوبی کے ہاتھ میں دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام پڑھ کر کہا۔ ''الملک الصالح سے کہنا صلاح الدین ایوبی نے جب جنگ سے پہلے صلح کا پیغام بھیجا تھا تو تم نے فرعونوں کی طرح میرے ایلچی کی بے عزتی کر کے میرا پیغام ٹھکرا دیا تھا۔ آج خدائے عزوجل نے مجھے یہ طاقت بخشی اور تجھے یہ ذلّت دی کہ میں تمہاری فوج کو اس طرح پیس سکتا ہوں جس طرح دو پتھروں کے درمیان دانے پیسے جاتے ہیں لیکن میرے دشمن تم نہیں۔ تم اُس باپ کے بیٹے ہو جس نے صلیبیوں کو گھٹنوں بٹھا رکھا تھا، اور تم صلیبیوں سے دوستی گانٹھ کر اپنے باپ کی فوج کے خلاف لڑنے آئے تھے..... اُسے کہنا کہ میں نے تمہیں معاف کیا۔ دُعا کرو اللہ بھی تمہیں معاف کر دے۔''

سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح کی پیش کش منظور کر لی۔ الملک الصالح کو اس شرط پر اپنی فوج حلب لے جانے کی اجازت دے دی کہ جب اس کی فوج حلب آئے تو حلب کی فوج کوئی مزاحمت نہ کرے۔

ایک اور دلچسپ واقعہ ہُوا۔ الملک الصالح اپنی فوج نکال کر لے گیا۔ سیف الدین بھی پسپا ہو کر موصل چلا گیا تھا اور گمشتگین نے اپنے قلعے حرن میں جانے کی بجائے حلب کا رُخ کیا۔ سلطان ایوبی اپنی فوج کو اور آگے لے گیا اور ایک مقام ترکمان کو عارضی کیمپ بنا لیا۔ ایک روز حلب کا ایک قاصد اُس کے پاس آیا اور الملک الصالح کا ایک پیغام سلطان ایوبی کو دیا۔ سلطان ایوبی نے پیغام کھول کر پڑھا تو چونک اُٹھا کیونکہ یہ پیغام اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین کے نام تھا۔ الملک الصالح نے سیف الدین کو لکھا تھا:

''آپ کا خط مل گیا ہے جس میں آپ نے اِس پر خفگی کا اظہار کیا ہے کہ میں نے صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار ڈال کر صلح کر لی ہے۔ بے شک میں نے ایسا ہی کیا ہے لیکن میرے لیے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ میری فوج اُس کی فوج کے گھیرے میں آ گئی تھی۔ میرے سپاہی تھکے ہوئے، اُکھڑے ہوئے اور زخمی تھے۔ میرے سالاروں نے مجھے مشورہ دیا کہ صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا جائے اور اپنی فوج کو اُس کے چنگل سے نکالا جائے۔ میں نے یہی بہتر جانا اور صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام دے دیا.....

''محترم غازی سیف الدین! آپ مطمئن رہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے صلح کی ہے ورنہ میرے پاس آج ایک بھی سپاہی نہ ہوتا۔ میں اب حلب میں اپنی فوج کی تنظیم نَو کر رہا ہوں۔ نئی بھرتی شروع کرا دی ہے۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کی یہ شرط تسلیم کر لی ہے کہ اُس کی فوج حلب میں آئے گی تو ہماری فوج مزاحمت نہیں کرے گی، لیکن وہ جب یہاں آئے گا تو اُس کی فوج کو ایسی مزاحمت ملے گی جو اُس کے تصوّر میں بھی نہیں آ سکتی۔ آپ اپنی فوج کو ازسرِنو تیار کریں۔ ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنا اور اُس کی طاقت کو ختم کرنا ہے۔''

اِس پیغام میں اور بھی بہت کچھ لکھا تھا۔ مؤرخوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ الملک الصالح نے سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا تھا اور اس پر بھی کہ الملک الصالح نے سیف الدین کے خط کے جواب میں جو جواب لکھا تھا وہ

غلطی سے سلطان ایوبی کو مل گیا تھا؟ یہ قاصد سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ یہ قاصد کی غلطی تھی۔ وہ نے لکھا ہے کہ پیغام۔ بہر کیف یہ تو ظاہر غلطی سے سلطان ایوبی کا نام لکھ دیا گیا تھا۔ مسلمان مؤرخ جن میں سراج الدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، لکھتا ہے کہ سلطان ایوبی کا انتظام جاسوسی ایسا باکمال تھا کہ الملک الصالح کا قاصد اُس کا جاسوس تھا۔ وہ الملک الصالح کا اتنا اہم پیغام سلطان ایوبی کے پاس لے آیا۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد نے اپنی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ اس پیغام نے سلطان ایوبی کو اس قدر پریشان کیا کہ کئی گھنٹے اس نے کسی کے ساتھ بات بھی نہ کی۔ خیمے میں اکیلا پڑا رہا۔ البتہ اُسے یہ خوشی ضرور ہوئی کہ اُسے دشمن کے عزائم کا علم ہو گیا۔ اُس نے حکم دیا کہ الجزیرہ، دیار اور بقرے فوراً لوگوں کو بھرتی کیا جائے۔ اُس نے اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف ایک اور خونریز جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ☆ ☆

فہرست

تعارف

"داستان ایمان فروشوں کی" کا چوتھا حصہ پیش کیا جاتا ہے۔

آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ ہماری اُبھرتی ہوئی نسل کا کردار مجروح ہو چکا ہے۔ اس قومی المیہ کے اسباب سے بھی آپ واقف ہوں گے۔ اگر نہیں تو ہم بتاتے ہیں۔ ایک سبب تو یہ ہے کہ بچوں کو اپنے آباؤ اجداد کی روایات سے بے خبر رکھا جا رہا ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ ان کی تاریخ شجاعت کے کارناموں سے بھرپور ہے۔ ان کی نصابی کتابوں میں بھی ان روایات کا ذکر نہیں ملتا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمارے بچے اور نوجوان ایسی کہانیوں کے عادی ہو گئے ہیں جن میں تفریحی اور لذیذ مواد زیادہ ہوتا ہے اور جن میں سنسنی، سسپنس، ہنگامہ آرائی اور جنسیت ہوتی ہے اور جو جذبات میں ہیجل بپا کر دیتی ہیں۔ یہ دراصل انسانی فطرت کا مطالبہ ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے لیکن بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

ہمارے دشمن نے جو یہودی بھی ہے اور ہندو بھی، انسان کی اس فطری ضرورت کو اسلام دشمن مقاصد اور پاکستان دشمن عزائم کی تکمیل کے لیے استعمال کیا ہے۔ یہ جو فحش، عریاں، مار دھاڑ اور جرائم سے بھرپور کہانیاں، رسالے اور فلمیں مقبول ہوئی ہیں، ان کا خالق ہمارا دشمن ہے اور انہیں ہمارے ملک میں پھیلانے کا کام دشمن ہی کر رہا ہے۔ یہ زہریلا ادب ہمارے ہاں اس حد تک مقبول ہو گیا ہے کہ غیر اسلامی نظریات کی حامل کہانیاں بھی پاکستانیوں نے دل و جان سے قبول کر لی ہیں۔ پاکستان کے زر پرست ناشروں، رسالوں کے مالکوں اور قلمکاروں نے دیکھا کہ ان کہانیوں سے تو دولت کمائی جا سکتی ہے، چنانچہ انہوں نے بھی قومی سود و زیاں کو نظر انداز کر کے فحاشی کو ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ ہندو اور یہودی نے اور ہمارے مفاد پرست ناشروں نے ہماری نوجوان نسل کی کردار کشی کے لیے ان اخلاق سوز کہانیوں کو ذریعہ بنا رکھا ہے۔

ہم نے اپنی اُبھرتی ہوئی نسل کے انفرادی اور قومی کردار کے تحفظ اور نشو و نما کے لیے "حکایت" میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے دور کی سچی کہانیوں کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اس سلسلے کے ہم تین حصے کتابی صورت میں پیش کر چکے ہیں۔ چوتھا حصہ پیش خدمت ہے۔ ان کہانیوں میں آپ کو وہ تمام لوازمات ملیں گے جو آپ

کے اور آپ کے بچوں کے فطری مطالبات کی تسکین کریں گے۔ ان میں سنسنی بھی ہے سسپنس بھی اور یہ کہانیاں آپ کو قدم قدم پر چونکائیں گی مگر ان کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ یہ اُس قومی جذبے اور ایمان کو زندہ و بیدار کریں گی جسے ہمارا دشمن فحش اور اخلاق سوز کہانیوں کے ذریعے کمزور بلکہ مُردہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایک جنگ میدان میں لڑی جسے صلیبی جنگوں کا سلسلہ کہا جاتا ہے۔ دوسری جنگ زمین دوز محاذ پر لڑنی پڑی۔ یہ جاسوسوں اور کمانڈو فورس کی جنگ تھی۔ یہ مختلف اوقات کی تفصیلی اور ڈرامائی وارداتیں ہیں، جن میں آپ کو سلطان ایوبی کے اور صلیبیوں کے جاسوسوں، سراغرسانوں، تخریب کاروں، گوریلوں اور کمانڈو عسکریوں کے سنسنی خیز، ولولہ انگیز اور چونکا دینے والے تصادم، زمین دوز تعاقب اور فرار ملیں گے۔

صلیبیوں نے مسلمانوں کے ہاں تخریب کاری، جاسوسی اور کردار کشی کے لیے غیر معمولی طور پر حسین اور چالاک لڑکیاں استعمال کی تھیں، اس لیے یہ عورت اور ایمان کی معرکہ آرائیاں بن گئیں۔

اگر آپ سچے دل سے فحش اور مخرب اخلاق کہانیوں سے اپنے بچوں کو محفوظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں "داستان ایمان فروشوں کی" کے سلسلے کی کہانیاں پڑھنے کو دیں۔

عنایت اللہ

مدیر "حکایت" لاہور

یکم جنوری ۱۹۷۹ء

راہِ حق کے مُسافر

بادشاہ ایک جھونپڑے میں چھپا ہُوا تھا۔ یہ واقعہ اپریل ۱۱۷۵ء اور رمضان المبارک ۵۷۰ھ کا ہے جب تین مسلمان حکمران ـــ نورالدین زنگی کا بیٹا الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین غازی ـــ سلطان صلاح الدین ایوبی کے مقابلے میں آئے تھے۔ ان کی پُشت پناہی صلیبی کر رہے تھے۔ صلیبیوں نے انہیں گھوڑے، اونٹ، آتش گیر سیال کے مٹکے اور دیگر اسلحہ دیا تھا۔ صلیبیوں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ وہ سلطان ایوبی کو میدانِ جنگ میں ہی شکست دیں۔ اصل مقصد شکست دینا اور سرزمینِ عرب پر قبضہ کرکے اسلام کو ختم کرنا تھا۔ فلسطین صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی دو تین کمزوریاں جانپ لی تھیں۔ یہ تھیں اقتدار کی ہوس، زر، زن اور عیش پرستی۔ صلیبی یورپ سے یہ توقع لے کر آئے تھے کہ وہ اپنے برتر اسلحہ، فوجوں کی افراط اور بحری جنگی قوت سے مسلمانوں کو تھوڑے سے عرصے میں ختم کرکے قبلۂ اوّل اور خانہ کعبہ پر قابض ہو جائیں گے اور اسلام کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔

مذہب کوئی درخت نہیں جسے جڑوں سے کاٹ دیا جائے تو سوکھ کر ختم ہو جائے گا۔ مذہب کسی ایک کتاب یا کتابوں کے انبار کا نام نہیں جسے جلا دیا جائے تو مذہب جل کر راکھ ہو جائے گا۔ مذہب، عقائد اور نظریات کا نام ہے جو انسان کے ذہن و دل میں محفوظ ہوتے ہیں اور انسان کو اپنا پابند کیے رکھتے ہیں۔ انسانوں کو قتل کر دینے سے عقائد اور نظریات ختم نہیں ہو جاتے۔ کسی مذہب کو ختم کرنے کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ ذہنوں اور دلوں میں تعیش پسندی اور لذت پرستی ڈال دی جائے۔ عقائد اور نظریات کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگتی ہے اور انسان آزاد ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہودیوں اور صلیبیوں نے مسلمانوں کے لیے یہی جال تیار کیا، سرزمینِ عرب اور مصر میں لا کر بچھایا تو مسلمان امراء اس میں آنے لگے۔ ملتِ اسلامیہ کی یہ بدبختی ہے کہ مسلمان اقتدار اور عورت کی خاطر عقیدے قربان کر دیا کرتا ہے۔

نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کے دور میں یہ میٹھا زہر مسلمان حکمرانوں اور اُمراء کی رگوں میں اُتر چکا تھا اور صلیبی فلسطین پر قابض ہو چکے تھے۔ متعدد مسلمان ریاستیں ایسی تھیں جن پر صلیبیوں کا قبضہ تو نہیں تھا لیکن ریاستوں کے امراء کے دلوں پر انہی کا قبضہ تھا۔ صلیبی اور یہودی، مسلمانوں کی کردار کشی میں اس حد تک کامیاب ہو چکے تھے کہ کسی بھی مسلمان سالار کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ سلطنتِ اسلامیہ کا وفادار ہے۔ زنگی اور ایوبی کے لیے یہ غدار بہت بڑا مسئلہ بن گئے تھے۔ ۱۱۷۵-۷۶ء میں سلطان ایوبی اور فلسطین

کے درمیان کلمہ گو بھائی حائل ہو گئے تھے۔ صلیبی دُور بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ سلطان ایوبی ہر میدان میں صلیبیوں کو شکست پر شکست دیتا چلا آرہا تھا مگر صلیبیوں نے مسلمان امراء کو ہی اُس کے مقابلے میں کھڑا کر دیا۔ اس کا بے حد تکلیف دہ پہلو یہ تھا کہ نورالدین زنگی کا اپنا بیٹا الملک الصالح اسماعیل اُس کی وفات کے بعد سلطان ایوبی کے مخالف کیمپ میں چلا گیا۔

وہ بادشاہ جو اپریل ۱۱۷۵ء میں ایک جھونپڑے میں بیٹھا تھا، الملک الصالح کا اتحادی سیف الدین غازی تھا۔ ان کا تیسرا اتحادی گمشتگین تھا۔ آپ اس معرکے کی تفصیل پڑھ چکے ہیں جس میں سلطان ایوبی نے ان تینوں کی متحدہ فوج کو ایسی شرمناک شکست دی تھی کہ تینوں اپنی اپنی فوج کے مرکز (ہیڈکوارٹر) کے خیمے سازو سامان سمیت چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اُن کے جو جنگی قیدی سلطان ایوبی کی فوج نے پکڑے تھے انہیں مسلمان سمجھ کر رہا کر دیا گیا تھا۔ یہ سلطان ایوبی کی قوم پرستی اور کشادہ ظرفی تھی جو اُسے مہنگی پڑی۔ یہ قیدی واپس گئے تو انہیں فوج میں لے کر چند دنوں میں بکھری ہوئی فوجیں منظم کر لی گئیں۔ یہ تو چند دنوں بعد کی بات ہے۔ میدانِ جنگ سے الملک الصالح، سیف الدین غازی اور گمشتگین کا بھاگنا بڑا عجیب تھا۔ انہیں ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا۔ گمشتگین حران کا قلعہ دار تھا جو بغداد کی خلافت کے تحت تھا لیکن جنگ سے پہلے اُس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ وہ بھاگا تو حران جانے کی بجائے حلب چلا گیا جسے الملک الصالح نے اپنا دارالخلافہ بنا رکھا تھا۔ وہ اس خوف سے حران نہیں گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی تعاقب میں آکر اُسے پکڑ لے گا۔

سیف الدین ایک اور شہر مُوصل اور اس کے مضافات کا حکمران امیر تھا۔ وہ حکمران ہی نہیں سالار بھی تھا۔ میدانِ جنگ کے داؤ پیچ سے واقف تھا، جنگجو تھا مگر اُس نے اپنا ایمان بیچ ڈالا تھا جو مومن کی تلوار بھی ہوتا ہے ڈھال بھی۔ وہ میدانِ جنگ میں بھی حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیوں اور ناچنے والیوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ شراب کے مٹکوں کے علاوہ خوبصورت پرندے بھی اس کے ساتھ تھے۔ وہ عیش و عشرت کا یہ سارا سامان وہیں چھوڑ کر بھاگا تھا۔ اُس کے ساتھ بھاگنے والوں میں اُس کا نائب سالار اور ایک کماندار بھی تھا۔ اُسے مُوصل جانا تھا لیکن سلطان ایوبی کے چھاپہ مار دشمن کے عقب میں چلے گئے تھے۔ انہوں نے دشمن کی بکھری ہوئی فوج کے لیے پسپائی محال کر دی تھی۔

سیف الدین اور اُس کے دونوں ساتھیوں نے شاید چھاپہ ماروں کی کوئی پارٹی دیکھ لی تھی جس سے بچنے کے لیے وہ مُوصل کے راستے سے بھٹک گئے۔ یہ علاقہ اُس دور میں عجیب تھا۔ ریگستان بھی تھا، چٹانی بھی اور کہیں سرسبز بھی۔ وہاں اُنہیں چھپنے کی جگہیں ملتی رہیں۔ وہ مُوصل سے تھوڑی ہی دُور تھے۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ انہیں چاندنی رات میں کچھ مکان نظر آئے۔ سیف الدین نے پہلے ہی مکان کے دروازے پر دستک دی۔ ایک سفید ریش بوڑھا باہر آیا۔ اُس کے سامنے تین گھوڑسوار کھڑے تھے جو اس قدر بُری طرح ہانپ رہے تھے کہ بوڑھے نے پوچھا۔۔۔ "معلوم ہوتا ہے تم بھی مُوصل کی فوج کے سپاہی ہو اور بھاگ کر آئے ہو۔ میں دو دنوں

سے سپاہیوں کو گزرتے دیکھ رہا ہوں۔ وہ پانی پینے کے لیے رُکتے ہیں اور مُوصل کو چلے جاتے ہیں۔"

"یہاں سے موصل کتنی دُور ہے؟" سیف الدین نے پوچھا۔

"اگر تمہارے گھوڑوں میں دم ہے تو سحری تک پہنچ سکتے ہو۔" بوڑھے نے کہا۔۔۔ "یہ گاؤں موصل کا ہی ہے۔"

"اگر تمہارے پاس جگہ ہو تو کیا ہم رات تمہارے ہاں گزار سکتے ہیں؟" سیف الدین نے پوچھا۔

"جگہ دل میں ہوا کرتی ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "گھوڑوں سے اترو اور اندر چلو۔"

☆

ایک کمرے میں وہ تینوں مشعل کی روشنی میں بیٹھے تو بوڑھے نے اُن کے لباس غور سے دیکھے۔

"ہمیں پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟" سیف الدین نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں دیکھتا ہوں کہ تم سپاہی نہیں ہو۔" بوڑھے نے کہا۔ "تمہارا رُتبہ سالاری تک ہو سکتا ہے۔"

"یہ والیٔ موصل سیف الدین غازی ہیں۔" نائب سالار نے کہا۔۔۔ "تم نے کسی معمولی آدمی کو پناہ نہیں دی۔ تمہیں اس کا انعام ملے گا۔ میں نائب سالار ہوں اور یہ کماندار ہیں۔"

"ایک بات غور سے سُن لو میرے بزرگ!" سیف الدین نے کہا۔۔۔ "ہو سکتا ہے ہمیں تمہارے گھر زیادہ دن رُکنا پڑے۔ ہم دن کے وقت باہر نہیں نکلیں گے کسی کو پتہ نہ چلے کہ ہم یہاں ہیں۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو تمہیں سزا ملے گی اور اگر تم نے یہ راز چھپائے رکھا تو انعام ملے گا۔ جو مانگو گے ملے گا۔"

"میں نے والیٔ موصل کو پناہ نہیں دی۔" بوڑھے نے کہا۔۔۔ "آپ بھولے بھٹکے، مصیبت کے مارے میرے ہاں آئے ہیں۔ جتنے دن رہیں گے خدمت کروں گا۔ اگر آپ چھپ کر رہنے کے خواہشمند ہیں تو چھپائے رکھوں گا، اور مجھے آپ کے ساتھ اس لیے بھی دلچسپی ہے کہ میرا بیٹا آپ کی فوج میں سپاہی ہے۔"

"ہم اُسے ترقی دیں گے۔" نائب سالار نے کہا۔

"اگر آپ اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں تو میرے لیے یہ بہت بڑا انعام ہوگا۔" بوڑھے نے کہا۔

"ہاں۔" سیف الدین نے کہا۔۔۔ "ہم اُسے فوج سے سبکدوش کر دیں گے۔ ہر باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا بیٹا زندہ رہے۔"

"میں نے اُس کی زندگی کی آرزو کبھی نہیں کی۔" بوڑھے نے کہا۔۔۔ "میں نے اُسے اپنی قوم کی فوج میں بھیج کر خدا کے سپرد کر دیا تھا۔ میں بھی سپاہی تھا۔ آپ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے جب میں فوج میں بھرتی ہوا تھا۔ اللہ آپ کے والدِ مرحوم قطب الدین کو جنت عطا فرمائے۔ میں اُن کے دور میں سپاہی تھا۔ ہم نے کفار کے خلاف معرکے لڑے ہیں مگر میرے بیٹے کو آپ اپنے بھائیوں کے خلاف لڑانے لے گئے ہیں۔ میں اُس کی شہادت کا آرزو مند تھا موت کا نہیں۔"

"صلاح الدین ایوبی نام کا مسلمان ہے۔" سیف الدین نے کہا۔۔۔ "اس کے خلاف جنگ جائز

ہے بلکہ فرض ہے۔"

"محترم بزرگ!" نائب سالار نے کہا۔ "ان باتوں کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ ہم بہتر جانتے ہیں کہ کون مسلمان اور کون کافر ہے۔"

"میرے بیٹو!" بوڑھے نے کہا۔ "عبرت حاصل کرو۔ میری عمر پچھتر سال ہو گئی ہے۔ میرا باپ نوّے برس کی عمر میں مرا تھا اور اُس کا باپ پچاس برس کی عمر میں میدانِ جنگ میں شہید ہُوا تھا۔ دادا نے اپنے وقتوں کے قصے کہانیاں میرے باپ کو سنائے تھے۔ میرے باپ نے وہ میرے سینے میں ڈال دیئے تھے۔ اس طرح میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ بادشاہی کی ہوس نے جسے بھی بھائی سے لڑایا وہ ایک نہ ایک دن بھاگ کر کسی غریب کے جھونپڑے میں جا چھپا۔ جو تم سے پہلے گزر گئے ہیں اُن کا بھی یہی انجام ہُوا تھا۔ تمہاری تین فوجوں کو صلاح الدین ایوبی کی ایک فوج نے پسپا کیا ہے، اور جس حالت میں پسپا کیا ہے وہ دو دلوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ دس فوجیں ہوتیں تو وہ بھی اسی طرح بھاگتیں۔ جو حق پر ہوتے ہیں وہ فتح حاصل کرتے ہیں اور جب انہیں شکست ہوتی ہے تو وہ بھاگتے نہیں، اُن کی لاشیں میدانِ جنگ سے اٹھائی جاتی ہیں۔ وہ چھپتے نہیں۔"

"تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو۔" سیف الدین نے ایسے لہجے میں کہا جس میں غصّے کی جھلک تھی۔ "ہمیں تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں آپ کا حامی ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں اسلام کا حامی ہوں۔ میں اپنے تجربے کی روشنی میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ نے اپنے بھائیوں کے دشمن کو دوست سمجھا اور یہ نہ سمجھ سکے کہ وہ آپ کے مذہب کا دشمن ہے۔ آپ کی شکست کا سبب یہی ہے۔ آپ مجھ پر بھروسہ کریں۔ اگر صلاح الدین کی فوج یہاں اچانک آ گئی تو میں آپ کو چھپائے رکھوں گا، دھوکہ نہیں دوں گا۔"

اتنے میں ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کھانا لے کر کمرے میں آئی۔ اُس کے پیچھے ایک جوان عورت آئی۔ اُس کے ہاتھ میں بھی کھانا تھا۔ سیف الدین کی نظریں لڑکی پر جم گئیں۔ وہ کھانا رکھ کر چلی گئیں تو سیف الدین نے بوڑھے سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔

"چھوٹی میری بیٹی ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "اور بڑی میری بہو۔ میرے اُس بیٹے کی بیوی جو آپ کی فوج میں ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میری بہو بیوہ ہو گئی ہے۔"

"اگر تمہارا بیٹا مارا گیا ہے تو میں تمہیں بے انداز رقم دوں گا۔" سیف الدین نے کہا۔ "اور اپنی بیٹی کے متعلق تمہیں کوئی فکر نہیں کرنا چاہیے۔ یہ کسی جھونپڑے میں کسی سپاہی کی دلہن بن کر نہیں جائے گی۔ ہم نے اسے اپنی زوجیت کے لیے پسند کر لیا ہے۔"

"میں نے نہ اپنا بیٹا بیچا ہے نہ بیٹی کو بیچوں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "جھونپڑے میں پل کر جوان ہونے والی بیٹی کسی سپاہی کے جھونپڑے میں ہی اچھی لگتی ہے۔ میں آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ مجھے

لالچ نہ دیں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ میزبانی کا ہر فرض ادا کروں گا۔"

"تم سو جاؤ۔" سیف الدین نے بوڑھے سے کہا۔ "ہمیں تم پر بھروسہ ہے اور خوشی ہے کہ ہماری ریاست میں تم جیسے صاف گو اور با اصول بزرگ موجود ہیں۔"

بوڑھا چلا گیا تو سیف الدین نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اس قسم کے انسان دھوکہ نہیں دیا کرتے.... تم نے اس کی بیٹی کو غور سے دیکھا تھا؟"

"اچھا موتی ہے۔" نائب سالار نے کہا۔

"حالات ذرا بہتر ہو لیں تو یہ موتی اپنی جھولی میں ہو گا۔" سیف الدین نے مسکرا کر کہا، پھر چونک کر اپنے نائب سالار سے کہنے لگا۔ "تم مُوصل کی خبر لو۔ فوج کو یکجا کرو۔ صلاح الدین ایوبی کی سرگرمیاں بھانپو اور مجھے بہت جلدی بتاؤ کہ میں مُوصل آ جاؤں یا کچھ دیر رُکا رہوں.... اور تم...." اُس نے کماندار سے کہا۔ "حلب والوں کو بتا دو کہ میں کہاں ہوں۔ خود جاؤ یا کسی کو بھیجو۔"

دونوں روانہ ہو گئے۔ سیف الدین جو شراب میں بدمست ہو کر حسین سے حسین تر لڑکیوں سے دل بہلا کر محل میں سونے کا عادی تھا ایک کچے سے مکان کے فرش پر سو گیا۔

☆

اس سے ایک روز پہلے کا واقعہ ہے کہ میدانِ جنگ سے ایک سپاہی بھاگا ہُوا مُوصل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا تھا، رُکتا تھا اور آہستہ آہستہ چلانے لگتا تھا۔ کبھی گھوڑا روک کر گھبراہٹ کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھتا تھا۔ وہ عام راستے سے کچھ ہٹ کر جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اُس پر خوف طاری ہے اور اُس کا ذہن اُس کے قابو میں نہیں۔ ایک جگہ اُس نے گھوڑا روکا، اُترا اور قبلہ رُو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو زار و قطار رو پڑا۔ وہاں سے وہ اُٹھا نہیں۔ سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔

یہ فوجیں جب سلطان ایوبی سے شکست کھا کر بکھری اور پسپا ہوئی تھیں، سلطان ایوبی کے کئی ایک جاسوس اُن میں شامل ہو گئے تھے۔ یہ سلطان ایوبی کی انٹیلی جنس کا طریقہ تھا کہ دشمن جب پسپا ہوتا تھا تو کچھ جاسوس بھاگے ہوئے سپاہیوں یا جنگ کی زد میں آئے ہوئے گاؤں کے مہاجرین کے بہروپ میں دشمن کے علاقے میں چلے جاتے اور دشمن کی تنظیمِ نو، عزائم اور دیگر کوائف دیکھ کر اطلاعیں فراہم کرتے تھے۔ دمشق سے جب الملک الصالح اپنی فوج کے ساتھ بھاگا تھا تو بھی جاسوسوں کی خاصی تعداد فوج اور بھاگے ہوئے شہریوں کے ساتھ چلی گئی تھی۔ جیسا کہ پہلے وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی آدھی جنگ جاسوسی کے نظام سے جیت لیا کرتا تھا۔ جاسوسی کے لیے جن آدمیوں کو منتخب کیا جاتا وہ غیر معمولی طور پر ذہین، ٹھنڈے مزاج والے، فیصلے کی اہلیت اور خود اعتمادی رکھنے والے، لڑاکے اور پھرتیلے ہوتے تھے۔

اپریل ۱۱۷۵ء میں سلطان ایوبی نے اپنے مسلمان دشمنوں کی متحدہ فوج کو شکست دی تو اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ، حسن بن عبداللہ، نے اُن جاسوسوں کو جو اس کام کے لیے تربیت یافتہ تھے، دشمن کی بکھری ہوئی

فوج میں شامل ہو کر حلب، موصل اور حران تک جانے اور دشمن کے آئندہ عزائم معلوم کرنے کو بھیج دیا۔ اُن میں بعض دشمن کی فوج کے پاس ہی تھے اور بعض دیہاتی بہروپ میں۔ اُن کا جانا بہت ہی ضروری تھا کیونکہ یہ خطرہ بہر طور موجود تھا کہ دشمن تنظیمِ نو (ری گروپنگ) کر کے جوابی حملہ کرے گا۔ سلطان ایوبی نے دشمن کو جو نقصان پہنچایا تھا اس سے اُسے اندازہ تھا کہ دشمن ری گروپنگ میں خاصے دن صرف کرے گا۔ دشمن کی تین فوجیں تھیں۔ سلطان ایوبی کو یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے تینوں دشمن دلی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ نہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو شکست دے کر سلطنتِ اسلامیہ کا مختارِ کُل اور شہنشاہ بن جائے۔ وہ ایک دوسرے کے بھی خلاف تھے مگر فی الحال صورت یہ تھی کہ وہ سلطان ایوبی کو اپنا مشترک دشمن سمجھتے تھے۔ اِس لیے یہ امکان موجود تھا کہ وہ تینوں فوجوں کو ایک فوج کی صورت میں منظم کریں گے اور جوابی حملہ کریں گے۔

سلطان ایوبی یہ بھی جانتا تھا کہ عیاشیوں کے دلدادہ میدانِ جنگ میں نہیں ٹھہر سکتے لیکن اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُس کے دشمنوں کو صلیبیوں کی مدد اور پُشت پناہی حاصل ہے اور اُن کے پاس صلیبی مشیر بھی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ مسلمان سالاروں میں دو تین ایسے تھے جو قیادت کی اہلیت رکھتے تھے۔ اِن میں مظفرالدین ابنِ زین الدین خاص طور پر قابلِ ذکر تھا۔ وہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا، اِس لیے سلطان ایوبی کے داؤ پیچ کو خوب سمجھتا تھا۔ صلیبی مشیروں اور مظفرالدین جیسے سالاروں نے سلطان ایوبی کو بہت چوکس کر دیا تھا۔

اُسے جو عنصر زیادہ پریشان کر رہا تھا وہ اُس کی اپنی فوج کی کیفیت تھی جو تسلی بخش کہلائی جا سکتی تھی لیکن یہ خطرہ تھا کہ فوری طور پر دوسری جنگ نہیں لڑ سکے گی۔ جانی نقصان کم نہ تھا۔ دشمن کو شکست تو دے دی گئی تھی مگر کچھ قیمت بھی دینی پڑی تھی جو تھوڑی نہیں تھی۔ سلطان ایوبی کے لیے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ وہ اپنے مستقر سے دُور تھا۔ رسد اس کے ساتھ تھی لیکن طویل جنگ کی صورت میں رسد کی کیفیت مخدوش ہو سکتی تھی۔ اُس نے قریبی آبادیوں سے بھرتی شروع کرا دی تھی۔ لوگ بھرتی ہو رہے تھے۔ اِن میں زیادہ تر تیغ زنی، تیر اندازی اور گھوڑ سواری سے واقف تھے لیکن فوج کی صورت میں لڑانے کے لیے ٹریننگ کی ضرورت تھی۔ ٹریننگ شروع کر دی گئی تھی اور اُس کے ساتھ ہی سلطان ایوبی نے پیش قدمی جاری رکھی تا کہ کام کے علاقوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ اُسے بعض مقامات مزاحمت کے بغیر مل گئے اور وہ ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں دُور دُور تک سبزہ ہی سبزہ تھا اور پانی کی افراط تھی۔ فوج اور جانور تھک کر چُور ہو چکے تھے۔ جانوروں کی یہ حالت تھی کہ اتنا زیادہ سبزہ اور پانی دیکھ کر وہ بھول ہی گئے کہ اُن کا استعمال اور فرائض کیا ہیں۔

سلطان ایوبی نے وہیں خیمہ زن ہونے کا حکم دے دیا۔ دیکھ بھال کے دستے موزوں جگہوں پر بھیج دیئے۔ جاسوس پہلے ہی چلے گئے تھے۔ اُسے حکم دینے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ یہ نظام ایک مشین کی طرح از خود چلتا تھا۔ یہ مقام جہاں سلطان ایوبی نے قیام کیا تھا ترکمان کے نام سے مشہور تھی۔ اس کا پورا نام حباب الترکمان (ترکمان کا کنواں) تھا۔

"بھرتی اور تیز کر دو۔" سلطان ایوبی نے اپنی مرکزی کمان کی پہلی کانفرنس میں کہا۔۔۔ "اجتماعی طور

پر لڑنے کی تربیت اور زیادہ تیز کر دو۔ خدا نے تم پر کرم کیا ہے کہ تمہیں بڑا ہی احمق دشمن دیا ہے۔ اگر ان لوگوں میں کچھ سوجھ بوجھ ہوتی تو وہ پسپا ہو کر اس جگہ اکٹھے ہو جاتے۔ جنگی جانوروں اور سپاہیوں کے لیے یہ مقام جنت سے کم نہیں۔ یہاں تمہارے جانور اتنا چارہ کھائیں گے کہ دس روز بغیر چارے کے رہ سکیں گے..... میرے دوستو! دشمن کو حقیر نہ سمجھنا۔ فوج کو آرام دو لیکن تیاری کی حالت میں رہنا۔ طبیبوں سے کہو کہ راتوں کو نہ سوئیں۔ زخمیوں کو بہت جلد صحت یاب کریں اور جاسوسوں کو دن رات نگرانی میں رکھیں..... اور یاد رکھو، ہمارا مقصد اپنے بھائیوں کو قتل کرنا یا انہیں بُرا بھلا کہنا اور دھتکارنا نہیں۔ ہماری منزل فلسطین ہے۔ اگر آپس میں دست و گریبان ہوتے رہے تو صلیبی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ نظر فلسطین پر رکھو اور راستے میں جو رکاوٹ آئے اسے روندتے چلے جاؤ۔"

اسی مقام پر سلطان صلاح الدین ایوبی کو الملک الصالح کی طرف سے صلح کا پیغام ملا تھا جس کا تفصیلی تذکرہ پچھلی قسط میں کیا گیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اپنی شرائط پر صلح نامہ قبول کر لیا تھا۔ اس سے اُسے یہ اطمینان ہو گیا تھا کہ اُس کے دشمن نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ سلطان ایوبی نے یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اپنے بھائیوں کو دشمن نہیں سمجھتا عالی ظرفی کا یہ مظاہرہ کیا تھا کہ اُس نے دشمن کے جو جنگی قیدی پکڑے تھے، انہیں مختصر سا عطیہ دے کر رہا کر دیا تھا۔ الملک الصالح کے صلح نامے پر اپنی مہر ثبت کرنے سے پہلے بھی اُس نے کوئی کڑی شرط نہ رکھی کیونکہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کو ذہن نشین کرانا چاہتا تھا کہ تمہارا دشمن میں نہیں ہوں، صلیبی ہیں۔

اس پیغام نے اُسے جو اطمینان دیا تھا، وہ تین چار دنوں سے زیادہ نہ رہا کیوں کہ اُسے الملک الصالح کا ایک اور پیغام ملا۔ اُس نے کھول کر دیکھا تو یہ اُس کے نام نہیں بلکہ سیف الدین غازی کے نام تھا جو غلطی سے قاصد سلطان ایوبی کے پاس لے آیا تھا (پچھلی قسط میں اس پیغام کا بھی تفصیلی ذکر کیا گیا ہے) اس پیغام سے یہ ظاہر ہوا کہ سیف الدین غازی (سلطان ایوبی کے دشمن نمبر دو) نے الملک الصالح کو لکھا تھا کہ اُس نے سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر کے غلطی کی ہے اور اپنے اتحادیوں کو دھوکہ دیا ہے۔ سیف الدین کے اُس پیغام کے جواب میں الملک الصالح نے اُسے لکھا تھا کہ تم لوگ بے فکر رہو۔ میں نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا دھوکہ دیا ہے تا کہ وہ اس حالت میں ہم پر نہ آ دھمکے جب کہ ہماری فوجیں فوری طور پر مقابلے کے لیے تیار نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ صلاح الدین کی نظر حلب پر ہے۔ اُس کی فوج بھی ابھی حملے کے لیے تیار نہیں۔ میں نے وقت حاصل کرنے کے لیے اُسے صلح کا جھانسہ دیا ہے۔ تم لوگ اپنی اپنی فوج کو منظم کرو۔ صلیبی مشیر میری فوج کو تیزی سے منظم اور تیار کر رہے ہیں۔ تم مجھ سے اتفاق کرو گے کہ ہم ابھی لڑنے کے قابل نہیں۔

اس سے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ الملک الصالح نورالدین زنگی کا بیٹا تھا جس کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔ نورالدین زنگی فوت ہو گیا تو انتظامیہ اور فوج کے مفاد پرست حکامِ بالا نے الملک الصالح کو نورالدین زنگی کا جانشین بنا کر اُسے سلطان کا خطاب دے دیا پھر اُسے اپنے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا لیا۔ سلطنتِ اسلامیہ بکھرنے لگی۔ سلطان ایوبی مصر سے دمشق گیا۔ الملک الصالح اور اس کے حواری دمشق کی فوج کے کچھ حصے کے ساتھ بھاگ

کر حلب چلے گئے اور اس شہر کو دارالسلطنت بنا لیا۔ الملک الصالح کو حواری استعمال کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی کو صلح کا دھوکہ انہی لوگوں نے صلیبی مشیروں کے مشورے سے دیا تھا مگر پیغام سیف الدین کے پاس جانے کی بجائے سلطان ایوبی کے ہاتھ آ گیا۔ یہ اس دور کی تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قاصد یہ پیغام غلطی سے سلطان ایوبی کے پاس لے گیا تھا لیکن مسلمان مؤرخین نے جن میں سراج الدین قابلِ ذکر ہے، وثوق سے لکھا ہے کہ قاصد سلطان صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا۔

سلطان ایوبی کو اس پیغام نے پریشان کر دیا لیکن اس نے پریشانی سے متاثر ہو کر فوری طور پر کوچ اور حملے کا حکم نہ دیا۔ دشمن کی طرح اسے بھی اپنی فوج کی کیفیت کو بہتر بنانے کی ضرورت تھی۔ اس کے پیشِ نظر سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ اس کا دشمن اپنے مستقر کے قریب تھا اور وہ خود مستقر سے بہت دور۔ رسد کا راستہ طویل اور غیر محفوظ ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اندھا دھند پیش قدمی کا قائل نہیں تھا۔ جاسوسوں کی مستند رپورٹوں کے بغیر وہ آگے نہیں بڑھتا تھا۔ اس کی بجائے وہ دشمن کو آگے آنے کی مہلت دیتا تھا چنانچہ اس نے حسن بن عبداللہ سے کہا کہ وہ کچھ اور جاسوس دشمن کے علاقے میں بھیج دے جو بہت جلدی معلومات حاصل کر کے بھیجیں۔ اس کے علاوہ اس نے کچھ اور ضروری انتظامات کیے۔ اس نے اپنی مرکزی کمان سے کہا کہ وہ حملہ نہیں کرے گا بلکہ دشمن کو حملے کی مہلت دے گا تاکہ وہ اپنے اڈے سے دور نکل آئے۔ ان ہدایات کے بعد وہ دور دور کی زمین کا جائزہ لینے لگا جہاں اسے دشمن کو لڑانا تھا۔

☆

ذکر اس سپاہی کا ہو رہا تھا جو میدانِ جنگ سے بھاگ کر موصل کی سمت جا رہا تھا۔ وہ موصل یعنی سیف الدین غازی کی فوج کا سپاہی تھا۔ اس فوج کا بہت سارا حصہ تو اجتماعی طور پر پسپا ہوا تھا جو سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تھے وہ بکھر کر اکیلے اکیلے بھاگے تھے۔ یہ سپاہی اکیلے بھاگنے والوں میں سے تھا۔ وہ پریشانی کے عالم میں تھا۔ اس نے ایک جگہ گھوڑا روکا، نماز پڑھی اور دعا کرتے رو پڑا۔ پھر وہ اٹھا نہیں، سر ہاتھوں میں لے کر بیٹھا رہا۔ ایک گھوڑ سوار اس کے قریب جا رکا۔ سپاہی عالمِ خیال میں ایسا محو تھا کہ گھوڑے کے قدموں کی آہٹ بھی اسے بیدار نہ کر سکی۔ سوار گھوڑے سے اترا اور سپاہی کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ تب اس نے پلک کر اوپر دیکھا۔

"یہ تو میں بتا سکتا ہوں کہ تم میدانِ جنگ سے پسپا ہو کر آئے ہو" سوار نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اس طرح کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟ اگر زخمی ہو تو میں کچھ مدد کروں؟"

"میرے جسم پر کوئی زخم نہیں" سپاہی نے جواب دیا اور دل پہ ہاتھ رکھ کر کہا ـــ "میرے دل میں گہرا زخم آیا ہے۔"

یہ گھوڑ سوار جو اس کے پاس آ بیٹھا تھا، سلطان ایوبی کے ان جاسوسوں میں سے تھا جنہیں دشمن کی پسپائی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دشمن کے علاقوں میں جانے کو بھیجا گیا تھا۔ اس کا نام داؤد تھا۔ ٹریننگ کے مطابق وہ اس سپاہی کا غور سے جائزہ لے رہا تھا۔ اسے وہ استعمال کر سکتا تھا۔ اپنی ذہانت سے وہ سمجھ گیا

کہ یہ سپاہی جذباتی لحاظ سے اکھڑا ہوا ہے اور یہ شکست کی دہشت کا اثر ہے۔ اس نے سپاہی کے ساتھ ایسی باتیں کیں کہ سپاہی کے دل میں جو غبار تھا وہ باہر آ گیا۔

"سپاہ گری میرا خاندانی پیشہ ہے" سپاہی نے کہا ـــ "میرا باپ سپاہی تھا۔ دادا بھی سپاہی تھا۔ سپاہ گری ہمارا ذریعۂ معاش بھی ہے اور ہماری روح کی غذا بھی۔ میں اللہ کا سپاہی ہوں۔ اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے لڑتا ہوں۔ مجھے معلوم تھا کہ صلیبی ہمارے مذہب کے بدترین دشمن ہیں، اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ہمارا قبلۂ اوّل صلیبیوں کے قبضے میں ہے۔ میرے باپ نے مجھے دوستی اور دشمنی کی تاریخ زبانی سنائی تھی۔ میں اسلامی جذبے سے فوج میں شامل ہوا تھا۔ تھوڑا عرصہ گزرا ہمیں بتایا جانے لگا کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کا دوست ہے اور بدکار آدمی ہے۔ اس سے پہلے ہم سنتے تھے کہ صلاح الدین ایوبی صلیبیوں کے خلاف لڑ رہا ہے اور صلیبی اس سے ڈرتے ہیں اور وہ صلیبیوں سے قبلۂ اوّل آزاد کرائے گا۔ ہماری فوج کے امام نے بھی ہمیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف بہت بُری بُری باتیں بتائیں ....

"ہم اپنی ریاست کے والی سیف الدین غازی کو سچا سمجھتے رہے۔ ایک روز ہماری فوج کو کوچ کا حکم ملا۔ ہم ادھر آئے تو جنگ ہوئی۔ جنگ کے دوران ہمیں پتہ چلا کہ ہم مسلمان فوج کے خلاف لڑ رہے ہیں۔ یہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی۔ اس فوج کے سپاہی نعرے لگا رہے تھے ’حق کے خلاف نہ لڑو مسلمانو۔ تمہارے دشمن صلیبی ہیں، ہم نہیں۔ ہمارا ساتھ دو۔ قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ۔ عیاش حکمرانوں کے لیے نہ لڑو‘ میں نے اس فوج کے جھنڈے دیکھے جن پر کلمۂ طیبہ لکھا ہوا تھا.... میرے دوست! میں نے ان سپاہیوں کو جس طرح لڑتے دیکھا اس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اللہ ان کے ساتھ ہے ہمارے ساتھ نہیں۔ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ تیر کدھر سے آ رہے ہیں اور شعلے کہاں سے اٹھ رہے ہیں....

"ایک جگہ چٹان پھٹی ہوئی تھی۔ میرے دل پر موت کا نہیں خدا کا خوف ایسا طاری ہوا کہ میرے بازوؤں میں طاقت نہ رہی کہ تلوار کا وزن اٹھا سکتے۔ گھوڑے کی باگیں کھینچنے کی ہمت نہ رہی۔ میں نے گھوڑا پھٹی ہوئی چٹان کے اندر کر لیا۔ میں بزدل نہیں ہوں مگر میرا سارا جسم کانپ رہا تھا۔ باہر تلواریں ٹکرا رہی تھیں، گھوڑوں کا شور تھا اور مجھے نعرے سنائی دے رہے تھے ـــ ’رمضان شریف میں بھائیوں کے خلاف نہ لڑو‘ ـــ مجھے یاد آیا کہ ہمیں حکم ملا تھا کہ جنگ میں روزے معاف ہوتے ہیں۔ مجھے پتہ چلا کہ صلاح الدین ایوبی کے سپاہی روزے سے تھے۔ میں اس وقت تک ان میں سے تین سپاہیوں کو قتل کر چکا تھا۔ ان کا خون میری تلوار پر جم گیا تھا۔ سپاہی اپنی تلوار پر خون دیکھ کر خوش ہوا کرتا ہے مگر میں اپنی تلوار کو دیکھنے سے گھبرا رہا تھا کیونکہ میری تلوار کے ساتھ میرے بھائیوں کا خون تھا....

"مجھ میں اب وہاں سے باہر نکلنے اور لڑنے کی ہمت نہیں تھی۔ میں وہیں دبکا رہا۔ صلاح الدین ایوبی کے ایک سوار نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے للکارا۔ اس نے برچھی مجھ پر سیدھی کی۔ میں نے خون آلود تلوار اس کے گھوڑے کے قدموں میں پھینک دی اور کہا ـــ ’میں تمہارا مسلمان بھائی ہوں، نہیں لڑوں گا‘ ـــ گھمسان کی جنگ کچھ دور تھی۔ یہ سوار شاید چھاپہ مار تھا اور چھپے ہوئے سپاہیوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ آگے آ گیا اور مجھ سے پوچھا ـــ "تمہیں

احساس ہو گیا ہے کہ تم خدا کے سچے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے ہو؟' میں نے اپنے گناہ کا اقرار کیا اور کہا کہ یہ گناہ مجھ سے کرایا گیا ہے۔ مجھے گمراہ کیا گیا ہے۔ اُس نے مجھ سے برچھی لے لی۔ تلوار تو میں پہلے ہی پھینک چکا تھا۔ اُس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا — 'خدا سے اپنے گناہ کی بخشش مانگو اور اُدھر کو نکل جاؤ۔ پیچھے نہ دیکھنا۔ میں اللہ کے حکم سے تمہاری جان بخشی کرتا ہوں'....

"میری آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ میدانِ جنگ میں دشمن جان بخشی نہیں کیا کرتا۔ میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جو راستہ اُس نے بتایا تھا گھوڑا اُس پر ڈال دیا۔ وہ محفوظ راستہ تھا۔ میں میدانِ جنگ سے دُور نکل آیا۔ رات کو میں ایک جگہ رُکا اور سو گیا۔ خواب میں مجھے وہ تین سپاہی نظر آئے جنہیں میں نے جنگ میں قتل کیا تھا۔ اُن کے جسموں سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ میرے اردگرد آہستہ آہستہ گھوم رہے تھے۔ اُن کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ وہ مجھے کچھ نہیں کہہ رہے تھے۔ خاموش تھے۔ میرے دل پر ایسا خوف طاری ہو رہا تھا جس سے جسم سے جان نکلتی جا رہی تھی۔ میں نے بچوں کی طرح چیخنا شروع کر دیا اور میری آنکھ کھل گئی۔ اتنی ٹھنڈی رات میں بھی میرے جسم سے پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ خوف سے میں مرا جا رہا تھا۔ میں نفل پڑھنے لگا اور روتا رہا....

"میں تین چار دنوں سے بھٹک رہا ہوں۔ رات کو میں سو نہیں سکتا۔ دن کو کہیں چین نہیں آتا۔ رات کو خواب میں اُن تین سپاہیوں کو دیکھتا ہوں جو میری تلوار سے قتل ہوئے ہیں اور دن کے وقت اِن ویرانوں میں وہ مجھے اپنے اردگرد گھومتے محسوس ہوتے ہیں، نظر نہیں آتے۔ اگر وہ سوار جس نے مجھے چٹان میں چھپا ہُوا دیکھ لیا تھا مجھے قتل کر دیتا تو اچھا ہوتا۔ اُس نے میری جان بخشی کر کے مجھ پر بہت بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر میرے پاس تلوار ہوتی تو میں اپنے آپ کو ختم کر لیتا۔ میں نے اپنے رسول صلعم کے تین مجاہدوں کو قتل کیا ہے۔"

"تم زندہ رہو گے۔" داؤد نے اُسے کہا۔ "یہ خدا کی رضا ہے کہ تم مرے نہیں۔ میدانِ جنگ سے تم زندہ نکل آئے ہو۔ تمہارے پاس خودکشی کرنے کے لیے کوئی ہتھیار نہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے تم سے کوئی نیکی کا کام کرانے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ خدا نے تمہیں موقع دیا ہے کہ گناہ کا کفارہ ادا کر دو۔"

"تم مجھے یہ بتاؤ کہ صلاح الدّین ایوبی کے متعلق مجھے جو بُری بُری باتیں بتائی گئی تھیں وہ سچی ہیں یا جھوٹی؟"

"بالکل جھوٹی۔" داؤد نے جواب دیا۔ "بات صرف یہ ہے کہ صلاح الدّین ایوبی صلیبیوں کو یہاں سے نکال کر خدا کی حکمرانی قائم کرنا چاہتا ہے اور سیف الدّین اور اُس کے دوست اپنی اپنی بادشاہی کے خواہشمند ہیں۔ انہوں نے صلیب کے پجاریوں کے ساتھ گہری دوستی کر لی ہے اور اُن کی مدد سے یہ سب صلاح الدّین ایوبی کے خلاف لڑنے آئے تھے۔" داؤد نے اُسے پوری تفصیل سے بتایا کہ صلاح الدّین ایوبی کیا ہے اور کیا ارادے رکھتا ہے۔ موصل کے حکمران سیف الدّین کے متعلق اُسے بتایا کہ وہ اتنا عیاش ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی عیاشی کا سامان ساتھ لے گیا تھا۔

"مجھے یہ بتاؤ کہ میں صلاح الدّین ایوبی کے ان تین سپاہیوں کے خون کا خراج کس طرح ادا کر سکتا ہوں؟" سپاہی نے داؤد سے پوچھا۔ "اگر یہ بوجھ میرے دل سے نہ اُترا تو میں بہت بُری موت مروں گا۔ اگر مجھے کہو تو میں والیٔ

موصل سیف الدّین کو قتل کر دوں۔"

"ایسی بھی کوئی ضرورت نہیں۔" داؤد نے کہا۔ "تم پسند کرو گے کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟"

"تم کون ہو؟" سپاہی نے پوچھا۔ "میں نے یہ تو تم سے پوچھا ہی نہیں کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو، کہاں جا رہے ہو؟.... میرا نام حارث ہے۔"

"میں موصل جا رہا ہوں۔" داؤد نے جھوٹ بولا۔ "وہیں کا رہنے والا ہوں۔ جنگ کی وجہ سے میں راستے سے دُور جا رہا ہوں۔ اگر تمہارا گاؤں راستے میں پڑتا ہے تو وہاں رُکوں گا۔"

"میرا گاؤں دُور نہیں۔" سپاہی حارث نے کہا۔ "تم میرے گھر نہیں رُکو گے تو زبردستی روکوں گا۔ تم نے میری زخمی رُوح کو سکون دیا ہے۔ میں نے اتنی اچھی باتیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ میں گھر ہی جاؤں گا۔ موصل کی فوج میں اب کبھی نہیں جاؤں گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تم مجھے نجات کا راستہ دکھا سکو گے۔"

☆

والیٔ موصل سیف الدّین غازی بوڑھے کے کچے سے مکان میں فرش پر گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ وہ کئی راتیں جاگا تھا۔ آج رات وہ اتنی گہری نیند سویا کہ مکان کے باہر والے دروازے پر دستک ہُوئی تو اُس کی آنکھ نہ کھلی۔ رات آدھی گزر گئی تھی۔ سفید ریش بوڑھے کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کی بیٹی اور بہو بھی جاگ اُٹھیں۔ بوڑھے نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا — "معلوم ہوتا ہے صلاح الدّین ایوبی کا بھگایا ہُوا موصل کا کوئی اور کمانڈر یا سپاہی آیا ہے۔ راستے میں گھر نہیں ہونا چاہیے۔"

اُس نے دروازہ کھولا تو باہر دو گھوڑے کھڑے تھے۔ سوار اُتر آئے تھے۔ حارث نے سلام کیا تو بوڑھا اُس کے ساتھ لپٹ گیا مگر اُس نے محبت کی بیتابی کا اظہار الفاظ میں نہ کیا۔ بولا۔ "میرے عزیز بیٹے! مجھے خوشی ہے کہ حرام موت سے بچ آئے ہو، ورنہ جب تک میں زندہ رہتا لوگوں سے یہی سنتا رہتا کہ تمہارا بیٹا اسلامی فوج کے خلاف لڑا تھا۔" اُس نے اپنے بیٹے کے ساتھی داؤد کے ساتھ ہاتھ ملایا۔

داؤد کچھ کہنے لگا تھا۔ بوڑھے نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ دی پھر سرگوشی میں کہا — "تمہارا بادشاہ اور سالارِ اعلیٰ سیف الدّین غازی اندر سویا ہُوا ہے۔ گھوڑے خاموشی سے دوسری طرف لے جا کر باندھ دو اور اندر آ جاؤ۔"

"سیف الدّین غازی؟" حارث نے حیرت سے کہا۔ "یہاں کیسے آ گیا ہے؟"

"شکست کھا کر۔" بوڑھے نے سرگوشیوں میں جواب دیا۔ "اندر چلو۔"

گھوڑے دوسری طرف لے جا کر باندھ دیئے گئے۔ داؤد اور حارث کو بوڑھا اندر لے گیا۔ حارث ہی اُس کا وہ سپاہی بیٹا تھا جس کے متعلق اُس نے سیف الدّین کو بتایا تھا۔ حارث داؤد کو اُسی کمرے میں لے گیا جہاں اُس کی بیوی اور جوان بہن تھی۔ اُس نے باپ سے کہا — "اس کا نام داؤد ہے۔ اس سے بہتر اور کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔"

"کیا تم بھی بھاگ کر آئے ہو؟" بوڑھے نے داؤد سے پوچھا۔

ہٹا دیا تھا

"میں فوجی نہیں ہوں۔" داؤد نے جواب دیا ـــ "موصل جا رہا ہوں۔ جنگ نے مجھے راستے سے ہٹا دیا تھا۔ حارث مل گیا تو میں اس کے ساتھ چل پڑا۔"

"مجھے یہ بتاؤ کہ والیٔ موصل ہمارے گھر میں کیسے آیا ہے؟" حارث نے اپنے باپ سے پوچھا۔

سفید ریش باپ نے اُسے بتایا کہ وہ کس طرح آیا ہے۔ "آج ہی رات آیا ہے۔" اُس نے کہا ـــ "اُس کے ساتھ ایک نائب سالار اور کماندار تھا۔ ان دونوں کو اُس نے کہیں بھیج دیا ہے۔ میرے کانوں میں اُس کے یہ الفاظ پڑے تھے کہ فوج کو یکجا کرو اور مجھے بتاؤ کہ میں موصل آجاؤں یا ابھی چھپا رہوں..... میں اُس وقت دروازے کے قریب تھا۔"

"کیا آپ نے اُس کی باتوں سے محسوس کیا ہے کہ یہ موصل کی فوج کو یکجا کر کے فوری طور پر لڑنا چاہتا ہے؟" داؤد نے پوچھا۔

"ابھی تو وہ اتنا ڈرا ہوا ہے کہ مجھے کہتا تھا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دوں کہ یہ یہاں ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا ـــ "میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس کا ارادہ صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑنے کا ضرور ہے۔ اپنے کماندار کو اُس نے موصل کی بجائے کسی اور طرف بھیجا ہے۔"

"میں اسے قتل کروں گا۔" حارث نے کہا ـــ "اس نے مسلمان کو مسلمان کے خلاف لڑایا ہے۔ اللہ اکبر کے نعرے لگانے والوں نے ایک دوسرے کا خون بہایا ہے۔ مجھے پاگل کیا ہے۔" وہ غصے سے بے قابو ہو کر اُٹھا۔ دیوار کے ساتھ اُس کے باپ کی تلوار لٹک رہی تھی۔ وہ لے لی۔

باپ نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ داؤد نے اُس کا بازو پکڑ لیا۔ حارث بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ باپ نے اُسے کہا کہ پہلے میری بات سُن لو۔ داؤد نے بھی اُسے روکا اور کہا کہ ایسے فیصلے کرنے سے پہلے سوچ لینا اچھا ہوتا ہے۔ ہم اسے قتل کر کے ہی چین کا سانس لیں گے لیکن پہلے آپس میں صلاح مشورہ کر لیں۔ حارث مان تو گیا لیکن پھنکار رہا تھا۔ غصے کی شدت سے اُس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔

"اسے قتل کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔" بوڑھے نے اپنے بپھرے ہوئے بیٹے کو بٹھا کر کہا ـــ "وہ گہری نیند سویا ہوا ہے۔ اسے تو میرے یہ ناتواں بازو بھی قتل کر سکتے ہیں۔ اس کی لاش کو چھپایا بھی جا سکتا ہے مگر اس کے جو دو ساتھی چلے گئے ہیں وہ ہمیں چھوڑیں گے نہیں۔ وہ ہمیں شک میں پکڑ لیں گے۔ تمہاری جوان بیوی اور جوان بہن کے ساتھ بہت بُرا سلوک کریں گے۔ اگر ہم انہیں بتائیں گے کہ والیٔ موصل چلا گیا ہے تو وہ نہیں مانیں گے کیونکہ اس نے انہیں کہا ہے کہ وہ یہیں واپس آئیں۔"

"معلوم ہوتا ہے آپ سیف الدین کو سچا سمجھتے ہیں۔" حارث نے کہا ـــ "آپ مسلمان کے خلاف مسلمان کی لڑائی کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔"

"یہ بھی ایک وجہ ہے کہ میں اسے اپنے گھر میں قتل نہیں کرنا چاہتا۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں نے اسے صاف الفاظ میں بتا دیا ہے کہ میں اسے سچا نہیں سمجھتا۔ اس نے مجھے کہا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی معلوم ہوتے ہو۔ اس نے مجھے یہ لالچ بھی دیا ہے کہ اگر تمہارا بیٹا جنگ میں مارا گیا تو اس کے عوض بہت رقم دوں گا۔ میں نے اسے کہا ہے کہ میں اپنے بیٹے کی شہادت کا خواہشمند ہوں، حرام موت یا رقم کا نہیں۔ سیف الدین میرے خیالات جان گیا ہے۔ اگر ہم نے اسے قتل کر کے لاش غائب کر دی تو اس کا نائب سالار فوراً مجھے پکڑے گا اور کہے گا کہ تم صلاح الدین ایوبی کے حامی ہو اس لیے تم نے والیٔ موصل کو قتل کر دیا ہے۔"

"داؤد بھائی!" حارث نے داؤد سے پوچھا ـــ "تم بتاؤ میں کیا کروں۔ تم نے میری جذباتی حالت دیکھی تھی۔ تم سے کہا تھا کہ خدا نے مجھے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کے لیے زندہ رکھا ہے۔ اس سے بڑھ کر نیکی کا اور کام کیا ہو سکتا ہے کہ اس حکمران کو قتل کر دوں جس نے ہزاروں مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرایا ہے۔ تم دانشمند انسان ہو۔"

"اس ایک آدمی کو قتل کرنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔" داؤد نے کہا ـــ "اس کے دوست بھی ہیں جو حلب میں ہیں اور حران میں بھی۔ ان کے بہت سے سالار ہیں اور ان کی تین فوجیں ہیں۔ اکیلے سیف الدین کے قتل سے یہ سب صلاح الدین ایوبی کے آگے ہتھیار نہیں ڈال دیں گے۔ ہتھیار ڈلوانے کا طریقہ اور ہوتا ہے۔ اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان سب کو میدانِ جنگ میں ایسا بے بس کر دیا جائے کہ یہ ہتھیار ڈال دیں اور صلاح الدین ایوبی کی شرائط ماننے پر مجبور ہو جائیں۔"

"یہ کام صلاح الدین ایوبی کے سوا اور کون کر سکتا ہے؟" حارث نے کہا ـــ "میرے سینے میں جو آگ بھڑک رہی ہے وہ کس طرح سرد ہو گی؟ مجھے خدا مین مجاہدینِ اسلام کا خون کیونکر بخشے گا؟"

داؤد بہت خوش تھا کہ اُسے والیٔ موصل یہیں مل گیا ہے۔ وہ حارث اور اُس کے باپ کو یہ بتانے سے جھجک رہا تھا کہ وہ جاسوس ہے۔ جاسوس کو جذبات میں آ کر اپنا پردہ نہیں اٹھانا چاہیے، مگر پردہ اپنے اُوپر ڈالے رکھنے سے وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے تو یہ سوچ لیا تھا کہ سیف الدین جہاں بھی جائے گا وہ اس کا تعاقب کرے گا اور اُس کی سرگرمیوں کو غور سے دیکھے گا لیکن اتنے دن حارث کے گھر میں ٹھہرنا مشکل نظر آ رہا تھا۔ اُسے باپ بیٹے کے تعاون کی ضرورت تھی۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ وہ اعتماد میں لے یا نہ لے اُس نے اُن کے ساتھ اپنے انداز سے باتیں شروع کر دیں۔ اُس نے دیکھا کہ حارث تو سیف الدین کو قتل کرنے پر تلا ہی ہوا تھا۔ اس کا باپ بھی صلاح الدین ایوبی کے اس دشمن کا نام حقارت سے لیتا تھا۔

"اگر میں آپ کو ایسا طریقہ بتاؤں جس سے سیف الدین آئندہ اُٹھنے کے قابل نہ رہے تو کیا آپ میرا ساتھ دیں گے؟" داؤد نے اُن سے پوچھا۔

"میرے بیٹے کی طرح تم جذبات سے نہیں سوچ رہے تو میں تمہارا ساتھ دوں گا۔" حارث نے کہا۔

"اور میں قتل سے ہٹ کر اور کچھ نہیں سنوں گا۔" حارث نے کہا۔

"اگر تم اپنی عقل اور اپنے جذبات کی لگام میرے ہاتھ میں دے دو تو تمہارے ہاتھوں ایسا کام کراؤں گا جو تمہاری روح کو سکون اور چین سے مالا مال کر دے گا۔" داؤد نے دونوں کو بڑی غور سے دیکھا۔ حارث کی بیوی اور بہن ذرا الگ ہٹ کر بیٹھی سُن رہی تھیں۔ داؤد نے انہیں بھی غور سے دیکھا اور کہا ـــ "مجھے قرآن دو۔"

حارث کی بہن نے اُٹھ کر قرآن اُٹھایا۔ آنکھوں سے لگایا۔ چُوما اور داؤد کو دے دیا۔ داؤد نے بھی قرآن کو آنکھوں سے لگایا۔ چُوما اور قرآن کھولا۔ اُس نے ایک جگہ انگلی رکھی اور پڑھا:

"شیطان نے اُن کو اپنے قبضے میں لے لیا ہے اور خدا کی یاد اُن کے ذہنوں سے نکل گئی ہے۔ یہ جماعت شیطان کا لشکر ہے، اور سُن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اُٹھانے والا ہے۔ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوں گے۔"

یہ اٹھائیسویں پارے کی اٹھارہویں اور انیسویں آیات (سورہ الحشر) تھیں جو قرآن کھلتے ہی سامنے آگئیں۔ داؤد نے کہا۔ "یہ اللہ کا پاک کلام ہے۔ میں نے اپنی مرضی سے یہ صفحہ نہیں کھولا۔ یہ الفاظ اپنے آپ میرے سامنے آگئے ہیں۔ یہ خدا کا فرمان ہے اور یہ خدا کی بشارت ہے۔ قرآن نے ہم سب کو بتا دیا ہے کہ یہ جماعت شیطانوں کا لشکر ہے لیکن میں اپنے پیر استاد کا سبق تمہیں پڑھانا چاہتا ہوں۔ بے شک قرآن نے فرمایا ہے کہ جو لوگ خدا اور اُس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہوں گے لیکن وہ اُس وقت تک ذلیل و خوار نہیں ہوں گے جب تک ہم کوشش کر کے اُن کی ذلت و خواری کا سامان پیدا نہیں کریں گے۔ یہ ہم سب پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم انہیں ذلیل و خوار کریں۔"

اُس نے قرآن دونوں ہاتھوں پر رکھ کر ہاتھ آگے کیے اور سب سے کہا۔ "سب اپنا اپنا دایاں ہاتھ خدا کے اس پاک کلام پر رکھو اور کہو تم راز سے پردہ نہیں اٹھاؤ گے اور دشمن کو شکست دینے میں اپنی جانیں قربان کر دو گے۔"

سب نے جن میں دونوں خواتین بھی شامل تھیں قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی۔ قرآن نے اُن کے اندر جو تاثر پیدا کر دیا تھا وہ اُن کے چہروں سے ظاہر ہو رہا تھا۔ کمرے میں ایسی خاموشی طاری ہو گئی کہ سب کے سانسوں کی بھی آواز سنائی دیتی تھی۔ سب داؤد کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"تم سب نے قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی ہے۔" داؤد نے کہا۔ "خداوند تعالیٰ نے قرآن تمہاری زبان میں اُتارا ہے۔ تم اس مقدس کتاب کا ایک ایک لفظ سمجھتے ہو۔ اگر تم نے اس قسم سے انحراف کیا تو اس کی سزا قرآن میں لکھی ہوئی ہے۔ تم بھی اسی ذلت و رسوائی میں پھینک دیئے جاؤ گے جو شیطان کے لشکر کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے۔"

"تم کون ہو؟" بوڑھے نے حیرت زدہ آواز میں داؤد سے پوچھا۔ "تم کسی بہت بڑے عالم کے مرید معلوم ہوتے ہو۔"

"میرے پاس کوئی علم نہیں۔" داؤد نے کہا۔ "میرے پاس عمل ہے۔ میں قرآن کی روشنی میں جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں آیا ہوں۔ یہ سبق مجھے کسی عالم نے نہیں صلاح الدین ایوبی نے دیا ہے۔ میں مُوصل کا نہیں دمشق کا باشندہ ہوں، اور میں سلطان ایوبی کا بھیجا ہوا جاسوس ہوں۔ یہ ہے وہ راز جس کی تم سب نے قسم کھائی ہے کہ اِس سے پردہ نہیں اٹھاؤ گے۔ مجھے تم سب کے تعاون کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین دلاؤ کہ جو میں کہوں گا وہ کرو گے۔"

"ہم قسم کھا چکے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔ "تم اپنا مقصد اور مُدعا بیان کرو۔"

"مجھے اللہ کی خوشنودی حاصل ہے۔" داؤد نے کہا۔ "میں جس کے سینے سے راز نکال کر سلطان صلاح الدین

تک پہنچانا چاہتا ہوں وہ مجھے اسی چھت کے نیچے مل گیا ہے جس کے نیچے میں بیٹھا ہوں۔ خدائے ذوالجلال نے مجھے فرشتوں کی راہنمائی دی اور یہاں پہنچا دیا ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ سیف الدین اور اس کے دوستوں کے ارادے اور سرگرمیاں کیا ہیں۔ اگر یہ لوگ جنگ کی تیاریاں کریں تو انہیں تیاری سے پہلے یا تیاری کی حالت میں ختم کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ارادے قبل از وقت معلوم کرنا ضروری ہیں۔ ہو سکتا ہے سلطان صلاح الدین ایوبی تیار نہ ہو اور یہ لوگ اچانک حملہ کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔"

"کیا مجھے اجازت ہوگی کہ اپنی فوجوں کو دھوکے میں مسلمانوں کے خلاف لڑانے والوں کو قتل کر دوں؟" حارث نے پوچھا۔

"یہ میں بتاؤں گا۔" داؤد نے جواب دیا۔ "بعض حالات میں قتل نہ کرنا فائدہ مند ہوتا ہے۔ تمہیں ہر قدم ٹھنڈے مزاج سے اٹھانا ہوگا۔ ہمیں سیف الدین پر نظر رکھنی ہے اور اس کا تعاقب کرنا ہے۔ جس طرح یہ یہاں آکر چھپ گیا ہے اسی طرح میں اور حارث چھپے رہیں گے اور دیکھتے رہیں گے کہ یہ کیا کرتا ہے۔"

☆

سیف الدین اسی مکان کے ایک کمرے میں گہری نیند سویا رہا۔ صبح طلوع ہوئی۔ بوڑھے نے جھانک کر دیکھا۔ وہ سویا ہوا تھا۔ سورج خاصا اُوپر آگیا تھا جب اُس کی آنکھ کھلی۔ حارث کی بہن اور بیوی نے اُس کے آگے ناشتہ رکھا۔ اس نے حارث کی بہن کو غور سے دیکھا اور کہا۔ "تم ہماری جو خدمت کر رہی ہو اس کا ہم تمہیں وہ صلہ دیں گے جو تمہارے تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ ہم تمہیں اپنے محل میں رکھیں گے۔"

"اگر ہم آپ کو اسی جھونپڑے میں رکھیں تو کیا آپ خوش نہیں رہیں گے؟" لڑکی نے ہنس کر پوچھا۔

"ہم تو صحرا میں بھی رہ سکتے ہیں۔" سیف الدین نے کہا۔ "لیکن تم پھولوں کے ساتھ سجا کر رکھنے والی چیز ہو۔"

"کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ کے نصیب میں محل میں دوبارہ جانا لکھا ہے؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ایسی بات تم نے کیوں کہی ہے؟"

"آپ کی حالت دیکھ کر۔" لڑکی نے کہا۔ "بادشاہ کا جھونپڑے میں چھپنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی سلطنت چھن گئی ہے اور اُس کی فوج ساتھ چھوڑ گئی ہے۔"

"فوج نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا۔" سیف الدین نے کہا۔ "میں ذرا آرام کے لیے یہاں رُک گیا ہوں۔ محل صرف میرے نصیب میں نہیں تمہارے نصیب میں بھی لکھا ہوا ہے۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

حارث کی بیوی کمرے سے نکل گئی تھی۔ بہن سیف الدین کے پاس بیٹھ گئی اور کہنے لگی۔ "اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو صلاح الدین ایوبی کو شکست دیئے بغیر محل کا نام نہ لیتی۔ اگر آپ نے مجھے پسند کیا ہے تو میں آپ کو بتا دیتی ہوں کہ مجھے آپ کا بھاگنا اور چھپنا بالکل پسند نہیں۔ جنگجو بادشاہوں کی طرح باہر نکلیں۔ اپنی فوج کو اکٹھا کریں اور سلطان صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں۔"

لڑکی بھولی بھالی شکل کی تھی۔ اُس کی سادگی میں حسن تھا۔ سیف الدین اُسے بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر ایسی مسکراہٹ تھی جس میں شیطانیت بھی تھی اور محبت بھی۔

"میں شہزادی نہیں ہوں"۔ لڑکی نے کہا ۔۔۔ "ان چٹانوں اور صحراؤں میں پیدا ہوئی اور یہیں جوان ہوئی ہوں۔ میں سپاہی کی اولاد اور سپاہی کی بہن ہوں۔ آپ کے ساتھ محل میں نہیں میدانِ جنگ میں جاؤں گی میرے ساتھ آپ تیغ زنی کا مقابلہ کریں گے؟ چٹانوں کے اوپر نیچے میرے ساتھ گھوڑا دوڑائیں گے؟"

"تم صرف خوبصورت ہی نہیں جنگجو بھی ہو"۔ سیف الدین نے اُس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "ایسے پیارے بال میں نے پہلی بار دیکھے ہیں"۔

لڑکی نے اُس کا ہاتھ آہستہ سے پرے کر دیا اور کہا ۔۔۔ "بال نہیں بازو۔ ابھی آپ کو میرے بالوں کی نہیں میرے بازوؤں کی ضرورت ہے۔ مجھے بتائیں آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

"تمہارا باپ خطرناک آدمی ہے"۔ سیف الدین نے کہا ۔۔۔ "وہ صلاح الدین ایوبی کا حامی ہے اور مجھے شاید پسند نہیں کرتا۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے دھوکہ دے گا"۔

لڑکی اہڑسی ہنسی ہنس پڑی اور بولی ۔۔۔ "وہ بوڑھا آدمی ہے۔ معلوم نہیں آپ کے ساتھ اُس نے کیا باتیں کی ہیں۔ ہمارے سامنے رات سے وہ آپ کی تعریفیں کر رہا ہے۔ اُس نے صلاح الدین ایوبی کا صرف نام سُنا ہے اُس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا۔ اس سے آپ نہ ڈریں۔ ضعیف آدمی آپ کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ مجھے آزمائیں"۔

سیف الدین نے اُس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو لڑکی پیچھے ہٹ گئی۔ کہنے لگی ۔۔۔ "میں آپ کو اپنے جسم سے محروم نہیں کروں گی۔ اپنے آپ کو آپ کے حوالے کر دوں گی لیکن اُس وقت جب آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر آئیں گے۔ آپ اس وقت مشکل میں ہیں۔ مجھ سے دُور رہیں۔ مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا ارادہ کیا ہے؟"

سیف الدین عیاش اور زن پرست انسان تھا۔ جوان اور خوبصورت لڑکی اس کے لیے عجوبہ نہیں تھی لیکن اس لڑکی میں اُس نے یہ عجیب بات دیکھی کہ وہ اس کے آگے جُھک نہیں رہی تھی۔ اس کے آگے تو ہر لڑکی سدھائے ہوئے جانور کی طرح اشاروں پر ناچا کرتی تھی۔ اس لڑکی نے اُس پر ایسا وار کیا کہ اس کی غیرت بھڑک اٹھی۔

"سنو لڑکی!"۔ اُس نے کہا ۔۔۔ "تم نے میری مردانگی کا امتحان لینا چاہا ہے۔ میں اب اُس وقت تمہارے جسم کو ہاتھ لگاؤں گا جس وقت میرے ہاتھ میں صلاح الدین ایوبی کی تلوار ہو گی اور میں اُسی کے گھوڑے پر سوار ہوں گا۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرے پاس آجاؤ گی"۔

"مجھے اپنے ساتھ میدانِ جنگ میں لے چلیں"۔۔۔ لڑکی نے کہا۔

"نہیں"۔ سیف الدین نے کہا ۔۔۔ "مجھے ابھی فوج تیار کرنی ہے۔ میں نے ایک آدمی کو مُوصل بھیج دیا ہے۔ میں نے انہیں کہلا بھیجا ہے کہ فوجیں اکٹھی کرو اور فوراً صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دو تاکہ وہ ہمارے شہروں کا محاصرہ کرنے آگے نہ آسکے۔ آج شام تک میرے دونوں آدمی واپس آجائیں گے تو معلوم ہو گا کہ حلب اور حران کی فوجیں کس حالت میں ہیں۔ ہم شکست تسلیم نہیں کر رہے۔ جوابی حملہ کریں گے اور فوراً کریں گے"۔

سیف الدین کی شخصیت یہی کچھ تھی۔ زن پرستی اور ایمان فروشی نے اُس کا کردار اتنا کھوکھلا کر دیا تھا کہ اُس نے ایک الھڑ اور سیدھی سادی لڑکی سے متاثر ہو کر اُسے راز کی بھی ایک دو باتیں بتا دیں۔ لڑکی نے اُس کا ہاتھ چُوم لیا اور کمرے سے نکل گئی۔

☆

"اُس کے ساتھ جو دو آدمی آئے تھے اُن میں سے ایک کو اُس نے مُوصل بھیجا ہے اور دوسرے کو حلب"۔ حارث کی بہن اپنے باپ کو، حارث اور داؤد کو بتا رہی تھی ۔۔۔ "اُس کا ارادہ یہ ہے کہ تینوں فوجوں کو اکٹھا کر کے صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کیا جائے تاکہ وہ آگے آکر ان کے شہروں کو محاصرے میں نہ لے سکے۔ اس کے جو دو آدمی گئے ہوئے ہیں وہ آکر اسے بتائیں گے کہ فوجیں لڑنے کی حالت میں ہیں یا نہیں"۔۔۔ سیف الدین نے اُسے جو کچھ بتایا تھا وہ اُس نے اپنے باپ، بھائی اور داؤد کو بتا دیا۔

یہ لڑکی جس کا نام فوزی تھا کوئی ایسی چالاک اور ہوشیار لڑکی نہیں تھی۔ اُسے خدا نے ذہانت اور جذبہ عطا کیا تھا۔ داؤد نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سیف الدین کے دل سے راز نکالے۔ فوزی کو اُس نے طریقہ بھی بتایا تھا اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ شخص عیاش اور بدکار ہے اس لیے اُس کے جال سے بچ کر رہنا۔ فوزی نے یہ کام خوش اسلوبی سے کر لیا۔ اُس نے سیف الدین سے جو باتیں کہلوائی تھیں ان سے داؤد کو یہ پتہ چل گیا کہ سیف الدین کا پیچھا کرنا ضروری ہے۔

آدھی رات سے کچھ دیر پہلے بوڑھے کی آنکھ کُھل گئی۔ اس نے دروازے پر دستک سنی اور گھوڑے کو ہنہناتے بھی سُنا تھا۔ اُس نے دروازہ کھولا۔ باہر سیف الدین کا نائب سالار کھڑا تھا۔ بوڑھا اُس کا گھوڑا دوسری طرف لے گیا اور نائب سالار اندر چلا گیا۔ بوڑھے نے جا کر نائب سالار سے کھانے کے متعلق پوچھا۔ اُس نے انکار کر دیا۔ بوڑھے نے غلاموں کی طرح اُن سے سلوک کیا۔ سیف الدین نے اُسے کہا کہ وہ جا کر سو جائے۔ بوڑھا رعایا کی طرح کے آداب سے وہاں سے نکلا۔ اُس نے داؤد کو جگایا اور دونوں نے دروازے کے ساتھ کان لگا دیئے۔

"گمشتگین کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ حلب میں الملک الصالح کے ساتھ ہے"۔۔۔ نائب سالار کہہ رہا تھا۔ "میں نے مُوصل میں جو حالات دیکھے ہیں وہ کوئی ایسے بُرے نہیں کہ ہم لڑ ہی نہ سکیں۔ صلاح الدین ایوبی ترکمان رُک گیا ہے۔ صلیبیوں کے جاسوسوں نے بتایا ہے کہ وہ الجزیرہ، دیار اور بقر اور اردگرد کے علاقوں سے لوگوں کو فوج میں بھرتی کر رہا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کرے گا۔ پیش قدمی ضرور کرے گا، جو طوفانی ہو گی۔ اس کی فوج کی خیمہ گاہ بتا رہی ہے کہ وہ وہاں زیادہ دن قیام کرے گا۔ وہ غالباً اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ ہم لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ ہماری جو فوج مُوصل پہنچی ہے اس کی نفری ایک تہائی سے کچھ زیادہ کم ہے۔ یہ سپاہی مارے گئے ہیں اور ان میں لاپتہ بھی شامل ہیں"۔

"تو کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم اسی فوج سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کر دیں؟"۔ سیف الدین نے پوچھا۔

"صرف ہماری فوج حملے کے لیے کافی نہیں"۔ نائب سالار نے جواب دیا۔ "الملک الصالح اور گمشتگین کو ساتھ ملانا ضروری ہے۔ ہمارے مشیروں (صلیبیوں) نے بھی یہی مشورہ دیا ہے"۔

سیف الدین نے پوچھا۔

"تم نے انہیں بتادیا ہے کہ میں کہاں ہوں؟"

"میں نے یہ جگہ نہیں بتائی"۔ نائب سالار نے جواب دیا۔ "انہیں یہ بتایا ہے کہ آپ ترکمان کے مضافات میں گھوم پھر رہے ہیں اور صلاح الدین ایوبی کی نقل و حمل کو اپنی آنکھوں دیکھنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ اگلے معرکے کا منصوبہ تیار کیا جا سکے .... میرا خیال ہے کہ تین چار روز بعد آپ کو موصل چلے جانا چاہیے"۔

"مجھے حلب کی خبر معلوم کر لینے دو"۔ سیف الدین نے کہا۔ "وہ (کمانڈر) کل شام تک واپس آجائے گا۔ تم جانتے ہو کہ گمشتگین شیطان کی فطرت کا انسان ہے۔ اسے اپنے قلعے (حرن) میں چلے جانا چاہیے تھا۔ حلب میں وہ کیا کر رہا ہے؟ میں موصل جانے سے پہلے حلب جاؤں گا۔ گمشتگین بے شک ہمارا اتحادی ہے مگر میں اُسے اپنا دوست نہیں کہہ سکتا۔ مجھے الملک الصالح کے سالاروں کو اس پر بھی قائل کرنا ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کے ستانے سے فائدہ اٹھائیں اور وقت ضائع کیے بغیر حملہ کر دیں۔ میں اب یہ مشورہ بھی دوں گا کہ تینوں فوجیں ایک مرکزی کمان کے ماتحت ہونی چاہئیں اور ان کا ایک سالارِ اعلیٰ ہونا چاہیے۔ ہم نے صرف اس لیے شکست کھائی ہے کہ ہماری فوجوں کی کمان الگ الگ تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کے منصوبے اور چالوں کا علم ہی نہیں تھا، ورنہ مظفر الدین نے صلاح الدین ایوبی کے پہلو پر جو حملہ کیا تھا وہ کبھی ناکام نہ ہوتا"۔

"مرکزی کمان آپ کے پاس ہونی چاہیے"۔ نائب سالار نے کہا۔

"اور ہمیں اپنے دوستوں سے بھی ہوشیار رہنا چاہیے"۔ سیف الدین نے کہا اور پوچھا۔ "صلیبی ہمیں مدد دیں گے؟"

"وہ اپنی فوج تو نہیں دیں گے"۔ نائب سالار نے جواب دیا۔ "اونٹ، گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ دیں گے"۔ نائب سالار نے پوچھا۔ "یہاں آپ نے کوئی خطرہ تو محسوس نہیں کیا؟"

"نہیں"۔ سیف الدین نے کہا۔ "بوڑھا قابلِ اعتماد معلوم ہوتا ہے۔ اس کی بیٹی جال میں آگئی ہے لیکن جذباتی اور جوشیلی ہے۔ کہتی ہے پہلے صلاح الدین ایوبی کو شکست دو۔ اُس کی تلوار لاؤ۔ اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ اور میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی"۔

نائب سالار نے قہقہہ لگایا۔ حارث، اُس کا باپ اور داؤد دروازے کے ساتھ کان لگائے سُن رہے تھے۔ سیف الدین اور اُس کے نائب سالار کے فرشتوں کو بھی معلوم نہ تھا کہ اس گھر میں صرف ایک بوڑھا اور دو لڑکیاں ہی نہیں، دو جوان مجاہد بھی ہیں جو کسی بھی موزوں موقعے پر اُسے قتل کر دیں گے۔ سیف الدین کو ذرا سا بھی شک نہیں ہُوا تھا کہ اُس نے فوزی کو اپنے جال میں نہیں پھانسا بلکہ خود اُس کے جال میں آگیا ہے۔

☆

داؤد اور حارث اندر رہے۔ سیف الدین اور اُس کا نائب سالار ڈیوڑھی کے ساتھ والے کمرے میں بند رہے۔ دن کے دوران فوزی تین چار بار اس کمرے میں گئی۔ وہ چونکہ اس سے دو ہاتھ دُور رہتی تھی اس لیے سیف الدین اس کی طرف اور زیادہ کھچا آتا تھا۔ فوزی سے اُس نے پوچھا۔ "تمہارا بھائی میری فوج میں سپاہی ہے، میں اُسے جیش کا کمانڈر بنا دوں گا؟"

"ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں"۔ فوزی نے کہا۔ "اگر وہ زندہ نہ ہُوا تو ہم بے آسرا ہو جائیں گے"۔

"اس صورت میں مَیں تمہارے باپ کو اور تمہارے بھائی کی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا"۔ سیف الدین نے کہا۔

فوزی کا باپ بھی سیف الدین کے پاس جاتا رہا۔ اُس نے عملی طور پر سیف الدین کو یقین دلا دیا کہ وہ اس کا وفادار ہے۔

رات کو پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ بوڑھے نے دروازہ کھولا۔ باہر سیف الدین کا وہ کمانڈر کھڑا تھا جسے اُس نے حلب روانہ کیا تھا۔ بوڑھے نے اُسے سیف الدین کے کمرے میں بھیج دیا اور اُس کا گھوڑا دوسرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر کمانڈر سے کھانے کے متعلق پوچھنے گیا۔ کمانڈر بہت تیز آیا تھا۔ کہیں رُکا نہیں تھا اس لیے راستے میں کچھ کھا نہیں سکا تھا۔ بوڑھا اندر کھانا لینے کے لیے گیا تو فوزی نے کہا کہ وہ کھانا لے جائے گی اور باتیں سنے گی۔

وہ کھانا لے کر گئی تو کمانڈر بولتے بولتے چپ ہو گیا۔ سیف الدین نے کہا۔ "تم بات کرو۔ یہ اپنی بچی ہے"۔ فوزی کمانڈر کے آگے کھانا رکھ کر سیف الدین کے قریب بیٹھ گئی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ وہ اس کے اتنی قریب بیٹھی تھی۔ سیف الدین نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ فوزی نے ہاتھ چھڑایا نہیں، ورنہ صلیبیوں کا یہ دوست ہاتھ سے نکل جاتا۔

"حلب کی فوج کا جذبہ قابلِ تعریف ہے"۔ کمانڈر نے بات شروع کی۔ فوزی نے سیف الدین کی انگلی میں پڑی ہوئی انگوٹھی کو انگلیوں میں مسلنا اور اس کے ہیرے کو بچوں کے سے اشتیاق سے دیکھنا شروع کر دیا جیسے اُسے کمانڈر کی باتوں کے ساتھ کوئی دلچسپی نہ ہو لیکن اُس کے کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ کمانڈر کہہ رہا تھا "الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو صلح کا پیغام بھیجا ہے"۔

"صلح کا پیغام؟" سیف الدین نے بدک کر پوچھا۔

"جی ہاں، صلح کا پیغام"۔ کمانڈر نے کہا۔ "لیکن مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے۔ اس کے صلیبی دوست اُس کی فوج کے سامان کا نقصان پورا کر رہے ہیں اور اُسے اُکسا رہے ہیں کہ وہ موصل اور حرن کی فوجوں کو مشترکہ کمان میں لا کر صلاح الدین ایوبی پر فوراً حملہ کرے۔ اگر صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ستا لیا اور اس نے اسی علاقے سے لوگوں کو بھرتی کر کے نفری پوری کر لی تو پھر اُسے روکنا محال ہو جائے گا۔ جاسوس خبر لائے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی نے ترکمان کے سبزہ زار میں لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ کر لیا ہے اور پیش قدمی کی تیاریاں بہت تیزی سے کر رہا ہے۔ الملک الصالح کے سالار بھی یہی کہتے ہیں کہ ترکمان کے مقام پر صلاح الدین ایوبی پر فوری حملہ ہونا چاہیے ....

"میں نے حلب کی فوج کے ایک صلیبی مشیر کے ساتھ بات کرنے کا موقعہ پیدا کر لیا تھا۔ میں نے انجان بن کر اُسے کہا کہ ہم فوری حملے کے قابل نہیں۔ اُس نے کہا کہ یہ تمہاری بہت بڑی جنگی لغزش ہوگی۔ صلاح الدین ایوبی پر حملے کا مقصد یہ نہیں ہوگا کہ اُسے شکست دی جائے۔ مقصد یہ ہوگا کہ اُسے تیاری کی مہلت نہ دی جائے۔ اُسے

ترکمان کے علاقے میں پریشان رکھا جائے اور ایسی لڑائی لڑی جائے جو طویل ہو۔ جنگ نہ ہو معرکے لڑے جائیں۔ یہ معرکے صلاح الدین ایوبی کے انداز کے ہی ہوں، یعنی ضرب لگاؤ اور بھاگو، شبخون مارو اور کوشش کرو کہ ترکمان کے سبزہ زارے جہاں پانی کی بھی بہتات ہے، صلاح الدین ایوبی کو پیچھے ہٹا دیا جائے تاکہ اس کی فوج کو چارہ اور پانی نہ مل سکے۔"

"بہت اچھی ترکیب ہے۔" سیف الدین نے کہا۔ "ایسی جنگ میرا شیر، سالار مظفر الدین لڑ سکتا ہے۔ وہ بہت عرصہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ رہا ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ تینوں فوجوں کی مشترکہ کمان مجھے مل جائے۔ میں صلاح الدین ایوبی کو صحرائی لومڑی کی طرح دھوکے دے دے کر ماروں گا۔"

فوزی نے سیف الدین کی تلوار لے لی اور اُسے نیام سے نکال کر دیکھنے لگی۔ وہ بالکل بھولی بنی ہوئی تھی۔

"میں نے کوشش کی تھی کہ الملک الصالح کے ساتھ میری ملاقات ہو جائے۔" کماندار نے کہا۔ "لیکن سالاروں اور دوسرے حکام نے اُسے ایسا گھیرا ہوا ہے کہ میں اُسے مل نہ سکا۔ یہ باتیں اُس کے سالاروں سے معلوم کی ہیں۔"

"تمہیں آج پھر حلب جانا ہوگا۔" سیف الدین نے کہا۔ "الملک الصالح کو یہ پیغام دینا کہ تم نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کرکے ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ تم نے اُس کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ اُس کے ہاتھ مضبوط کر دیئے ہیں۔ وہ ہم میں سے کسی کو بھی نہیں بخشے گا۔ تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ گھبرا گئے ہو، یا تمہارے سالاروں نے لڑائی سے بچنے کے لیے تمہیں مشورہ دیا ہے۔" سیف الدین نے اس موضوع کا طویل پیغام دیا اور کماندار سے کہا۔۔۔۔

"تمہیں سحر کی تاریکی میں نکل جانا چاہیئے۔ دن کے وقت تمہیں اس گاؤں میں کوئی نہ دیکھے۔"

یہ تھا وہ پیغام جس کا ذکر تاریخ میں آیا ہے۔ کماندار کچھ دیر آرام کرکے حلب کو روانہ ہوگیا۔

☆

فوزی نے جو کچھ سُنا تھا وہ داؤد کو بتا دیا۔ یہ معلومات بھی کام کی تھیں۔ حارث اور اُس کا باپ گہری نیند سو گئے۔ داؤد کسی کام سے باہر نکلا۔ فوزی بھی دبے پاؤں نکل آئی۔ داؤد اپنے گھوڑے کے پاس جا رکا۔ فوزی بھی وہیں چلی گئی۔

"مجھے اس سے کوئی بڑا کام بتاؤ۔" فوزی نے کہا۔ "میں تمہارے لیے جان بھی دے سکتی ہوں۔"

"میرے لیے نہیں اپنی قوم کے لیے اور اپنے مذہب کے لیے جان دینا۔" داؤد نے کہا۔ "تم جو کام کر رہی ہو وہ بہت بڑا ہے۔ ہم جو جاسوس ہیں اسی کام میں اپنی جانیں قربان کر دیا کرتے ہیں۔ یہ کام میرا تھا جو میں تم سے کرا رہا ہوں۔ میں نے تمہیں خطرے میں ڈال دیا ہے۔"

"خطرہ کیسا؟"

"تم اتنی چالاک لڑکی نہیں ہو فوزی۔" داؤد نے کہا۔ "سیف الدین بادشاہ ہے۔ وہ اس جھونپڑے میں بھی بادشاہ ہے۔"

"تو کیا بادشاہ مجھے کھا جائے گا؟" فوزی نے کہا۔ "میں چالاک تو نہیں، سیدھی سادی بھی نہیں ہوں۔"

"تم نے بادشاہی کی چمک دیکھی تو تمہاری آنکھیں بند ہو جائیں گی۔" داؤد نے کہا۔ "ان لوگوں نے اسی چمک سے اندھا ہو کر ایمان بیچا ہے اور اسلام کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ ڈرتا ہوں کہیں تم بھی اس جال میں نہ آجاؤ۔"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میں کہیں کا بھی رہنے والا نہیں۔" داؤد نے جواب دیا۔ "میں جاسوس اور چھاپہ مار ہوں۔ جہاں دشمن کے ہاتھ چڑھ گیا وہیں مارا جاؤں گا اور جہاں بھی مارا جاؤں گا وہ میرا وطن ہوگا۔ شہید کا لہو جس زمین پر گرتا ہے وہ زمین سلطنتِ اسلامیہ کی ہو جاتی ہے۔ اُس زمین کو کفر سے پاک کرنا ہر مسلمان کا فرض بن جاتا ہے۔ ہماری ماؤں اور بہنوں نے ہمیں جوان کیا اور خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ انہوں نے اپنے دلوں پر پتھر رکھ لیے ہیں اور اس خواہش سے دست بردار ہو گئی ہیں کہ ہم انہیں کبھی ملیں گے۔"

"تمہارے دل میں اپنے گھر جانے کی، اپنی ماں کو دیکھنے کی، بہن سے ملنے کی خواہش تو ہوگی۔" فوزی نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"انسان خواہشوں کا غلام ہو جائے تو فرض دھرے رہ جاتے ہیں۔" داؤد نے کہا۔ "جان سے پہلے جذبات قربان کرنے پڑتے ہیں۔ تمہیں بھی یہ قربانی دینی ہوگی۔"

فوزی اس کے قریب ہو گئی اور بولی۔ "مجھے اپنے ساتھ رکھ سکتے ہو؟"

"نہیں۔" داؤد نے کہا۔

"کچھ دن میرے پاس رہ سکتے ہو؟" فوزی نے پوچھا۔

"میرے فرض نے ضرورت سمجھی تو رہوں گا۔" داؤد نے کہا۔ "مجھے اپنے پاس رکھ کر کیا کرو گی؟"

"تم مجھے اچھے لگتے ہو نا۔" فوزی نے کہا۔ "تم جب سے آئے ہو تمہاری باتیں سُن رہی ہوں۔ ایسی باتیں میں نے کبھی نہیں سُنی تھیں۔ میرے دل میں آتی ہے کہ تمہارے ساتھ رہوں اور۔۔۔۔"

"مجھے زنجیر نہ ڈالو فوزی۔" داؤد نے کہا۔ "اپنے آپ کو بھی جذبات کی زنجیر سے آزاد رکھو۔ ہمارے سامنے بڑے کٹھن راستے ہیں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ ضرور تھامیں گے، اکٹھے چلیں گے مگر ایک دوسرے کے قیدی نہیں بنیں گے۔" اُس نے ذرا دیر سوچ کر کہا۔ "فوزی تم زیادہ دُور تک میرا ساتھ نہیں دے سکو گی۔ مجھے تمہاری عصمت بھی عزیز ہے۔ کام جو مردوں کا ہے وہ مرد ہی کریں گے۔"

فوزی نے آہ لی اور اداس سی ہو گئی۔ اس نے داؤد کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور گھوم کر وہاں سے ہٹنے لگی۔ داؤد نے لپک کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اپنے قریب کرکے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ فوزی اس کے ساتھ لگ گئی اور جذبات سے کانپتی آواز میں بولی۔ "جو کام مردوں کا ہے وہ عورتیں بھی کر سکتی ہیں۔ میری عصمت کوئی ایسا کچا دھاگا نہیں کہ ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ جائے گا۔ میں تمہیں اپنی عصمت پیش نہیں کر رہی۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ تمہاری باتیں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ تم نے مجھے جو راستہ دکھایا ہے وہ میرے دل کو بہت اچھا لگا ہے۔ میں تمہارے قریب اس لیے ہو گئی ہوں کہ شاید تمہیں میرے وجود سے اپنی ماں کی اور بہن کی بُو باس مل جائے۔ تم

بہت تھکے ہوئے ہونا داؤد! مجھے میرے بھائی کی بیوی نے بہت سی باتیں بتائی ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ مرد جب تھکا ہُوا گھر آتا ہے تو عورت کے سوا اس کی تھکن اور کوئی دُور نہیں کر سکتا۔ عورت نہ ہو تو مرد کی رُوح مرجاتی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ تمہاری روح مرجا گئی تو..... تو کیا ہو گا داؤد؟"

داؤد ہنس پڑا اور اس کے گال تھپکا کر بولا "تمہاری ان بھولی بھالی باتوں نے میری روح کو تروتازہ کر دیا ہے۔"

"تمہیں میری کوئی بات بُری تو نہیں لگی؟" نوزی نے پوچھا۔ "میرے بھائی کو تو نہیں بتاؤ گے کہ میں تمہارے پاس آئی تھی؟"

"نہیں" داؤد نے کہا۔ "تمہارے بھائی کو کچھ نہیں بتاؤں گا اور تمہاری کوئی بات مجھے بُری نہیں لگی۔"

"ہماری منزل ایک ہے داؤد" نوزی نے کہا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ دل کی بات کس طرح کہی جاتی ہے۔"

"تم نے دل کی بات کہہ دی ہے نوزی!" داؤد نے کہا۔ "اور میں نے سمجھ لی ہے۔ تم نے ٹھیک کہا ہے کہ ہماری منزل ایک ہے مگر یہ نہ بھولنا کہ راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پُل نہیں۔ اگر تم ہمیشہ کے لئے میری ہو جانا چاہتی ہو تو ہمارا نکاح لہو کی تحریر ہو گی، پھر ہماری لاشیں ایک دوسری سے دُور بھی ہوئیں تو ہم اکٹھے ہو جائیں گے۔ راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہوتی ہیں اور بارا تیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ان کی خوشی میں سارا آسمان ستاروں کی چراغاں کیا کرتا ہے۔"

نوزی جب وہاں سے چلی تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس مسکراہٹ میں مسرت کا تاثر کم اور ایسا تاثر زیادہ تھا جس میں عزم تھا اور کچھ کر گزرنے کا ارادہ۔

☆

دو دنوں کے بعد کماندار واپس آ گیا جو الملک الصالح کے نام سیف الدین کا پیغام لے کر گیا تھا۔ اس کی ملاقات الملک الصالح سے نہیں ہو سکی تھی، پیغام اُس تک پہنچا دیا گیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ پیغام کا تحریری جواب دے گا۔ کماندار وہاں بتا آیا تھا کہ سیف الدین کہاں ہے اور جس گھر میں وہ بیٹھا ہے اس کی نشانیاں کیا ہیں..... سیف الدین اپنے پیغام کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ جواب نہ آیا اور وہ پریشان ہونے لگا۔ تیسرے چوتھے دن وہ بہت ہی بے چین ہو گیا۔

"کیوں نہ میں خود ہی حلب چلا جاؤں" اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا۔ "اگر حلب کی فوج نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح اور جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا ہے تو ہمیں اپنے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔ گمشتگین (والیٔ حران) کا کچھ بھروسہ نہیں۔ ہم تنہا تو نہیں لڑ سکتے۔ ہمیں صلیبیوں کے ساتھ مل کر کوئی اور منصوبہ بنانا پڑے گا۔"

"کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ الملک الصالح صلح کا معاہدہ توڑ دے؟" نائب سالار نے پوچھا۔

"یہ ممکن ہے" کماندار نے کہا۔ "میں نے اُس کے جن سالاروں اور کمانداروں سے بات کی ہے وہ کہتے تھے کہ الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کو دھوکہ دیا ہے، اگر اُس نے دھوکہ نہیں دیا تو بھی زیادہ تر سالار اور دوسرے حکام اس معاہدے کو تسلیم نہیں کرتے۔ مشیر (صلیبی) تو فوری حملے کے حق میں ہیں۔"

"آپ کو حلب چلے جانا چاہیئے" نائب سالار نے اُسے کہا۔ "اور میں موصل چلا جاتا ہوں۔"

"تم ایک بار پھر حلب چلے جاؤ" سیف الدین نے کماندار سے کہا۔ "الملک الصالح کو بتا دو کہ میں آ رہا ہوں۔ تم روانہ ہو جاؤ گے تو اگلی رات میں بھی روانہ ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے وہ مجھے ملنا نہ چاہے۔ شہر سے باہر المبارک نام کے جو چشمے ہیں میں وہاں قیام کروں گا۔ الملک الصالح سے کہنا کہ مجھے وہاں ملے۔ اگر وہ نہ ملنا چاہے تو مجھے المبارک آ کر بتا دینا۔"

"کیا آپ کا اکیلے جانا مناسب ہے؟" نائب سالار نے پوچھا۔

"اِن علاقوں میں کوئی خطرہ تو نہیں" سیف الدین نے کہا۔ "میں رات کو جاؤں گا۔ کسی کو کیا خبر کہ والیٔ موصل جا رہا ہے۔"

"صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں اور چھاپہ ماروں کا کوئی بھروسہ نہیں" نائب سالار نے کہا۔ "اُن سے ہماری کوئی جگہ محفوظ نہیں۔"

"مجھے جانا ضرور ہے" سیف الدین نے کہا۔ "خطرہ مول لینا ہی پڑے گا۔ آج تم موصل کو روانہ ہو جاؤ۔ میں کل رات حلب کو روانہ ہو جاؤں گا۔"

جس وقت یہ باتیں ہو رہی تھیں اُس وقت داؤد اور حارث کے کان دروازے کی درز کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ دونوں وہاں سے ہٹ گئے اور اپنے کمرے میں چلے گئے۔ داؤد گہری سوچ میں کھویا ہوا تھا۔ اُسے سیف الدین کا تعاقب کرنا تھا لیکن کس طرح؟ سوچ سوچ کر اُس کے دماغ میں ایک ترکیب آ گئی۔

"ہم سیف الدین کے محافظ بنیں گے اور اُس کے ساتھ حلب جائیں گے" داؤد نے حارث سے کہا۔ "ہم اچانک اُس کے سامنے جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم اُس کی فوج کے سپاہی ہیں۔"

"اگر اُس نے کہہ دیا کہ دونوں موصل چلے جاؤ تو کیا کرو گے؟" حارث نے پوچھا۔

"میں اپنا جادو چلانے کی کوشش کروں گا" داؤد نے کہا۔

"اگر یہ بھی ناکام ہو گیا تو؟"

"پھر یہ بھی حلب نہیں جائے گا" داؤد نے کہا۔ "الملک الصالح نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کر لی ہے تو سیف الدین اُس معاہدے کو منسوخ کرانے کے لیے حلب نہیں پہنچ سکے گا" اُس نے حارث کو سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

اُسی رات سیف الدین بند کمرے میں اپنے نائب سالار اور کماندار کے پاس بیٹھا انہیں آخری ہدایات دے رہا تھا۔ رات کا پہلا پہر تھا۔ پہلے کماندار وہاں سے نکلا۔ حارث کے باپ نے اُسے گھوڑا کھول دیا تھا۔ کچھ دیر بعد نائب سالار بھی چلا گیا۔ سیف الدین اکیلا رہ گیا۔ وہ لیٹ گیا۔ اچانک کمرے کا دروازہ دھماکے سے کھلا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا، نوزی سراپا مسرت اور خوشی بنی ہوئی تھی۔ وہ دوڑتی آئی اور اُس کے پاس بیٹھ کر اس نے سیف الدین کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔

"میرا بھائی آ گیا ہے" نوزی نے خوشی سے دیوانہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اُس کے ساتھ اُس کا ایک دوست ہے۔"

"تم نے انہیں بتایا ہے کہ میں یہاں ہوں؟" — سیف الدین نے پوچھا۔

"ہاں!" — فوزی نے کہا — "میں نے بتا دیا ہے اور وہ اتنے خوش ہیں کہ آپ سے ملنے کی اجازت مانگتے ہیں"۔

"انہیں لے آؤ"۔

☆

داؤد اور حارث سیف الدین کے سامنے گئے۔ فوجی انداز سے سلام کیا اور سیف الدین کے اشارے سے اُس کے پاس بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے کپڑوں اور چہروں پر گرد ڈال لی تھی اور وہ سانسیں اس طرح لے رہے تھے جیسے بہت تھکے ہوئے ہوں۔ سیف الدین نے اُن سے پوچھا کہ وہ کون سے دستے میں تھے۔ حارث چونکہ اُس کی فوج کا سپاہی تھا، اس لیے ان سوالوں کا جواب اُسی نے دیا۔ داؤد کو تو کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔

"تم اتنے دن کہاں رہے؟" — سیف الدین نے پوچھا۔

"ہمیں بتاتے ہوئے شرم آتی ہے کہ ہماری فوج کس طرح پسپا ہوئی" — داؤد نے کہا — "ہمیں بھی پسپا ہونا تھا، لیکن میں اسے ساتھ لے کر ایک چٹان پر چھپ گیا اور یہ دیکھنے لگا کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج تعاقب میں آتی ہے یا کہیں پڑاؤ کرتی ہے۔ میں نے جاسوسی شروع کر دی۔ آپ کو شاید یاد ہوگا کہ آپ نے صلیبی مشیروں سے چھاپہ مار جیش تیار کرائے تھے۔ میں بھی ایک جیش میں تھا۔ میں نے گہری دلچسپی سے تربیت حاصل کی تھی۔ جنگ میں یہ تربیت بہت کام آئی۔ جنگ ختم ہوگئی تو میں نے اس تربیت سے فائدہ اٹھایا اور سوچا کہ میں اگر بھاگوں تو اپنی فوج کے لیے دشمن کے کچھ راز بھی لیتا چلوں۔ یہ (حارث) مل گیا۔ اسے میں نے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج پیش قدمی کرتی رہی اور ہم دیکھتے رہے۔ اگر ہمارے ساتھ سات آٹھ سپاہی ہوتے تو ہم شب خون مار مار کر اس فوج کا بہت نقصان کرتے۔۔۔۔

"ہم نے صلاح الدین ایوبی کی فوج کو ترکمان کے علاقے میں پڑاؤ کرتے دیکھا ہے۔ فوج نے خیمے جس طرح گاڑے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے جیسے فوج وہاں لمبے عرصے کے لیے ٹھہرے گی۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ہماری فوجیں گھبرا کر بھاگ آئی ہیں۔ اس سے پوچھیں۔ ہم نے دشمن کی فوج کی جو لاشیں دیکھی ہیں اُن کی تعداد چند سو نہیں چند ہزار ہے اور زخمیوں کا تو کوئی حساب نہیں۔ ہم نے رات کو اُن کی خیمہ گاہ کے قریب جا کر دیکھا ہے۔ اللہ توبہ، زخمیوں کا کراہنا برداشت نہیں ہوتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آدھی فوج زخمی ہے۔ امیرِ محترم! اللہ آپ کا اقبال بلند کرے۔ آپ بہتر جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کے غلام ہیں جو حکم دیں گے بجا لائیں گے۔ میرا خیال یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کی فوج لڑنے کے قابل نہیں۔ اگر آپ اپنی فوج فوراً اکٹھی کر کے حملہ کر دیں تو صلاح الدین ایوبی کو آپ دمشق پہنچا سکتے ہیں"۔

سیف الدین داؤد کی رپورٹ دلچسپی سے سُن رہا تھا۔ وہ شکست خوردہ تھا اس لیے وہ ایسی باتیں سننے کو ترس رہا تھا جو اُسے یہ تسکین دیں کہ اُسے شکست نہیں ہوئی اور وہ بھاگا نہیں بلکہ اس کی فوج اور اس کے اتحادی گھبرا کر بھاگ گئے تھے۔ داؤد اُس کی یہ نفسیاتی ضرورت پوری کر رہا تھا۔ یہ اُس کی کمزوری تھی جس کے اثر سے داؤد کی باتیں اُسے ذہنی سکون دے رہی تھیں۔

"ہم موصل جا رہے تھے" — داؤد نے کہا — "اس (حارث) کا گاؤں راستے میں پڑتا تھا۔ یہ کہنے لگا کہ گھر والوں سے ملتے چلیں۔ ہم یہاں آئے تو اس کے محترم والد نے بتایا کہ آپ یہاں ہیں۔ یقین نہ آیا۔ آپ کو یہاں دیکھ کر بھی یقین نہیں آرہا کہ آپ یہاں ہیں۔ ہم یہ باتیں آپ تک پہنچانا چاہتے تھے۔ خدا نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا ہے"۔

"ہم تمہاری باتیں سُن کر بہت خوش ہوئے ہیں" — سیف الدین نے بادشاہوں کی طرح کہا — "تمہیں اس بہادری کا انعام ملے گا"۔

"ہمارے لیے اس سے بڑا اور انعام کیا ہو سکتا ہے کہ ہم آپ کی برابری میں بیٹھے آپ کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں" — حارث نے کہا — "ہم آپ کے لیے جانیں دے کر اپنی روحوں کو خوش کرنے کو بیتاب ہیں"۔

"معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟" — داؤد نے پوچھا۔

"وہ دونوں چلے گئے ہیں" — سیف الدین نے کہا — "میں بھی چلا جاؤں گا"۔

"ہم پوچھنے کی جرأت نہیں کر سکتے کہ آپ یہاں کیوں رُکے ہوئے ہیں" — حارث نے کہا — "اور اب کہاں جا رہے ہیں۔ میں آپ سے بہت شرمسار ہوں کہ آپ کو میرے گھر والوں نے اس گندے کمرے میں رکھا اور فرش پر بٹھا رکھا ہے"۔

"میری خواہش یہی تھی" — سیف الدین نے کہا — "میں یہیں چند دن گزارنا چاہتا تھا۔ تم کسی کو نہ بتانا کہ میں یہاں ہوں"۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" — داؤد نے پوچھا۔

"میں حلب جاؤں گا" — سیف الدین نے جواب دیا — "وہاں سے موصل چلا جاؤں گا"۔

"لیکن آپ اکیلے ہیں" — داؤد بولا — "آپ کے ساتھ کوئی محافظ نہیں"۔

"اس علاقے میں کوئی خطرہ نہیں" — سیف الدین نے کہا — "اکیلا چلا جاؤں گا"۔

"گستاخی کی معافی چاہتا ہوں" — داؤد نے کہا — "اس علاقے کو دشمن سے خالی نہ سمجھیں۔ جو میں جانتا ہوں وہ آپ نہیں جانتے۔ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار گھوم پھر رہے ہیں۔ کسی نے آپ کو پہچان لیا تو ہم دونوں ساری عمر پچھتاتے رہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھ کیوں نہ چلے گئے۔ اتفاق سے ہم آگئے ہیں۔ ہمارے پاس گھوڑے ہیں، ہتھیار ہیں۔ ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ویسے بھی کوئی حکمران محافظوں کے بغیر کہیں جاتا اچھا نہیں لگتا"۔

سیف الدین کو محافظوں کی ضرورت تھی۔ وہ تو پہلے ہی ڈرا ہوا تھا۔ داؤد نے اُسے اور ڈرا دیا۔ اُس نے انہیں کہا کہ وہ اپنے کپڑے صاف کر لیں اور اگلی رات چلنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ وہ اندر چلے گئے اور سیف الدین فوزی کا انتظار کرنے لگا لیکن فوزی اُس کے کمرے میں نہ گئی۔ دن کو داؤد اور حارث اس کے لیے کھانا لے گئے۔ اُس کے پاس بیٹھے رہے اور دن گزر گیا۔

☆

جس وقت یہ تین مسلمان حکمران صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے وہاں سے کچھ

دو صلیبی کمانڈروں اور حکمرانوں کی کانفرنس ہو رہی تھی۔ وہ الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج کی شکست پر غور کر رہے تھے۔ ان میں تقریباً سب سلطان ایوبی کے مقابلے میں آ کر شکست کھا چکے تھے۔

"ان تین مسلمان فوجوں کی شکست دراصل ہماری شکست ہے" — ریمانڈ نے کہا — "جہاں تک میں جانتا ہوں صلاح الدین ایوبی کی فوج کی نفری زیادہ نہیں تھی"۔

"مجھے آپ کی رائے سے اتفاق نہیں" — ایک مشہور فرانسیسی بادشاہ ریناٹ نے کہا — "ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ مسلمان آپس میں ٹکرائیں تو ان میں سے کسی فریق کو فتح یا شکست ہو۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ مسلمان آپس میں لڑتے رہیں اور ایک فریق ہمارے ہاتھ میں کھیلتا رہے۔ ہمارا بدترین اور خطرناک دشمن صلاح الدین ایوبی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے مسلمان بھائی اس کے راستے میں حائل رہیں اور اُس کی طاقت ضائع کرتے رہیں۔ اگر اُس کے مسلمان حریفوں کی طاقت ضائع ہو رہی ہے تو ہوتی رہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو شکست دے کر اُس کے حریف ہمارے خلاف متحد ہو جائیں"۔

"میں آپ کو مسلمان علاقوں اور حکمرانوں کی پوری کیفیت سناتا ہوں جو ہمارے مشیروں نے بھیجی ہیں" — ایک کمانڈر نے کہا — "صلاح الدین ایوبی کی دشمن تینوں فوجوں کی جذباتی حالت یہ ہے کہ سپاہیوں میں لڑنے کا جذبہ خطرناک حد تک کم ہو گیا ہے۔ اُن کا جانی نقصان بھی بہت ہُوا اور وہ بے شمار اسلحہ اور سامان پھینک آئے ہیں۔ وہ فوری طور پر لڑنے کے قابل نہیں تھے۔ ہم نے انہیں جو مشیر دے رکھے ہیں انہوں نے مسلمان حکمرانوں کو بڑی مشکل سے صلاح الدین ایوبی پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی حلب اور ترکمان کے خوبصورت علاقے میں خیمہ زن ہے۔ وہ فوری طور پر پیش قدمی نہیں کر رہا۔ ہمارے مشیر پوری کوشش کر رہے ہیں کہ حلب، حرن اور مُوصل کی فوجیں خواہ وہ کسی بھی حالت میں ہوں حملہ کر دیں۔ ہمیں اُمید ہے کہ وہ صلاح الدین ایوبی کو بے خبری میں جا لیں گی۔ اُسے مارنے کا یہی ایک طریقہ ہے"۔

"اور یہ طریقہ شاید کامیاب نہ ہو" — آگسٹس نے کہا — "کیونکہ ایوبی بے خبر کبھی نہیں بیٹھا۔ اُس کا جاسوسی کا نظام ہر لمحہ بیدار اور سرگرم رہتا ہے۔ اُسے آنے والے واقعات اور حملوں کی اطلاع دو دن پہلے مل جاتی ہے۔ ہمارے جو مشیر مسلمانوں کے ساتھ ہیں انہیں سختی سے ہدایت دو کہ اپنے جاسوسوں کو اور زیادہ تیز کر دیں اور اُن کی تعداد بھی بڑھا دیں۔ انہیں یہ کام دیں کہ تمام علاقوں میں گھومتے پھرتے رہیں اور ایوبی کے جاسوسوں کو پکڑیں۔ جب مسلمان فوجیں حملے کے لیے کُوچ کریں تو جاسوس اور چھاپہ مار دُور دُور بکھر جائیں۔ جہاں کوئی مشکوک آدمی اِدھر اُدھر جاتا نظر آئے اُسے پکڑ لیں۔۔۔۔ مسافروں کو بھی روک لیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایوبی کو حملے کی خبر اُس وقت ہو جب اُس کے مسلمان بھائیوں کے گھوڑے اُس کی خیمہ گاہ میں داخل ہو کر اُس کی فوج کا کشت و خون شروع کر دیں"۔

"یہ اطلاع بھی ملی ہے کہ صلاح الدین ایوبی اُن علاقوں سے جو اُس کے قبضے میں ہیں فوج کے لیے بھرتی کر رہا ہے اور لوگ بھرتی ہو رہے ہیں" — ایک اور کمانڈر نے کہا — "یہ سلسلہ رُکنا چاہیے۔ اُس کا ایک طریقہ تو یہ ہے جو ہم پہلے ہی اختیار کر رہے ہیں کہ اس پر جلدی حملہ کرایا جائے تاکہ اُسے تیاری کی مہلت نہ ملے۔ دوسرا طریقہ یہ

ہے کہ ان علاقوں میں اخلاق تخریب کاری کی وہی مہم چلائی جائے جو ہم نے مصر میں چلائی تھی۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے بہت سے آدمی اور کئی ایک کارآمد اور قیمتی لڑکیاں پکڑی گئیں اور ماری گئی ہیں لیکن یہ قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔ ہم بھی تو مرتے ہیں۔ صلیب کی خاطر ہمیں خود بھی مرنا ہے اور اپنی اولاد کو بھی مروانا ہے۔ مسلمانوں کے ذہنوں پر حملہ ضروری ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ ہم صلاح الدین ایوبی کو اِس خطے سے بے دخل نہیں کر سکے۔ اُس نے مصر میں پاؤں جما لیے ہیں اور یہاں بھی آ گیا ہے۔ اُس کی کامیابی کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ میدانِ جنگ کا استاد ہے، دوسری وجہ یہ کہ وہ انتظامیہ کا ماہر ہے اور تیسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُس نے اپنے سپاہیوں میں قومیت اور مذہب کا جنون پیدا کر رکھا ہے۔ ہمارے خلاف لڑنے کو وہ مذہبی عقیدہ سمجھتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کے چھاپہ مار بھیڑیوں کی طرح ہماری فوج پر شب خون مارتے ہیں۔ اس جُنون اور اس عقیدے کو تباہ کرنا ضروری ہے"۔

"ہم نے ہمیشہ انسان کی اس کمزوری سے فائدہ اُٹھایا ہے جسے فرار اور لذت پرستی کہتے ہیں" — شاہ آگسٹس نے کہا — "جن مسلمانوں کے پاس دولت ہے وہ حکمران بننا چاہتے ہیں۔ ہم نے اُن کی اسی کمزوری کو استعمال کیا ہے۔ ہمیں کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ایک اور مہم شروع کرنی ہے۔ یہ ہے ایوبی کے خلاف نفرت کی مہم۔ اس کے خلاف انتہائی گھٹیا باتیں مشہور کرو لیکن یہ کام تم نہیں کرو گے بلکہ مسلمانوں کی زبانیں استعمال کی جائیں گی۔ اپنے مخالفین اور دشمنوں کو بدنام کرنے کے لیے اپنے کردار اور اخلاق کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ اپنے مفاد کو سامنے رکھنا چاہیے۔ تمہارا دشمن حیثیت رُتبے اور شہرت کے لحاظ سے جس قدر بلند ہو اُس پر اتنے ہی گھٹیا اور پست الزام عائد کرو۔ سَو میں سے پانچ آدمی تو تمہاری بات مان جائیں گے"۔

"اس دوران اپنی جنگی تیاریاں جاری رکھو" — ایک کمانڈر نے کہا — "ہمیں بہت وقت مل گیا ہے۔ آپ نے بہت کامیابی سے مسلمانوں میں حکومت پرستی کا مرض پیدا کر کے انہیں آپس میں ٹکرا لیا ہے۔ اگر ہم مسلمانوں میں اپنے دوست پیدا نہ کرتے تو آج صلاح الدین ایوبی فلسطین میں ہوتا۔ ہم نے اُسی کی قوم اُس کے راستے میں کھڑی کر دی ہے"۔

"میں حیران ہوں" — ریمانڈ نے کہا — "کہ یہی مسلمان سپاہی ایوبی کی فوج میں ہیں۔ وہ ہمارے دس دس سپاہیوں پر بھاری ہوتے ہیں مگر یہی مسلمان سپاہی ایوبی کے حریفوں کی فوج میں تھے اور ایسی بُری شکست کھا گئے کہ بکھرے ہوئے بھاگے"۔

"یہ عقیدے اور نظریے کا کرشمہ ہے جسے مسلمان ایمان کہتے ہیں" — ریناٹ نے کہا — "جو سپاہی یا سالار اپنا ایمان نیلام کر دیتا ہے اس میں لڑنے کا جذبہ نہیں رہتا۔ اُسے زندگی اور اُجرت عزیز ہوتی ہے۔ اسی لیے ہم نے کردار کُشی کو ضروری سمجھا ہے۔ ان لوگوں میں جنسیت اور نشے کی عادت پیدا کرو، پھر تمہیں سپاہی اور گھوڑے مروانے کی ضرورت نہیں پڑے گی"۔

اس کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ حلب میں تینوں مسلمان فوجوں کو یکجا کر کے ایک کمان میں رکھا جائے۔ انہیں واجبی سی مدد دی جائے۔ انہیں ایک محاذ پر رکھا جائے لیکن ان تینوں میں تفرقہ بھی پیدا کیا جائے۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا۔ حارث کے گاؤں پر نیند کا غلبہ تھا۔ اُس کے گھر سے تین گھوڑے نکلے۔ ایک پر سیف الدین سوار ہُوا۔ دوسرے پر حارث اور تیسرے پر داؤد۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جو انہوں نے فوجی انداز سے عمودی پکڑ رکھی تھیں۔ انہیں الوداع کہنے کے لیے حارث کا باپ، بہن اور بیوی دروازے کے باہر کھڑی تھیں۔ حارث کے ہاتھ میں مشعل تھی۔ سیف الدین فوزی پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور فوزی داؤد کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سیف الدین کی اور اپنے بھائی کی بھی موجودگی کو نظرانداز کر دیا تھا۔ "خدا حافظ۔ خدا حافظ" کی آوازیں سنائی دیں اور تینوں سوار چل پڑے۔

گھوڑے تاریکی میں روپوش ہو گئے۔ فوزی اُن کے ٹاپ سنتی رہی۔ جوں جوں ٹاپو دھیمے ہوتے گئے، فوزی کے کانوں میں داؤد کی آواز بلند ہوتی گئی — "راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہُوا کرتی ہیں۔ اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔"

وہ جب اندر جا کر سونے کے لیے لیٹی تو بھی اُس کے گرد داؤد کے یہی الفاظ گونج رہے تھے۔ اچانک یہ سوال اس کے ذہن میں آیا — "کیا میں داؤد کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہوں؟" — وہ شرمسار سی ہو گئی، پھر اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ اُسے داؤد کے یہ الفاظ یاد آئے — "راستے میں خون کی ندی بھی ہے جس پر کوئی پل نہیں" — اُس کے ذہن میں خون موجیں مارنے لگا۔ شادی ایک بیکار سا خیال بن کر ذہن سے نکل گیا۔

سیف الدین اور اُس کے محافظوں نے رات سفر میں گزار دی۔ صبح طلوع ہوئی تو سیف الدین آگے آگے جا رہا تھا۔ داؤد اور حارث اتنا پیچھے تھے کہ اُن کی باتیں سیف الدین کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ گھوڑوں کے قدموں کی بھی آوازیں تھیں۔

"معلوم نہیں تم مجھے کیوں روک رہے ہو؟" — حارث نے جھنجلا کر داؤد سے کہا — "یہاں ہم اسے قتل کر کے لاش کہیں دبا دیں تو کسی کو ہم پر قتل کا شک نہیں ہو سکتا۔"

"اسے زندہ رکھ کر ہم اس کی پوری فوج کو قتل کرا سکیں گے" — داؤد نے کہا — "یہ مر گیا تو اس کی فوج کی کمان کوئی اور لے لے گا۔ مجھے راز معلوم کرنا ہے۔ تم اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔"

دوپہر سے کچھ پہلے انہیں حلب کے مینار نظر آنے لگے۔ اس سے الگ ہٹ کر المبارک کا سبزہ زار تھا جہاں قدرتی چشمے تھے۔ اس جگہ کے قریب پہنچے تو سیف الدین کا وہ کمانڈر جو الملک الصالح کے لیے اُس کی ملاقات کا پیغام لایا تھا، دوڑتا آیا۔ اُس نے بتایا کہ الملک الصالح انتظار کر رہا ہے۔ المبارک کے سبزہ زار میں داخل ہوئے تو الملک الصالح کے دو سالار استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ اُس نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اُس کے لیے چشمے کے کنارے خیمہ نصب کیا جائے۔ وہ اسی جگہ قیام کرنا چاہتا تھا۔ تاریخ میں اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ اُس نے شہر میں الملک الصالح کے محل میں جانا کیوں پسند نہیں کیا تھا۔ اُس نے داؤد اور حارث کو اپنے ساتھ رکھا۔ اُس کے لیے نہایت خوشنما اور کشادہ خیمہ نصب کر دیا گیا۔ ملازم بھی آ گئے اور خیمے نے وہاں محل کا منظر بنا دیا۔ الملک الصالح نے اُسے قلعے میں رات کے کھانے پر مدعو کیا اور وہیں ملاقات طے ہوئی۔

☆

شام کو سیف الدین اور الملک الصالح کی ملاقات ہوئی۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں "سلطان یوسف پر کیا افتاد پڑی" (سلطان ایوبی کا پورا نام یوسف صلاح الدین ایوبی تھا) میں اس ملاقات کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے — "آخر کار یہ طے پایا کہ الملک الصالح اور سیف الدین والیٔ موصل کی ملاقات ہوگی۔ ملاقات قلعے میں ہوئی جہاں الملک الصالح نے سیف الدین کا استقبال کیا۔ سیف الدین نے کمسن شہزادے الملک الصالح کو گلے سے لگا لیا اور رو پڑا۔ ملاقات کے بعد سیف الدین اپنے خیمے میں چلا گیا جو چشمہ المبارک کے پاس تھا۔ وہاں اُس نے بہت دن قیام کیا۔"

وہ وقائع نگاروں نے جو کوائف قلمبند کیے تھے، وہ اس طرح ہیں کہ سیف الدین نے الملک الصالح سے کہا کہ اُس نے اس کے پیغام کا جواب نہیں دیا۔ الملک الصالح حیران ہُوا۔ اُس نے بتایا کہ اُس نے دوسرے ہی دن تحریری جواب بھیج دیا تھا جس میں اُس نے لکھا تھا کہ آپ فکر نہ کریں، صلح کا معاہدہ محض دھوکہ ہے جو وقت حاصل کرنے کے لیے سلطان ایوبی کو دیا گیا ہے۔

"مجھے آپ کا کوئی پیغام نہیں ملا" — سیف الدین نے کہا — "میں تو اس پر پریشان تھا کہ آپ نے صلاح الدین ایوبی کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر کے غلطی کی ہے اور ہمیں دھوکہ دیا ہے۔"

الملک الصالح کے ساتھ اس کے دو سالار بھی تھے۔ انہوں نے اسی وقت اُس آدمی کو بلایا جسے پیغام دیا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ قاصد کون تھا۔ قاصد کو بلانے گئے تو معلوم ہُوا کہ جس روز وہ پیغام لے کر گیا تھا اُس روز کے بعد کسی کو نظر نہیں آیا۔ اس اطلاع پر بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ قاصد کا کچھ پتہ نہ چلا۔ کسی کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ وہ کہیں اکیلا رہتا تھا۔ وہاں اُس کا سامان پڑا تھا، وہ خود نہیں تھا — یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اتنا اہم پیغام صلاح الدین ایوبی تک پہنچا دیا گیا ہے۔

یہ معاملہ الملک الصالح کے صلیبی مشیروں تک پہنچا تو انہوں نے یہ فیصلہ دیا — "قاصد صلاح الدین ایوبی کا جاسوس تھا، یا سیف الدین کی طرف جاتے ہوئے قاصد ایوبی کے جاسوسوں یا چھاپہ ماروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے اُسے قتل کر دیا ہو گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ صلاح الدین ایوبی نے جنگی تیاریاں تیز کر دی ہوں گی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ حملے میں پہل کر دے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ تینوں فوجوں کو فوراً اکٹھا کیا جائے اور ایوبی پر حملہ کر دیا جائے۔"

صلیبی یہی چاہتے تھے کہ مسلمانوں کے درمیان جنگ جاری رہے۔ ایک ہی دن میں موصل اور حرن پیغام بھیج دیے گئے کہ افواج جس حالت میں ہیں حلب پہنچیں۔ حرن کے امیر گمشتگین نے کچھ پس و پیش کی لیکن سب کے درمیان بیٹھ کر وہ کھلی مخالفت نہ کر سکا۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ تینوں افواج ایک ہائی کمانڈ کے تحت ہوں گی اور سپریم کمانڈر سیف الدین ہو گا۔ گمشتگین نے اپنی فوج شامل تو کر دی لیکن خود حلب میں رہنا پسند کیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ سیف الدین کے ماتحت نہیں رہنا چاہتا۔

دو تین دنوں میں تینوں فوجیں حلب میں جمع ہو گئیں۔ صلیبیوں نے اسلحہ اور سامان بھیج دیا تھا۔ انہوں نے

مزید سامان کا وعدہ کیا اور فوج کو کُوچ کرا دیا۔ حملے کا پلان عجلت میں بنایا گیا تھا۔ کُوچ کو پوشیدہ رکھنے کے لیے نقل و حرکت رات کو کی گئی۔ دن کو پڑاؤ کرنا تھا۔ اس کے علاوہ یہ انتظام بھی کیا گیا کہ چھاپہ ماروں کی خاصی تعداد کُوچ کے راستے دائیں بائیں اس ہدایت کے ساتھ پھیلا دی گئی کہ کوئی مسافر بھی نظر آئے تو اُسے پکڑ کر حلب بھیج دو تاکہ فوج کا کُوچ خفیہ رہے۔

کُوچ سے پہلے سیف الدین نے داؤد اور حارث کو بلایا۔ انہیں شاباش دی اور کہا کہ انہوں نے مشکل کے وقت میں اُس کا ساتھ دیا ہے۔ جنگ کے بعد انہیں ترقی ملے گی اور انعام بھی۔ اُس نے حارث سے کہا۔ "تمہاری بہن کا میرے سر پر ایک قرض ہے۔ میں اُس کے سامنے اُس وقت جاؤں گا جب میں یہ قرض ادا کرنے کے قابل ہوں گا۔" حارث کو حیرت میں دیکھ کر اس نے کہا۔ "فوزی نے کہا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار لے کر اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو کر آؤ گے تو میں تمہارے ساتھ چلی چلوں گی.... حارث! میں اگر فاتح واپس آیا تو تمہاری بہن مُوصل کی ملکہ ہوگی۔"

"انشاءاللہ۔" حارث نے کہا۔ "ہم آپ کو فاتح لائیں گے۔ کیا تینوں فوجیں اکٹھی جا رہی ہیں؟"

"ہاں!" سیف الدین نے جواب دیا۔ "اور میں تینوں کا سالارِ اعلیٰ ہوں گا۔"

"زندہ باد!" داؤد نے کہا۔ "اب بھاگنے کی باری صلاح الدین ایوبی کی ہے۔"

داؤد اور حارث نے غلامانہ انداز سے جوشیلی باتیں کر کے اور فوزی کا نام بھی بار بار لے کر اُس سے پلان کا خاکہ بھی معلوم کر لیا اور نقل و حرکت کا انداز بھی پوچھ لیا۔

"تم دونوں اپنی فوج میں چلے جاؤ۔" سیف الدین نے کہا۔ "میرا محافظ دستہ آگیا ہے۔ میں تم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔"

☆

تینوں فوجوں کا کُوچ رات کو ہُوا۔ داؤد اور حارث مُوصل کی ایک فوج کے جیش میں شامل ہو گئے تھے۔ حارث کو تو کئی سپاہی جانتے تھے کیونکہ وہ اسی فوج کا تھا۔ داؤد کے متعلق حارث نے بتایا کہ والیٔ موصل کا بھیجا ہُوا آدمی ہے۔ کُوچ کی حالت میں کسی نے داؤد کے متعلق چھان بین نہ کی۔ رات کو تینوں فوجیں تین کالموں میں چلتی رہیں۔ آدھی رات کے بعد علاقہ چٹانی آگیا جہاں کئی جگہوں پر کالم کی ترتیب گڈمڈ ہوگئی۔ داؤد نے حارث سے کہا۔ "یہاں سے نکلو، موقعہ اچھا ہے۔"

رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دونوں نے گھوڑے آہستہ آہستہ ایک طرف کرنے شروع کر دیئے اور فوج سے دُور ہٹتے گئے۔ داؤد کی سکیم یہ تھی کہ دُور جا کر گھوڑے سرپٹ دوڑا دیں گے۔ دن کو تینوں افواج پڑاؤ کریں گی اور وہ دونوں ترکمان پہنچ جائیں گے اور صلاح الدین ایوبی کو حملے کی خبر دے دیں گے۔ اس طرح اُسے حملے کی اطلاع ایک دن پہلے مل جائے گی اور وہ دشمن کے استقبال کا انتظام کرے گا۔ داؤد کو اپنی سکیم کی کامیابی پر مکمل اعتماد تھا مگر اُسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اردگرد کے علاقے میں چھاپہ مار اور

جاسوس پھیلا دیئے گئے ہیں۔

وہ دونوں دور دائیں طرف نکل گئے۔ جب دیکھا کہ فوج سے وہ بہت دُور محفوظ فاصلے پر آ گئے ہیں تو انہوں نے ترکمان کا رُخ کر لیا لیکن گھوڑے دوڑائے نہیں، رفتار ذرا سی تیز کر دی۔ وہ گھوڑوں کو تھکانے سے بھی گریز کر رہے تھے کیونکہ انہیں منزل تک رُکے بغیر پہنچنا تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔ صبح کا اجالا نکھرنے لگا تو داؤد گھوڑے سے اُترا اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر اس طرف دیکھنے لگا جدھر افواج جا رہی تھیں۔ اُسے دُور گرد کے سوا کچھ نظر نہ آیا۔ اُسے اطمینان ہو گیا کہ وہ افواج سے بہت دُور ہیں مگر یہ اُس کی غلطی تھی۔ اُسے کوئی دیکھ رہا تھا۔ نیچے آ کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور دونوں نے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ یہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کا علاقہ تھا۔ وہ دو ٹیلوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ آگے موڑ تھا۔ وہ موڑ پر پہنچے تو آگے سے چار گھوڑ سوار آ گئے۔ چاروں نے برچھیاں اُن کی طرف کر دیں اور رُک گئے۔

"گھوڑوں سے اُترو۔" گھوڑ سوار نے رعب سے کہا۔

"ہم مسافر ہیں۔" داؤد نے کہا۔

"مسافر موصل کی فوج کی وردی میں نہیں ہُوا کرتے۔" گھوڑ سوار نے کہا۔ "مسافروں کے پاس یہ ہتھیار نہیں ہُوا کرتے جو تم نے اٹھا رکھے ہیں.... تم جو کوئی بھی ہو تمہیں ہمارے ساتھ حلب چلنا ہوگا۔ ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ گھوڑے موڑو۔"

یہ حلب کے چھاپہ مار تھے جو مشکوک آدمیوں کو پکڑ کر حلب لے جانے کو تمام علاقے میں پھیلا دیئے گئے تھے۔ چاروں سواروں نے ان دونوں کو گھیرے میں لے لیا۔ داؤد نے حارث سے آہستہ سے کہا۔ "وقت آگیا ہے بھائی۔" حارث نے اپنے گھوڑے کی لگام کو جھٹکا دیا۔ گھوڑے نے اگلی دونوں ٹانگیں اُٹھا دیں۔ حارث نے ایڑ لگائی۔ گھوڑے نے جست لگائی۔ حارث نے سامنے والے گھوڑ سوار کے سینے میں برچھی اُتار دی لیکن اُس کے بائیں جو سوار تھا اُس کی برچھی حارث کے کندھے میں اُتر گئی۔ داؤد تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہیں سے گھمایا اور ایک اور سوار کو بے خبری میں لے لیا۔ وہ چار تھے اور یہ دو۔ یہ جگہ گھوڑوں کی لڑائی کے لیے موزوں نہیں تھی۔ دونوں طرف ٹیلے تھے۔ تھوڑی دیر گھوڑے کودتے پھلانگتے رہے، برچھیاں ٹکراتی رہیں۔ حارث گھوڑے سے گر پڑا۔ داؤد کو بھی زخم آئے تھے جن میں دو تین گہرے تھے لیکن اُس نے ہوش ٹھکانے رکھے۔

آخر چاروں سوار مارے گئے یا شدید زخمی ہو کر گر پڑے۔ داؤد بھی شدید زخمی تھا۔ اُس نے دیکھا کہ حارث ختم ہو گیا ہے تو اُس نے حارث کے گاؤں کا رُخ کر لیا۔ حارث کو دیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ اُسے یقین تھا کہ وہ مر گیا ہے اور اُسے یہ بھی یقین تھا کہ وہ خود بھی مر جائے گا لیکن وہ سلطان ایوبی کو حملے سے قبل از وقت خبردار کرنے کے لیے زندہ رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اُس کا خون اتنا زیادہ بہہ گیا تھا کہ اُس کی زین اور گھوڑے کی پیٹھ بھی لال ہو گئی تھی۔ اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ ترکمان دُور ہے اور حارث کا گاؤں قدرے کم دُور۔ اُس کی نظر حارث کے باپ پر تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ زندہ پہنچ گیا تو بوڑھے سے کہے گا کہ اپنے شہید بیٹے کی روح کی تسکین کے لیے ترکمان پہنچو اور سلطان ایوبی کو خبردار کر دو۔

اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا جتنا زیادہ ہلتا تھا داؤد کے جسم سے خون اتنا ہی زیادہ نکلتا تھا۔ پسلیں سے اُس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ سر کو جھٹک جھٹک کر راستہ دیکھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اُس نے آیۃ کریمہ کا ورد شروع کر دیا اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد آسمان کی طرف منہ کرکے بلند آواز سے کہتا ——"زمین و آسمان کے مالک! تجھے اپنے رسولؐ کا واسطہ، مجھے تھوڑی سی زندگی عطا کر دے" —— اُس کے نیچے گھوڑا بڑی اچھی چال دوڑتا جا رہا تھا مگر داؤد کے زخم کھلتے جا رہے تھے اور وہ محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کے جوڑ بھی الگ ہو رہے ہوں۔ ایک بار تو اُس کا سر ایسا ڈولا کہ وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ وہ چونک کر سنبھل گیا۔

☆

وہ ایک بار پھر گھوڑے سے گرنے لگا۔ اُس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر سنبھل نہ سکا۔ اُسے اپنے پاؤں کے نیچے زمین محسوس ہوئی۔ اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا۔ وہ ذرا سا اپنے آپ میں آیا تو اُسے پتہ چلا کہ یہ رات کا اندھیرا ہے اور اُسے کسی نے تھام رکھا ہے۔ اُسے وہ دشمن سمجھ کر آزاد ہونے کی کوشش کرنے لگا تو اُس کے کانوں میں ایک نسوانی آواز پڑی —— "داؤد! تم گھر میں ہو۔ گھبراؤ نہیں" —— اُس نے آواز پہچان لی۔ یہ فوزی کی آواز تھی۔ وہ غشی کی حالت میں منزل پر پہنچ گیا تھا۔ آیۃ کریمہ نے اُسے روح کی روشنی عطا کی تھی۔

"بابا کہاں ہیں؟" اُس نے اندر جا کر پوچھا۔

"وہ باہر چلے گئے ہیں" —— فوزی نے کہا —— "وہ کل یا پرسوں آئیں گے"۔

فوزی اور اُس کی بھابی اُس کے زخم دھونے لگیں تو اُس نے پانی مانگا۔ پانی پی کر اُس نے کہا "فوزی! تم نے کہا تھا کہ مردوں کے کام عورتیں بھی کر لیا کرتی ہیں" —— وہ رُک رُک کر بڑی مشکل سے بول رہا تھا —— "میرے زخم نہ دھوؤ۔ بیکار ہے۔ میرے اندر خون نہیں رہا.... میں ٹھیک ہوتا تو برداشت نہ کرتا کہ تمہیں اس گھر سے باہر جانے دیتا مگر یہاں مسئلہ میری اور تیری ذات کا نہیں۔ یہ ایک امانت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہمارے رسولِ پاکؐ کی ناموس کا مسئلہ ہے" —— اُس نے فوزی کو ترکمان کا راستہ سمجھایا اور اُسے پیغام دیا کہ حلب، حران اور موصل کی فوجیں کس طرح مشترکہ کمان میں حملے کے لیے آ رہی ہیں، کدھر سے آ رہی ہیں اور اُن کا پلان کیا ہے۔ اُس نے فوزی کو بتایا کہ اُس کا بھائی اس فرض کی ادائیگی میں شہید ہو گیا ہے۔

فوزی تیار ہو گئی اور اُس کے ساتھ حارث کی بیوی بھی تیار ہو گئی۔ ایک گھوڑا گھر میں تھا، دوسرا داؤد کا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابی داؤد کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے سے گھبرا رہی تھیں۔

"فوزی!" داؤد نے نحیف آواز میں کہا —— "میرے قریب آؤ" —— وہ اُس کے قریب آئی تو اُس نے لڑکی کا ہاتھ تھام کر اور مسکرا کر کہا "راہِ حق کے مسافروں کی شادیاں آسمانوں میں ہُوا کرتی ہیں۔ اُن کی باراتیں کہکشاں کے رستے جایا کرتی ہیں۔ ہماری شادی کی خوشی میں آسمان پر ستاروں کی چراغاں ہوگی" —— اور اُس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔ فوزی نے اُسے بلایا مگر اُس کی بارات کہکشاں کے راستے چل پڑی تھی۔

فوزی کو داؤد سب کچھ بتا کر شہید ہُوا تھا۔ فوزی اور اُس کی بھابی نے گھر اللہ کے حوالے کیا۔ گھوڑے پر زین ڈالی اور اُس پر فوزی کی بھابی سوار ہو گئی۔ فوزی نے داؤد کے گھوڑے کو پانی پلایا اور سوار ہو گئی۔ زین پر خون کی تہہ جمی ہوئی تھی.... دونوں گھوڑے گاؤں سے نکل گئے۔ دونوں لڑکیاں اللہ کے بھروسے پر جا رہی تھیں۔ اس راستے سے وہ واقف نہیں تھیں۔ داؤد نے فوزی کو ایک ستارہ سمجھا دیا تھا۔ وہ اس ستارے کی راہنمائی میں چلتی گئیں۔

اُدھر تینوں افواج دن بھر قیام کرکے رات کو چل پڑی تھیں۔ ترکمان زیادہ دور نہیں تھا۔ سلطان ایوبی ترکمان میں آنے والے طوفان سے بے خبر تھا۔ اُس نے دیکھ بھال کا انتظام کر رکھا تھا مگر اُس کے دشمن نے بھی اب کے اچھے انتظامات کیے تھے۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو بتا دیا تھا کہ ترکمان کے قریب انہیں سلطان ایوبی کے ایسے آدمی ملیں گے جو دیہاتی لباس میں یا خانہ بدوشوں کے بھیس میں ہونگے اور وہ دیکھ بھال کر رہے ہوں گے۔ مؤرخ لکھتے ہیں کہ صلاح الدین ایوبی کا اس طوفان سے بچنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اُس کا بے خبری میں دبوچے جانا یقینی تھا۔ اپنے سالاروں سے وہ کہہ رہا تھا کہ حلب، حران اور موصل والے اتنی جلدی حملہ کرنے کے قابل نہیں ہو سکتے حالانکہ اُسے سیف الدین کی طرف الملک الصالح کا بھیجا ہوا پیغام مل گیا تھا۔

فوزی اور اُس کی بھابی پر جیسے دیوانگی طاری تھی۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں رہا تھا کہ وہ مستورات ہیں اور اُن کے راستے میں کیسے کیسے خطرے ہیں۔ رات انہوں نے گھوڑوں پر گزار دی۔ صبح کا نور پھیلنے لگا تو وہ ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ فوزی نے ایک چٹان کے سہارے ایک آدمی کو بیٹھے دیکھا۔ اُس کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ اُس کا سر ڈھلک گیا تھا۔ فوزی نے اپنی بھابی سے کہا کہ کوئی زخمی معلوم ہوتا ہے لیکن رُکیں گے نہیں۔ معلوم نہیں کون ہے۔ انہیں اُس کے قریب سے گزرنا تھا۔ وہ آدمی اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

گھوڑے قریب گئے تو فوزی نے چیخ کر کہا —— "حارث" —— اور وہ گھوڑے سے کود گئی۔

وہ حارث تھا۔ وہ شہید نہیں ہُوا تھا لیکن اُس کا زندہ رہنا بھی معجزہ تھا۔ اُس کے جسم پر برچھیوں کے بہت سے زخم تھے۔ لڑکیوں نے گھوڑوں کے ساتھ پانی کے چھوٹے چھوٹے مشکیزے باندھ رکھے تھے۔ انہوں نے حارث کو پانی پلایا۔ اُسے ذرا سا ہوش آیا تو اُس نے پوچھا —— "میں گھر میں ہوں؟ داؤد کہاں ہے؟"

فوزی نے اُسے ساری بات بتا دی اور بتایا کہ وہ اِس وقت کہاں ہیں اور کدھر جا رہی ہیں۔ حارث نے کہا —— "مجھے گھوڑے پر ڈال لو اور ترکمان کی طرف گھوڑے دوڑا دو"۔

دونوں لڑکیوں نے اُسے گھوڑے پر بٹھا دیا۔ فوزی اُس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ حارث روح کی قوت سے زندہ تھا ورنہ اُس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ نہیں بچا تھا۔ یہ فرض کی لگن کا کرشمہ تھا۔ فوزی نے اُس کی پیٹھ اپنے سینے سے لگا رکھی تھی اور اُسے ایک بازو سے پکڑا ہُوا تھا۔ وہ سرگوشیوں میں فوزی کو راستہ بتا رہا تھا۔

سلطان ایوبی کی دشمن افواج سیف الدین کی کمان میں ترکمان کے قریب پہنچ رہی تھیں۔ اِدھر فوزی حارث

اور حارث کی بیوی ایک مخصوص سمت سے ترکمان کی طرف جارہی تھیں۔ افق سے آسمان گہرا بادامی ہوتا جارہا تھا اور یہ رنگ اوپر ہی اوپر اٹھتا جارہا تھا۔ فوزی کی بھابی نے افق کی طرف دیکھا تو اُس نے گھبرا کر اور چلا کر کہا —

"فوزی۔ اُدھر دیکھو" — حارث نے سرگوشی کی — "کیا ہے فوزی؟"

"آندھی" فوزی نے کہا اور اس کے دل پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

اس خطے کے لوگ ان آندھیوں سے واقف تھے۔ یہ علاقہ بے شک چٹانی تھا لیکن کچھ حصے ریتلے تھے اور ارد گرد ریگزار تھا۔ آندھی جب آتی تھی تو چٹانوں کو ریت میں دفن کر جاتی تھی۔ انسانوں اور جانوروں کے لیے یہ قیامت ہوتی تھی، لیکن یہ جو آندھی آرہی تھی وہ اس خطے کی چند ایک بھیانک آندھیوں میں سے ایک تھی اور اس آندھی نے تاریخی حیثیت حاصل کرلی۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے اپنی انگریزی کتاب "گوریلا وارفیئر" میں چند ایک یورپی مؤرخوں اور مسلمان وقائع نگاروں کے حوالے دے کر لکھا ہے — "جس روز الملک الصالح، گمشتگین اور سیف الدین کی متحدہ افواج سلطان صلاح الدین ایوبی پر بے خبری میں حملہ کرنے کے لیے ترکمان کے قریب پہنچ گئیں تو ایسی آندھی آئی کہ اپنی ناک سے ایک بالشت آگے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ سلطان ایوبی کو معلوم نہیں تھا کہ اس آندھی میں اُس پر ایک اور طوفان آرہا ہے۔"

تاریخ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ متحدہ افواج نے سلطان ایوبی پر حملہ کرنے میں تاخیر کردی جو سالارِ اعلیٰ کی لغزش تھی، لیکن راہِ حق کے مسافروں کی مدد خدا کیا کرتا ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ خدائے ذوالجلال نے دو مسلمان لڑکیوں کے جذبۂ حریت کی لاج رکھ لی تھی۔ ایک بہن اپنے زخمی بھائی کو سینے سے لگائے مجاہدینِ اسلام کو کفر کی یلغار سے خبردار کرنے کو دوڑی جارہی تھی۔ اُسے کوئی غم نہ تھا کہ اُس کا بھائی مر رہا ہے۔

آندھی اتنی تیزی سے آئی کہ کسی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ ملا۔ متحدہ افواج چٹانوں کی اوٹ میں بکھر کر پناہ گزین ہوئیں۔ گھوڑے اور اونٹ بے لگام ہوگئے۔ کمانڈروں کو اطمینان تھا کہ آندھی گزر جائے گی اور فوجوں کو منظم کرلیا جائے گا، مگر آندھی کا زور بڑھتا جارہا تھا۔

☆

سلطان ایوبی کی خیمہ گاہ کی بھی حالت بہت بُری تھی۔ خیمے اُڑ رہے تھے۔ بندھے ہوئے گھوڑوں، اور اونٹوں نے قیامت بپا کر رکھی تھی۔ ریت کی بوچھاڑوں کے ساتھ کنکریاں اور ریزے جسموں میں داخل ہوتے محسوس ہوتے تھے۔ چیخیں ایسی جیسے بدروحیں اور چڑیلیں چیخ رہی ہوں۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا مگر پتہ چلتا تھا کہ سورج کو بھی آندھی اڑالے گئی ہے۔ کمانڈر چلاتے پھر رہے تھے۔ سپاہی اُڑتے خیموں کو سنبھالتے، گرتے، اور اٹھتے تھے۔

تین چار سپاہی ایک چٹان کی اوٹ میں دبکے بیٹھے تھے۔ ایک گھوڑا جو آہستہ آہستہ چل رہا تھا اُن پر چڑھ گیا۔ سپاہیوں نے ادھر اُدھر گرتے چلا چلا کر کہا — "یہ گھوڑا روکو بدبخت۔ کہیں اوٹ میں ہو جاؤ" — گھوڑا رُکا تو ایک سپاہی نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "کچھ اور نہ کہنا عورت ہے" — ایک اور نے کہا — "یہ دو عورتیں ہیں"

وہ فوزی اور اُس کی بھابی تھیں۔ سپاہیوں نے یہ سمجھ کر کہ آندھی میں راستہ بھول کر ادھر آنکلی ہیں، اُن کے

گھوڑوں کی باگیں پکڑ لیں اور انہیں چٹان کی اوٹ میں کرنے لگے۔

"ہمیں سلطان تک پہنچاؤ" فوزی نے آندھی کی چیخوں میں چلا کر کہا۔ "سلطان صلاح الدین ایوبی کہاں ہے؟ ہم بہت ضروری پیغام لے کر آئی ہیں ورنہ سب مارے جاؤ گے"

سپاہیوں نے گھوڑے پر ایک لہولہان زخمی کو بھی دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کی باگیں پکڑیں اور بڑی ہی مشکل سے سلطان ایوبی کے خیمے تک پہنچے مگر وہاں کوئی خیمہ نہیں تھا۔ خیمہ اُڑ گیا تھا۔ ایک کمانڈر نے دیکھ لیا اور لڑکیوں کو سلطان ایوبی تک لے گیا۔ سلطان ایک عمودی چٹان کی اوٹ میں بیٹھا تھا۔ اُس کی حفاظت کے لیے قناتیں تان دی گئی تھیں۔ لڑکیوں کو دیکھ کر سلطان ایوبی تیزی سے اُٹھا۔ سب سے پہلے حارث کو گھوڑے سے اتارا گیا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ لڑکیاں گھوڑوں سے اُتریں اور تیزی سے بولتے ہوئے فوزی نے سلطان ایوبی کو بتایا کہ متحدہ فوج حملے کے لیے آگئی ہے۔ حارث نے سرگوشیوں میں ضروری باتیں بتائیں اور وہ بولتے بولتے ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگیا۔

اس سے کچھ دیر بعد آندھی کا زور تھمنے لگا۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں کو بلایا اور حکم دیا کہ خیمے سنبھالنے کی ضرورت نہیں۔ سپاہیوں کو جیشوں اور دستوں میں اکٹھا کرو۔ چھاپہ مار دستے فوراً بلاؤ۔ اُس نے سالاروں کو بتایا کہ کیا ہونے والا ہے اور رات کے اندر اندر کیا کیا نقل و حرکت کرنی ہے۔

آندھی کا زور کچھ اور کم ہوگیا لیکن رات کا اندھیرا پھیل گیا۔ سیف الدین کی متحدہ افواج اپنے آپ کو سنبھالنے میں مصروف ہوگئیں۔ بہت سے سپاہی سو گئے۔ رات کا حملہ اس بدنظمی کی وجہ سے ملتوی کردیا گیا۔ جانور بھی ادھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد افواج پر نیند کا غلبہ طاری ہوگیا۔ سلطان ایوبی کا کیمپ جاگ رہا تھا اور وہاں بے پناہ سرگرمی تھی۔ سیف الدین کو معلوم ہی نہ ہوسکا کہ اُس کے دائیں اور بائیں سے دو تین میل دور اُس فوج کا حصہ گزرتا جارہا ہے جسے وہ بے خبری میں تباہ کرنے آیا تھا۔

☆

صبح طلوع ہوئی۔ متحدہ افواج بُری طرح بکھری ہوئی تھیں۔ رسد اُڑ گئی تھی۔ بعض گھوڑوں نے منہ زور ہو کر سپاہیوں کو کچل ڈالا تھا۔ افواج کو عجلت سے منظم کیا گیا۔ آدھے سے زیادہ دن اسی میں گزر گیا۔ سیف الدین نے تینوں افواج کے سالاروں کو حکم دیا کہ چونکہ سلطان ایوبی بے خبر ہے اس لیے سامنے سے کھلا حملہ کردیا جائے۔ دن کے پچھلے پہر حملہ کیا گیا۔ دائیں بائیں چٹانیں اور سرسبز ٹیلے تھے۔ ان سے حملہ آوروں پر تیروں کا مینہ برسنے لگا۔ سامنے سے آگ کے گولے آنے لگے۔ آتش گیر مادے کی ہانڈیاں گرتی اور پھٹتی تھیں۔ سیال مادہ بکھر جاتا تھا۔ اس پر جب منجنیقوں کے پھینکے ہوئے آگ کے گولے گرتے تھے تو زمین مہیب شعلے اگلتی تھی۔ حملہ رُک گیا۔ سیف الدین نے افواج کو پیچھے ہٹالیا اور حملے کی ترتیب اور سکیم بدل دی مگر اُس کی افواج جیسے پیچھے ہٹیں تو عقب سے اُن پر ایسا شدید اور تیز حملہ ہوا کہ افواج کا شیرازہ بکھر گیا۔ یہ حملہ سلطان ایوبی کے اپنے مخصوص سٹائل کا تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد تھوڑی تھی۔ گھوڑے سرپٹ دوڑتے آئے۔ سواروں کی برچھیاں اور تلواریں چلیں اور وہ غائب ہوگئے۔

ایسے ہی حملے پہلوؤں پر ہوئے۔ سیف الدین کی مرکزی کمان ختم ہوگئی۔ رات آئی۔ حملے رات کو بھی جاری رہے۔ سیف الدین اور پیچھے ہٹا تو اُس پر تیروں کی بوچھاڑیں آنے لگیں۔ سلطان ایوبی کے چھاپہ مار رات بھر سرگرم رہے۔ صبح ابھی دُھندلی تھی جب سلطان ایوبی نے ایک چٹان پر چڑھ کر میدانِ جنگ کی کیفیت دیکھی۔ اُس کے سامنے اب جنگ کا آخری مرحلہ تھا۔ اُس نے قاصد کو اپنے ریزرو دستوں کے کمانڈر کی طرف دوڑا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سرپٹ دوڑتے گھوڑوں نے زمین ہلا ڈالی۔ پیادہ دستے دائیں اور بائیں سے نکلے۔ اللہ اکبر کے نعروں سے آسمان پھٹنے لگا۔

سیف الدین کی افواج اس قابل نہیں رہی تھیں کہ اس حملے کی تاب لاسکتیں۔ گھیرا ابھی تھا اور گھیرا مکمل تھا۔ سامنے سے شدید حملہ آگیا۔ سیف الدین کی افواج کا جذبہ تو ختم ہو ہی چکا تھا خود سیف الدین دل چھوڑ بیٹھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ کمان اُس کے ہاتھ سے نکل گئی ہے اور افواج لڑنے کے قابل نہیں رہیں۔ سوار زخمی سپاہیوں کو روند رہے تھے۔ آخر انہوں نے فرداً فرداً ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ سلطان ایوبی کی وہ فوج جو سیف الدین کے عقب میں تھی آگے آرہی تھی۔ دائیں بائیں سے چھاپہ مار تیے پہ تیے بول رہے تھے۔ سیف الدین کی افواج شکنجے میں پس گئیں۔

سیف الدین کے مرکز تک پہنچے تو وہاں شراب کی صراحیوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہاں سے جو قیدی پکڑے گئے، انہوں نے بتایا کہ اُن کا سالارِ اعلیٰ آخری بار ایک چٹان کی اوٹ میں دیکھا گیا تھا پھر نظر نہیں آیا۔ اُسے سلطان ایوبی کے حکم سے بہت تلاش کیا گیا مگر وہ کہیں بھی نظر نہ آیا۔ وہ نکل گیا تھا۔ اپنی افواج کو سلطان ایوبی کے رحم و کرم پر چھوڑ کر وہ بھاگ گیا تھا۔

رات ایک خیمے میں جو ترکمان کے سبزہ زار میں خاص طور پر نصب کیا گیا تھا فوزی اپنے بھائی کی لاش کے پاس بیٹھی کہہ رہی تھی — "میں نے خون کی ندی پار کرلی ہے جس پر کوئی پُل نہیں ہوتا۔ حارث! میں نے تمہارا فرض ادا کر دیا ہے"۔

سلطان ایوبی اُس خیمے میں داخل ہُوا تو فوزی نے پوچھا — "سلطان! کیا خبر ہے؟ میرے بھائی کا خون رائیگاں تو نہیں گیا؟"

"اللہ نے دشمن کو شکست دی ہے۔ تم فاتح ہو میری عزیز بچی! تم ...." اور سلطان ایوبی کی آواز رِقّت میں دب گئی۔ اُس کے آنسو بہہ نکلے۔

☆

جانباز، جنات اور جذبات

ترکمان کا معرکہ ختم ہو چکا تھا یا سلطان صلاح الدین ایوبی کے کم از کم اُن نائب سالاروں اور کمانڈروں کی نگاہ میں یہ معرکہ ختم ہو چکا تھا جنہوں نے الملک الصالح، سیف الدین اور گمشتگین کی متحدہ افواج کو اُن کی توقعات کے خلاف بے ترتیب اور بزدلانہ پسپائی پر مجبور کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے فاتح کمانڈروں کے سامنے دشمن کی لاشیں پڑی تھیں، زخمی تڑپ رہے تھے، منہ زور گھوڑے اور زخمی گھوڑے اور اونٹ زخمیوں اور لاشوں کو کچل رہے تھے۔ دشمن کے جو سپاہی بھاگ نہیں سکے تھے وہ ہتھیار پھینک کر الگ جمع ہوتے جا رہے تھے۔ بے اندازہ تلواریں، ڈھالیں، برچھیاں، کمانیں، تیروں سے بھرے ہوئے ترکش، خیمے، فوجیوں کا ذاتی سامان جس میں نقدی اور قیمتی اشیاء بھی تھیں دُور دُور تک بکھری ہوئی تھیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی اُس مقام پر کھڑا تھا جو اُس کے دشمن اتحادیوں کے سپریم کمانڈر سیف الدین غازی کا ہیڈ کوارٹر اور اس کی رہائش گاہ تھی۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سیف الدین اپنی افواج کو بکھرتا اور سلطان ایوبی کی فوج کو یقینی فتح کی طرف بڑھتا دیکھ کر کسی کو بتائے بغیر بھاگ گیا تھا۔ اُس کا فرار خفیہ تھا اور شرمناک بھی۔ اُس کے ساتھ اُس کے حرم کی منتخب لڑکیاں تھیں، ناچنے گانے والیاں اور اُن کے سازندے تھے، سونے کے سکوں اور دیگر نقدی کی بوریاں بھری ہوئی تھیں۔ یہ رقم افواج کی تنخواہ تھی اور یہ سلطان ایوبی کے آدمیوں کو خریدنے کے لیے بھی استعمال ہوتی تھی۔ سیف الدین کی یہ رہائش گاہ دلکش کپڑوں کے خیموں، قناتوں اور شامیانوں سے بنی تھی۔ یہ کپڑے کی دیواروں اور چھتوں کا محل تھا۔ اُس دَور کے جنگجو حکمران ایسے محل اور تمام تر آسائشیں اور عشرت کا سامان ساتھ رکھتے تھے۔ سیف الدین بھی انہی حکمرانوں میں سے تھا۔ اُس نے شراب کی صراحیاں، رنگا رنگ پیالے اور مٹکے بھی ساتھ رکھے ہوئے تھے۔

٭

سلطان ایوبی کپڑوں کے اس دلفریب محل کو دیکھ رہا تھا۔ اُس کی نظر پلنگ پر پڑی۔ وہاں تلوار پڑی تھی۔ سیف الدین ایسا بوکھلا کر بھاگا تھا کہ تلوار ساتھ لے جانا بھول گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار اُٹھالی۔ نیام سے نکالی۔ تلوار چمک رہی تھی۔ سلطان ایوبی اس تلوار کو دیکھتا رہا۔ اپنے ساتھ کھڑے دو سالاروں کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ”مسلمان کی تلوار پر جب عورت اور شراب کا سایہ پڑ جاتا ہے تو یہ لوہے کا بیکار ٹکڑا بن جاتی ہے۔ اس تلوار کو فلسطین فتح کرنا تھا مگر صلیب نے اسے اپنے گناہوں میں ڈبو کر اپنی طرح لکڑی کا ڈنڈا بنا ڈالا ہے۔ جو تلوار

"شراب سے بھیگ جائے وہ لہو کے رنگ سے محروم رہتی ہے۔"

اس سے ملحق ایک وسیع اور خوشنما خیمے میں جوان، حسین اور نیم عریاں لڑکیاں ڈری سہمی ہوئی بیٹھی تھیں۔ انہیں اپنا انجام کچھ اور نظر آرہا تھا۔ فاتح فوج کے قبضے میں آکر وہ جانتی تھیں کہ اُن کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ایسی دلکش لڑکیوں کو دیکھ کر کون درندہ نہیں بن جاتا لیکن انہیں جب سلطان ایوبی کا یہ حکم سنایا گیا کہ وہ آزاد ہیں اور وہ جہاں جانا چاہیں بتادیں تاکہ وہاں تک انہیں حفاظت اور عزت سے بھیجا جاسکے تو وہ اور زیادہ خوفزدہ ہوگئیں۔ انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا گیا۔ سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں عورت کے وجود کو برداشت نہیں کیا کرتا تھا۔ اُن لڑکیوں سے پوچھا گیا کہ اُن کی تعداد کتنی تھی تو انہوں نے بتایا کہ ان میں سے دو لاپتہ ہیں۔ ان کے متعلق یہ بھی بتایا گیا کہ وہ مسلمان نہیں تھیں اور وہی دو سیف الدین پر چھائی رہتی تھیں۔ یہی کہا جاسکتا تھا کہ وہ سیف الدین کے ساتھ بھاگ گئی ہیں۔

اُس دور کی جنگوں میں عموماً یُوں ہوتا تھا کہ جنگ ختم ہوتے ہی فاتح فوج مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑتی تھی۔ زیادہ تر فوجی شکست خوردہ فوج کے اعلیٰ کمانڈر کی رہائش گاہ یعنی مرکز پر دھاوا بولتے تھے کیونکہ وہاں خزانہ، شراب اور عورتیں ہوتی تھیں۔ ایک طوفانی ہڑبونگ اور بعض اوقات دنگا فساد برپا ہوجاتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے احکام سخت تھے۔ کسی افسر کو بھی اُس کا عہدہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو، اجازت نہیں تھی کہ مالِ غنیمت کو ہاتھ لگائے۔ مالِ غنیمت سمیٹنے اور ایک جگہ جمع کرنے کا کام کسی ایک دستے کے سپرد کیا جاتا تھا۔ اُس کی تقسیم سلطان ایوبی خود کرتا تھا۔ ترکمان کے معرکے کے بعد سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نہ دیا۔ اُس نے اپنے اور دشمن کے زخمیوں کو اٹھانے، مرہم پٹی کرنے اور جنگی قیدیوں کو الگ کرنے کا حکم دے دیا تھا۔

سلطان ایوبی میدانِ جنگ میں نظم و نسق اور ڈسپلن کی سختی سے پابندی کراتا تھا۔ اس معرکے میں دشمن بے ترتیبی سے بھاگا تھا۔ سلطان ایوبی کے بعض دستوں نے تعاقب بھی کیا تھا لیکن اُس کی ٹریننگ ایسی تھی کہ تعاقب میں بھی دستے اور جیش ترتیب میں اور ایک دوسرے کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے۔ سلطان ایوبی نے تعاقب رکوا دیا اور دائیں اور بائیں پہلو کو اسی طرح تیار رکھا تھا جس طرح جنگ سے پہلے تھے۔ حملے میں اُس نے دوسرے دستے، چھاپہ مار اور ریزرو کی کچھ نفری استعمال کی تھی۔ معرکہ ختم ہونے کے بعد بھی اُس نے پہلوؤں کے دستوں کو سمیٹا نہیں تھا۔ اس کے علاوہ اس نے اپنے محفوظہ (سٹرائیکنگ فورس) کو فوراً واپس بلا کر اُسے اپنی کمان میں لے لیا تھا۔

"دشمن کے ساز و سامان اور جانوروں وغیرہ کے متعلق کیا حکم ہے؟" ایک سالار نے سلطان ایوبی سے پوچھا اور کہا — "لڑائی ہمارے حق میں ختم ہوچکی ہے۔"

"میں ابھی اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہُوا۔" سلطان ایوبی نے کہا — "لڑائی ابھی ختم نہیں ہُوئی۔ میرے سبق اتنی جلدی بھول نہ جایا کرو۔ ہم نے دشمن کی مرکزیت اور جمعیت کو بکھیرا ہے۔ کیا ہمارے کسی دستے نے اس کے پہلوؤں پر حملہ کیا تھا؟ ... نہیں کیا تھا۔ مجھے شک ہے کہ اس کے دونوں نہیں تو ایک پہلو محفوظ ہے۔ وہ آخر

تین فوجیں تھیں۔ اُن کے سالار ایمان فروش ہوسکتے ہیں ایسے اناڑی نہیں ہوسکتے کہ اُن کے جو دستے لڑائی میں شامل نہیں ہوئے انہیں وہ جوابی حملے کے لیے استعمال نہ کریں۔ ہوسکتا ہے اُن کا محفوظہ بھی محفوظ اور تیار ہو۔"

"اُن کی مرکزی کمان ختم ہوچکی ہے سلطان محترم!" سالار نے کہا — "انہیں حکم دینے والا کوئی نہیں رہا۔"

"صلیبیوں کا خطرہ بھی ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا — "گو مجھے کسی طرف سے بھی اطلاع نہیں ملی کہ صلیبی فوج کہیں قرب و جوار میں موجود ہے لیکن یہ علاقہ چٹانی ہے۔ یہاں ٹیلے اور وسیع نشیب بھی ہیں۔ بعض جگہوں پر جنگل بھی ہیں اور کچھ حصہ ریگستانی بھی ہے۔ نظر دُور تک نہیں دیکھ سکتی۔ دشمن اور سانپ پر کبھی بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مرتے مرتے ڈنک مار دیتا ہے۔ مجھے سیف الدین کے سالار مظفرالدین کی کوئی خبر نہیں۔ تم سب جانتے ہو کہ مظفرالدین اتنی آسانی سے بھاگنے والا سالار نہیں۔ میں اُس کا انتظار کر رہا ہوں۔ اپنی آنکھیں کھلی رکھو، دستوں کو یکجا کرلو... مظفرالدین اگر میرے سبق بھول نہیں گیا تو وہ مجھ پر ایک جوابی حملہ تو ضرور کرے گا۔"

☆

سلطان ایوبی کا خطرہ بے بنیاد نہیں تھا۔ آپ نے قرونِ حماۃ کی جنگ میں سیف الدین کے ایک سالار مظفرالدین بن زین الدین کا ذکر پڑھا ہے۔ مظفرالدین سلطان ایوبی کی فوج میں سالار رہ چکا تھا اور اُس کی مرکزی کمان میں اُس کے ساتھ بھی رہا تھا، اس لیے اُسے اچھی طرح علم تھا کہ سلطان ایوبی جنگی منصوبہ کن عناصر کو سامنے رکھ کر تیار کرتا اور میدانِ جنگ میں اس میں کس طرح رد و بدل کرتا ہے۔ مظفرالدین کچھ تو ذہنی لحاظ سے پیدائشی جنگجو تھا، زیادہ تر تربیت سلطان ایوبی سے حاصل کی، اس لیے اس میں وہ جوہر تھے جو اُسے میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑنے دیتے تھے۔ وہ سیف الدین کا قریبی رشتہ دار (غالباً چچا زاد بھائی) تھا۔ جب سلطان ایوبی مصر سے دمشق آیا اور مسلمان امراء اُس کے خلاف صف آرا ہوگئے تو مظفرالدین سلطان ایوبی کو بتائے بغیر اس کی فوج سے نکل کر اس کے دشمن کیمپ میں چلا گیا تھا۔

ترکمان کے اس معرکے سے پہلے قرونِ حماۃ کے معرکے میں مظفرالدین نے سلطان ایوبی کے پہلو پر ایسا شدید حملہ کیا تھا جس کا مقابلہ سلطان ایوبی نے پہلو کے دستوں کی قیادت اپنے ہاتھ لے کر کیا تھا۔ قاضی بہاؤالدین شداد کی تحریر کے مطابق، اگر سلطان ایوبی خود قیادت نہ کرتا تو مظفرالدین جنگ کا پانسہ پلٹ دیتا۔ سلطان ایوبی مظفرالدین کو فنِ حرب و ضرب کا استاد مانتا تھا۔ اب ترکمان میں اُسے جاسوسوں نے اس کے متحدہ دشمنوں کی افواج کے متعلق جو معلومات دی تھیں اُن میں ایک یہ بھی تھی کہ مظفرالدین بھی اِن افواج کے ساتھ ہے۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ قلب میں ہے، دائیں ہے، بائیں ہے یا وہ محفوظہ کا سالار ہے۔ سلطان ایوبی نے چند ایک جنگی قیدیوں سے اس کے متعلق پوچھا تھا۔ انہوں نے یہ تصدیق تو کردی تھی کہ مظفرالدین لشکر کے ساتھ ہے مگر یہ کسی کو علم نہیں تھا کہ کہاں ہے۔

"ہوسکتا ہے قیدیوں نے اس پر پردہ ڈال لیا ہو کہ مظفرالدین کہاں ہے۔" سلطان ایوبی نے اپنے

سالاروں سے کہا۔ "میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ وہ لڑے بغیر بھاگ گیا ہوگا۔ وہ میرا شاگرد ہے۔ میں اس کی جنگی اہلیت سے بھی واقف ہوں اور اُس کی فطرت سے بھی۔ وہ حملہ کرے گا۔ اگر اُسے یقین ہُوا کہ وہ شکست کھا جائے گا پھر بھی وہ حملہ کرے گا۔ اُسے حملہ کرنا چاہیے، ورنہ مجھے مایوسی ہوگی۔"

"صلاح الدین ایوبی یہ نہ کہے کہ مظفر الدین بھی بھاگ گیا ہے۔" یہ آواز سیف الدین کے سالار مظفر الدین کی تھی جو ترکمان کے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دور سنائی دے رہی تھی — "میں لڑے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔"

اُس وقت جب سلطان ایوبی سیف الدین کے رہائشی خیموں میں کھڑا تھا، سیف الدین کا کوئی کمانڈر یہ پیغام لے کر مظفر الدین کے پاس پہنچا تھا کہ سلطان ایوبی کو کسی طرح قبل از وقت پتہ چل گیا تھا کہ اُس پر حملہ آ رہا ہے اس لیے ہم دھوکے میں آ گئے۔ اب یہاں لڑنا بیکار ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تم بھی واپس چلے جاؤ اور اپنے دستوں کو کسی اور بہتر جگہ لڑانے کے لیے بچا کر لے جاؤ۔ سیف الدین نے اُس پیغام میں اپنے متعلق بتایا تھا کہ وہ کسی کو بتائے بغیر میدانِ جنگ سے جا رہا ہے۔

"ہم آپ کا ہر حکم بجا لائیں گے۔" مظفر الدین کے ایک نائب سالار نے اُسے کہا — "لیکن اس حالت میں جبکہ ہماری فوج کے لڑنے والے حصے مارے گئے، زخمی یا قیدی ہو گئے یا بھاگ گئے ہیں، اس تھوڑی سی فوج سے جوابی حملہ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔"

"میں اِن دستوں کو ناکافی نہیں سمجھتا جو میرے پاس ہیں۔" مظفر الدین نے کہا — "یہ اُس فوج کا ایک چوتھائی ہیں جو ہم ساتھ لائے تھے۔ سلطان ایوبی اس سے بھی کم نفری سے لڑتا اور کامیاب ہُوا کرتا ہے۔ میں اُس کے پہلو پر حملہ کروں گا۔ میں اب اُسے وہ چال نہیں چلنے دوں گا جو اُس نے قرونِ حماۃ میں چلی تھی۔ تم سب حملے کے لیے تیار رہو۔"

"عالی مقام سیف الدین غازی والیٔ موصل تین فوجوں کی نفری سے ہار گئے ہیں۔" نائب سالار نے کہا — "میں اپنے مشورے کو دہراؤں گا کہ اس تھوڑی سی نفری سے حملہ کرنا اسے مروانے والی بات ہے۔"

"میدانِ جنگ میں اپنے حرم اور شراب کے مٹکے ساتھ رکھنے والوں کے پاس تین کی بجائے دس فوجیں ہوں تو بھی اُن کا انجام یہی ہوتا ہے جو والیٔ موصل سیف الدین کا ہُوا ہے۔" مظفر الدین نے کہا — "میں بھی شراب پیتا ہوں لیکن یہاں پانی بھی نہ ملے تو میں پرواہ نہیں کرتا۔ سلطان ایوبی مجھے ایمان فروش اور غدار کہتا ہے لیکن میں اس لیے اُس سے لڑنے سے منہ نہیں موڑوں گا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ دو سالاروں کی ٹکر ہوگی۔ یہ دو پہلوانوں کا دنگل ہوگا۔ یہ دو تیغ زنوں کا مقابلہ ہوگا..... اپنے دستوں کو تیار کرو اور یاد رکھو، صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کی نظریں زمین کے نیچے بھی دیکھ سکتی ہیں۔ اپنے دستوں کو آج رات اور پرے لے چلو اور ہر طرف دُور دُور تک اپنے آدمی چھوڑ دو۔ وہ جسے مشکوک حالت میں گھومتا پھرتا دیکھیں اُسے پکڑ لیں۔"

اُس نے ایک جگہ منتخب کر لی تھی جہاں دستوں کو چھپایا جا سکتا تھا۔ حملے کے لیے اُس نے کوئی دن

اور وقت مقرر نہ کیا۔ اپنے نائب سالاروں سے کہا — "سلطان ایوبی میں لومڑی کی چالاکی اور خرگوش کی پھرتی ہے۔ مجھے میرے مخبروں نے بتایا ہے کہ اُس نے ابھی مالِ غنیمت سمیٹا نہیں اور اُس نے اپنی فوج کے پہلوؤں کو بھی نہیں سمیٹا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پیش قدمی نہیں کرے گا اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہمارے جوابی حملے کا خطرہ محسوس کر رہا ہے۔ میں اُسے اچھی طرح جانتا ہوں وہ کس انداز سے سوچا کرتا ہے۔ میں اُسے یہ دھوکہ دوں گا کہ ہم سب بھاگ گئے ہیں اور اب حملے کا خطرہ ٹل گیا ہے۔ یہ عقل اور فہم و فراست کی جنگ ہوگی۔ وہ دو دنوں سے زیادہ انتظار نہیں کرے گا۔ اس کی طرح میں بھی اپنے جاسوسوں کو اس کی نقل و حمل دیکھنے کے لیے استعمال کروں گا۔ جونہی وہ مالِ غنیمت سمیٹنے لگے گا اور اس کی توجہ دائیں بائیں سے ہٹ جائے گی، ہم اس کے پہلو پر حملہ کر دیں گے۔"

یہی وہ خطرہ تھا جسے سلطان ایوبی محسوس کر رہا تھا۔

☆

سیف الدین کے لشکر پر جس طرح سلطان ایوبی نے بے خبری میں اس کی توقعات اور اس کے خوابوں کے خلاف حملہ کیا تھا اس کی تفصیلات پچھلی نشست میں سنائی جا چکی ہیں۔ آپ نے پڑھا ہے کہ سلطان ایوبی نے ایک تو اپنے دستے سیف الدین کی فوج کے دائیں بائیں سے اس کے عقب میں بھیج دیئے تھے، ان کے علاوہ اس نے اپنے چھاپہ مار بھی روانہ کر دیئے تھے۔ یہ اس کی کمانڈو فورس تھی جس کے ہر کمانڈر اور سپاہی میں غیر معمولی ذہانت، دلیری اور پھرتی تھی اور یہ تربیت یافتہ جاسوس بھی تھے۔ اس فورس نے چار چار سے کر بارہ بارہ کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر دشمن کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اُن میں ایک ٹولی بارہ سپاہیوں کی تھی جس کے صرف تین سپاہی اور ٹولی کا کمانڈر الناصر زندہ تھے۔

الناصر اپنی ٹولی کے ساتھ ترکمان کے معرکے سے ہی سیف الدین کی متحدہ فوج کے دُور پیچھے چلا گیا تھا۔ اس کا نشانہ عموماً دشمن کی رسد ہوتی تھی۔ اب کے بھی وہ اپنی ٹولی کو گھوڑوں پر لے گیا تھا۔ اُس کے پاس جلنے والے (آتشیں) تیر تھے۔ تھوڑا سا آتش گیر مادہ تھا، برچھیاں، تلواریں اور خنجر تھے۔ رسد بہت دُور تھی۔ الناصر کو زمین نے یہ سہولتیں مہیا کی تھی کہ یہ میدان یا ریگزار نہیں بلکہ دُور دُور تک چٹانیں، ٹیلے اور نشیبی علاقے تھے جن میں چھپنا آسان تھا۔ دن کے دوران بڑت کے قریب گھوڑے چھپائے جا سکتے تھے۔ اتحادیوں کی افواج کی رسد جس میں فوج کے لیے اناج اور جانوروں کے لیے خشک گھاس اور دانہ وغیرہ تھا، پیچھے آ رہا تھا۔ اس سامان میں تیر و کمان اور برچھیاں وغیرہ بھی تھیں۔ الناصر نے پہلی ہی رات رسد پر کامیاب چھاپا مارا تھا۔ بہت سی رسد آتشیں تیروں سے جل گئی تھی۔

دن کو وہ اپنی ٹولی کے ساتھ ایک جگہ چھپا رہا تھا مگر سویا نہیں تھا۔ اُس نے دیکھ لیا تھا کہ دشمن کے فوجی کھڈ نالوں میں اور ٹیلوں کی اوٹ میں اُس کی پارٹی کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اُس نے اپنے سپاہیوں کو اِدھر اُدھر موزوں بلندیوں پر بٹھا دیا تھا۔ انہوں نے کمانوں میں تیر ڈال رکھے تھے۔ دشمن کے فوجی دُور سے ہی واپس چلے

گئے تھے۔ سورج غروب ہونے کے بعد اس نے چھپ کر رسد کا قافلہ دیکھا۔ قافلے نے پڑاؤ ڈال دیا تھا مگر اس رات شبخون آسان نظر نہیں آتا تھا۔ دشمن نے اردگرد گشتی پہرے کا بڑا سخت انتظام کر دیا تھا۔ یہ پہرہ پیدل بھی تھا اور گھوڑ سوار بھی۔ اس کے باوجود الناصر نے شبخون کا ارادہ کر لیا۔ دشمن کی ابھی بہت سی رسد باقی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کا ایک تباہ کن طریقۂ کار تھا۔ دشمن کی رسد کو چھاپہ ماروں سے تباہ کرا دیا کرتا تھا۔ اس کے لیے اُس نے ایسے فوجی تیار کر رکھے تھے جو جذبے کے لحاظ سے جنونی اور خبطی تھے۔ اُن کی دلیری غیر معمولی اور ذہانت اوسط درجہ سپاہیوں سے خاصی زیادہ تھی۔ ان جانبازوں کی دیانت داری کا یہ عالم تھا کہ اتنی دُور جا کر بھی جہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہیں ہوتا تھا، وہ فرض شناسی کا جانبازانہ مظاہرہ کرتے تھے۔

الناصر نے رات کو گھوڑے وہیں بندھے رہنے دیئے جہاں دن کو چھپائے تھے۔ اپنی پارٹی کو پیدل لے گیا۔ ایک جگہ سے وہ دشمن کی رسد کے پڑاؤ میں داخل ہو گیا۔ اس نے سامان کے انباروں پر آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ لگا دی۔ اپنی ٹولی کو بکھیر دیا۔ سپاہیوں نے شعلوں کی روشنی میں بھاگتے دوڑتے سپاہیوں کو تیروں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ دشمن کے فوجی انہیں تلاش کرنے لگے۔ چھاپہ مار کب تک چھُپ سکتے تھے۔ ایک ایک کر کے پکڑے اور مارے گئے۔ ان میں سے وہی تین زندہ رہے جو الناصر کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بہت تباہی مچائی تھی۔ رسد کے ساتھ جو پہرہ دار اور دیگر لوگ تھے، انہوں نے ان سب کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی۔ الناصر نے اپنے تین ساتھیوں کو الگ نہ ہونے دیا۔ وہ شعلوں سے دُور ہٹ کر اندھیرے میں گھوڑا گاڑیوں اور خیموں کی اوٹ میں چھُپتے، اپنے قریب سے گزرتے سپاہیوں سے بچتے کسی اور ہی سمت کو نکل گئے۔

الناصر نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اُسے کوئی ستارہ نظر نہ آیا۔ چھاپہ ماروں کو ستاروں سے سمت معلوم کرنے کی ٹریننگ دی جاتی تھی مگر اُس رات آسمان گرد و غبار کی طرح کے بادلوں میں چھپا ہُوا تھا۔ الناصر رسد کے پڑاؤ سے دُور نکل گیا۔ اُسے دشمن کی جلتی ہوئی رسد اور ساز و سامان کے شعلوں کی سرخی دکھائی دے رہی تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کے باقی نو سپاہی زندہ ہیں یا شہید ہو چکے ہیں۔ اُس نے دل ہی دل میں اُن کی سلامتی کے لیے دُعا کی اور اپنے تین ساتھیوں کو ساتھ لیے اندازے کے مطابق اُس طرف چل پڑا جہاں اُس کی ٹولی کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ وہ رات بھر چلتا رہا۔ دشمن کی رسد کے شعلے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ فضا میں شعلوں کی جو سرخی نظر آتی تھی وہ بھی غائب ہو گئی۔ اگر یہ سرخی نظر آتی رہتی تو وہ اپنے ٹھکانے تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی نہ رہی اور وہ اندھا دھند چلتا گیا۔

زمین کے خدوخال بدل گئے تھے۔ درخت تو کوئی تھا ہی نہیں۔ اس نے پاؤں تلے سخت زمین کی بجائے ریت محسوس کی۔ ٹیلے اور چٹانیں بھی نہیں تھیں۔ ریت نے اُس کے اور اس کے ساتھیوں کے پاؤں وزنی کر دیئے۔ پانی اور کھانے کی اشیاء گھوڑوں کے ساتھ تھیلوں میں بندھی تھیں اور گھوڑے نہ جانے کہاں تھے۔ اس نے پیاس محسوس کی۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔ اس کے تینوں ساتھی بھی پیاس کی شکایت کر چکے تھے۔ ان سب کی رفتار

بھی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ الناصر نے وہیں رُک جانا اور آرام کر لینا مناسب سمجھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس اُمید پر چلتے رہنے کا مشورہ دیا کہ کہیں پانی مل جائے گا۔ اس خطے میں پانی کی قلت تو نہیں تھی لیکن وہ اس خطے کے اُس حصے میں جا نکلے تھے جو ریگزار تھا۔ وہاں پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ وہ کچھ دیر اور چلے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

☆

الناصر کی آنکھ کھُلی تو اُس کے تینوں سپاہی بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ سورج اُفق سے اُٹھ آیا تھا۔ الناصر نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ ریت کے سمندر میں کھڑا تھا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ تو صحراؤں میں جنا پلا اور صحراؤں میں اُس نے لڑائیاں لڑی تھیں۔ وہ ریگزار سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ اُس کی گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ اُسے توقع نہیں تھی کہ یہاں ریگستان ہوگا۔ گھبراہٹ کی وجہ یہ بھی تھی کہ اُفق تک پانی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے۔ پیاس سے وہ حلق میں جلن اور چبھن محسوس کر رہا تھا۔ اپنے ساتھیوں کی حالت کا وہ اندازہ کر سکتا تھا۔ اُس نے سورج کے مطابق اُس سمت دیکھا جدھر ترکمان تھا۔ اُسے پہاڑیوں کی ٹیڑھی سی لکیر نظر آئی۔ وہ سیدھا اُس سمت نہیں جا سکتا تھا کیونکہ راستے میں دشمن کی فوج تھی۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ وہ اُٹھے تو اُن کے چہروں پر بھی گھبراہٹ اور تذبذب کے آثار پیدا ہو گئے۔

"ہم دو دن اور بھوکے اور پیاسے رہ سکتے ہیں"۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا — "اور ان دو دنوں میں ہم اگر منزل تک نہ پہنچ سکے تو پانی تک ضرور پہنچ جائیں گے"۔

تینوں نے اپنے اپنے خیال اور اندازے کا اظہار کیا مگر وہ بہت دُور نکل گئے تھے۔ اگر اُن کے پاس گھوڑے ہوتے تو مشکل ذرا آسان ہو جاتی۔ نیند نے اُن کے جسموں کو کچھ تازگی دے دی تھی۔

"ساتھیو!" الناصر نے کہا — "خدائے ذوالجلال نے ہمیں جس امتحان میں ڈال دیا ہے اس میں پورا اترنا اور کوئی گلہ شکوہ نہ کرنا ہمارا فرض ہے"۔

"یہاں رُکے رہنا تو کوئی علاج نہیں"۔ ایک ساتھی نے کہا — "پیشتر اس کے کہ سورج ہمارے سروں پر آ کر ہمیں جلانے لگے، چل پڑو، اللہ راستہ دکھائے گا"۔

وہ چل پڑے۔ سمت کا انہوں نے محض اندازہ کیا تھا۔ انہیں دُور کا چکر بھی کاٹنا تھا۔ سورج اوپر آتا رہا، ریت گرم ہوتی گئی اور تھوڑی تھوڑی دُور یوں نظر آتا جیسے یہ ریت نہیں پانی ہو۔ زمین سے لرزتا ہُوا دھواں سا اوپر کو اُٹھ رہا تھا۔ وہ چاروں صحرا کے قہر سے واقف تھے اور عادی بھی۔ انہیں سراب بھی نظر آنے لگے مگر صحرا کے اس دھوکے سے واقف ہونے کی بدولت انہوں نے ہر سراب کو نظر انداز کیا۔

"ساتھیو!" الناصر نے کہا — "ہم ڈاکو نہیں ہیں۔ اللہ ہمیں سزا نہیں دے گا۔ اگر ہم مر گئے تو یہ موت نہیں شہادت ہوگی۔ دل میں خدا کو یاد کرتے چلو"۔

"اگر کوئی ایسا مسافر مل گیا جس کے پاس پانی ہُوا تو میں ڈاکہ ڈالنے سے گریز نہیں کروں گا"۔۔۔ ایک سپاہی نے کہا۔

سب ہنس پڑے اور سب نے محسوس کیا کہ ہنسنے کے لیے بھی انہیں طاقت صرف کرنی پڑی تھی..... پھر سورج اُن کے سروں پر آ گیا۔ اوپر سے سورج اور نیچے سے ریت ان سب کو جلانے لگی۔ الناصر ایک جنگی ترانہ گنگنانے لگا۔ ترانہ ختم ہو گیا تو انہوں نے ایک آواز اور ایک لَے میں لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا مترنم ورد شروع کر دیا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ریت کے چمکتے ہوئے ذرّے اُن کے نقوش کو مٹاتے جا رہے تھے۔

سورج دوسری سمت نیچے اُترنے لگا۔ چاروں کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ قدم وزنی اور رفتار گھٹ گئی تھی۔ ہونٹ خشک ہو گئے اور منہ بند نہیں ہوتے تھے۔ اُن کے سائے جب دوسری طرف بڑھنے لگے تو اُن کا ایک ساتھی خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد دوسرے کی بھی زبان جواب دے گئی۔ الناصر اور اس کا تیسرا ساتھی سرگوشیوں میں لاالٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کا ورد کر رہے تھے۔ کچھ دُور گئے تو سرگوشیاں بھی خاموش ہو گئیں۔

"ساتھیو!"۔۔۔ الناصر نے جسم کی بچی کچھی طاقت صرف کر کے کہا۔۔۔ "حوصلہ نہ ہارنا۔ ہمارے جسموں میں ایمان کی بہت نمی ہے۔ ہم ایمان کی طاقت سے زندہ رہیں گے۔" اس نے اپنے ساتھیوں کے چہروں کو باری باری دیکھا۔ وہاں خون کا نام و نشان نہیں تھا۔ سب کی آنکھیں اندر کو چلی گئی تھیں۔

سورج غروب ہو گیا۔ جُوں جُوں شام تاریک ہوتی گئی، ریت ٹھنڈی ہوتی گئی۔ الناصر نے ساتھیوں کو رکنے نہیں دیا۔ خنکی میں ذرا تیز چلا جا سکتا تھا۔ اگر وہ کوئی عام مسافر ہوتے تو کبھی کے گر چکے ہوتے۔ وہ فوجی اور چھاپہ مار تھے۔ اُن کے جسم عام انسانوں کی نسبت کہیں زیادہ صعوبتیں برداشت کر سکتے تھے۔ وہ چلتے گئے اور کچھ فاصلہ طے کر کے الناصر نے انہیں رُکنے اور سو جانے کو کہا۔

☆

صبح کاذب کے قریب الناصر جاگا۔ آسمان صاف تھا۔ ستاروں کو دیکھ کر اُس نے اندازہ کیا کہ رات کتنی رہتی ہے۔ ایک ستارے کو دیکھ کر اس نے سمت طے کی اور اپنے ساتھیوں کو جگا کر انہیں ساتھ لیا اور سب چل پڑے۔ ان کی رفتار اچھی تھی مگر پیاس انہیں بولنے نہیں دے رہی تھی۔

"یہ ریگستان اتنا وسیع نہیں ہو سکتا"۔ الناصر نے بڑی مشکل سے یہ الفاظ زبان سے نکالے۔۔۔ "آج ختم ہو جائے گا۔ ہم آج پانی تک پہنچ جائیں گے۔"

پانی جو دن کو سراب تھا اندھیرے میں اُمید بن گیا اور وہ اس اُمید کی طاقت پر چلتے گئے۔ صبح کا اجالا سپید ہُوا پھر اُفق سے سورج اُبھرا۔ ان جانباز مسافروں کو سب سے پہلا صدمہ یہ ہُوا کہ پانی کی اُمید دم توڑ گئی۔ ریت تو نہیں تھی، زمین سخت تھی۔ اس میں دراڑیں پڑی ہوئی تھیں۔ یہ پھٹی پھٹی زمین تھی۔ پاؤں کی جہاں ٹھوکر لگتی تھی، وہاں سے ریت اور مٹی اڑتی تھی۔ آٹھ دس میل دُور زمین سے اُبھرے ہُوئے ستون اور مینارے نظر آتے تھے۔ یہ مٹی کے ٹیلے اور ریتلی چٹانوں کی چوٹیاں تھیں۔ درخت ایک بھی نظر نہیں آتا تھا۔ زمین کی حالت بتاتی تھی کہ

صدیوں سے پیاسی ہے اور یہ کسی انسان کا خون پینے سے گریز نہیں کرے گی۔

الناصر نے اپنے ساتھیوں کے چہروں کا جائزہ لیا۔ اس سے اُسے اندازہ ہو گیا کہ اس کے اپنے چہرے کی حالت کیسی ہے۔ اس کے ایک ساتھی کی زبان کچھ باہر نکل آئی تھی۔ ہونٹوں پر ہلکی ہلکی سوجن تھی۔ یہ علامتیں خوفناک تھیں۔ صحرا نے خراج وصول کرنا شروع کر دیا تھا۔ سلطان ایوبی کے اس جانباز کا خون پیاسی زمین کی بھینٹ چڑھنے لگا تھا۔ دوسرے دو سپاہیوں کی ظاہری حالت یہ تو نہیں تھی لیکن صاف نظر آ رہا تھا کہ میناروں جیسے ٹیلوں تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ الناصر ان کا کمانڈر تھا۔ اپنی ذمہ داری کا اُسے اتنا زیادہ احساس تھا کہ اس کا دماغ اُس کے قابو میں تھا۔ اُس کی جسمانی حالت اپنے ساتھیوں سے بہتر نہیں تھی۔ اس نے بولنے کی کوشش کی۔ یہ اُس کی قوتِ ارادی تھی کہ اُس کے منہ سے چند الفاظ نکل آئے۔ اُس نے اپنے ساتھیوں کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی مگر یہ ایک ناکام کوشش تھی۔

جُوں جُوں سورج اُوپر اٹھتا آ رہا تھا زمین کے غیر مرئی شعلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ ان چاروں کی رفتار کا اب یہ حال تھا کہ وہ قدم اٹھاتے نہیں پاؤں گھسیٹتے تھے۔ جس سپاہی کی زبان باہر نکل آئی تھی اس کی برچھی اُس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ پھر اُس نے کمربند سے تلوار کھولی اور پھینک دی۔ اُس نے یہ حرکات بے خیالی میں کی تھیں۔ اُس کے ہاتھ اپنے آپ کام کر رہے تھے اور وہ ناک کی سیدھ میں چلا جا رہا تھا۔ یہ صحرا کا ایک ظالمانہ اثر ہوتا ہے کہ بھٹکا ہُوا پیاسا مسافر نیند میں مختلف حرکات کرنے کے انداز سے اپنے جسم سے بوجھ پھینکنا شروع کر دیتا ہے۔ مختلف اشیاء پھینکنے کے بعد وہ اپنے جُوتے بھی اُتار پھینکتا ہے۔ وہ کہیں رکتا نہیں چلتا جاتا اور چیزیں پھینکتا جاتا ہے۔ صحرائی مسافر جب جگہ جگہ ایسی اشیاء پڑی دیکھتے ہیں تو وہ اس توقع پر آگے بڑھتے ہیں کہ کچھ ہی دُور آگے ایک لاش پڑی ہو گی یا اُس بدنصیب کی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہو گا جو راستے میں اپنی آخری متاع بکھیرتا گیا ہے۔

صحرا نے الناصر کے ایک ساتھی کو اس مرحلے میں داخل کر دیا تھا جہاں وہ دنیا کی اشیاء اور اپنے فرائض سے دستبردار ہو رہا تھا۔ الناصر نے اُس کی برچھی اور تلوار اٹھائی اور اس سپاہی سے بڑے پیار سے کہا۔۔۔ "اتنی جلدی نہ ہارو میرے عزیز دوست! اللہ کا سپاہی مر جاتا ہے ہتھیار نہیں پھینکا کرتا۔ اپنی عزت اور عظمت کو ریت میں نہ پھینکو۔"

اُس کے ساتھی نے اُسے دیکھا۔ الناصر اُسے دیکھتا رہا۔ سپاہی نے اچانک قہقہہ لگایا اور سامنے دیکھتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ بڑی جاندار آواز میں بولا۔۔۔ "پانی.... وہ دیکھو.... باغ.... پانی مل گیا"۔۔۔ اور وہ آگے کو دوڑ پڑا۔

وہاں پانی تھا نہ پانی کا سراب۔ وہ زمین ایسی تھی جہاں سراب نظر نہیں آیا کرتے۔ سراب ریت کی چمک کا ہوتا ہے۔ اُس پر صحرا کا دوسرا ظالمانہ اثر ہونے لگا تھا۔ یہ تھے واہمے اور ایسے تصورات جو حقیقی روپ میں دکھائی دیتے ہیں۔ پانی کی جھیلیں اور باغ نظر آتے ہیں۔ عمارتیں دکھائی دیتی ہیں۔ یوں بھی نظر آتا ہے جیسے ایک دو میل دُور شہر ہے۔ قافلے جاتے یا اپنی طرف آتے دکھائی دیتے ہیں۔ ناچنے اور گانے والیاں بھی نظر آتی ہیں....

اس بے رحم ویرانے نے الناصر کے ایک ساتھی کو فریب دینے شروع کر دیئے تھے۔ صحرا اُس کی جان سے کھیلنے لگا تھا۔ یہ شاید صحرا کی رحم دلی بھی ہے کہ کسی مسافر کی جان لینے سے پہلے اُسے بڑے ہی حسین اور دلفریب تصوروں میں اُلجھا دیتا ہے تاکہ مرنے والا اذیت سے محفوظ رہے۔

الناصر کا ساتھی آگے کو دوڑ پڑا۔ وہی سپاہی جو قدم گھسیٹ رہا تھا تازہ دم آدمی کی طرح دوڑ رہا تھا مگر یہ دوڑ اُس چراغ کی مانند تھی جو بجھنے سے پہلے آخری بار ٹمٹلایا ہو۔ الناصر اُس کے پیچھے دوڑا اور اُسے پکڑ لیا۔ اس کے دوسرے دو ساتھیوں میں ابھی کچھ دم باقی تھا۔ وہ بھی دوڑے اور اپنے ساتھی پر قابو پا لیا۔ وہ اُن سے آزاد ہونے کو تڑپ رہا تھا اور چلّا رہا تھا "چلو۔ جھیل تک چلو۔ وہ دیکھو، کتنے غزال جھیل سے پانی پی رہے ہیں۔"

ساتھیوں نے اُسے پکڑے رکھا اور وہ آہستہ آہستہ، قدم گھسیٹتے چلتے گئے۔ الناصر نے وہ کپڑا جو اُس کے سر پر رکھا تھا اُس کے چہرے پر بھی ڈال دیا تاکہ وہ کچھ دیکھ ہی نہ سکے۔

☆

سورج سر کے عین اوپر آ گیا تھا جب ایک اور سپاہی نے بڑی ہی بلند آواز سے کہا — "باغ میں رقاصہ ناچ رہی ہے۔ لعنت بھیجو پانی پر۔ چلو ناچ دیکھیں۔ حُسن دیکھو..... چلو دوستو! وہاں پانی مل جائے گا۔ لوگ کھانا کھا رہے ہیں۔ میں سب کو جانتا ہوں..... چلو..... چلو۔" اور وہ دوڑ پڑا۔

جس سپاہی کو پہلے واہمہ نظر آیا تھا، وہ کچھ دیر خاموش رہا تھا اس لیے ساتھیوں نے اُسے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے ساتھی کو دوڑتا دیکھ کر اُس کے پیچھے دوڑ پڑا اور چلّانے لگا — "رقاصہ بہت خوبصورت ہے۔ میں نے اُسے قاہرہ میں دیکھا تھا۔ وہ مجھے جانتی ہے۔ میں اس کے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اُس کے ساتھ شربت پیوں گا۔"

الناصر کا سر ڈول گیا۔ وہ صحرا کی صعوبتیں برداشت کر سکتا تھا، اپنے ساتھیوں کی یہ حالت اُس کی برداشت سے باہر تھی۔ انہیں سنبھالنا اُس کے بس سے باہر ہُوا جا رہا تھا۔ اُس کی اپنی جسمانی حالت بھی دگرگوں ہو گئی تھی۔ اُس کے ساتھ اب ایک ہی ساتھی رہ گیا تھا جس کا دماغ ابھی ٹھکانے تھا۔ جسمانی لحاظ سے وہ بیشک ختم ہو چکا تھا۔

اُن کے جو دو ساتھی باغ اور رقص کے واہمے کے پیچھے دوڑے تھے، چند قدم دوڑ کر گر پڑے۔ انہیں گرنا ہی تھا۔ اُن کے جسموں میں رہا ہی کیا تھا۔ الناصر اور اُس کے ساتھی نے انہیں بٹھا کر اپنے سہارے لے لیا اور اُن پر کپڑوں کا سایہ کر دیا۔ اُن کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں اور سر ڈول رہے تھے۔

"تم اللہ کے سپاہی ہو۔" الناصر نے دھیمی سی آواز میں کہنا شروع کیا۔ "تم قبلۂ اوّل اور خانۂ کعبہ کے پاسبان ہو۔ تم نے اسلام کے دشمنوں کی کمر توڑی ہے۔ تم سے کفار ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ تم شعلوں کو روندنے والے مردِ مومن ہو۔ اس صحرا کو، پیاس کو اور سورج کے قہر کو تم کیا سمجھتے ہو۔ تم پر اللہ کی رحمت برس رہی ہے۔ تمہیں فرشتے بہشت کی ٹھنڈک پہنچا رہے ہیں..... تمہارا جسم پیاسا ہے روح پیاسی نہیں۔ ایمان والے پانی کی ٹھنڈک سے نہیں ایمان کی حرارت سے زندہ رہتے ہیں۔"

دونوں نے آنکھیں کھول دیں اور الناصر کو دیکھا۔ الناصر نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اُس نے جذبات کے غلبے سے جو باتیں کہی تھیں وہ اثر کر گئیں۔ دونوں سپاہی تصوروں اور واہموں کی دنیا سے نکل کر حقیقت میں آ گئے۔ وہ اُٹھے اور نہایت آہستہ آہستہ چل پڑے۔

صبح روانگی کے وقت انہیں ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں کے جو ستون اور مینار نظر آئے تھے وہ قریب آ گئے تھے۔ اب وہ بہت بڑے بڑے ہو گئے تھے۔ اُمید رکھی جا سکتی تھی کہ وہاں پانی ہو گا۔ وہاں نشیب اور کھڈ نالے بھی ہو سکتے تھے۔ الناصر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ پانی کے قریب آ گئے ہیں اور آج شام سے پہلے پانی مل جائے گا، مگر وہ زمین اور وہ ماحول ایسی اور اتنی گرم حقیقت تھی کہ پانی کی اُمید شبنم کے قطرے کی طرح اُڑ گئی۔ وہ ٹیلوں اور ٹیکریوں کے اور قریب چلے گئے۔ اچانک ایک سپاہی دوڑ اٹھا۔ وہ نعرے لگا رہا تھا — "میرا گاؤں آ گیا ہے۔ میں سب کے لیے کھانا پکوانے جا رہا ہوں۔ کنوئیں سے میرے گاؤں کی لڑکیاں پانی نکال رہی ہیں۔"

اُس کے پیچھے دوسرا سپاہی دوڑ پڑا اور چلّانے لگا — "مرغابیاں..... مرغابیاں۔" وہ دوڑتے دوڑتے منہ کے بل گرا اور ہاتھ سے مٹی اور ریت اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔

الناصر اور اُس کا تیسرا ساتھی دوڑے۔ اُس کے منہ سے مٹی نکالی۔ کپڑے سے منہ صاف کیا اور اُسے اٹھایا، مگر وہ چلنے کے قابل نہیں تھا۔ دوسرا سپاہی بھی گر پڑا تھا اور پیٹ کے بل رینگتے ہوئے کہہ رہا تھا — "کنوئیں سے پانی پی لوں پھر تمہارے لیے کھانا پکواؤں گا۔"

الناصر نے اپنے ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اور آسمان کی طرف منہ کر کے کہا۔ "اے خدائے ذوالجلال! ہم تیرے نام پر لڑنے اور مرنے آئے تھے۔ کوئی گناہ نہیں کیا۔ کہیں ڈاکہ نہیں ڈالا۔ اگر کفار سے لڑنا گناہ ہے تو ہمیں بخش دے۔ بخش دے صحراؤں کو آگ لگانے والے خدا! میری جان لے لے۔ میرے خون کو پانی بنا دے۔ میرے ساتھی پی کر زندہ رہیں۔ انہوں نے تیرے رسولؐ کے قبلۂ اوّل کے غاصبوں کے خلاف لڑائی لڑی ہے۔ میرے خون کو پانی بنا اور انہیں پلا دے۔"

اُس کے ساتھی آہستہ آہستہ اٹھے اور ہاتھ آگے کو پھیلا کر یوں چلنے لگے جیسے انہیں کچھ نظر آ رہا ہو جس تک وہ پہنچنا چاہتے ہوں۔ الناصر اور اُس کے ساتھی نے جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا اپنے ساتھیوں کو دیکھا تو وہ بھی قدم گھسیٹنے لگے۔ اُس وقت الناصر کی آنکھوں کے آگے اندھیرا آیا اور چھٹ گیا جیسے سیاہ گھٹا کا ٹکڑا چاند کے آگے سے گزر گیا ہو۔ اندھیرا گزر جانے کے بعد اُسے یوں محسوس ہُوا جیسے اُسے سبزہ زار سا نظر آیا ہو مگر اس کے سامنے ٹیلوں اور چٹانوں کے مینار اور ستون تھے۔ اُس نے ایک لمحے کے لیے سبزہ دیکھا ضرور تھا۔ اُس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔ وہ سمجھ گیا کہ صحرا اُسے بھی فریب دینے لگا ہے۔

☆

وہ ٹیلوں کے اندر جا رہے تھے۔ یہ ٹیلے چوڑے تھے۔ کوئی اونچا نہیں تھا۔ کہیں کہیں کوئی ریتلی چٹان بھی نظر آتی تھی۔ وہ اور آگے گئے تو کسی ندی یا دریا کا خشک پاٹ آ گیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ صدیوں سے یہاں سے پانی نہیں گزرا۔

الناصر آگے آگے اور اُس کے ساتھی اُس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ الناصر چلتے چلتے رُک گیا۔ اُس نے اپنے سر کو زور سے جھٹکا دیا، مگر اُسے جو کچھ دکھائی دیا تھا وہ بدستور نظر آتا رہا۔ خشک پلٹ کے بائیں کنارے پر ریتلی چٹان تھی جو اوپر جا کر آگے کو جُھک آئی تھی۔ شاید ایک دو صدیاں پہلے اس کے دامن سے پانی ٹکراتا رہا تھا۔ وہاں سے یہ پانی کی ماری ہوئی تھی۔ اُس کی شکل برآمدے کی سی بنی ہوئی تھی۔ چھت خاصی اونچی تھی اور وہاں سایہ تھا۔ اس سائے میں دو گھوڑے کھڑے تھے اور ان کے قریب دو جوان لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اُن کے رنگ گورے اور نقش و نگار بہت دلکش تھے۔

الناصر نے اُن سے دُور رُک کر اپنے ساتھیوں سے پوچھا — ”تمہیں بھی وہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے نظر آ رہے ہیں؟“

اُس کے وہ دو ساتھی جو واہموں اور تصوّروں کا شکار ہو چکے تھے خاموش رہے۔ ایک نے کہا — ”دُھند ہے۔ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا“ — اور وہ گر پڑا۔

اُس کا وہ ساتھی جو ذہنی لحاظ سے ابھی ٹھیک تھا، سرگوشی میں بولا — ”میں انہیں دیکھ رہا ہوں“۔

”اللہ ہم پر رحم کرے“۔ الناصر نے کہا — ”ہم دونوں کے بھی دماغ ماؤف ہو گئے ہیں۔ ہمیں بھی وہ چیزیں نظر آنے لگی ہیں جو حقیقت میں نہیں ہیں۔ جہنّم کے اس ویرانے میں اتنی خوبصورت لڑکیاں نہیں آسکتیں“۔

”اگر ان کا لباس صحرائی خانہ بدوشوں جیسا ہوتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ یہ تصوّر نہیں حقیقت ہے“ — اُس کے ساتھی نے کہا — ”آگے چلو سائے میں بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ لڑکیاں نہیں۔ ہمارے ذہنوں کا فتور ہے“۔

”مگر میں ہوش میں ہوں“ — الناصر نے کہا — ”میں تمہیں پہچان رہا ہوں۔ تمہاری بات سمجھ گیا ہوں۔ میرا دماغ میرے قابو میں ہے“۔

”میں بھی ہوش میں ہوں“ — اس کے ساتھی نے کہا — ”اگر ہم حقیقت میں لڑکیاں دیکھ رہے ہیں، تو جنّات ہوں گے“۔

لڑکیاں اس طرح بے حس و حرکت کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں جیسے بُت ہوں۔ الناصر دلیر آدمی تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُن کی طرف بڑھا۔ لڑکیاں غائب نہ ہوئیں۔ وہ اُن سے چار پانچ قدم دُور تھا جب ایک لڑکی نے جو دوسری سے عمر میں کچھ بڑی لگتی تھی دایاں بازو الناصر کی طرف کیا۔ لڑکی کی مٹھی بند تھی۔ اُس نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی آگے کو کر دی۔ الناصر رُک گیا۔ اُس نے اتنی خوبصورت لڑکیاں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں۔ سر کی اوڑھنی سے اُن کے جو بال شانوں پر پڑے نظر آتے تھے وہ باریک ریشم کے تار لگتے تھے۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں کا رنگ بھی دل کش اور عجیب تھا۔ آنکھیں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں۔

”تم سپاہی ہو“ — بڑی لڑکی نے کہا — ”کس کے سپاہی ہو؟“

”سب کچھ بتاؤں گا“ — الناصر نے کہا — ”مجھے یہ بتا دو کہ تم صحرا کا دھوکہ ہو یا جنّات کی مخلوق میں سے ہو“۔

”ہم جو کچھ بھی ہیں، تم بتاؤ کون ہو اور اِدھر کیا کرنے آئے ہو“ — لڑکی نے پوچھا — ”ہم صحرا کا فریب نہیں۔ تم ہمیں دیکھ رہے ہو، ہم تمہیں دیکھ رہی ہیں“۔

”ہم سلطان صلاح الدّین ایّوبی کے چھاپہ مار سپاہی ہیں“ — الناصر نے کہا — ”راستہ بُھول کر اِدھر آنکلے ہیں۔ اگر تم جنّات میں سے ہو تو تمہیں حضرت سلیمانؑ کا واسطہ، میرے اِن ساتھیوں کو پانی پلا دو اور اس کے عوض میری جان لے لو۔ یہ میری ذمّہ داری میں ہیں“۔

”اپنے ہتھیار ہمارے آگے پھینک دو“ — لڑکی نے اپنا بازو نیچے کرتے ہوئے کہا — ”حضرت سلیمانؑ کے نام پر مانگی ہوئی چیز سے ہم انکار نہیں کر سکتے۔ اپنے ساتھیوں کو سائے میں لے آؤ“۔

الناصر نے اپنے وجود میں ایک لہر دوڑتی محسوس کی جیسے سر سے داخل ہوئی اور پاؤں سے نکل گئی ہو۔ وہ انسانوں کا مقابلہ کرنے والا جانباز تھا۔ اُس کے شب خُون اُس کے ساتھیوں کو حیران کر دیا کرتے تھے مگر ان لڑکیوں کے آگے وہ بُزدل بن گیا۔ اُس کے دل پر ایسے خوف کی گرفت تھی جو اُس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جنّات کی کہانیاں سنتا رہا تھا، جنّات سے کبھی آمنا سامنا نہیں ہُوا تھا۔ اُسے ہر لمحہ توقع تھی کہ یہ دو لڑکیاں اور دو گھوڑے غائب ہو جائیں گے یا شکلیں بدل لیں گے۔ ان کے خلاف وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے بس اور مجبور ہو گیا۔ اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ سائے میں چلیں۔ اُن میں سے ایک تو بے ہوش پڑا تھا۔ اُسے گھسیٹ کر سائے میں لے گئے۔

”اپنے متعلق بتاؤ تم کیا کرنے آئے ہو“ — لڑکی نے پوچھا۔

”پانی پلاؤ“ — الناصر نے التجا کی — ”سُنا ہے جنّات ہر چیز حاضر کر دیا کرتے ہیں“۔

”گھوڑوں کے ساتھ مشکیزے ہیں“ — لڑکی نے کہا — ”ایک کھول لو“۔

الناصر نے ایک گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہُوا مشکیزہ کھولا۔ پانی سے بھرا ہُوا تھا۔ اُس نے سب سے پہلے بے ہوش ساتھی کے مُنہ میں پانی ٹپکایا۔ اُس نے آنکھ کھولی اور اُٹھ بیٹھا۔ الناصر نے مشکیزہ اُس کے منہ سے لگا دیا لیکن اُسے زیادہ پانی نہ پینے دیا۔ باری باری سب نے پانی پی لیا۔ الناصر کا دماغ صاف ہو گیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ لڑکیاں تصوّر یا واہمہ ہوتا تو دماغ میں جان آ جانے سے یہ واہمہ غائب ہو جاتا لیکن لڑکیاں وہاں موجود تھیں اور سب سے بڑی حقیقت یہ تھی کہ اُس نے پانی پیا تھا۔ اگر پانی محض تصوّر ہوتا تو اس سے اُس کے جسم میں تازگی نہ آتی۔ اس نے لڑکیوں کو ایک بار پھر دیکھا اور بڑی غور سے دیکھا۔ اب وہ اُسے اور زیادہ حسین نظر آئیں۔ وہ یقیناً انسان نہیں تھیں۔

الناصر کی ذہنی، جذباتی اور جسمانی کیفیت یہ تھی کہ اُسے اپنے اُوپر کوئی اختیار نہیں رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی سے سوچنے کے قابل نہیں رہا۔ اُس کے ساتھیوں کے چہروں پر زندگی عود کر آئی تھی۔ یہ اس تھوڑے سے پانی کا کرشمہ تھا جو اُن کے جسموں میں گیا تھا مگر الناصر کی طرح اُن پر بھی خوف طاری ہو گیا تھا۔ لڑکیاں انہیں خاموشی سے دیکھ رہی تھیں۔ باہر کی دُنیا جل رہی تھی۔ زمین ایسے شعلے اُگل رہی تھی جو محسوس ہوتے تھے، نظر نہیں آتے تھے لیکن جہاں یہ لوگ بیٹھے تھے، وہ ان شعلوں سے محفوظ تھے۔ اوپر ریتلی چٹان کی چھت تھی اور جگہ خاصی کشادہ تھی۔

بڑی لڑکی نے بازو اناصر کی طرف بڑھایا۔ درمیانی انگلی اور شہادت کی انگلی آگے کرکے بازو کو گھوڑ دل کی طرف گھما کر کہا ــ ”وہ تھیلا کھول لاؤ اور اپنے ساتھیوں کو دو۔“

اناصر ایسے انداز سے گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا چمڑے کا تھیلا کھول لایا جیسے اُس نے یہ حرکت کسی جادو کے زیرِ اثر کی ہو۔ اُس نے تھیلا کھولا تو اس میں کھجوروں کے علاوہ کھانے کی کچھ ایسی چیزیں پڑی تھیں جو صرف امیر لوگ کھایا کرتے تھے۔ خشک گوشت بھی تھا جو کھانے کے قابل تھا۔ اُس نے لڑکیوں کو دیکھا۔ بڑی لڑکی نے کہا۔ ”کھاؤ۔“ اناصر نے یہ چیزیں اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیں۔ اِن سب کے پیٹ پیٹھ سے لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ کھانا مقدار کے لحاظ سے تھوڑا تھا جو بظاہر ایک آدمی کے لیے کافی تھا لیکن چاروں سیر ہو گئے۔ انہیں ماحول نکھرا ہوا دکھائی دینے لگا۔ لڑکیوں کا حسن پہلے سے کہیں زیادہ پُرکشش اور پُراسرار ہو گیا۔

”تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟“ ــ اناصر نے بڑی لڑکی سے کہا۔ ”جن اور انسان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ تم آگ ہو، ہم مٹی اور پانی ہیں۔ ہم سب کا خالق خدا ہے۔ ہمیں اپنے خالق کی مخلوق سمجھ کر ہم پر رحم کرو۔ ہمیں ترکمان کے راستے پر ڈال دو۔ تم چاہو تو پلک جھپکتے ہمیں ترکمان پہنچا سکتے ہو۔“

”تم کہیں شب خون مارنے گئے تھے؟“ ــ بڑی لڑکی نے پوچھا۔ ”صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار بھی جن ہوتے ہیں۔ ہمیں بتاؤ تم کہاں گئے تھے اور کیا کرکے آئے ہو۔“

اناصر نے اُسے اپنی تمام کارگزاری سنا دی۔ اُس کی ٹولی نے جس دلیری سے شب خون مارے اور جو نقصان کیا تھا وہ پوری تفصیل سے سنایا، پھر یہ بتایا کہ وہ کس طرح واپسی کے راستے سے بھٹک گئے ہیں۔

”تم اپنے سپاہیوں سے بہتر سپاہی معلوم ہوتے ہو“ ــ لڑکی نے کہا ــ ”کیا تمہاری فوج کا ہر ایک سپاہی یہ کام کر سکتا ہے جو تم نے کیا ہے؟“

”نہیں“ اناصر نے جواب دیا ــ ”ہم چاروں کو تم انسان نہ سمجھو۔ ہمیں استادوں نے جو تربیت دی ہے وہ ہر ایک سپاہی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہم صحرائی ہرن کی طرح دوڑ سکتے ہیں۔ عقاب کی طرح ہماری آنکھیں بہت دُور تک دیکھ سکتی ہیں اور ہم چیتے کی طرح حملہ کرتے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے بھی چیتا نہیں دیکھا۔ استادوں نے بتایا تھا کہ چیتا کیا ہوتا ہے اور وہ کس طرح حملہ کرتا ہے۔ اِس جسمانی پھرتی کے علاوہ ہمارے دماغ دوسرے سپاہیوں کی نسبت زیادہ اچھی طرح سوچ سکتے ہیں۔ ہمیں استادوں نے یہ ہنر بھی سکھایا ہے کہ دشمن کے ملک میں جا کر فوجی راز کس طرح حاصل کیے جاتے ہیں۔ ہم بھیس بدل لیتے ہیں۔ آواز بدل لیتے ہیں۔ اندھے بن سکتے ہیں۔ ضرورت پڑے تو ہم آنسو بہا سکتے ہیں اور جب پکڑے جانے کا خطرہ ہو تو ہم اپنی زندگی سے دستبردار ہو کر لڑتے اور نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم قید نہیں ہوتے شہید ہُوا کرتے ہیں۔“

”اگر ہم جن نہ ہوتیں تو تم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتے؟“ ــ لڑکی نے پوچھا۔

”تم یقین نہیں کرو گی“ ــ اناصر نے کہا ــ ”ہم وہ پتھر ہیں جنہیں عورت کا حسن توڑ نہیں سکتا۔ مجھے یقین

ہو جائے کہ تم انسان ہو اور پتہ چل جائے کہ راستے سے بھٹک گئی ہو تو تم دونوں کو اپنی پناہ میں لے لوں گا اور اپنے ایمان کی طرح قیمتی سمجھوں گا، مگر تم انسان نہیں ہو۔ تمہاری حالت بتا رہی ہے کہ تم انسان نہیں ہو۔ تم جیسی لڑکیاں اس جہنم میں نہیں آ سکتیں۔ اب میں تم سے التجا کرتا ہوں کہ ہمیں پناہ میں لے لو۔“

”ہم انسانوں کی مخلوق سے نہیں“ ــ لڑکی نے کہا ــ ”ہمیں معلوم تھا تم کیا کر رہے ہو۔ ہمیں معلوم تھا کہ تم راستے سے بھٹک گئے ہو۔ اگر تم گناہ گار ہوتے تو جس صحرا میں سے تم گزر کر آئے ہو وہ تمہارا خون پی جاتا اور تمہارے جسم کے گوشت کو ریت بنا کر تمہاری ہڈیاں ننگی کر دیتا۔ اس صحرا نے بھٹکے ہوئے گناہ گاروں کو کبھی نہیں بخشا۔ ہم دونوں تمہارے ساتھ تھیں۔ تمہیں جو صعوبتیں برداشت کرنی پڑی ہیں وہ اس لیے تم پر ڈالی گئی ہیں کہ تم خدا کو بھول نہ سکو اور تمہارے دل سے گناہ کا خیال اور ارادہ نکل جائے۔ ہمیں معلوم تھا کہ ہم جیسی خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر تم بھوک اور پیاس کو بھول جاؤ گے اور تمہارے دل پر شیطان کا قبضہ ہو جائے گا۔“

”تم ہمارے ساتھ کیوں رہیں؟“ ــ اناصر نے پوچھا۔

”ہمیں اُس نے بھیجا ہے جو صحراؤں میں راستہ بھول جانے والے نیک بندوں کو راہ دکھاتا ہے“ ــ بڑی لڑکی نے کہا ــ ”تم پر خدا نے جو رحمت نازل کی ہے اُس کا تم حساب نہیں کر سکتے۔ اُس نے ہمیں کہا تھا کہ مردِ نزع کے عالم میں بھی شیطان کے اثر سے آزاد نہیں ہوتا۔ اِس ناپاک قبضے سے آزاد کرنے کے لیے خدا نے تمہیں عذاب میں ڈالا ہے۔ پھر ہمیں حکم ملا کہ اِن کے سامنے آ جاؤ اور انہیں پناہ میں لے لو..... ہم جانتے تھے تم نے دشمن کو کس طرح اور کتنا نقصان پہنچایا ہے۔“

”پھر مجھ سے کیوں پوچھا تھا؟“ ــ اناصر نے پوچھا۔

”یہ دیکھنے کے لیے کہ تم کتنا جھوٹ اور کتنا سچ بولتے ہو“ ــ لڑکی نے کہا ــ ”تم سچے ہو۔“

”ہم جھوٹ نہیں بولا کرتے“ ــ اناصر نے کہا ــ ”شب خون مارنے والے خدا کو گواہ بنایا کرتے ہیں۔ اپنی فوج اور اپنے سالاروں کی نظروں سے اوجھل ہو کر ہم اس حقیقت کو دل میں بٹھا لیتے ہیں کہ ہمیں خدا دیکھ رہا ہے۔ ہم خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتے“ ــ اناصر خاموش ہو گیا اور پوچھا ــ ”تم نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرو گی؟“

”جو ہمیں حکم ملا ہے اُس کے خلاف ہم کچھ نہیں کر سکتے“ ــ لڑکی نے جواب دیا ــ ”ہمارا سلوک بُرا نہیں ہو گا..... ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم اب بول نہیں سکتے۔ تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں مگر تمہارے دلوں میں جو خوف ہے وہ تمہیں سونے نہیں دے رہا۔ دل سے خوف نکال دو اور سو جاؤ۔“

”پھر کیا ہو گا؟“ ــ اناصر نے پوچھا۔

”جو اللہ کا حکم ہو گا“ ــ لڑکی نے جواب دیا ــ ”ہم تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اگر جاگنے کی کوشش کرو گے تو ان ریتلے ستونوں کی طرح ستون بن جاؤ گے۔ تمہیں دُور سے یہ ستون نظر آئے ہوں گے۔ اِن کے اوپر کوئی چھت نہیں۔ یہ مینار لگتے ہیں، اصل میں انسان ہیں..... انسان تھے۔ ہمیں حکم نہیں کہ تمہیں دکھائیں۔ اگر حکم ہوتا تو کسی بھی مینار پر تم تلوار کی ضرب لگاتے تو اس میں سے خون پھوٹتا۔“

اناصر اور اُس کے ساتھیوں کی آنکھیں خوف سے باہر آنے لگیں۔ اُن کی سانسیں رُک گئیں۔

"یہ روئے زمین کا جہنم ہے۔"۔ لڑکی نے کہا۔۔ "اِدھر وہی آتا ہے جو راہ سے گمراہ ہو جاتا ہے اور وہ کہ جو بھولے بھٹکے مسافروں کو راستہ دکھاتا ہے اور کسی کو نظر نہیں آیا کرتا، انہیں غزال جیسے خوبصورت جانوروں یا ہم جیسی خوبصورت لڑکیوں کے روپ میں آکر انہیں راہ پر ڈالتا، پانی پلاتا اور انہیں اس دوزخ کی اذیت سے بچا لیتا ہے مگر انسان گناہوں کا اتنا شیدائی ہے کہ غزال کو دیکھتا ہے تو اُس پر تیر چلاتا ہے کہ اُسے مارے اور اُس کا گوشت کھائے، اور جب ہم جیسی عورت کو دیکھتا ہے تو اُسے تنہا اور مجبور سمجھ کر اُسے عیش و عشرت کا ذریعہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اُس کا آخری وقت آن پہنچا ہے، وہ لڑکی سے کہتا ہے کہ آؤ میرے ساتھ، تمہارے ساتھ شادی کروں گا۔ تم میرے حرم کی ملکہ ہوگی..... ریت اور مٹی کے یہ بے ڈھنگ اور لمبوترے مینار ایسے ہی آدمی تھے۔ تم ان میں شامل نہیں ہوگے..... سو جاؤ۔ اگر ہمیں دیکھ کر تمہارے دل میں گناہ انگڑائی لے تو اسے بھی سلا دینا، ورنہ تمہلا انجام یہی ہوگا جو تم دیکھ رہے ہو۔ انسان کی یہ کمزوری ہے کہ جس لذت کی وہ پیداوار ہے اُسی لذت کا شیدائی ہو کر تباہ ہوتا ہے اور بڑے بُرے انجام کو پہنچتا ہے۔ انسان کی اِس کمزوری نے قوموں کے نام و نشان مٹا دیئے ہیں۔"

لڑکی کے بولنے کے انداز میں جادو کا سا اثر تھا۔ یہ کسی پہلو اِس دنیا کی لڑکی نہیں تھی۔ اس کے سینے میں ایک مقدس پیغام تھا۔ اناصر اور اُس کے ساتھیوں پر تقدس طاری ہو گیا اور وہ خود فراموشی کے عالم میں سنتے رہے۔ پھر وہ اونگھنے لگے اور ایک ایک کرکے لڑھک گئے۔ چاروں گہری نیند سو گئے تو بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی کی طرف دیکھا۔ دونوں مسکرائیں اور انہوں نے سکون کی لمبی آہ بھری۔

☆

اناصر کو کچھ خبر نہیں تھی کہ جس طرح اُس کا مشن کامیاب ہو چکا ہے اُسی طرح اُس کی فوج ایک ہی ہلّے میں اپنے مشن میں کامیاب ہو چکی ہے۔ اتحادی فوج کو سلطان ایوبی بکھیر کر بھگا چکا تھا۔ اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ سیف الدین میدانِ جنگ سے لاپتہ ہو چکا تھا اور اب سلطان ایوبی سیف الدین کے ایک سالار مظفر الدین کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ اگر مظفر الدین میدانِ جنگ میں ہوا تو وہ جوابی حملہ ضرور کرے گا۔

سلطان ایوبی کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ مظفر الدین وہیں تھا۔ اُس کے پاس اس فوج کا چوتھائی حصہ تھا جو سلطان ایوبی کے حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ چکی تھی۔ اس چوتھائی حصّے کو جنگ میں شریک ہونے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ یہ شکست خوردہ فوج کا محفوظہ تھا جو محفوظ تھا اور سلطان ایوبی اُس کی موجودگی سے بے خبر تھا۔ یہ اس کی چھٹی حس تھی جو اُسے بتا رہی تھی کہ خطرہ ابھی موجود ہے۔ اُس نے اپنے جاسوسوں کو میدانِ جنگ کے اردگرد دُور دُور تک پھیلا دیا تھا کہ کہیں بھی جگہ کوئی فوج ہو اُس کی اطلاع فوراً پہنچائیں۔

وہاں ہر فوجی کے ذہن میں یہی خیال تھا کہ سیف الدین کی فوج مکمل طور پر ختم ہو چکی ہے اور یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس فوج کا کوئی سپاہی یا افسر زندہ موجود ہوگا۔ اِن میں سے جو زندہ موجود تھے، وہ سلطان

ایوبی کی فوج کی حراست میں جنگی قیدی تھے۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ وہ خطہ ایسا تھا جس کے خدوخال کئی کئی دستوں کو ایک ایک نشیب میں، چٹانوں کے جھُرمٹ میں یا جنگل میں چھپا سکتے تھے۔ سلطان ایوبی کے جاسوسی نظام کو یہی دشواری پیش آ رہی تھی، حالانکہ یہ وہ نظام تھا جو دشمن کے پیٹ میں جا کر راز نکال لایا کرتا تھا۔

مظفر الدین نے میدانِ جنگ سے دو اڑھائی میل دُور ایسی جگہ اپنے دستے چھپا رکھے تھے جو اس خطے کا نشیبی علاقہ تھا۔ وہاں جنگل بھی تھا اور اردگرد چٹانیں بھی۔ وہ اپنے خیمے میں بیٹھا سلطان ایوبی پر حملے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ اس کا ایک نائب سالار خیمے میں داخل ہوا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔

"کوئی نئی خبر ہے؟"۔۔ مظفر الدین نے پُوچھا۔

"صلاح الدین ایوبی کی فوج میں کوئی تبدیلی نہیں آئی"۔۔ نائب سالار نے کہا۔ "تفصیل اس سے سُن لو۔ یہ سب کچھ دیکھ آیا ہے۔"

یہ آدمی جاسوس تھا۔ اُس نے کہا۔۔ "صلاح الدین ایوبی کی فوج نے ابھی ہماری اس فوج کا سامان نہیں اٹھایا جو بھاگ گئی ہے۔ زخمیوں کو اٹھا لے گئے ہیں۔ لاشیں بھی اُٹھالی گئی ہیں۔ ہماری لاشوں کو بھی وہ اپنی لاشوں کے ساتھ الگ الگ قبروں میں دفن کر رہے ہیں۔"

"مجھے اُن کی خبر سناؤ جو ابھی زندہ ہیں"۔۔ مظفر الدین نے کہا۔۔ "مرنے والوں کو قبروں میں اُترنا ہے، وہ اُتر رہے ہیں۔ کیا ایوبی نے اپنی فوج میں کوئی ردّوبدل کیا ہے؟ اُس کا دایاں بازو وہیں ہے یا اِدھر اُدھر ہو گیا ہے؟"

"قابلِ صد احترام سالار!"۔۔ جاسوس نے کہا۔۔ "میں سپاہی نہیں کماندار ہوں۔ میں جو خبر دے رہا ہوں وہ کچھ سوچ کر اور کچھ سمجھ کر دے رہا ہوں۔ میرا مقصد یہ نہیں کہ آپ کو خوش کروں اور آپ کی خفگی سے ڈروں۔ میرا مقصد بالکل آپ ہی کی طرح یہی ہے کہ سلطان ایوبی کی فتح کو شکست میں بدلا جائے۔ آپ کچھ جلدی میں معلوم ہوتے ہیں۔ جلدی ضرور کریں، جلد بازی سے بچیں۔ میں جو کہہ رہا ہوں مجھے کہنے دیں۔ مجھے پابند نہ کریں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی نظر سلطان ایوبی کے دائیں پہلو پر ہے کیونکہ یہی ہدف آپ کی آسان زد اور رسائی میں ہے مگر میں نے اُس کی فوج کے دوسرے حصّوں کو بھی پیش نظر رکھ کر دیکھا ہے کہ ہم اُس کے دائیں پہلو پر حملہ کریں گے، تو سلطان ایوبی فوج کے دوسرے حصّوں کو کس طرح استعمال کرے گا۔"

"وہ ہمیں گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا"۔۔ مظفر الدین نے کہا۔۔ "گھیرا وسیع رکھے گا۔ ہمیں گھمائے پھرائے گا اور گھیرا تنگ کرتا جائے گا۔ میں اُس کی چالوں کے متعلق پیش گوئی کر سکتا ہوں۔"

"صلاح الدین ایوبی نے محفوظہ کے اُن دستوں کو جن سے اُس نے ہمارے قلب پر حملہ کیا اور کامیابی حاصل کی ہے پھر سے سمیٹ لیا اور اگلے دستوں سے ایک کوس پیچھے تیار رکھا ہوا ہے۔ آپ ٹھیک سمجھے ہیں کہ سلطان ایوبی ہمارے حملہ آور دستوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کرے گا۔ میں قبروں کا جو ذکر کر رہا تھا، وہ بے معنی نہیں تھا۔ سلطان ایوبی کا دایاں بازو جس جگہ ہے اُس سے ڈیڑھ ایک کوس پیچھے ہماری اور ایوبی کی فوج

کی لاشوں کے لیے قبریں کھودی گئی ہیں۔ اُن کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے لگ بھگ ہوگی۔ یہ ڈیڑھ ہزار گڑھے ہیں۔ آپ قبر کی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی سے واقف ہیں۔ آپ اسی سمت سے حملہ کریں کہ ایوبی کے دستے پیچھے ہٹیں۔ آپ انہیں قبروں کے قریب لے جائیں۔ دست بدست لڑنے کی بجائے تیروں کا اندھا دُھند استعمال کریں اور انہیں مجبور کردیں کہ قبروں پر چلے جائیں۔ آپ تصور کرسکتے ہیں کہ گھوڑے کھلی ہوئی قبروں میں کس طرح گریں گے۔ ان میں سے جن قبروں میں لاشیں اتار کر ان پر ڈھیریاں بنادی گئی ہیں وہ بھی اُن کے لیے رکاوٹ بنیں گی"۔

"ایوبی کے دائیں بازو کی قوت کتنی اور کس قسم کی ہے؟" — مظفرالدین نے پوچھا۔

"کم از کم ایک ہزار سوار اور ڈیڑھ ہزار پیادے ہیں" — جاسوس کماندار نے جواب دیا — "یہ دستے تیاری کی حالت میں ہیں۔ آپ انہیں بے خبری میں نہیں لے سکتے"۔ اُس نے اس نقشے پر جو مظفرالدین کے آگے پڑا تھا، ایک جگہ انگلی رکھ کر کہا — "یہ ہے دشمن (ایوبی) کا دایاں بازو۔ میرے اندازے کے مطابق اُس کا پھیلاؤ آٹھ سو قدم ہے۔ اُس کے سامنے کی زمین گڑھوں والی ہے۔ نیچی نیچی گول گول ٹیکریاں بھی ہیں۔ اُس کے دائیں کا علاقہ صاف ہے۔ حملے کے لیے یہ راستہ موزوں نظر آتا ہے مگر حملہ سامنے سے کیا جائے۔ دشمن پیچھے ہٹے گا"۔

"میرا حملہ سامنے کے بیکار راستے سے بھی ہوگا، دائیں جانب سے صاف راستے سے بھی" — مظفرالدین نے کہا — "میں قبروں کے گڑھوں اور ڈھیریوں کو استعمال کروں گا"۔ اُس نے اپنے نائب سالار سے کہا — "کوئی بھی آدمی کہیں بھی نظر آئے اُسے پکڑلو۔ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہُوا ہے۔ اِدھر سے کوئی مسافر نہیں گزرے گا۔ اِدھر سے وہی گزرے گا جو جاسوس ہوگا"۔

☆

دو مسافروں کو شاید معلوم نہیں تھا کہ یہ علاقہ جنگ کی لپیٹ میں آیا ہُوا ہے۔ ایک اونٹ پر سوار تھا۔ وہ بوڑھا تھا۔ اُس کی داڑھی سفید تھی۔ اونٹ پر کچھ سامان بھی لدا ہُوا تھا۔ دوسرے نے اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی۔ وہ دونوں دیہاتی لباس میں تھے۔ وہ اُس جگہ سے گزر رہے تھے جہاں سے مظفرالدین کے چھپے ہوئے دستے نظر آرہے تھے۔ ایک فوجی نے انہیں پکارا۔ وہ نہ رُکے۔ اُن کی رفتار تیز ہوگئی۔ ایک گھوڑ سوار اُن کے پیچھے گیا تو وہ رُک گئے۔ سوار نے انہیں ساتھ چلنے کو کہا۔

"ہم مسافر ہیں" — جوان آدمی نے کہا — "آپ کا کیا بگاڑا ہے؟ ہمیں جانے دیں"۔

"حکم ہے کہ یہاں سے جو گزرے اُسے روک لیا جائے" — گھوڑ سوار نے کہا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے گیا۔

اُنہیں ایک خیمے کے سامنے جا کھڑا کیا اور خیمے میں اطلاع دی گئی۔ ایک کماندار باہر آیا۔ اس نے اُن سے پوچھا کہ وہ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جارہے ہیں۔ انہوں نے جو جواب دیا اس سے کماندار مطمئن ہوگیا، لیکن اس نے انہیں بتایا کہ انہیں آگے نہیں جانے دیا جائے گا۔ انہیں عزت سے رکھا جائے گا قید میں نہیں۔

اُن کے اس سوال کا جواب نہ دیا جاسکا کہ انہیں کب تک یہاں رکھا جائے گا۔ یہ پہلے مسافر تھے جنہیں مظفرالدین کے حُکم کے مطابق روکا گیا تھا۔ انہیں دو سپاہیوں کے حوالے کرکے کہا گیا کہ وہ اُن کے خیمے میں رہیں گے۔ ان کی کسی نے نہ سُنی۔

انہیں جس خیمے میں رکھا گیا وہاں بھی دو سپاہی رہتے تھے۔ رات کو سپاہی سوگئے۔ سفید ریش بوڑھا جاگ رہا تھا۔ خیمے میں اندھیرا تھا۔ بوڑھے نے خراٹوں سے اندازہ کیا کہ دونوں سپاہی سوگئے ہیں۔ اس نے اپنے ساتھی کو ٹھوکر ماری۔ دونوں لیٹے لیٹے سرکنے لگے۔ جب خیمے کے دروازے تک پہنچے تو باہر کو سرک گئے۔ باہر خاموشی تھی۔ خیمے سے کچھ دُور جاکر بوڑھے نے اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ اس سے الگ ہوجائے اور کسی اور سمت سے خیمہ گاہ سے باہر نکلے۔ دونوں الگ ہوگئے۔ اُن کی یہ توقع پوری نہ ہُوئی کہ وہاں سلا کیمپ سویا ہُوا ہوگا۔ سنتری جاگ رہے تھے۔ ایک سنتری نے اندھیرے میں سائے کو حرکت کرتے دیکھا تو اُسے بلانے کی بجائے اُس کے پیچھے چل پڑا۔

وہ بوڑھا تھا۔ اُس نے سنتری کو دیکھ لیا اور وہ کہیں چُھپ گیا۔ سنتری آیا۔ اُسے ڈھونڈنے لگا۔ وہاں کچھ سامان پڑا تھا۔ اس ڈھیر میں کہیں چُھپا رہا۔ پھر اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے دبے پاؤں نکل گیا۔ بالکل اسی طرح ایک اور سنتری نے اُس کے ساتھی کو دیکھ لیا۔ مظفرالدین نے جاسوسوں پر نظر رکھنے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام دے رکھے تھے۔ اُسے معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے جاسوس بہت تیز اور ہوشیار ہیں۔ چنانچہ مظفرالدین نے اُس کے جاسوسوں کو پکڑنے کے لیے خاص قسم کی ہدایات دی تھیں۔ انہی ہدایات کے مطابق سنتری بوڑھے اور اُس کے ساتھی کو پکارتے نہیں تھے۔ اُن کا تعاقب کررہے تھے۔

بوڑھے کا ساتھی بھی چُھپ گیا۔ اِدھر بوڑھا بھی ایک سنتری کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بوڑھا ایک اور جگہ چُھپا۔ سنتری اُس کے پیچھے آرہا تھا۔ سنتری غلط فہمی میں آگے نکل گیا۔ بوڑھے نے خنجر نکال لیا۔ اُس نے ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اس سنتری سے نجات حاصل کرنے کے لیے اسے خنجر سے ہلاک کردے گا۔ بوڑھا اٹھا۔ ابھی دیکھ ہی رہا تھا کہ کدھر کو نکلے کہ اچانک ایک آدمی اُس کے قریب آگیا۔ بوڑھے نے ذرہ بھر توقّف نہ کیا۔ خنجر اُس آدمی کے دل میں اتار دیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ اُس آدمی کے منہ سے آواز نکلی اور خاموش ہوگئی۔ وہ آدمی گر پڑا۔

بوڑھا وہاں سے بھاگنے کی راہ دیکھ رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اُسے دبوچ لیا۔ بوڑھے نے جسم کو اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اُسے دبوچنے والا اس سے الگ ہوکر گرا۔ وہ تیز بھاگا مگر کسی چیز سے ٹھوکر کھاکر گر پڑا۔ اُس نے جسے گرایا تھا وہ اٹھ کھڑا ہُوا تھا۔ وہ تیز دوڑا اور بوڑھے کو پیچھے سے پکڑ لیا، ساتھ ہی اُس نے شور مچادیا۔ مشعلیں جل اُٹھیں۔ تین چار سنتری دوڑے آئے۔ انہوں نے مشعلوں کی روشنی میں دیکھا کہ یہ تو کوئی سفید ریش بزرگ ہے مگر ان سب سے آزاد ہونے کے لیے ایسی پھرتی اور ایسی طاقت کا مظاہرہ کررہا تھا جو اس عمر میں کم ہی کسی انسان میں ہوتی ہے۔ وہ اکیلا تھا۔ سنتری زیادہ تھے۔ وہ ان سے آزاد نہ ہوسکا مگر اس

کوشش میں اُس کی سفید داڑھی اُتر کر گر پڑی۔ سب نے دیکھا کہ اُس کے چہرے پر چھوٹی چھوٹی سیاہ داڑھی تھی جو سلیقے سے تراشی ہوئی تھی اور وہ ایک جوان آدمی تھا۔ سفید داڑھی مصنوعی تھی۔

اُسے پکڑ کر اُس جگہ لے گئے جہاں اُس نے ایک سنتری کو خنجر کے دو وار کر کے مار ڈالا تھا۔ مشعل کی روشنی میں سب نے دیکھا کہ وہ کوئی سنتری نہیں بلکہ اسی آدمی کا ساتھی تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ اُس آدمی نے جو سفید داڑھی لگا کر بوڑھا بنا ہوا تھا اپنے ہی ساتھی کو سنتری سمجھ کر ہلاک کر دیا تھا۔ یہ دونوں ساتھی الگ الگ ہو کر کیمپ سے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر سنتریوں نے انہیں دیکھ لیا۔ یہ دونوں تعاقب سے بچنے کی کوشش میں اکٹھے ہو گئے۔ سفید داڑھی والے نے اُسے سنتری سمجھا اور نہایت عجلت میں اُسے خنجر سے مار ڈالا۔ لاش کی تلاشی لی گئی۔ اس کے کپڑوں کے اندر سے خنجر برآمد ہوا۔ اُن کے اونٹ پر جو سامان تھا وہ کھول کر دیکھا گیا تو کوئی سامان نہیں تھا۔ بوریوں میں گھاس پھونس بھر کر سامان کا دھوکہ دیا گیا تھا۔

اس آدمی کو ایک نائب سالار کے خیمے میں لے گئے۔ نائب سالار جاگ اُٹھا۔ اُس نے اس آدمی سے بہت کچھ پوچھا لیکن اُس نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔ اس کی سفید داڑھی جو اُس کے چہرے سے اُتری تھی، نائب سالار کو دکھائی گئی۔ اس کے متعلق بھی اُس نے خاموشی اختیار کی مگر یہ ایسے ثبوت تھے جنہیں وہ جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ اُسے کہا گیا کہ وہ تسلیم کرے کہ وہ سلطان ایوبی کا جاسوس ہے اور اُس کا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ اُس نے یہ الزام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اُسے مارا پیٹا گیا۔ بہت پریشان کیا گیا لیکن اُس نے اعتراف نہ کیا کہ وہ جاسوس ہے۔ رات گزر گئی۔

صبح اُسے مظفرالدین کے سامنے لے جایا گیا اور اُسے رات کا واقعہ سنایا گیا۔ اُس کی مصنوعی داڑھی اور اس کے اونٹ کا سامان بھی مظفرالدین کے آگے رکھا گیا۔

"علی بن سفیان کے شاگرد ہو یا حسن بن عبداللہ کے؟" مظفرالدین نے اس سے پوچھا۔ (علی بن سلطان ایوبی کی ملٹری انٹیلی جنس کا سربراہ اور حسن بن عبداللہ اس کا نائب تھا)

"میں ان دونوں میں سے کسی کو نہیں جانتا" ملزم نے جواب دیا۔

"میں جانتا ہوں ان دونوں کو" مظفرالدین نے کہا۔ "میں سلطان صلاح الدین ایوبی کا شاگرد ہوں، استاد اپنے شاگرد کو دھوکہ نہیں دے سکتا"۔

"میرا آپ کے ساتھ اور سلطان ایوبی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں" ملزم نے جواب دیا۔

"سنو میرے بدقسمت دوست!" مظفرالدین نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ بحث نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم نالائق اور نکمے ہو۔ تم نے اپنا فرض خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے۔ پکڑا جانا کوئی عیب نہیں۔ تمہاری بدقسمتی کہ تمہارا ساتھی تمہارے ہی ہاتھوں مارا گیا ہے۔ مجھے صرف یہ بتا دو کہ تمہارا کوئی ساتھی یہاں سے ہو گیا ہے اور وہ ایوبی کو اطلاع دے چکا ہے کہ اس جگہ فوج ہے؟ اور یہ بتا دو کہ اس وقت تمہاری فوج کی ترتیب کیا ہے اور دستے کہاں کہاں ہیں۔ ان سوالوں کا جواب دو اور میں تمہارے ساتھ قرآن کے نام پر وعدہ

کرتا ہوں کہ جنگ ختم ہوتے ہی تمہیں رہا کر دوں گا۔ اُس وقت تک پوری عزت سے تمہیں اپنے پاس رکھوں گا"۔

"مجھے آپ کی قسم پر اعتبار نہیں" ملزم نے کہا۔ "کیونکہ آپ قرآن سے منحرف ہو چکے ہیں"۔

"کیا میں مسلمان نہیں؟" مظفرالدین نے تحمل سے کہا۔

"آپ یقیناً مسلمان ہیں" ملزم نے جواب دیا۔ "لیکن آپ قرآن کے نہیں صلیب کے وفادار ہیں"۔

"میں اپنی توہین اس شرط پر برداشت کروں گا کہ میں نے جو پوچھا ہے وہ مجھے بتا دو" مظفرالدین نے کہا۔ "تمہاری جان میرے ہاتھ میں ہے"۔

"آپ خدا کے ہاتھ سے میری جان چھین نہیں سکتے" ملزم نے کہا۔ "آپ ہماری فوج میں رہ چکے ہیں۔ آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری فوج کا ہر سپاہی اپنی جان خدا کے سپرد کر چکا ہے۔ میں آپ کو یہ بتا دیتا ہوں کہ میں اپنی فوج کا جاسوس ہوں اور میرا ساتھی بھی جاسوس تھا۔ میں آپ کے کسی اور سوال کا جواب نہیں دوں گا۔ میں زندہ ہوں، میری کھال اُتارنی شروع کر دیں۔ میرے منہ سے اپنے سوالوں کا جواب نہیں سن سکو گے..... اور میں آپ کو یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ شکست آپ کے مقدر میں لکھ دی گئی ہے"۔

"اس کے ٹخنوں میں رسّی ڈالو اور اس درخت کے ساتھ اُلٹا لٹکا دو" مظفرالدین نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے حکم دیا اور اپنے خیمے میں چلا گیا۔

☆

"وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے" حسن بن عبداللہ سلطان ایوبی سے کہہ رہا تھا۔ "اُن کے پکڑے جانے کا تو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ ہمارے جاسوسوں کو یہاں پکڑنے والا کون ہے۔ انہیں بہت دور بھی نہیں جانا تھا"۔

"ہو سکتا ہے وہ پکڑے گئے ہوں" سلطان ایوبی نے کہا۔ "وہ جو صبح کے گئے ہوئے شام کے بعد تک نہیں آئے وہ پکڑے گئے ہوں گے۔ اُن کا نہ آنا ظاہر کرتا ہے کہ یہاں پکڑنے والے موجود ہیں۔ آج رات کچھ آدمی اور بھیج دو اور ذرا دور کے علاقے کی دیکھ بھال کراؤ"۔

وہ انہی دونوں جاسوسوں کے متعلق بات کر رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے ہمیشہ اپنے جاسوسی کے نظام پر بھروسہ کیا اور دشمن کو اسی نظام کی راہنمائی میں ناک چنے چبوائے تھے مگر اب اس کا یہ نظام اس کے لیے بیکار ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کا مدمقابل اس کا شاگرد مظفرالدین تھا۔ گذشتہ رات سلطان ایوبی کے ایک جاسوس کی لاش ترکمان سے کچھ دور ویرانے میں پڑی ملی تھی۔ اُس کے پہلو میں تیر اُترا ہوا تھا۔ مظفرالدین نے اپنے نائب سالاروں سے کہا تھا۔ "اگر تم صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کے خلاف اقدام کر سکو تو وہ اندھا اور بہرہ ہو جائے۔ پھر تم اسے شکست دینے کی سوچ سکتے ہو"۔ اب سلطان ایوبی کے دو اور جاسوس لاپتہ ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی ان دونوں واقعات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اُس کے حکم پر حسن بن عبداللہ نے چھ چھاپہ مار جاسوس روانہ کر دیئے۔

صبح کی اذان کی پہلی اللہ اکبر گونجی تو سلطان ایوبی کی آنکھ کھلی ...... وہ خیمے سے باہر نکلا تو اُس کے خادم نے مشعل جلا کر اس کے خیمے کے آگے رکھ دی۔ اُدھر سے ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔ سلطان ایوبی کے سامنے رک کر وہ گھوڑے سے اترا اور کہا: "سلطان کا اقبال بلند ہو۔ اپنے دائیں پہلو کے علاقے کے سامنے کسی فوج کی حرکت سنی گئی ہے۔ دیکھ بھال کے لیے دو آدمی آگے گئے تھے۔ انہوں نے تصدیق کی ہے کہ فوج آ رہی ہے۔"

سلطان ایوبی نے مرکزی کمان کے سالاروں کے نام لے کر کہا کہ انہیں فوراً بلاؤ۔ وہ زمین پر بیٹھ گیا اور تیمم کیا۔ اُس کے پاس وضو کے لیے وقت نہیں تھا۔ وہیں قبلہ رُو ہو کر اُس نے مصلّا بچھائے بغیر نماز پڑھی۔ مختصر الفاظ میں دعا مانگی اور اپنا گھوڑا منگوایا۔

"یہ مظفرالدین کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا"۔ سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا — "یہ صلیبی نہیں ہو سکتے۔ اُن کے آنے کی سمت یہ نہیں ہو سکتی۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے کہ دشمن ہمارے دائیں پہلو کے دستوں کے سامنے اور دائیں سے آ رہا ہے تو خیال رکھنا یہ دو طرفہ حملہ ہوگا۔ اپنے کسی دستے کو پیچھے نہ ہٹنے دینا۔ پیچھے ڈیڑھ ہزار قبروں کے گڑھے ہیں۔ تمام لاشوں کو ابھی دفن نہیں کیا گیا۔ یہ گڑھے ہمارے سواروں کی قبریں بن جائیں گے۔"

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار ہوا۔ اُس کے محافظ دستے کے بارہ محافظ اُس کے پیچھے چل پڑے۔ وہ سوار تھے۔ اُس نے آدھی درجن تیز رفتار سوار قاصد بھی ساتھ لے لیے تھے اور ساتھ دو سالار بھی تھے۔ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور ایک ایسی چٹان پر جا چڑھا جہاں سے وہ اپنے دائیں بازو کے سامنے کا علاقہ اور اپنے دستوں کو دیکھ سکتا تھا۔ صبح کا دُھندلکا چھٹنے لگا تھا۔ وہ چٹان سے اُترا اور دائیں بازو کے دستوں کے کمانداروں کو بلا کر حکم دیا کہ سواروں کو گھوڑوں پر سوار کر دو اور پیادہ دستوں کے تیر اندازوں کو سامنے والے علاقے کے کھڈوں میں اور بلندیوں کے پیچھے مورچہ بند ہونے کو دوڑا دو۔

"اب سے دائیں پہلو کے دستوں کی اعلیٰ کمان میرے پاس ہوگی" — اُس نے کمانداروں اور نائب سالاروں سے کہا — "اپنے قاصد اپنے ساتھ رکھ لو اور میرے ساتھ رابطہ رکھو۔"

سلطان ایوبی کی ٹریننگ میں نقل و حرکت کی برق رفتاری پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ کسی چال کے حکم کی تعمیل حیران کُن رفتار سے ہوتی تھی۔ مظفرالدین کی فوج ابھی اتنی قریب نہیں آئی تھی کہ سلطان ایوبی کے دستوں کی حرکات دیکھ سکتی۔

☆

مظفرالدین نے گھوڑ سواروں سے حملہ کیا۔ جُوں ہی اُس کا پہلا سوار دستہ سلطان ایوبی کے دستوں کے سامنے والے علاقے میں آیا اُس کی ترتیب خراب ہو گئی کیونکہ وہاں کھڈ اور ڈھیریوں کی طرح ٹیکریاں تھیں۔ ان کھڈوں میں سلطان ایوبی کے تیر انداز بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے قریب سے اور اپنے اوپر سے گزرتے اور سرپٹ

دوڑتے گھوڑوں پر تیر برسانا شروع کر دیئے۔ سوار گرنے لگے۔ جس گھوڑے کو تیر لگتا تھا وہ بے لگام ہو کر اِدھر اُدھر بھاگنے دوڑنے لگتا تھا۔ یہ تو ہر معرکے میں ہوتا تھا۔ مظفرالدین کے لیے یہ صورتِ حال عجیب نہیں تھی۔ البتہ اُسے یہ پریشانی ہوئی کہ اُس کی توقع کے خلاف سلطان ایوبی کے دائیں بازو کے دستے بیدار تھے اور مقابلے کے لیے تیار۔ اس یلغار میں سلطان ایوبی کے بے شمار تیر انداز کچلے گئے۔ اس قربانی سے سلطان ایوبی نے یہ فائدہ حاصل کیا کہ مظفرالدین کے حملے کی شدت ختم ہو گئی۔ اب سلطان ایوبی جم کر لڑ سکتا تھا۔ مظفرالدین یہ توقع لے کر حملہ آور ہوا تھا کہ وہ اچانک آ پڑے گا اور سلطان ایوبی کو وہ اپنی چالوں کا پابند کر کے اُسے میدانِ جنگ میں اپنی پسند کے مطابق لڑاتا رہے گا، اُس کی یہ توقع ختم ہو گئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی چالیں چلنے کے لیے آزاد تھا۔ اُس کے چند ایک تیر اندازوں نے مظفرالدین کے گھوڑوں کے قدموں میں بیٹھ کر جانیں قربان کر دی تھیں لیکن اپنے سلطان کو وہ بڑا قیمتی جنگی فائدہ دے گئے تھے۔ مظفرالدین کا حملہ آور دستہ کئی ایک گھوڑے اور اُن کے سوار مروا کر آگے نکل آیا۔ آگے سلطان ایوبی خود تھا۔ اُس نے حملہ آوروں کا پھیلاؤ دیکھا تو اُس کے مطابق اپنے سواروں کو ایک حکم دے دیا۔ حملہ آور قریب آئے تو سلطان ایوبی کے بائیں سواروں نے گھوڑے بائیں کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ دائیں کے سواروں نے بھی ایسا ہی کیا۔ حملہ آوروں کے سامنے کوئی مزاحمت نہ رہی۔ مزاحمت کرنے والے دائیں اور بائیں بھاگ گئے تھے۔

حملہ آوروں کے کچھ گھوڑے دائیں کو مڑے کچھ بائیں کو۔ زیادہ تر ناک کی سیدھ میں چلے آئے۔ سلطان ایوبی کے دائیں بائیں کو بھاگنے والے سواروں نے اندر کو گھوڑے موڑے۔ اب حملہ آوروں کے گھوڑوں کے پہلو اُن کے سامنے تھے۔ انہوں نے ایڑ لگا دی...... دونوں طرف سے سواروں نے ہلّہ بولا تو اُن کی برچھیوں کا کوئی وار خالی نہ گیا۔ حملہ آور تو آگے کو دوڑے جا رہے تھے۔ وہ اپنے پہلوؤں کی حفاظت کرنے کے قابل ہی نہیں تھے۔ اُن کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ آگے کو نکل جائیں۔ آگے ڈیڑھ ہزار قبریں تھیں۔ حملہ آوروں کے پیچھے سلطان ایوبی کے سوار آ رہے تھے۔ صورت تعاقب کی بن گئی تھی۔ حملہ آوروں کے گھوڑے کُھلی ہوئی قبروں سے گزرنے لگے۔

مظفرالدین گھبرا جانے والا سالار نہیں تھا۔ اُس نے کم سے کم تعداد سے حملہ کرایا تھا۔ اِس سے اُس نے میدانِ جنگ کا ذائقہ چکھ لیا اور صورتِ حال معلوم کر لی۔ اُس نے فوراً سواروں کی دوسری موج چھوڑ دی۔ سلطان ایوبی کے سواروں نے گھوڑے روک لیے تھے کیونکہ وہ قبروں سے دُور رہنا چاہتے تھے۔ وہ اگلے حکم کی تعمیل کرنے ہی لگے تھے کہ مظفرالدین کے سواروں کا دوسرا دستہ اُن کے سر پر آ گیا۔ انہیں سنبھلنے کی مہلت نہ ملی۔ یہ عقبی حملہ تھا۔ اس میں سلطان ایوبی کے سواروں کا بہت جانی نقصان ہُوا۔ کئی سوار آگے کو بھاگے اور اُن کے گھوڑے قبروں میں گرے۔ اُس کے ساتھ ہی مظفرالدین نے دائیں طرف سے بھی حملہ کر دیا۔

سلطان ایوبی کے لیے صورتِ حال پریشان کُن ہو گئی۔ اُس نے قاصد کو اس حکم کے ساتھ دوڑایا کہ محفوظہ عقب سے حملہ کرے۔ سلطان ایوبی نے دائیں بازو کے دستوں کو جس طرح تقسیم کیا تھا وہ بیکار ہو گئی۔ مظفرالدین

اُسی کے اِمدوں پر لڑ رہا تھا۔ مظفر الدین کی کمزوری یہ تھی کہ اُس کے پاس کمک نہیں تھی۔ سلطان ایوبی نے قاصدوں کے ذریعے اپنے دستوں کے کمانڈروں سے رابطہ رکھ کر انہیں دائیں بائیں بکھیرنا شروع کر دیا اور جب عقب سے اُس کے محفوظہ نے حملہ کیا تو مظفر الدین کے اوسان خطا ہو گئے۔ اس کا اپنا مرکز خطرے میں پڑ گیا، لیکن اُس نے نکل جانے کی نہ سوچی۔

مؤرخوں کے مطابق دن کے پچھلے پہر تک دونوں فوجوں نے جو معرکہ لڑا وہ بڑا ہی خونریز اور بڑا ہی سخت تھا۔ کمان سلطان ایوبی کے ہاتھ میں تھی ورنہ صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔ جہاں تک لڑنے کے جذبے کا اور جنگی قابلیت کا تعلق تھا مظفر الدین نے سلطان ایوبی کی زبان سے داد و تحسین کے کلمے کہلوا لیے تھے۔ اُسے شکست اس لیے ہوئی کہ اس کے پاس جو کچھ تھا جو اُس نے آخری بازی پر لگا دیا تھا۔ وہ بازی ہار گیا۔ معرکے کے آخری مرحلے میں سلطان ایوبی نے ریزرو سوار دستے سے بڑ بولا۔ مظفر الدین کی پوزیشن بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اس نے پسپائی میں خیریت سمجھی۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے جن میں مظفر الدین کا ایک مشیر فخر الدین بھی تھا۔ یہ کوئی معمولی سا انسان نہیں تھا سیف الدین کا وزیر تھا۔ ترکمان کے معرکے میں جب سیف الدین بھاگا تو فخر الدین مظفر الدین کے پاس چلا گیا تھا اور اُس کی حوصلہ افزائی کی تھی کہ وہ سلطان ایوبی پر حملہ کرے۔

یہ معرکہ شوال ۵۷۱ھ (اپریل ۱۱۷۶ء) میں لڑا گیا تھا۔ بےشک مظفر الدین کو شکست ہوئی تھی اور سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں کی کمر ٹوٹ گئی تھی مگر سلطان ایوبی کا اتنا زیادہ نقصان ہوا تھا کہ اگلے دو ماہ تک وہ ترکمان سے چلنے کے قابل نہ رہا۔ اُس کا دایاں بازو ختم ہو گیا تھا جیسے اس کا اپنا بازو مفلوج ہو گیا ہو۔ اُس کے پاس نئی بھرتی آ رہی تھی، لیکن وہ رنگروٹوں کے ساتھ پیش قدمی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس نے اُسی روز دمشق اور مصر قاصد دوڑا دیئے کہ کمک بھیجو۔ اگر اُس کا اتنا زیادہ نقصان نہ ہوتا تو وہ آگے جا کر حلب، موصل اور حرن وغیرہ پر یلغار کرتا اور اپنے ان مسلمان دشمنوں کو جو فلسطین کے راستے میں حائل ہو گئے تھے راہِ راست پر لے آتا یا ختم کر دیتا۔

"یہ میری فتح نہیں" ۔۔۔ سلطان ایوبی نے اس معرکے کے بعد اپنے سالاروں سے کہا ۔۔۔ "یہ صلیبیوں کی فتح ہے۔ وہ ہمیں کمزور کرنا چاہتے تھے۔ وہ اس مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ انہوں نے میری پیش قدمی کی رفتار سست کر کے فلسطین پر اپنے قبضے کے عرصے کو کچھ اور طویل کر لیا ہے۔ ہمارے یہ مسلمان بھائی کب سمجھیں گے کہ کفار ان کے دوست نہیں ہو سکتے اور اُن کی دوستی میں بھی دشمنی ہوتی ہے۔ میں کہہ نہیں سکتا کہ تاریخ لکھنے والے ہماری آنے والی نسلوں کو کن الفاظ میں سنائیں گے کہ ہم آپس میں لڑتے رہے تھے۔"

اُسے ابھی یہ معلوم نہیں تھا کہ اُس کے بھائی جو اُس سے شکست کھا کر بھاگ گئے ہیں، اُس کے قتل کا ایک اور منصوبہ بنا رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اس کا تیسرا دشمن گمشتگین، حشیشین کے سردار شیخ سنان کے ہاں گیا ہوا تھا۔ اُس وقت شیخ سنان عصیات نام کے ایک قلعے میں مقیم تھا۔ اُسے یہ قلعہ صلیبیوں نے دیا تھا جس میں اس نے اپنی فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس قلعے میں اس کے پیشہ ور قاتلوں کا گروہ بھی تھا۔

☆

عصیات اور ترکمان کے درمیان اس جہنم نما علاقے میں جہاں سلطان ایوبی کے چار چھاپہ مار بھولے بھٹکے پہنچ گئے تھے۔ سورج اُفق کے قریب چلا گیا تھا۔ چھاپہ ماروں کے کمانڈر الناصر کی آنکھ کھلی۔ وہ اُٹھ بیٹھا۔ دونوں لڑکیاں جاگ رہی تھیں۔ الناصر کے دل پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔ ان لڑکیوں میں سے ایک نے اُس کے ساتھ ایسی باتیں کی تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ اس کے ساتھیوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کریں گی، پھر بھی الناصر ڈر گیا۔

"انہیں جگاؤ" ۔۔۔ بڑی لڑکی نے کہا ۔۔۔ "ہمیں دور جانا ہے۔"

"ہمیں راستے پر ڈال کر جاؤ گی؟" ۔۔۔ الناصر نے پوچھا۔

"تم سب ہمارے ساتھ چلو گے" ۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا ۔۔۔ "ہمارے بغیر تم منزل تک نہیں پہنچ سکو گے۔"

الناصر نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ بڑی لڑکی نے چھوٹی لڑکی سے کچھ کہا۔ وہ اٹھی اور دوسرے گھوڑے کے ساتھ بندھے ہوئے تھیلے سے کچھ نکالا۔ پانی کا مشکیزہ کھولا۔ مشکیزے کا منہ کھول کر اُس نے تھیلے میں سے جو چیز نکالی تھی وہ مشکیزے میں ڈال دی۔ اُسے ہلایا اور مشکیزہ الناصر کو دے کر کہا ۔۔۔ "پانی پی لو۔ منزل تک شاید پانی نہ ملے۔"

الناصر اور اُس کے ساتھیوں نے پانی پی لیا۔ بڑی لڑکی نے چاروں کو کچھ کھانے کو دیا۔ کچھ دیر گزر گئی، تو لڑکیوں نے تھیلے اور مشکیزے گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ باندھ دیئے۔ سورج نیچے جا رہا تھا۔

"تم نے اس جگہ کو جہنم کہا تھا" ۔۔۔ الناصر نے بلند آواز سے کہا ۔۔۔ "یہاں تو سبزہ زار ہے۔ تم نے ہمیں اتنی جلدی یہاں کس طرح پہنچا دیا ہے؟"

اُس کے تینوں ساتھی حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم تینوں کو بھی سبزہ زار نظر آ رہا ہے؟" ۔۔۔ بڑی لڑکی نے پوچھا۔

"ہم سبزہ زار میں بیٹھے ہیں" ۔۔۔ ایک نے کہا۔

"کیا تم ہماری جان تو نہیں لے لوگی؟" ۔۔۔ دوسرے نے کہا ۔۔۔ "تم جنّت میں سے ہو؟"

"نہیں" ۔۔۔ لڑکی نے مسکرا کر کہا ۔۔۔ "ہم تمہیں اس سے زیادہ حسین خطے میں لے جا رہے ہیں۔"

بڑی لڑکی نے الناصر اور اُس کے ایک ساتھی کو پہلو بہ پہلو بٹھا کر دونوں کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیئے اور بولی ۔۔۔ "میری آنکھوں میں دیکھو۔"

دوسری لڑکی نے الناصر کے دوسرے دو ساتھیوں کو اسی طرح آمنے سامنے بٹھا کر اپنے بازو اُن کے گرد لپیٹے اور انہیں اپنی آنکھوں میں دیکھنے کو کہا ۔۔۔ چاروں چھاپہ ماروں کے کانوں میں بڑی لڑکی کی مترنم آواز داخل ہو رہی تھی ۔۔۔ "یہ تمہاری بہشت ہے۔ ان پھولوں کے رنگ دیکھو، ان کی مہک سونگھو۔ ان میں جو پرندے اُڑ رہے ہیں، وہ دیکھو کتنے خوبصورت ہیں۔ یہ تمہارا انعام ہے۔ تمہارے پاؤں تلے مخمل جیسی گھاس ہے۔ چشمے دیکھو۔ اُن کا شفاف پانی میٹھا ہے ......"

لڑکی کی آواز جادو کی طرح ان چاروں کی عقل پر اور آنکھوں پر اور تمام حسّوں پر غالب آتی جا رہی تھی۔

انامر نے بعد میں حسن بن عبداللہ کو جو بیان دیا تھا اس میں اس نے بتایا کہ لڑکیوں کی آنکھوں میں دیکھ کر انہیں پانی کے شفاف چشمے نظر آنے لگے۔ ان کے ریشم جیسے بال جو اُن کے شانوں پر بکھرے ہوئے تھے کسی بڑے ہی دلکش پودے کی پھولدار بیلیں بن گئیں اور انہوں نے اپنے آپ کو ایک باغ میں پایا جس کے حُسن کو اور جس کے پھولوں کے رنگوں کو بیان نہیں کر سکتا۔ وہاں ریت اور مٹی کے لمبے ٹیلے نہیں تھے۔ ریگزار نہیں تھا۔ ہرے بھرے درخت اور پودے تھے اور نیچے مخمل جیسی گھاس کا فرش تھا۔ رنگ برنگے پرندے پھدک اور چہچہا رہے تھے۔

اور وہ اس بہشت میں چلے جا رہے تھے۔

☆

وہ چاروں مخمل جیسی جس گھاس پر چلے جا رہے تھے وہ درحقیقت ریت تھی۔ کہیں کہیں زمین سخت بھی تھی اور وہ چاروں ایک گیت گنگناتے جا رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں اُن سے چند قدم پیچھے گھوڑوں پر جا رہی تھیں۔ اُن کا رُخ ترکمان کی طرف نہیں تھا جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج تھی اور جو ان چاروں چھاپہ ماروں کی منزل تھی بلکہ اُن کا رُخ عصیات کے قلعے کی طرف تھا جہاں حشیشین کا سردار شیخ سنان رہتا تھا۔ انامر اور اس کے ساتھیوں کو کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ اُن کا یہ احساس مردہ ہو چکا تھا کہ وہ جا نہیں رہے انہیں لے جایا جا رہا ہے۔ اُن کے پیچھے پیچھے جاتی لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ یہ باتیں چھاپہ ماروں کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔

"تم کہتی ہو کہ رات کہیں قیام نہیں کریں گی" ـــ چھوٹی لڑکی نے بڑی سے کہا ـــ "کیا یہ چاروں رات بھر پیدل چل سکیں گے؟"

"تم نے پانی میں انہیں حشیش کی جو مقدار پلائی ہے، اس کا اثر کل شام تک رہے گا" ـــ بڑی لڑکی نے کہا ـــ "اور میں نے انہیں جو کھلایا ہے وہ تم نے دیکھا ہے۔ ان سے تم بے فکر ہو جاؤ۔ مجھے اُمید ہے کہ سورج نکلنے سے پہلے ہم عصیات پہنچ جائیں گے۔"

"میں تو انہیں دیکھ کر ڈر گئی تھی" ـــ چھوٹی لڑکی نے کہا ـــ "یہ تمہارا کمال ہے کہ تم نے ان پر قابو پا لیا اور ان پر یہ ظاہر کیا کہ ہم جنات ہیں۔ یہ مسلمان جنات کے وجود کو مانتے ہیں؟"

"یہ عقل کا کھیل تھا" ـــ بڑی لڑکی نے کہا ـــ "میں نے ان کی ذہنی حالت پر قبضہ کیا تھا۔ ان کے چہرے اور ان کی چال ڈھال دیکھ کر میں سمجھ گئی تھی کہ صلاح الدین ایوبی کے فوجی ہیں اور راستے سے بھٹک گئے ہیں۔ میں یہ بھی سمجھ گئی تھی کہ ہمیں دیکھ کر یہ چاروں ڈر گئے ہیں۔ اگر ہم ڈر جاتیں اور عورتوں کی طرح بزدلی کا مظاہرہ کرتیں تو یہ چاروں ہمارے ساتھ وہ سلوک کرتے جو تم ساری عمر نہ بھول سکتی۔ اس ویرانے میں کسی کو ہم جیسی لڑکیاں مل جائیں تو وہ انہیں بہنیں اور بیٹیاں نہیں سمجھا کرتا۔ میں نے ان کی جسمانی حالت دیکھی، پھر میں نے مسلمانوں کی یہ کمزوری سامنے رکھی کہ جنات کے معاملے میں یہ قوم توہم پرست ہے۔ میں نے اپنے آپ کو جن بنا لیا۔ اس جہنم میں ہم جیسی دلہنوں کی موجودگی کو ان کی عقل تسلیم نہیں کر سکتی تھی۔ ہمیں وہ تصور سمجھ سکتے تھے یا جنات۔ میں نے ان سے جس

انداز سے بات کی اس سے انہیں یقین ہو گیا کہ ہم جنات ہیں۔ میں اس قوم کی جذباتی کمزوریوں سے واقف ہوں۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ ذرا جلدی سیکھ لو۔ ہم نے سیف الدین جیسے چالاک آدمی کو اپنے اشاروں پر نچا دیا ہے۔ یہ تو سپاہی ہیں۔"

"معلوم نہیں میں کیوں اس فن میں کامیاب نہیں ہو رہی" ـــ چھوٹی لڑکی نے کہا ـــ "میرا دل ساتھ نہیں دیتا۔ کوشش کرتی ہوں کہ تم جیسے کمالات دکھا سکوں لیکن دل سے آواز آتی ہے کہ یہ فریب ہے۔"

"پھر تم ان مردوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی رہو گی" ـــ بڑی لڑکی نے کہا ـــ "تم پہلی بار باہر نکلی ہو۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم کامیاب نہیں ہوئی۔ تم صرف داشتہ بنی رہی۔ اس طرح تم صلیب کی کوئی خدمت نہیں کر سکتی۔ تم اپنے جسم کو وقت سے بہت پہلے بوڑھا کر لو گی اور یہ مرد تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گے۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ مسلمان امراء اور حکمرانوں کے لیے تفریح کا سامان بنیں۔ ہمیں ایک جادو بن کر اُن کی عقل پر غالب آنا ہے۔ ان چاروں فوجیوں میں تم نے توہم پرستی کی جو کمزوری دیکھی ہے، وہ ہمارے صلیبی استادوں اور یہودیوں نے پیدا کی ہے۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ میں نے انہیں کتنی جلدی اپنے قبضے میں لے لیا ہے۔ میں نے ان چاروں سے ایک بات کہی تھی۔ یہ مجھے میرے استاد نے بتائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ انسان ایک لذت کی پیداوار ہے اور وہ ہمیشہ اس لذت کا خواہاں رہتا ہے۔ اس خواہش کو دبانے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں میں لذت پرستی اُبھاری جائے کیونکہ یہی انسان کی وہ کمزوری ہے جو اسے تباہی تک پہنچاتی ہے۔ تمہیں وہ رات یاد نہیں جب سیف الدین نے ہماری موجودگی میں اپنے ایک سالار سے کہا تھا کہ وہ اس پر غور کرنا چاہتا ہے کہ صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لی جائے۔ میں نے اسی رات اس کے دماغ سے یہ خیال نکال دیا تھا۔"

"عصیات پہنچ لیں تو یہ استادی مجھ میں بھی پیدا کرو" ـــ چھوٹی لڑکی نے کہا ـــ "مجھے اس کام سے نفرت سی ہوتی جا رہی ہے۔ میں ان مسلمان حاکموں کا کھلونا بنی رہی ہوں۔ تم دامن بچا لیتی رہی۔ میں نہیں بچا سکی۔ کبھی کبھی کہیں بھاگ جانے کا ارادہ دل میں تڑپتا ہے مگر کوئی راستہ نظر نہیں آتا اور کوئی پناہ نہیں ملتی۔"

"سب کچھ سیکھ جاؤ گی" ـــ بڑی لڑکی نے کہا ـــ "تمہیں میرے ساتھ تربیت کے لیے ہی بھیجا گیا تھا۔ میں نے تمہاری کمزوریاں دیکھ لی ہیں۔ یہ دُور ہو جائیں گی۔"

انامر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چلا جا رہا تھا۔ لڑکیوں نے گھوڑے اُن سے آگے کر لیے تاکہ یہ چاروں راستے سے ہٹ نہ جائیں۔ وہ ایک آواز میں گیت گاتے جا رہے تھے۔ ریت، مٹی اور پتھر اُن کے لیے گھاس بنے ہوئے تھے۔

"انہیں کسی دوسری طرف روانہ کر دینا تھا" ـــ چھوٹی لڑکی نے کہا ـــ "انہیں عصیات لے جا کر کیا کرو گی؟"

"اپنے پیر استاد شیخ سنان کے لیے اس سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا" ـــ بڑی لڑکی نے جواب دیا ـــ "یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں اور جاسوس بھی۔ مجھے خاص طور پر بتایا گیا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کا ایک جاسوس پکڑ کر اُس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لو تو سمجھو کہ تم نے اُس کی فوج کے ایک ہزار سپاہی بے کار

کر دیے ہیں۔ ایوبی نے اپنے چھاپہ ماروں اور جاسوسوں کو جو تربیت دے رکھی ہے اس سے وہ اوسط درجہ انسانوں سے بہت اوپر چلے گئے ہیں۔ جسمانی لحاظ سے ان میں غیر معمولی پھرتی اور قوتِ برداشت ہوتی ہے اور ذہنی لحاظ سے یہ اپنے فرض کے دیوانے ہوتے ہیں۔ ان چاروں نے جو شب خون مارے اور اس تھکن کے بعد صحرا میں جو صعوبت، بھوک اور پیاس برداشت کی ہے وہ کوئی اور انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ ہماری فوج میں یہ جذبہ نہیں ہے۔ ان چاروں کو میں شیخ سنان کے حوالے کروں گی۔ اس کے آدمی جو اس فن کے ماہر ہیں ان چاروں کے اسی جذبے اور جسمانی خوبیوں کو اپنی طرف منتقل کر لیں گے۔ تمہیں شاید معلوم نہ ہو کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کی کئی کوششیں ہو چکی ہیں مگر کامیاب ایک بھی نہیں ہوئی۔ ان چاروں کو حشیش اور استادی کے ذریعے ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔ یہ اُس کے اپنے چھاپہ مار ہیں۔ اُس تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔"

"کیا صلاح الدین ایوبی پر اس طرح قابو نہیں پایا جا سکتا جس طرح سیف الدین، گمشتگین وغیرہ کو اپنے قبضے میں لیا گیا ہے؟" ـــ چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"نہیں۔" بڑی لڑکی نے جواب دیا ـــ "جو انسان لذّت سے دست بردار ہو کر ایک مقدس مقصد کو دل میں بٹھا لے اُسے ہم جیسی حسین لڑکیاں اور سونے کے انبار راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔ ایوبی ایک بیوی کا قائل ہے۔ نورالدین زنگی میں بھی یہی خرابی تھی کہ سلطان ہو کر بھی اُس نے گھر میں ایک ہی بیوی رکھی اور مرتے دم تک اُس کا وفادار رہا۔ یہی خرابی صلاح الدین میں ہے۔ کوشش کی جا چکی ہے۔ اس پتھر کو موم نہیں کیا جا سکا۔ فلسطین پر قبضہ برقرار رکھنے کا یہی طریقہ رہ گیا ہے کہ ایوبی کو قتل کرا دیا جائے۔"

"مجھے ایسے آدمی اچھے لگتے ہیں جو ایک عورت کے وفادار رہتے ہیں۔" چھوٹی لڑکی نے کہا۔ "میں صلیب کی پرستار ہوں اور صلیب کا مقصد سمجھنے کے باوجود کبھی کبھی سوچا کرتی ہوں کہ میں کسی ایک آدمی کے دل میں اُتر جاؤں اور وہ میرے جسم اور میری روح کا حصہ بن جائے۔"

"جذبات سے نکلو۔" بڑی لڑکی نے اُسے ڈانٹ کر کہا ـــ "اپنے اُس عظیم مقصد کو سامنے رکھو جو تمہیں صلیب نے دیا ہے۔ اپنے حلف کو یاد کرو جو تم نے صلیب ہاتھ میں لے کر اٹھایا تھا۔ میں جانتی ہوں تم جوان ہو اور جذبات پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا لیکن صلیب ہم سے یہ قربانی مانگ رہی ہے۔"

یہ پُراسرار قافلہ چلتا رہا۔ الناصر اور اُس کے ساتھی لڑکیوں کے گھوڑوں کے پیچھے پیچھے گاتے، گنگناتے اور قہقہے لگاتے جا رہے تھے۔ جوں جوں رات گزرتی جا رہی تھی اُن کی منزل قریب آتی جا رہی تھی۔

☆

یہ لڑکیاں کون تھیں؟

یہ اُسی قبیل کی لڑکیاں تھیں جن کے متعدد قصے آپ پڑھ چکے ہیں۔ صلیبی اور یہودی غیر معمولی طور پر حسین اور دلکش بچیوں کو استادوں کے حوالے کر کے انہیں خصوصی تربیت دیتے تھے۔ انہیں ذہنی تخریب کاری، کردار کُشی اور اپنے دشمن کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کے ڈھنگ سکھاتے تھے۔ انہیں سراپا لذت

بنا دیا جاتا تھا۔ لڑکپن میں انہیں یہ ٹریننگ دی جاتی تھی کہ اپنے دشمن کی سوچوں پر کس طرح قبضہ کیا جاتا ہے۔ ان لڑکیوں میں شوخی اور بے حیائی پیدا کی جاتی تھی۔ انہیں جذبات سے عاری کر دیا جاتا تھا۔ یہودی چونکہ مسلمانوں کو اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتے تھے اس لیے وہ اپنی بچیاں صلیبیوں کے حوالے کر دیا کرتے تھے۔ صلیبی اپنی لڑکیوں کو بھی استعمال کرتے تھے اور وہ اُن علاقوں میں جن پر اُن کا قبضہ تھا، مسلمانوں کے قافلوں پر حملے کرتے اور کوئی خوبصورت بچی مل جائے تو اُسے اٹھا لے جاتے تھے۔ اُسے اپنے مقاصد کے لیے تیار کر لیتے تھے۔

یہ دو لڑکیاں کچھ عرصہ پہلے تحفے کے طور پر صلیبیوں نے والیٔ موصل سیف الدین کو بھیجی تھیں۔ آپ نے دیکھ لیا ہے کہ سیف الدین سلطان صلاح الدین ایوبی کا دشمن تھا۔ ان دونوں لڑکیوں کو اس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا کہ ایک تو جاسوسی کرتی رہیں اور دوسرا یہ کہ سیف الدین کو کبھی یہ نہ سوچنے دیں کہ وہ سلطان ایوبی کے ساتھ صلح کر لے۔ تیسرا مقصد یہ تھا کہ سلطان ایوبی کے خلاف جو مسلمان اُمراء متحد ہو گئے تھے انہیں ایک دوسرے کے خلاف رکھا جائے۔ یہ کام صرف ان دو لڑکیوں کے ہی ذمے نہیں تھا۔ وہاں صلیبیوں کی پوری مشینری در پردہ کام کر رہی تھی۔ انہوں نے چند ایک مسلمانوں کا ایمان خرید لیا تھا۔ یہ مسلمان اُن کے لیے کام کر رہے تھے۔

سیف الدین اتحادی فوج کا سالارِ اعلیٰ بن کر ترکمان کے مقام پر سلطان ایوبی پر حملہ کرنے گیا تو بادشاہوں کے دستور کے مطابق اپنے حرم کی چیدہ چیدہ لڑکیاں اور ناچنے والیاں بھی میدانِ جنگ میں ساتھ لے گیا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں بھی اُس کے ساتھ گئیں۔ انہیں وہ مسلمان اور معصوم سمجھتا تھا مگر بڑی لڑکی اس کے اعصاب پر آسیب کی طرح غالب آ گئی تھی۔ حرم کی باقی لڑکیوں کو اُس نے اپنا غلام بنا لیا تھا۔

سیف الدین نے جنگل میں جا منگل بنایا۔ وہاں آندھی آئی جس کی آپ تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ اس آندھی میں نوری نام کی ایک لڑکی اپنے بھائی کی لاش گھوڑے پر ڈالے سلطان ایوبی تک پہنچی اور اُسے بتایا کہ تین اتحادی افواج اُس پر حملہ کرنے کے لیے پہنچ چکی ہیں۔ سلطان ایوبی نے تیزی سے حرکت کی اور سیف الدین کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ سیف الدین کا لشکر بے خبری میں مارا گیا۔ وہاں معرکہ جو لڑا گیا وہ یک طرفہ تھا۔ میدانِ جنگ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھ تھا۔ سیف الدین اتحادی افواج کی کمان نہ سنبھال سکا۔ صاف نظر آنے لگا کہ وہ بھاگ جائے گا۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں۔ وہ اکیلی نہیں تھیں۔ صلیبیوں کے چند ایک مسلمان ایجنٹ سیف الدین کی فوج میں اچھے عہدوں پر تھے۔ لڑکیوں کا اُن کے ساتھ رابطہ تھا۔ لڑکیاں انہیں اطلاعیں اور خبریں دیتی تھیں اور وہ انہیں صلیبیوں تک پہنچا دیتے تھے۔

انہوں نے دیکھا کہ جنگ کی صورتِ حال ایسی ہو گئی ہے کہ اتحادیوں کے سامنے پسپائی کے سوا کوئی راستہ نہیں تو اِن دونوں لڑکیوں کو وہاں سے نکالنے کا ارادہ کیا۔ صلیبیوں کی یہ لڑکیاں بہت قیمتی تھیں۔ سیف الدین میدانِ جنگ میں بھاگا دوڑا پھر رہا تھا۔ حرم کی لڑکیاں اُس کی رہائش گاہ میں ایک خیمے میں اکٹھی ہو گئی تھیں۔ یہ دو صلیبی لڑکیاں الگ کھڑی تھیں۔ اُن کے آدمی آ گئے۔ انہیں دو گھوڑے دیئے۔ گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ پانی کے چار چھوٹے مشکیزے اور دو تین تھیلوں میں کھانے کا سامان باندھ دیا۔ خنجر بھی دیئے

لیکن اُن کا نہایت کارگر ہتھیار حشیش تھی اور اسی قسم کا ایک اور نشہ جس کا کوئی ذائقہ نہیں تھا۔ کسی کو دھوکے میں پلایا جاتا تو اُسے پتہ ہی نہیں چلتا تھا کہ پانی یا شربت میں اُسے کچھ اور پلا دیا گیا ہے۔ یہ دونوں نشہ آور اشیاء انہیں اس لیے ساتھ باندھ دی گئی تھیں کہ انہیں کسی مرد کے ساتھ کے بغیر سفر کرنا تھا۔ راستے میں اگر وہ کسی کے ہتھے چڑھ جائیں تو اُسے دھوکے میں یہ نشہ پلا کر بیکار کرنا تھا۔

رات کے وقت جب میدانِ جنگ میں کشت و خون ہو رہا تھا یہ دونوں لڑکیوں کو گھوڑوں پر بٹھا کر دو آدمی ساتھ گئے۔ ترکمان سے بہت دُور تک یہ آدمی ساتھ رہے پھر لڑکیوں کو راستہ سمجھا کر واپس آ گئے۔ لڑکیوں کی منزل عصیات کا قلعہ تھی۔ بڑی لڑکی ذہین، تجربہ کار اور دلیر تھی۔ وہ چھوٹی لڑکی کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئی۔ صبح تک وہ سرسبز علاقے سے دُور نکل گئی تھیں اور اُس علاقے میں داخل ہو گئیں جو اس خطے کا جہنم تھا۔ لڑکیوں کو معلوم تھا کہ اس مقام پر آ کر خشک پاٹ کے اندر اندر جانا ہے۔ علاقہ ڈراؤنا تھا اور تنور کی طرح گرم تھا۔ سورج سر پہ آیا تو انہیں چٹان نظر آئی جو نیچے سے اندر کو گئی ہوئی تھی۔ وہ اس کے نیچے رُک گئیں۔ کھانا کھا کر انہوں نے کچھ دیر آرام کیا۔ اتنے میں انہیں الناصر اور اُس کے تین ساتھی آتے دکھائی دیئے۔

انہیں دیکھ کر بڑی لڑکی سمجھ گئی کہ یہ آدمی کس جسمانی اور ذہنی کیفیت میں ہیں۔ اپنی تربیت کے مطابق اُس نے کامیاب اداکاری کی جس سے الناصر ان دونوں کو واہمہ یا جن سمجھ بیٹھا۔ لڑکی کی اداکاری کامیاب تھی۔ اُس نے انہیں پہلے تو پانی اور کھانا دیا پھر انہیں حشیش اور دوسرا نشہ پلا دیا۔ اُس نے اور اُس کے ساتھ کی لڑکی نے انہیں نشہ پلا کر پھولوں، سبزہ زار، پرندوں اور مخمل جیسی گھاس کی جو باتیں کی تھیں وہ اِن چاروں کے ذہن میں بہشت کا تصور پیدا کرنے کی کوشش تھی۔ یہ حسن بن صباح کا طریقہ تھا کہ لوگوں کو حشیش پلا کر اُن کے ذہنوں میں بڑے حسین تصورات پیدا کیا کرتا اور انہیں اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اب ایک سَو سال بعد شیخ سنان اُس کا جانشین تھا۔ یہ گروہ اب حشیشین یا فدائی کہلاتا تھا۔ بڑی لڑکی کو اس کام کی تربیت حاصل تھی۔ اسے یوں کہہ لیں کہ حشیش اور باتوں کی مدد سے اپنے شکار یا معمول کو ہپناٹائز کر لیا جاتا تھا۔ جتنی دیر حشیش کا نشہ رہتا وہ آدمی اُسی تصور کو حقیقت سمجھتا رہتا تھا جو اُس کے ذہن میں پیدا کیا جاتا تھا۔

الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اُس لڑکی نے اپنے قبضے میں لے کر ایک مقصد تو یہ حاصل کرنا چاہا تھا کہ یہ چار اُن پر دست درازی نہ کریں یا انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔ دوسرا مقصد اُس وقت اُس کے سامنے آیا تھا جب اُسے پتہ چلا کہ یہ سلطان ایوبی کے اُن چھاپہ مار جاسوسوں میں سے ہیں جن کی اُس نے بہت شہرت سنی اور جن سے اُسے ڈرایا بھی گیا تھا۔ اُس کے تخریب کار ذہن نے سوچ لیا کہ اِن آدمیوں کو شیخ سنان کے حوالے کیا جائے۔ یہ اُس کے کام آ سکتے تھے۔ اُن دنوں سلطان ایوبی کو قتل کرنے کا ایک منصوبہ تیار ہو رہا تھا۔ اسی مقصد کے لیے حران کا خود مختار حکمران گمشتگین قلعہ عصیات میں شیخ سنان کے پاس گیا ہوا تھا۔

☆

ترکمان میں مظفر الدین کے حملے کو ناکام کر کے سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں سے کہا کہ اب جنگ ختم

ہو گئی ہے۔ اُس نے مالِ غنیمت سمیٹنے کا حکم دے دیا۔ مالِ غنیمت بے اندازہ تھا۔ غازی سیف الدین کے رہائشی کیمپ سے بے اندازہ سونا اور نقدی ملی تھی۔ دشمن کی لاشوں سے بھی نقدی اور انگوٹھیوں وغیرہ کی شکل میں سونا ملا۔ دیگر ساز و سامان اور اسلحہ کا کوئی شمار نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے فوج کے کام کا سامان فوج میں تقسیم کیا۔ دوسرا حصہ دمشق اور اُن علاقوں کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا جو مصر اور شام کی سلطنت (وحدت) میں آ چکے تھے۔ تیسرا حصہ مدرسہ نظام الملک کو دے دیا۔ ایک یورپی مؤرخ لین پول کے مطابق سلطان ایوبی نے اسی مدرسے میں تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ مؤرخ لکھتا ہے کہ تاریخ میں واضح شہادت ملتی ہے کہ سلطان ایوبی نے مالِ غنیمت میں سے اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔

دوسرا مسئلہ جنگی قیدیوں کا تھا۔ یہ سب مسلمان تھے۔ سلطان ایوبی نے انہیں اکٹھا کر کے کہا کہ تم مسلمان ہو اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے آئے تھے۔ تمہاری شکست کی وجہ یہی ہے۔ تمہارے حکمران تمہارے مذہب کے بدترین دشمن کے ساتھ دوستی کر کے اُس کے ہاتھ مضبوط کر رہے ہیں۔ تمہاری دنیا بھی خراب ہوئی اور عاقبت بھی۔ اپنے گناہ بخشوانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ اسلام کے سپاہی بن جاؤ اور اپنے قبلۂ اوّل کو آزاد کراؤ۔ ... سلطان ایوبی کی یہ تقریر جوشیلی اور جذ ... تھی۔ جنگی قیدیوں میں بہت سے نعرے لگانے لگے۔ انہوں نے اپنے آپ کو سلطان ایوبی کی فوج کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح سلطان ایوبی کی فوج میں تربیت یافتہ سپاہیوں اور عہدیداروں کا اضافہ ہو گیا۔ اس کے باوجود سلطان ایوبی نے پیشقدمی ملتوی کر دی۔ فوج کی تنظیمِ نو کی ضرورت تھی۔ اُس نے دمشق اور قاہرہ سے کمک بھی منگوا بھیجی تھی۔ زخمیوں کے علاج کا اُس نے وہیں انتظام کر دیا تھا۔ مدہل مظفر الدین کے تصادم نے اُس کی حالت کچھ زیادہ ہی خراب کر دی تھی۔

☆

عصیات کا قلعہ آج کے لبنان کی سرحد کے اندر تھا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید کی تحریر کے مطابق قلعہ عصیات حسن بن صباح کے فرقے حشیشین کا مرکز اور مستقر تھا۔ اس قلعے میں شیخ سنان کی حکمرانی تھی جو حسن بن صباح کا جانشین تھا۔ اس قلعے میں اُس نے کچھ فوج بھی رکھی ہوئی تھی۔ عصیات ذرا بڑا قلعہ تھا۔ اس سے دُور دُور تین چار چھوٹے قلعے بھی تھے جو شیخ سنان کے حشیشین کے پاس تھے۔ انہیں یہ قلعے صلیبیوں نے دے رکھے تھے۔ صلیبیوں کی کوشش یہ تھی کہ حشیشین کو مسلمان قائدین کے قتل کے لیے اور مسلمان قوم کی کردار کُشی کے لیے استعمال کیا جائے۔ لیکن حشیشین جو اسلام کا ایک فرقہ بن کر اُبھرنا چاہتے تھے کرائے کے قاتل بن کے رہ گئے تھے۔ انہوں نے صلیبی لیڈروں کو بھی قتل کیا تھا۔ انہیں نقدی دے کر کوئی بھی استعمال کر سکتا تھا۔ سلطان ایوبی کے دَور میں صلیبیوں نے انہیں اتنی مراعات دیں کہ انہیں قلعے تک دے دیئے۔ وہ اُن کے ہاتھوں نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانے کی کوشش کرتے رہے۔

نور الدین زنگی کی موت کے متعلق میجر جنرل محمد اکبر خان رنگروٹ نے بعض مؤرخوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ یہ حشیشین کی کارستانی تھی۔ اُسے دھوکے میں کچھ کھلا دیا گیا تھا جس سے وہ چند دنوں بعد فوت ہو گیا۔ اب

صلاح الدین ایوبی کو قتل کرنے کے منصوبے بن رہے تھے. حشیشین صلیبیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے تھے.

اُس صبح سورج ابھی نہیں نکلا تھا جب الناصر اور اُس کے تین ساتھی دو صلیبی لڑکیوں کے ساتھ عصیات کے قلعے کے دروازے پر جا رُکے. بڑی لڑکی نے کوئی خفیہ الفاظ بولے. تھوڑی دیر بعد قلعے کا دروازہ کھُل گیا اور یہ قافلہ اندر چلا گیا. الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو کسی کے حوالے کر کے لڑکیاں شیخ سنان کے پاس چلی گئیں. وہ ہر پہلو سے بادشاہ تھا. اُس کا انداز اور اُس کی شان و شوکت بادشاہوں جیسی تھی. اُسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے. اُسے جب بڑی لڑکی بتا رہی تھی کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اُن کے دوست سیف الدین پر کیا بیتی ہے، شیخ سنان کی نظریں چھوٹی لڑکی پر جمی ہوئی تھیں.

"یہاں آؤ" شیخ سنان نے بڑی لڑکی سے توجہ ہٹا کر چھوٹی کو اپنے پاس بلایا اور کہا "تم ضرورت سے زیادہ خوبصورت ہو. میرے پاس بیٹھو" لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا اور انگلیاں اُس کے بالوں میں پھیرنے لگا. بولا — "تم بہت تھکی ہوئی ہو. آج میرے پاس آرام کرنا."

اِس لڑکی نے شیخ سنان کو پہلی بار دیکھا تھا. لڑکی نے اُسے گھور کر دیکھا جیسے بوڑھے کی یہ حرکت اُسے پسند نہ آئی ہو. وہ سرک کر اُس سے دور ہٹ گئی. شیخ سنان نے اُسے پھر بازو سے پکڑا اور اس طرح جھٹکا دے کر اپنے قریب کر لیا جیسے لڑکی نے پرے سرک کر اُس کی توہین کر دی ہو. اُس نے بڑی لڑکی سے کہا — "اسے ہمارے متعلق کسی نے نہیں بتایا کہ ہم کون ہیں اور ہماری توہین کتنا بڑا جرم ہے؟"

"میں آپ کی لونڈی نہیں." چھوٹی لڑکی بھڑک کر بولی — "میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ جو مجھے گھسیٹ کر اپنے ساتھ لگا لے میں اپنا آپ اُسی کے حوالے کر دوں." وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی — "میں صلیب کی غلام ہوں حشیشین کی خریدی ہوئی لونڈی نہیں."

بڑی لڑکی نے اسے ڈانٹ دیا اور خاموش رہنے کو کہا مگر وہ خاموش نہ ہوئی. کہنے لگی — "مجھے مسلمانوں کے حرم میں اس شخص نے نہیں دیکھا. میں نے کوئی کوتاہی نہیں کی. میں نے تمہارے ساتھ سیف الدین اور اُس کے مشیروں کی عقل پر پردہ ڈالے رکھا ہے لیکن میرے فرائض میں یہ شامل نہیں کہ اس بوڑھے کے کمرے میں رہوں."

"اگر تم اتنی خوبصورت نہ ہوتی تو ہم تمہاری یہ گستاخی کبھی معاف نہ کرتے." شیخ سنان نے کہا اور بڑی لڑکی کو ہدایات دینے کے انداز سے کہنے لگا "اسے لے جاؤ اور اسے عصیات کے قلعے کے آداب سکھاؤ."

بڑی لڑکی اُسے باہر چھوڑ آئی. اُس نے شیخ سنان سے کہا — "آپ کی ناراضگی بجا ہے لیکن ہم اپنے اوپر والوں کی اجازت کے بغیر ہر کسی کا حکم نہیں مان سکتیں. میں چونکہ آپ کو جانتی ہوں، اس قلعے میں پہلے بھی آ چکی ہوں. اب آپ کے کام کے چار آدمی پھانس لائی ہوں. آپ کو اس طرف توجہ دینی چاہیے." اُس نے شیخ سنان کو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق پوری تفصیل سنائی.

"میں ان آدمیوں سے پورا کام لوں گا." شیخ سنان نے کہا "لیکن میں اس لڑکی کو اپنے کمرے

میں ضرور رکھوں گا."

"یہ کام مجھ پر چھوڑیں." لڑکی نے کہا — "وہ کہیں بھاگ تو نہیں چلی گئیں نہ میں اسے آمادہ کر لوں کہ وہ ہنسی خوشی آپ کے پاس آئے. آ جائے گی."

☆

الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو شیخ سنان کے دو آدمی اپنے ساتھ لے گئے تھے. وہ بے شک نشے میں تھے لیکن ساری رات پیدل چلتے رہے تھے. انہیں ایک کمرے میں لے گئے. وہ پلنگوں پر گرے اور سو گئے. اُدھر لڑکیاں بھی رات بھر کی جاگی ہوئی تھیں، وہ بھی اُس کمرے میں جا کر سو گئیں جو انہیں دیا گیا تھا..... دوپہر کے بعد الناصر کی آنکھ کھُلی. اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا. اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے. اس نے گردوپیش کو پہچاننے کی کوشش کی. یہ ایک کمرہ تھا. اس میں پلنگ تھے اور پلنگوں پر اُس کے تین ساتھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے. اُسے سبزہ زار، پھولوں والے پودے، رنگ برنگے پرندے اور مخمل کی طرح کی گھاس یاد آئی. لڑکیاں یاد آئیں، صحرا اور صحرا کا بے رحم سفر یاد آیا. اسے وہ خواب سمجھنے لگا. صحرا کا سفر اُسے حقیقت کی طرح یاد تھا. لڑکیوں سے ملاقات اور اُس کے بعد کے واقعات اُسے خواب یاد آنے لگے مگر وہ اب کہاں ہیں؟ یہ سوال اُسے مضطرب کرنے لگا.

اُس نے اپنے ساتھیوں کو نہ جگایا. اُٹھا اور دروازے میں جا کھڑا ہوا. یہ کوئی قلعہ تھا. اُسے سپاہی آتے جاتے نظر آ رہے تھے. وہ کس فوج کے تھے؟ یہ کون سا قلعہ تھا؟ اُس نے کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا. یہ قلعہ دشمن کا ہو سکتا تھا تو کیا وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ قید ہو گیا ہے؟ لیکن یہ کمرہ قید خانے کا نہیں تھا. وہ جاسوس اور چھاپہ مار تھا. اُس نے کسی سے پوچھے بغیر یہ معمہ اپنی عقل سے حل کرنے کا ارادہ کیا. اُسے کوئی خطرہ محسوس ہونے لگا تھا. دروازے سے ہٹ کر پلنگ پر جا بیٹھا. باہر اُسے قدموں کی آہٹ سنائی دی. اُس نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگا. دو آدمی کمرے میں داخل ہوئے.

"ابھی سوئے ہوئے ہیں." ایک آدمی نے دوسرے سے کہا.

"سویا رہنے دو." دوسرے نے کہا — "معلوم ہوتا ہے انہیں کچھ زیادہ پلا دی گئی ہے.... ان کے متعلق کیا بتایا گیا ہے؟"

"دو صلیبی لڑکیاں انہیں پھانس کر لائی ہیں." پہلے نے جواب دیا — "یہ صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار جاسوس ہیں. بہت دلیر اور عقل مند بتائے جاتے ہیں. انہیں تیار کرنا ہے."

وہ دونوں چلے گئے. الناصر کے جسم کا رواں رواں بیدار ہو گیا. اُسے یقین ہونے لگا کہ وہ بہت بڑے دھوکے کا شکار ہو گیا ہے. اُسے اب یہ معلوم کرنا تھا کہ یہ کون سا قلعہ ہے. کس علاقے میں ہے اور اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو کس مقصد کے لیے تیار کیا جائے گا. وہ اس تلخ حقیقت کو جان گیا تھا کہ کسی قلعے سے فرار ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہوتا ہے.

لڑکیوں کے کمرے میں یہ کیفیت تھی کہ چھوٹی لڑکی تھوڑی سی دیر سو کر جاگ اٹھی تھی اور کھڑکی کھول کر اس میں بیٹھی تھی۔ اُس نے سفر کے دوران بڑی لڑکی کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کیا تھا۔ وہ نوجوان تھی۔ ابھی پختہ نہیں ہوئی تھی۔ اپنے جیسی دوسری لڑکیوں کی طرح وہ ابھی اپنے جذبات کو دبا نہیں سکی تھی۔ اُسے پہلی بار باہر بھیجا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ یہ بڑی لڑکی تھی جو تجربہ کار تھی۔ اُس نے بھی دیکھا تھا کہ یہ چھوٹی لڑکی اِس زندگی میں کامیاب نہیں ہو رہی۔ اُسے مردوں کو انگلیوں پر نچانے کا فن نہیں آیا تھا۔ اُس نے دراصل اس فن کو قبول ہی نہیں کیا تھا۔ بوڑھے بوڑھے سالاروں نے اور سیف الدین نے اُسے کھلونا بنائے رکھا تھا۔ اب وہ میدانِ جنگ سے جان کرائی اور اتنی کٹھن اور صبر آزما مسافت طے کی، رات بھر سفر کیا مگر آتے ہی شیخ سنان جیسے بوڑھے نے اُسے کہہ دیا کہ میرے کمرے رہو۔

بے شک اُسے بچپن سے اس غلیظ طرزِ زندگی کی تربیت دی گئی تھی لیکن جوانی میں آکر اس کے اپنے جذبات کا سرچشمہ پھوٹا تو اتنے لمبے عرصے کی تربیت کے اثرات دُھل گئے۔ جن انسانوں کو اُسے پھانسنے اور صلیب کے جال میں اُلجھائے رکھنے کے لیے تیار کیا گیا تھا اِن انسانوں سے اُسے نفرت ہو گئی اور اپنے پیشے کو وہ حقارت کی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کھڑکی کے سامنے بیٹھی بڑے ہی تلخ خیالوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ اُس کے آنسو نکل آئے۔ اُسے نہ کوئی پناہ دکھائی دے رہی تھی نہ کوئی راہِ فرار۔

بڑی لڑکی جاگ اٹھی۔ اپنی ساتھی کو کھڑکی میں بیٹھا دیکھ کر اُس کے پاس جا بیٹھی۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بولی — "ابتدا میں جذبات کی یہی حالت ہوتی ہے۔ ہم جو کچھ کر رہی ہیں یہ اپنی عیاشی کے لیے نہیں صلیب کی حکمرانی کے قیام کے لیے کر رہی ہیں۔ اپنے سامنے یہ مقصد رکھو کہ اسلام کا نام و نشان مٹانا ہے۔ ہمارے سپاہی اپنے محاذ پر لڑتے ہیں، ہمیں اپنے محاذ پر لڑنا ہے۔ اپنے ذہن کو وسعت دو۔ اپنے جسم سے دستبردار ہو جاؤ۔ تمہاری روح پاک ہے۔"

"مسلمان اپنی لڑکیوں کو اس طرح استعمال کیوں نہیں کرتے جس طرح ہمیں کیا جا رہا ہے؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا — "ہمارے بادشاہ اور ان کی فوجیں مسلمانوں کی طرح کیوں نہیں لڑتیں؟ چوروں کی طرح مسلمانوں کو قتل کیوں کرایا جاتا ہے؟ صلاح الدین ایوبی کے ان چار چھاپہ ماروں کی طرح صلیب کی فوج کیوں ایسے چھاپہ مار تیار نہیں کرتی؟ صرف اس لیے کہ ہماری قوم میں بزدلی ہے۔ چوری چھپے وار کرنے والے بزدل ہوا کرتے ہیں۔"

بڑی لڑکی تلملا اٹھی اور بولی — "ایسی باتیں کسی اور کے سامنے نہ کر بیٹھنا ورنہ قتل ہو جاؤ گی۔ اس وقت ہم شیخ سنان کے پاس ہیں۔ اس سے ہمیں بہت بڑا کام لینا ہے۔ اسے ناراض نہ کرو۔"

"مجھے اس شخص سے نفرت ہو گئی ہے۔" چھوٹی لڑکی نے کہا — "یہ کسی ملک کا بادشاہ نہیں۔ کرائے کے قاتلوں کا سرغنہ ہے۔ میں اسے اس قابل نہیں سمجھتی کہ میرے جسم کو ہاتھ بھی لگائے۔"

بڑی لڑکی نے اُسے بہت دیر کی بحث کے بعد اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ شیخ سنان کے ساتھ اچھی طرح باتیں کرے۔ اس نے چھوٹی کو یقین دلایا کہ وہ شیخ کو اُس کا لالچ اور وعدہ دیئے رکھے گی۔ اُس نے چھوٹی لڑکی

سے کہا — "تم نے میرے کمالات دیکھے نہیں؟ میں اِن بادشاہوں کو مٹھی میں لے کر انہیں گمراہ کر جاتی ہوں۔ شیخ سنان کو تو میں کچھ بھی نہیں سمجھتی۔"

"کیا تم ایسی صورت پیدا کر سکتی ہو کہ ہم یہاں سے جلدی نکل جائیں؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"کوشش کروں گی۔" بڑی لڑکی نے جواب دیا۔ "پہلے تو اپنے متعلق یہ اطلاع بھجوانی ہے کہ ہم یہاں ہیں۔"

اتنے میں دو آدمی کمرے میں آئے۔ انہوں نے لڑکیوں سے اِن چار آدمیوں کے متعلق پوچھا۔ بڑی لڑکی نے انہیں بتایا کہ وہ کون ہیں اور انہیں کس طرح اور کیوں لایا گیا ہے۔

"وہ کس حال میں ہیں؟" بڑی لڑکی نے پوچھا۔

"ابھی سوئے ہوئے ہیں۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"انہیں قید میں ڈال دو گے؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"قید میں ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" اُس آدمی نے جواب دیا۔ "یہاں سے بھاگ کر کہاں جائیں گے۔"

"کیا ہم انہیں دیکھ سکتی ہیں؟" چھوٹی لڑکی نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" اُسے جواب ملا — "وہ تمہارا شکار ہے۔ انہیں دیکھو، بلکہ ضرورت بھی یہی ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ اور انہیں اپنے جال میں لیے رکھو۔"

کچھ دیر بعد چھوٹی لڑکی بڑی کے روکنے کے باوجود اُس کمرے میں چلی گئی جہاں الناصر اور اُس کے ساتھی سوئے ہوئے تھے۔ الناصر دراصل جاگ رہا تھا۔ چھوٹی لڑکی کو دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا اور پوچھا — "ہمیں کہاں لے آئی ہو؟ مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو، کیا ہو اور یہ کون سی جگہ ہے؟"

چھوٹی لڑکی نے الناصر کو بڑی غور سے دیکھا۔ اُس کے ذہن سے بگولہ سا اُٹھا۔ یہ جذبات کا بگولہ تھا۔ اُس نے سرگوشی میں الناصر سے پوچھا — "فرار ہونا چاہتے ہو؟"

"میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔" الناصر نے جواب دیا — "مجھے جو کچھ کرنا ہوگا وہ کر کے دکھاؤں گا۔"

لڑکی اُس کے قریب آگئی۔ دھیمی آواز میں بولی — "میں جن نہیں انسان ہوں۔ مجھ پر بھروسہ کرو۔"

الناصر نے اُسے قہر بھری نظروں سے دیکھا۔ لڑکی اُس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھ گئی۔

☆

لڑکی نے اپنی لاش دیکھی

جنّات کی دہشت الناصر کے دل و دماغ پر بدستور طاری تھی۔ عرب کا یہ خوبرو جوان سلطان صلاح الدین ایوبی کے اُن چھاپہ ماروں میں سے تھا جو موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا کرتے تھے۔ صلیبیوں کا یہ کہنا تھا کہ سلطان ایوبی کے چھاپہ ماروں سے موت بھی ڈرتی ہے۔ صحراؤں کی صعوبتوں کو، دریاؤں کی تندی کو، اور سنگلاخ وادیوں کو خاطر میں نہ لانے والے یہ جانباز آگ میں بھی کُود جایا کرتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ دشمن کی رسد وغیرہ کو آگ لگا کر اِن میں سے بعض شعلوں کی لپیٹ میں آکر زندہ جل جایا کرتے تھے، مگر جنّات اور بُھوت پریت ایسی مخلوق تھی جس سے یہ سرفروش ڈر جایا کرتے تھے۔ اِن میں سے کسی نے کبھی جن اور بُھوت نہیں دیکھے تھے، صرف کہانیاں اور روائتیں سنی تھیں جنہیں وہ سو فیصد سچ مانتے تھے اور دل پر جنّات کا خوف طاری کیے رکھتے تھے۔

اگر الناصر قلعہ عصیّات تک اپنی مرضی سے اور اپنی ہوش میں سفر کرتا تو وہ اتنا ڈرا ہوا نہ ہوتا۔ اگر اُسے قیدی بنا کر لایا جاتا تو بھی وہ نڈر رہتا اور فرار کی ترکیبیں سوچتا، لیکن اُسے حشیش کے نشے میں اور اُس کے ذہن میں غیر حقیقی تصورات ڈال کر لایا گیا تھا۔ اب نشہ اُتر چکا تھا۔ اس نشے میں وہ سبزہ زار اور باغات میں سے گزر کر آیا تھا۔ اُسے یاد آنے لگا کہ زمین کے اس خطے میں کہیں کہیں سبزہ اور باغ ہو سکتا ہے میلوں وسیع علاقہ ایسا جنّت نما نہیں ہو سکتا۔ اب اُس کے پلنگ پر وہ لڑکی آبیٹھی تھی جسے وہ جن سمجھا تھا۔ لڑکی اُس کے تصوّروں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ الناصر اُسے انسان تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے کہا کہ وہ اُس پر بھروسہ کرے تو وہ اور زیادہ ڈر گیا۔ اُس نے یہ بھی سُن رکھا تھا کہ جنّات بڑے دلکش دھوکے دے کر مارا کرتے ہیں۔ اُسے یہ قلعہ جنّات یا بدروحوں کا مسکن معلوم ہونے لگا۔ اُس کے ساتھی ابھی گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔

اُس نے دل کو حوصلہ دے کر لڑکی سے پوچھا ــــ "میں تم پر کیوں بھروسہ کروں؟ تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہو؟ ہمیں یہاں کیوں لے آئی ہو؟ یہ جگہ کیا ہے؟"

"اگر تم مجھ پر بھروسہ نہیں کرو گے تو تمہارا انجام بہت بُرا ہو گا۔" لڑکی نے جواب دیا ــــ "تم بُھول جاؤ گے کہ تم کون تھے۔ تمہارے ہاتھ تمہارے اپنے بھائیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہوں گے، اور تم اُس خون کو پُھول سمجھ کر خوش ہو گے۔ میں ابھی تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی کہ میں تم پر اتنی

مہربان کیوں ہوگئی ہوں۔ یہ جگہ ایک قلعہ ہے جس کا نام عصیات ہے۔ یہ فدائیوں کا قلعہ ہے۔ یہاں فدائیوں کا پیغمبر شیخ سنان رہتا ہے۔ فدائیوں کو تم جانتے ہو؟"

"ہاں جانتا ہوں" الناصر نے جواب دیا ــــ "بہت اچھی طرح جانتا ہوں، اور اب یہ بھی جان گیا ہوں کہ تم کون ہو۔ تم بھی فدائی ہو۔ میں جانتا ہوں کہ فدائیوں کے پاس تم جیسی خوبصورت لڑکیاں ہوتی ہیں"

"میرا ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں" لڑکی نے جواب دیا ــــ "میرا نام لزا ہے"

"تمہارے ساتھ ایک اور لڑکی تھی"

"اس کا نام تھیریسیا ہے" لزا نے جواب دیا ــــ "وہ یہیں ہے۔ تمہیں یہاں تک حشیش کے نشے میں لایا گیا ہے"

وہ اس سے زیادہ نہ بول سکی کیونکہ کمرے کے دروازے میں اچانک تھیریسیا آن کھڑی ہوئی تھی۔ تھیریسیا نے لزا کو سر کے اشارے سے باہر بلایا۔ لزا باہر نکل گئی۔

"یہاں کیا کر رہی ہو؟" تھیریسیا نے پوچھا ــــ "اس شخص کے اتنی قریب بیٹھ کر تمہیں خیال نہ آیا کہ مسلمان قابلِ نفرت ہوتے ہیں؟ کیا تم غداری کے جرم کا ارتکاب کرنا چاہتی ہو؟"

لزا کا ذہن خالی ہوگیا۔ اس کی زبان پر کوئی جواب نہ آیا۔ وہ جذباتی لحاظ سے اپنے پیشے یعنی مسلمان امراء کی کردار کشی سے متنفر ہوگئی تھی۔ یہ نفرت اس حد تک پہنچ گئی تھی جہاں انسان اپنے ردِعمل میں بے قابو ہو جاتا ہے اور وہ انتقام کی راہ اختیار کر لیتا ہے یا فرار کی۔

"میں بھی جوان لڑکی ہوں" تھیریسیا نے اُسے کہا ــــ "مجھے بھی یہ مسلمان چھاپہ مار جس کا نام الناصر ہے اچھا لگتا ہے۔ یہ دلکش جوان ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ یہ تمہارے دل میں اُتر گیا ہے تو میں حیران نہیں ہوں گی۔ مجھے یہ احساس بھی ہے کہ تمہارے دل میں ان بوڑھے مسلمان امراء اور اُن کے سالاروں کے خلاف نفرت بھر گئی ہے جن کے ہاتھوں میں تم کھلونا بنی رہی ہو، مگر اپنے فرض کو سامنے رکھو، صلیب کی عظمت کو سامنے رکھو۔ یہ مسلمان تمہارے دشمن ہیں"

"نہیں تھیریسیا" لزا نے پریشان لہجے میں کہا ــــ "مجھے اس کے ساتھ وہ دلچسپی نہیں جو تم سمجھ رہی ہو"

"پھر اس کے پاس کیوں آ بیٹھی تھیں؟"

"میں اچھی طرح بیان نہیں کر سکتی" لزا نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا ــــ "معلوم نہیں ذہن میں کیا آیا تھا کہ میں اس کے پاس آ بیٹھی"

"اس کے ساتھ کیا باتیں ہوئی ہیں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی" لزا نے کہا۔

"تم اپنے فرض میں کوتاہی کر رہی ہو" تھیریسیا نے کہا ــــ "یہ غداری بھی ہے جس کی سزا موت ہے"

"لیکن سن لو تھیریسیا!" لزا نے کہا ــــ "میں اس بوڑھے شیخ سنان کے پاس اکیلی نہیں جاؤں گی۔ اگر اس نے زبردستی کی تو اُسے یا اپنے آپ کو ختم کر لوں گی"

تھیریسیا تو پتھر بن چکی تھی۔ وہ خوبصورت پتھر تھی جس کا رنگ اور جس کی چمک ہر کسی کے دل کو بھاتی ہے اور جسے ہر کوئی اپنی ملکیت میں رکھنا چاہتا ہے لیکن پتھر کی اپنی کوئی پسند اور ناپسند نہیں ہوتی۔ لزا ابھی اُس مقام سے بہت دُور تھی جہاں عورت اپنے جذبات اور اپنی محبت اور نفرت سے دستبردار ہو جایا کرتی ہے۔ تھیریسیا نے اُسے کہا ــــ "مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی زیادہ جذباتی ہو جاؤ گی ورنہ ہم یہاں نہ آتیں۔ مگر یہی ایک قلعہ تھا جو قریب تھا۔ طرابلس تک ہمارا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔ میں نے تم سے وعدہ کیا ہے کہ شیخ سنان سے تمہیں بچانے کی پوری کوشش کروں گی اور یہاں سے جلدی نکلنے کی بھی کوئی صورت پیدا کروں گی۔ تم اپنے قیدی میں اتنی دلچسپی کا مظاہرہ نہ کرو"

"سچ بتا دوں تھیریسیا" لزا نے کہا ــــ "میں ان چھاپہ ماروں کو یہاں سے فرار کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہوں۔ تم نہ خود یہاں سے نکل سکو گی نہ مجھے نکال سکو گی۔ یہ چھاپہ مار ہیں جن کی بہادری کی میں نے حیران کُن کہانیاں سُن رکھی ہیں۔ انہیں اگر ذرا سا بھی موقعہ فراہم کیا گیا تو یہ فرار ہو جائیں گے اور مجھے اور تمہیں بھی ساتھ لے جائیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی طریقہ نہیں"

"میں ان کی استادی اور بہادری کو مانتی ہوں" تھیریسیا نے کہا ــــ "لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ ہم دو تو کیا تم اکیلی ان کے ساتھ نکل گئیں تو یہ تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں گے، ہمیں ہماری منزل پر نہیں پہنچائیں گے۔ جھوٹے سہارے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو...... اور سنو" تھیریسیا نے کہا ــــ "نہالو اور کپڑے بدل لو۔ آج رات کے کھانے پر شیخ سنان نے ہمیں مدعو کیا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گی کہ اُس کے ساتھ تمہارا سلوک اور رویہ کیسا ہوگا۔ اُس پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم اُسے ناپسند نہیں کرتیں اور اُس سے بھاگنے کی بھی نہیں سوچو گی۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہُوا ہے کہ حرن کا خود مختار مسلمان حاکم گمشتگین بھی آیا ہُوا ہے۔ تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ گمشتگین صلاح الدین ایوبی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اُسے اپنا دوست سمجھنا۔ ہم نے بڑی مشکل سے ان مسلمان حکمرانوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور انہیں صلاح الدین ایوبی کے خلاف لڑ رہے ہیں"

☆

لزا کو جب تھیریسیا اپنے ساتھ لے گئی تو الناصر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اُسے کسی حد تک یقین آ گیا تھا کہ لڑکیاں جنات نہیں لیکن لزا کا اُس پر مہربان ہو جانا اُسے پریشان کرنے لگا۔ لزا نے اُسے بتا دیا تھا کہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو حشیش کے نشے میں یہاں تک لایا گیا ہے۔ اس سے وہ سمجھ گیا کہ یہ لڑکیاں فدائیوں کے گروہ کی ہو سکتی ہیں۔ اُسے یہ شک بھی ہونے لگا کہ اُسے حشیش کے علاوہ اِس نوجوان اور خوبصورت لڑکی کے ذریعے اپنے ہاتھ میں لینے اور اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ وہ چونکہ چھاپہ مار تھا جسے دشمن کے علاقوں میں جانا ہوتا تھا اس لیے اُسے فدائیوں اور اُن کے طور طریقوں کے متعلق اور حشیش

کے اثرات کے متعلق خاص طور پر بتایا گیا اور خبردار کیا گیا تھا۔

اُس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا۔ جاگ کر وہ بھی اسی طرح حیران ہوئے جس طرح الناصر ہُوا تھا۔ وہ تینوں الناصر کے منہ کی طرف دیکھنے لگے۔

"دوستو!" الناصر نے انہیں کہا۔ "ہم فدائیوں کے جال میں آ گئے ہیں۔ اس قلعے کا نام عصیات ہے۔ یہاں فدائی اور اُن کی فوج رہتی ہے۔ یہ لڑکیاں جنات نہیں ہیں۔ میں ابھی بتا نہیں سکتا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ ہمیں احتیاط کرنی پڑے گی۔ تم سب جانتے ہو کہ فدائی کیا کیا طریقے اختیار کرتے ہیں۔ اگر مجھے اس کمرے سے باہر نکلنے کا موقع ملا تو قلعے سے فرار کی کوئی ترکیب سوچ لوں گا۔ تم خاموش رہنا۔ یہ لوگ کچھ پوچھیں تو انہیں بہت تھوڑا جواب دینا۔ ان شیطانوں سے بچنا آسان نہیں ہوتا۔"

"کیا یہ ہمیں قید میں ڈال دیں گے؟" الناصر کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

"اگر قید میں ڈال دیں تو ہمیں خوش ہونا چاہیئے۔" الناصر نے جواب دیا۔ "مگر یہ لوگ حشیش اور لڑکیوں کے ذریعے ہمارے ذہن اس طرح بدل دیں گے کہ ہمیں یاد ہی نہیں رہے گا کہ ہم کون تھے اور ہمارا مذہب کیا تھا۔"

"مجھے فرار کے سوا کوئی اور ذریعۂ نجات نظر نہیں آتا۔" الناصر کے ایک ساتھی نے کہا۔

"ہم مرجانا پسند کریں گے ایمان خراب نہیں ہونے دیں گے۔" ایک اور نے کہا۔

"ہوشیار رہنا۔" الناصر نے کہا۔ "اللہ پر چھوڑ دو۔ ہم اتنی جلدی اُن کے قبضے میں نہیں آئیں گے۔"

شام گہری ہونے لگی تھی۔ ایک آدمی دو جلتی قندیلیں کمرے میں رکھ گیا۔ اُس نے ان کے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ انہیں بھوک نے پریشان کر رکھا تھا۔ ان کے کمرے سے دُور قلعے کے ایک حصے میں سنان کا محل تھا جہاں عورت اور شراب کی رونق تھی۔ سنان کے خصوصی کمرے میں کھانے چنے ہوئے تھے۔ شراب کی صراحیاں رکھی تھیں۔ رنگا رنگ کھانوں کی مہک سے در و دیوار مخمور ہوئے جا رہے تھے۔ کھانے پر شیخ سنان بیٹھا تھا۔ اُس کے ایک طرف تھیرلیسیا اور دوسری طرف لزا بیٹھی تھی اور اُن کے سامنے گمشتگین بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔

گمشتگین کے متعلق کئی بار بتایا جا چکا ہے کہ وہ حرن نام کے ایک قلعے کا گورنر (قلعہ دار) تھا۔ نورالدین زنگی کی وفات کے بعد اُس نے خود مختاری کا اعلان کر کے حرن قلعے اور گرد و نواح کے علاقے کو اپنی ریاست بنا لیا تھا۔ وہ سلطان ایوبی کے مسلمان دشمنوں (الملک الصالح اور سیف الدین) کا اتحادی تھا۔ اُس نے بھی اپنی فوج متحدہ فوج میں شامل کی تھی جسے سلطان ایوبی نے شکست فاش دی تھی۔ گمشتگین خود اپنی فوج کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ تینوں افواج کا سپریم کمانڈر سیف الدین تھا۔ گمشتگین نے اپنے اتحادیوں کی طرح صلیبیوں کے ساتھ دوستانہ گانٹھ رکھا تھا۔ صلیبیوں نے انہیں فوج کی صورت میں تو ابھی کوئی مدد نہیں دی تھی، اپنے مشیر، جاسوس اور تخریب کار دے رکھے تھے اور انہیں اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اعلیٰ قسم کی شراب، حسین لڑکیاں اور رقم دیتے رہتے تھے۔

گمشتگین کو خدا نے سازشی ذہن دیا تھا۔ اپنے دشمن پر وہ زمین کے نیچے سے وار کرتا تھا اور اپنے دوستوں

کے خلاف بھی دل میں دشمنی رکھتا تھا۔ اُسے صرف اقتدار سے پیار تھا۔ وہ اپنی ریاست کا مطلق العنان بادشاہ بن کر ریاست میں توسیع کرنے کے خواب دیکھتا رہتا تھا۔ اُسے جو کوئی دوستانہ مدد دیتا تھا، اُسے بھی وہ شکی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے قتل کی کوششوں میں گہری دلچسپی لیتا تھا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اقتدار پسند حکمران کا تختہ صرف فوج اُلٹ سکتی ہے۔ سلطان ایوبی ہی ایک سالار تھا جس کے دل میں قومی جذبہ موجزن تھا۔ اُس کی جنگی قابلیت کے ساتھ اُس کا ایمان اُس کی قوت تھا۔ گمشتگین اُس کی اسی قوت سے ڈرتا تھا۔ اب جبکہ اُس نے اپنی فوج سیف الدین کی کمان میں دے کر ترکمان روانہ کر دی تھی، وہ کسی کو بتائے بغیر شیخ سنان کے پاس قلعہ عصیات میں آ گیا تھا۔ وہ یہی مشن لے کے آیا تھا کہ سلطان ایوبی کے قتل کا کوئی ایسا انتظام کیا جائے جو پہلی قاتلانہ کوششوں کی طرح ناکام نہ ہو۔

عصیات میں وہ الناصر اور تھیرلیسیا کے پہنچنے سے ایک روز پہلے آیا تھا۔ اُسے ابھی معلوم نہیں تھا کہ سیف الدین کی زیر کمان اُس کی فوج کا سلطان ایوبی کے ہاتھوں کیا حشر ہُوا ہے۔ وہ افواج کو روانہ کر کے اپنے سازشی دورے پر نکل گیا اور عصیات جا پہنچا تھا۔

☆

"گمشتگین بھائی!" شیخ سنان نے اُسے کھانے کے دوران کہا۔ "تمہارے دوست تو ترکمان سے بھاگ گئے ہیں۔" اُس نے تھیرلیسیا سے کہا۔ "انہیں میدانِ جنگ کی تفصیل سناؤ۔"

گمشتگین کو اس خبر سے اتنا صدمہ ہُوا کہ وہ کچھ بھی نہ بولا۔ اُس کا رنگ اُڑ گیا اور وہ صدمے اور حیرت سے تھیرلیسیا کی طرف دیکھنے لگا۔ تھیرلیسیا نے اُسے بتایا کہ سلطان ایوبی نے قلیل سی نفری سے کس طرح متحدہ افواج پر حملہ کیا اور بھگایا ہے۔ سیف الدین کے متعلق تھیرلیسیا نے بتایا کہ اُس کے وہاں سے روانہ ہونے تک سیف الدین میدانِ جنگ سے لاپتہ تھا۔ گمشتگین خاموشی سے سنتا رہا۔

"مجھے میرے دوستوں نے ذلیل کیا ہے۔" گمشتگین نے غصے سے کہا۔ "میں سیف الدین کو تینوں فوجوں کی کمان دینے کے حق میں نہیں تھا۔ مگر میری کسی نے نہ سنی۔ معلوم نہیں میری فوج کس حالت میں ہوگی۔"

"بہت بُری حالت میں۔" تھیرلیسیا نے کہا۔ "صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ ماروں نے آپ کی فوجوں کو اطمینان اور خیریت سے پسپا بھی نہیں ہونے دیا۔"

"سنان بھائی، تم جانتے ہو میں یہاں کیوں آیا ہوں؟" گمشتگین نے کہا۔

"صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے۔" سنان نے کہا۔

"ہاں!" گمشتگین نے کہا۔ "آپ جو مانگیں گے پیش کروں گا۔ ایوبی کو قتل کراؤ۔"

"میں نے صلیبیوں اور سیف الدین کے کہنے پر ایوبی کے قتل کے لیے چار فدائی بھیج رکھے ہیں۔" سنان نے کہا۔ "لیکن مجھے امید نہیں کہ وہ اُسے قتل کر سکیں۔"

"مجھ سے الگ اپنا انعام لو۔" گمشتگین نے کہا۔ "نئے آدمی دو لیکن یہ آدمی مجھ سے دو۔ یہ

کام میں خود کروں گا۔"

"یہ آخری چار فدائی ہیں جو میں نے بھیجے ہیں۔" شیخ سنان نے کہا — "میرے پاس قاتلوں کی کمی نہیں لیکن میں صلاح الدین ایوبی کے قتل سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"کیوں؟" گمشتگین نے حیران ہو کر پوچھا — "ایوبی نے تمہیں کوئی قلعہ دے دیا ہے؟"

"نہیں۔" سنان نے جواب دیا — "اس شخص کے قتل کے لیے میں اپنے بڑے ہی قیمتی فدائی ضائع کر چکا ہوں۔ میرے فدائیوں نے اُس پر سوتے میں خنجروں سے حملہ کیا مگر وہ خود قتل ہو گئے۔ ایک بار اُس پر تیر چلائے گئے، وہ بھی خطا گئے۔ میں تو اب یہ سمجھ بیٹھا ہوں کہ صلاح الدین پر خدا کا ہاتھ ہے۔ اس میں کوئی ایسی قوت ہے کہ اس پر نہ خنجر اثر کرتا ہے نہ تیر۔ میرے جاسوسوں نے مجھے بتایا ہے کہ ایوبی پر جب قاتلانہ حملہ ہوتا ہے تو حملے کو ناکام کر کے وہ گھبرانے یا غصے میں آنے کی بجائے مسکراتا ہے اور فوراً بھول جاتا ہے کہ کیا ہُوا تھا۔"

"مجھے اپنی اُجرت بتاؤ سنان!" گمشتگین نے جھنجھلا کر کہا — "میں ایوبی کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم نے اناڑی قاتل بھیجے ہوں گے۔"

"وہ سب استاد تھے۔" شیخ سنان نے کہا — "اُن سے کبھی کوئی بچ کر نہیں گیا تھا۔ وہ موت سے ڈرنے والے نہیں تھے۔ میرے پاس اُن کے بھی استاد موجود ہیں۔ یہ ایسے طریقوں سے قتل کرتے ہیں کہ اُن کا کوئی سراغ نہ ملتا۔ لیکن گمشتگین! میں اپنے قیمتی فدائیوں کو یوں ضائع نہیں کروں گا.... تم تین فوجوں سے ایوبی کو نہیں مار سکتے، میرے تین چار آدمی اُسے کس طرح قتل کر سکتے ہیں؟"

"تم ایوبی کے قتل سے جو ڈر گئے ہو، اس کی وجہ کچھ اور ہو گی۔"

"اور وجہ یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں۔" سنان نے کہا — "حسن بن صباح نے تو پیغمبر بننا چاہا تھا لیکن اُس کے مرنے کے بعد ہمارا فرقہ پیشہ ور قاتل بن گیا۔ میں پیشہ ور قاتل ہوں گمشتگین! ایوبی مجھے تمہارے قتل کے لیے اُجرت دے گا تو میں تمہیں بھی قتل کرا دوں گا۔"

"لیکن صلاح الدین بزدلوں کی طرح کسی کو قتل نہیں کراتا۔" لزا نے کہا — "یہی وجہ ہے کہ وہ بزدلوں کے ہاتھوں قتل نہیں ہوتا۔"

"اوہ!" سنان نے لزا کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے کر پیار سے کہا — "تم نے اسی عمر میں جان لیا ہے کہ جو بزدل نہیں ہوتے اُن کا بزدل کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" اُس نے گمشتگین سے کہا — "تم سیف الدین اور الملک الصالح اور صلیبی صرف اس لیے ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہو کہ صلاح الدین کے دشمن ہو، ورنہ تمہاری آپس میں کوئی دوستی نہیں۔ مجھے یہ بتاؤ کہ ایوبی کو قتل کر کے تم کیا حاصل کر سکو گے؟ وہ مر گیا تو آپس میں لڑو گے.... غور سے سنو گمشتگین! ایوبی کے قتل کے بعد تمہیں اُس سلطنت سے بالشت بھر زمین بھی نہیں ملے گی جو ایوبی نے قائم کر لی ہے۔ اُس کے بھائی اور اُس کے سالار متحد ہیں۔ تم اگر کسی کو قتل کرانا ہی چاہتے

ہو تو سیف الدین کو قتل کرا دو اور موصل پر قبضہ کر لو۔ اُسے تم خود قتل کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں اپنا دوست اور اتحادی سمجھتا ہے۔ اُسے زہر دلا سکتے ہو۔ اُس پر حملہ کرا سکتے ہو۔"

گمشتگین گہری سوچ میں کھو گیا، پھر بولا — "ہاں، سیف الدین کو قتل کرا دو۔ بتاؤ کیا مانگتے ہو؟"

"حران کا قلعہ۔" شیخ سنان نے کہا۔

"تمہارا دماغ ٹھکانے ہے سنان؟" گمشتگین نے کہا — "زر و جواہرات کی صورت میں اپنی قیمت بتاؤ۔"

"زر و جواہرات کے عوض تمہیں چار آدمی دیتا ہوں۔" سنان نے کہا — "لیکن یہ میرے فدائی نہیں ہیں، صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار ہیں۔ انہیں یہ دونوں لڑکیاں حشیش کے نشے میں ساتھ لائی ہیں۔ میں انہیں کسی کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسے تجربہ کار آدمی ملتے ہی کہاں ہیں۔ اتفاق سے آ گئے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ حشیش اور میری پریاں انہیں اپنے رنگ میں رنگ کر ایسا قاتل بنا لیں گی کہ اپنے ماں باپ کا بھی خون بہا آئیں گے۔ میں تمہیں مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ ان کو لے جاؤ۔ تھوڑے دن انہیں اپنی جنت دکھاؤ۔ انہیں اپنے حرم کے شہزادے بنا دو۔ انہیں بتائے بغیر حشیش دو، پھر انہیں شراب کا عادی بنا دو، تمہارے اشاروں پر ناچیں گے۔"

"صلاح الدین ایوبی کے چھاپہ مار اتنے کچے نہیں ہوتے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" گمشتگین نے کہا۔

"تم جانتے ہو گمشتگین، ہم فدائی کہلاتے ہیں۔ انسان کے ذہن کے ساتھ کھیلتے ہیں۔" شیخ سنان نے کہا — "ہم اپنے شکار کے ذہن میں دلفریب تصور ڈال کر اُس کی یہ حالت کر دیتے ہیں کہ وہ تصور کو حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔ کسی انسان کے ذہن میں عورت کا حسین تصور پیدا کر دو اور اس کے ساتھ اُسے نشہ دیتے جاؤ تو وہ اس تصور کا غلام ہو جاتا ہے۔ انسان کو عورت کے تصوروں میں کھوئے رہنے کا عادی بنا دو، پھر تم اُس کا کردار اور اُس کا ایمان بڑے ہی کم داموں خرید سکتے ہو.... تم ان چاروں کو لے جاؤ۔ یہ نہ سوچو کہ انہیں تم اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکو گے۔" سنان نے مسکرا کر کہا — "اپنے آپ پر نظر ڈالو۔ عورت، شراب اور عیش پرستی تمہیں کہاں سے کہاں لے آئی ہے۔ مسلمان ہو کر تم مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے ہو۔"

شیخ سنان نے اُسے اپنی قیمت بتائی۔ سودا طے ہو گیا کہ گمشتگین الناصر اور اس کے ساتھیوں کو اپنے ساتھ حران لے جائے گا۔ سنان نے اُسے بتایا کہ وہ ان چاروں کو قید خانے میں نہ ڈال دے بلکہ انہیں شہزادے بنا کر رکھے۔ گمشتگین نے یہ ہدایات سنیں اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ ایک دو دنوں میں وہ ان چھاپہ ماروں کو لے جائے گا۔

☆

گمشتگین وہاں سے نکلا تو شیخ سنان کا ایک آدمی اندر آیا۔ اُس نے پوچھا کہ آج جو چار آدمی لائے گئے ہیں اُن کے متعلق کیا حکم ہے۔

"حران کا والی گمشتگین آیا ہُوا ہے۔" سنان نے کہا۔ "وہ انہیں ساتھ لے جا رہا ہے۔ اُن کے کھانے اور آرام وغیرہ کا انتظام کردو۔ ہم اُنہیں نہیں رکھنا چاہتے۔ انہیں یہ نہ بتانا کہ انہیں کہاں بھیجا جا رہا ہے۔"

یہ آدمی چلا گیا۔ اُس نے الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے لیے کھانا بھجوایا۔ الناصر نے کھانے سے انکار کر دیا۔ اُسے شک تھا کہ کھانے میں حشیش ڈالی گئی ہے۔ بہت ہی مشکل سے اُسے یقین دلایا گیا کہ کھانے میں کچھ نہیں ملایا گیا۔ الناصر اور اُس کے ساتھی بھوک سے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔ اپنے سامنے اتنا اچھا کھانا دیکھ کر انہوں نے کھانے کا خطرہ مول لے لیا۔

شیخ سنان نے تھیریسیا سے کہا کہ وہ چلی جائے اور لزا کو اُس کے پاس چھوڑ جائے۔ تھیریسیا نے کہا کہ وہ تین چار دن مسلسل سفر میں رہی ہیں اس لیے آرام کریں گی۔ سنان میں انسانیت کم اور درندگی زیادہ تھی۔ اُس نے لزا کے ساتھ پہلے تو چھیڑ چھاڑ کی جو لزا تھیریسیا کے کہنے کے مطابق برداشت کرتی رہی اور اُس سے گلوخلاصی کرانے کے لیے بہانے بھی تراشتی رہی۔ سنان نے دست درازی شروع کر دی۔ لزا کا مزاج بگڑنے لگا۔ اچانک دروازہ کھُلا۔ دربان نے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔ سنان نے غصّے سے کہا۔ "اس وقت کوئی اندر نہیں آسکتا"۔ مگر اندر آنے والے نے اُس کے حکم کی پرواہ نہ کی۔ وہ دربان کو ایک طرف کر کے اندر آگیا۔

وہ ایک صلیبی تھا جو اُسی وقت قلعے میں پہنچا تھا۔ سنان اُسے جانتا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی سنان نے اُس کا نام لیا اور خوشی کا اظہار کیا لیکن یہ بھی کہا۔ "تم آرام کرو۔ صبح ملیں گے۔"

"میں شاید صبح ہی آپ کے پاس آجاتا۔" صلیبی نے کہا۔ "لیکن یہاں آتے ہی پتہ چلا ہے کہ یہ لڑکیاں آئی ہیں۔ مجھے اِن سے بہت کچھ پوچھنا ہے۔ میں انہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

سنان نے تھیریسیا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "اسے لے جاؤ"۔ اور اُس نے لزا کو اپنی طرف گھسیٹ کر کہا۔ "اِسے میں یہیں رکھوں گا۔"

"شیخ سنان!" صلیبی نے قدرے دبدبے سے کہا۔ "میں دونوں کو لے جا رہا ہوں۔ تم جانتے ہو میں کس کام سے آیا ہوں، اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ان لڑکیوں کے کیا فرائض ہیں۔ تمہاری بغل میں بیٹھنا اِن کے فرائض میں شامل نہیں۔" اس نے لڑکیوں سے کہا۔ "دونوں میرے ساتھ آؤ۔"

دونوں اُچک کر اُٹھیں اور صلیبی کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

"کیا تم میرے ساتھ دشمنی کا خطرہ مول لینا چاہتے ہو؟" شیخ سنان نے کہا۔ "تم میرے قلعے میں ہو۔ میں تمہیں مہمان سے قیدی بھی بنا سکتا ہوں اور تم کوشش کر رہے ہو کہ تمہیں مہمان سے قیدی بنا دیا جائے۔" اُس نے گرج کر کہا۔ "اِس لڑکی کو میرے پاس چھوڑ کر باہر نکل جاؤ۔"

"سنان!" صلیبی نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "کیا تم بھول گئے ہو کہ یہ قلعہ تمہیں ہم نے دیا ہے؟ کیا

تمہارے ذہن سے یہ حقیقت بھی اُتر گئی ہے کہ ہم تمہاری پیٹھ پر ہاتھ نہ رکھیں تو تم اور تمہارے فدائی کرائے کے قاتلوں کے سوا کچھ بھی نہیں رہیں گے؟"

شیخ سنان پر صرف شراب کا نشہ طاری نہیں تھا وہ اس قلعے کا بادشاہ تھا اور وہ کسی بھی بادشاہ کو کسی بھی وقت ایسے طریقے سے قتل کرا سکتا تھا کہ کسی کو شک تک نہ ہوتا کہ قاتل سنان یا اس کا کوئی فدائی ہے۔ اُس نے صلیبی افسر بھی قتل کرائے تھے۔ یہ صلیبیوں کی آپس کی عداوت کا نتیجہ تھا۔ اُن کا کوئی جرنیل یا کوئی اور فوجی یا غیر فوجی افسر اپنے کسی حریف افسر کو قتل کرانے کی ضرورت کبھی محسوس کرتا تو اس مقصد کے لیے وہ سنان کی خدمات حاصل کیا کرتا تھا۔ حصیات کے قلعے میں رہتے تو انسان تھے لیکن یہ جنّوں کا قلعہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے تہہ خانوں میں انسان گم ہو جاتے تھے۔ فدائی پاگل لگتے تھے۔ کسی کو قتل کرنا اُن کے لیے منہ کا نوالہ ڈال لینے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے محل کا یہ حُسن تھا کہ چھتوں اور دیواروں میں رنگا رنگ شیشوں کے ٹکڑے جڑے ہوئے تھے۔ فانوسوں کی روشنی سے ان سے رنگا رنگ شعاعیں نکلتی تھیں۔ یہاں انسان بھول جاتا تھا کہ اس جنّت کے اردگرد بے رحم صحرا اور تپتے ہوئے ٹیلے ہیں۔

اس ماحول اور اس حیثیت میں شیخ سنان اپنے آپ کو دیوتا سمجھتا تھا۔ اُس میں حیوانیت اور درندگی زیادہ تھی۔ لزا جیسی لڑکی سے وہ دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اُس نے صلیبی سے کہا۔ "میں تمہیں سوچنے کی مہلت دوں گا۔ اس قلعے میں خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے بھی گم کر دیئے جاتے ہیں۔ خدا کو بھی پتہ نہیں چلتا۔ میں اس لڑکی کو قلعے سے باہر نہیں جانے دوں گا۔ تم نے مزاحمت کی تو تم بھی قلعے سے باہر نہیں جا سکو گے۔"

"میرا ایک ساتھی آگے چلا گیا ہے۔" صلیبی نے کہا۔ "وہ وہاں بتا دے گا کہ میں یہاں ہوں۔ تم جانتے ہو کہ میں یہاں دو تین روز کے قیام کے لیے آیا ہوں، پھر مجھے کہیں اور جانا ہے۔ ہم اُس معاہدے کے تحت تمہارے ہاں قیام کرتے ہیں جس کے تحت تمہیں یہ قلعہ دیا گیا تھا۔ یہ ہماری پناہ گاہ ہے اور ہمارا عارضی پڑاؤ بھی۔ تم ہماری ہڈیاں غائب کر دو تو بھی تم سے پوچھا جائے گا کہ ہمارا ایک آدمی اور دو لڑکیاں کہاں ہیں۔" صلیبی نے کچھ سوچا اور کہا۔ "اگر تم صلاح الدین ایوبی کو قتل کر دو تو اس جیسی ایک دو تین لڑکیاں تمہارے حوالے کر دیں گے مگر تم ہماری رقم اور سونا ہضم کرتے رہے، ایوبی کو قتل نہ کر سکے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے چار فدائی ایوبی کے قتل کے لیے بھیج رکھے ہیں لیکن یہ صرف افواہ معلوم ہوتی ہے۔ ایوبی ابھی تک زندہ ہے اور فاتح ہے۔"

"یہ افواہ نہیں۔" سنان نے نشے اور غصّے سے لرزتے ہوئے کہا۔ "میں نے چار آدمی بھیج رکھے ہیں۔ چند دنوں میں تم خبر سنو گے کہ صلاح الدین ایوبی قتل ہو گیا ہے۔"

"پھر میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ہمارے حکمرانوں سے جو انعام و اکرام ملا ہے اس کے علاوہ میں تمہیں اس (لزا) جیسی دو لڑکیاں اپنی طرف سے دوں گا۔"

"وہ دیکھا جائے گا۔" سنان نے کہا۔ "میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ اس لڑکی کو تم میری خوابگاہ سے باہر لے

جاسکتے ہو، اسے قلعے سے باہر نہیں لے جاسکو گے۔ جاؤ، انہیں لے جاؤ۔ ہم نے قلعے میں صلیبیوں کے لیے جو کمرے الگ کر رکھے ہیں وہاں چلے جاؤ۔ کھاؤ پیو، عیش کرو اور مجھے سوچ کر جواب دو کہ یہ لڑکی میرے حوالے کرو گے یا نہیں؟"

صلیبی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لیے باہر نکل گیا۔ یہ صلیبی جاسوسی اور تخریب کاری کے محکمے کا افسر تھا۔ وہ مسلمانوں کے علاقوں میں گھومتا پھرتا رہا تھا اور اب واپس اپنے علاقے میں جا رہا تھا۔ عصیات کے قلعے میں صلیبیوں کے لیے عارضی قیام کا انتظام کیا گیا تھا جو صلیبی جب چاہتا اس قلعے میں آسکتا تھا۔ تقریباً بھی اسی سہولت کے تحت لڑا اور الناصر کے ساتھیوں کو یہاں لائی تھی اور یہ صلیبی بھی ذرا آرام کے لیے یہاں آیا تھا ایک دو روز بعد اُسے آگے چلے جانا تھا۔ قلعے میں آتے ہی اُسے کسی نے بتایا کہ دو صلیبی لڑکیاں آئی ہیں جو اس وقت شیخ سنان کے پاس ہیں۔ وہ انہیں دیکھنے کے لیے اندر چلا گیا اور سنان کے ساتھ گرما گرمی کے بعد دونوں لڑکیوں کو وہاں سے لے آیا۔

اُس کے جانے کے بعد شیخ سنان نے اپنے خاص آدمی کو بلا کر کہا — "یہ صلیبی اور یہ دونوں لڑکیاں ہماری قیدی نہیں ہیں لیکن انہیں ان کی مرضی سے قلعے سے نکلنے نہ دیا جائے۔ انہیں اس حق سے محروم کر دیا جائے کہ جب چاہیں قلعے میں آجائیں جب چاہیں نکل جائیں۔ ان پر نظر بھی رکھنا .... اور گمشتگین جب چاہے اُن چار قیدیوں کو اپنے ساتھ لے جاسکتا ہے جنہیں آج یہ لڑکیاں باہر سے لائی ہیں"

صلیبی کو بتایا گیا کہ حرن کا والی، گمشتگین بھی آیا ہوا ہے اور وہ صلاح الدین ایوبی کے قتل کا انتظام کرتا پھر رہا ہے۔ اُسے الناصر اور اُس کے ساتھیوں کے متعلق بتایا گیا۔ صلیبی لڑکیوں کو قلعے کے اُس حصے میں لے گیا جہاں عارضی طور پر آنے والے صلیبیوں کے لیے کمرے مخصوص کیے گئے تھے۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی نے سیف الدین کے سالار مظفر الدین کا حملہ جس طرح پسپا اور اس کی فوج کو جس طرح تہس نہس کیا تھا وہ پوری تفصیل سے سنایا جا چکا ہے۔ مظفر الدین میدانِ جنگ سے غائب ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی کی فوج نے جو قیدی پکڑے ان میں سیف الدین کا ایک مشیر فخر الدین بھی تھا جو موصل میں اُس کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ سلطان ایوبی فخر الدین کو جنگی قیدیوں سے الگ کر کے اپنے خیمے میں لے گیا اور اُسے اُسی عزت و احترام سے رکھا جس کا وہ حقدار تھا۔ مالِ غنیمت تقسیم کر کے سلطان ایوبی نے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ پیش قدمی یعنی بھاگتے دشمن کا تعاقب نہیں کیا جائے گا۔ بعض مؤرخین نے سلطان ایوبی کے اس فیصلے کو اس کی جنگی لغزش کہا ہے لیکن تاریخِ اسلام کا یہ مجاہد بہت دُور کی سوچا کرتا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ دشمن کی فوج کا تعاقب کرتا تو اُس کی فوج کو وہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیتا اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سلطان ایوبی کے مسلمان دشمن اُس کے قدموں میں گر پڑتے۔

تعاقب نہ کرنے کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ مظفر الدین کے ساتھ اس نے جو معرکہ لڑا تھا اس میں اُسے فتح

بہت مہنگی پڑی تھی۔ اُس کی فوج کا جانی نقصان بہت ہوا تھا۔ زخمیوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے وہ پیش قدمی کے قابل نہیں تھا۔ اگر وہ پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کرتا تو وہ اپنے محفوظہ کو استعمال کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا فیصلہ نہ کیا جس کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا اور زیادہ خون بہے۔ وہ اپنی قوم کو مزید خونریزی سے بچانا چاہتا تھا۔

سلطان ایوبی اُس جگہ کھڑا تھا جہاں سیف الدین کی ذاتی خیمہ گاہ تھی۔ اس میں سے جو کچھ برآمد ہوا وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ سیف الدین کا اپنا خیمہ بجائے خود بہت قیمتی تھا۔ یہ ریشمی کپڑوں کا محل تھا۔ قناتیں اور شامیانے ریشمی تھے۔ پردے ریشمی تھے۔ اس کے اندر کھڑے ہو کر شیش محل کا گمان ہوتا تھا۔ سیف الدین کا ایک بھتیجا، عزالدین فرخ شاہ سلطان ایوبی کی فوج میں سالار تھا۔ یہ عجیب جنگ تھی اور عجیب دشمنی کہ بھتیجا چچا کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی ایک فوجی تھے جو اپنے خون کے رشتوں کے خلاف لڑ رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے سیف الدین کی یہ خیمہ گاہ دیکھی تو اُس نے اس کے بھتیجے عزالدین کو بلایا، اور مسکرا کر کہا — "اپنے چچا کی جائیداد کے وارث تم ہو۔ میں اس کا خیمہ تمہیں پیش کرتا ہوں۔ یہ سمیٹ لو"

سلطان نے مسکرا کر اُسے خیمہ پیش کیا تھا مگر عزالدین کے آنسو نکل آئے۔ قاضی بہاؤالدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں اس واقعہ کا ذکر جذباتی انداز میں کیا ہے۔ اس کے مطابق، سلطان ایوبی نے عزالدین کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہا — "عزالدین! تمہارے جذبات کو میں اچھی طرح سمجھتا ہوں لیکن قرآن کا حکم مانو۔ اگر میرا بیٹا شرک کا اور جہاد کے راستے میں فسق و فجور کا مرتکب ہوگا تو میری تلوار اس کا سر قلم کرنے سے گریز نہیں کرے گی۔ تم اپنے شکست خوردہ چچا کا خیمہ دیکھ کر آنکھوں میں آنسو لے آئے ہو۔ میں اپنے شکست خوردہ بیٹے کا کٹا ہوا سر دیکھ کر بھی آنسو نہیں بہاؤں گا"

سلطان ایوبی نے اس مقام سے ذرا آگے جا کر لمبے عرصے کے لیے پڑاؤ ڈال دیا۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا۔ اس کا نام "کوہِ سلطان" مشہور ہو گیا۔ تاریخ میں بھی کوہِ سلطان آیا ہے۔ وہاں سے حلب پندرہ میل دُور تھا۔ حلب کے متعلق پہلے تفصیل سے سنایا جا چکا ہے۔ الملک الصالح نے اس شہر کو اپنا دارالحکومت اور مستقر بنا لیا تھا اور اب یہ متحدہ افواج کا ہیڈ کوارٹر بن گیا تھا۔ یہ بھی سنایا جا چکا ہے کہ اس شہر کا دفاع اتنا مضبوط اور یہاں کے لوگ (جو سب مسلمان تھے) اتنے دلیر اور جنگجو تھے کہ سلطان ایوبی کا محاصرہ ناکام ہو گیا تھا۔ اب سلطان ایوبی ایک بار پھر اس اہم شہر کو محاصرے میں لینا اور اُس پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن اب کے وہ اپنا اڈہ مضبوط کر کے آگے بڑھنے کی سکیم بنا رہا تھا۔

راستے میں دو قلعے تھے۔ ایک کا نام منبج اور دوسرے کا عزاز تھا۔ بعض تاریخوں میں منبج کو ممبس بھی لکھا گیا ہے۔ ان دونوں قلعوں کے امراء خود مختار مسلمان تھے۔ ایسے کئی اور قلعے اور کئی جاگیریں تھیں جن پر مسلمانوں کی حکمرانی تھی۔ اس طرح سلطنتِ اسلامیہ قلعوں، جاگیروں اور ریاستوں میں بٹی ہوئی تھی۔ سلطان ایوبی بکھرے ہوئے ان ذرّوں کو یکجا کر کے ایک سلطنت بنانا اور اسے ایک خلافت کے تحت لانا چاہتا تھا۔ دشواری یہ

تھی کہ یہ امراء اور جاگیردار اپنی الگ الگ حیثیت قائم رکھنے کے خواہش مند تھے۔ وہ اپنی بقا کے لیے صلیبیوں تک سے مدد لے لیا کرتے تھے۔

سلطان ایوبی نے ایک پیغام بُوزا کے امیر کے نام لکھا اور دوسرا منبج کے امیر کے نام۔ بوزا کو عزالدین کو روانہ کیا اور منبج کو سیف الدین کے مشیر فخرالدین کو۔ فخرالدین جنگی قیدی تھا لیکن سلطان ایوبی نے عزت و احترام سے اُس کا دل جیت لیا تھا اور فخرالدین نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ سلطان ایوبی نے جب اُسے اپنا خاص ایلچی بنا کر منبج جانے کو کہا اور اسے یہ اختیارات بھی دیئے کہ وہ اس کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ قلعہ حاصل کرنے کی بات چیت کرے تو فخرالدین نے اُسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا۔

"کیا آپ مسلمان نہیں ہیں؟" — سلطان ایوبی نے اُسے کہا — "آپ نے مجھے یوں حیرت سے دیکھا ہے جیسے میں کسی کافر کو اپنا ایلچی اور نمائندہ بنا کر بھیج رہا ہوں۔ کیا آپ کو مجھ پر بھروسہ نہیں یا اپنے ایمان پر اعتماد نہیں؟ ..... میں منبج کا قلعہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ اس کے امیر کو میرا پیغام پہنچا دیں اور اسے قائل کریں کہ خون خرابے کے بغیر قلعہ ہمیں دے دے اور اپنی فوج ہماری فوج میں شامل کر دے۔"

عزالدین اور فخرالدین روانہ ہو گئے۔

☆

بوزا کے امیر نے عزالدین کا استقبال تپاک سے کیا۔ سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ اس میں لکھا تھا —

"میرے عزیز بھائی! ہم ایک خدا ایک رسولؐ اور ایک قرآن کے پرستار ہیں مگر ہم سب اس طرح بکھر گئے ہیں جس طرح ایک جسم کے اعضا ریگزار کی ریت پر بکھرے پڑے ہوں۔ کیا یہ جسم حرکت کر سکتا ہے؟ کسی کام آ سکتا ہے؟ اس جسم کا فائدہ صلیبیوں کو پہنچ رہا ہے جو کٹے ہوئے اعضا کو گدھوں کی طرح کھا رہے ہیں۔ ہمیں ایک اُمت کی صورت متحد ہونا ہے ورنہ ہم میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہ سکے گا۔ میں آپ کو ایک اُمت کی صورت میں متحد ہونے کی دعوت دیتا ہوں۔ اپنی موجودہ حیثیت پر غور کریں۔ آپ اپنی امارت کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے دشمن کے آگے بھی ہاتھ پھیلا دیتے ہیں۔ میں آپ تک قرآن کا فرمان پہنچا رہا ہوں۔ اسے سمجھے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اپنا قلعہ سلطنتِ اسلامیہ کی ملکیت میں دے دیں اور میری اطاعت قبول کر لیں۔ اس صورت میں آپ کی فوج میری فوج میں مدغم ہو جائے گی۔ آپ قلعہ دار ہوں گے اور قلعے پر سلطنتِ اسلامیہ کا جھنڈا لہرائے گا۔ اگر آپ کو یہ صورت قبول نہ ہو تو میری فوج کے محاصرے میں لڑنے کی تیاری کریں اور اپنے سامنے حلب، موصل اور حرن کی متحدہ فوج کی بربادی اور پسپائی کو رکھیں، آپ کو فیصلہ کرنے میں سہولت ہو گی۔ میری پیش کش قبول کر لیں اور مجھ سے بہتر سلوک کی توقع رکھیں۔ میری آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں، احکامِ خداوندی کے تحت کر رہا ہوں۔"

بُوزا کے امیر نے یہ پیغام پڑھا تو عزالدین کی طرف دیکھا۔ عزالدین نے کہا۔ "آپ کا قلعہ مضبوط نہیں اور آپ کی فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس فوج کو ہمارے ہاتھوں نہ مروائیں۔"

بُوزا کے امیر نے پیش کش قبول کر لی اور سلطان ایوبی کے نام تحریری پیغام دیا کہ وہ آئے اور قلعہ لے لے۔

منبج کے امیر نے بھی اطاعت قبول کر لی۔ فخرالدین نے اس سے پیغام لکھوا لیا اور واپس چلا گیا۔ سلطان ایوبی خود دونوں قلعوں میں گیا۔ وہاں جو فوجیں تھیں انہیں قلعے سے نکال کر اپنی فوج میں شامل کر لیا اور اپنے دستے قلعوں میں بھیج دیئے۔ دونوں قلعوں میں اس نے رسد وغیرہ رکھ دی لیکن فوج کو قلعہ بند نہ کیا۔ حلب کے قریب اعزاز نام کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس قلعے کے دفاعی انتظامات حلب والوں نے اپنے ذمے لے رکھے تھے۔ اس کے قلعہ دار یا امیر نے اپنی وفاداری حلب یعنی الملک الصالح کو دے رکھی تھی۔ سلطان ایوبی حلب کا محاصرہ کرنے سے پہلے اس قلعے کو بھی لڑے بغیر لینا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے ایک سالار الحمیری کو تحریری پیغام کے ساتھ اعزاز روانہ کیا۔

اعزاز کے امیر نے سلطان ایوبی کا پیغام پڑھا۔ اس پیغام کے بھی الفاظ وہی تھے جو بوزا اور منبج کے امراء کو لکھے گئے تھے۔ اعزاز کے امیر نے پیغام الحمیری کی طرف پھینک کر کہا — "تمہارا سلطان خدا اور رسولؐ کے نام پر ساری دنیا کا بادشاہ بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ اُسے کہنا کہ تم نے حلب کا محاصرہ کر کے دیکھ لیا تھا۔ اب اعزاز کا محاصرہ کر کے دیکھو۔"

"کیا آپ مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون بہانا پسند کریں گے؟" — الحمیری نے کہا — "کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم آپس میں لڑیں اور صلیبی ہمارا تماشہ دیکھیں؟"

"اپنے سلطان سے کہو کہ جا کر صلیبیوں سے لڑے۔" — اعزاز کے امیر نے کہا۔

"کیا آپ صلیبیوں سے نہیں لڑیں گے؟" — الحمیری نے پوچھا — "کیا آپ انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتے؟"

"اس وقت ہم سلطان صلاح الدین ایوبی کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں جس نے ہمیں للکارا ہے۔" — امیر نے کہا — "وہ ہم سے یہ قلعہ بزورِ شمشیر لینا چاہتا ہے۔"

الحمیری اسے قائل نہ کر سکا۔ اُس نے الحمیری کی ذرہ بھر عزت نہ کی اور اسے چلے جانے کو کہا۔

☆

عصیات کے قلعے میں صلیبی گمشتگین کے پاس بیٹھا تھا۔ تھیریسیا اور لزا بھی اس کے ساتھ تھیں۔ گمشتگین اور صلیبی کی پہلے سے جان پہچان تھی — صلیبی نے کہا — "سنا ہے آپ صلاح الدین ایوبی کو قتل کراتے کراتے سیف الدین کے قتل کا ارادہ کر بیٹھے ہیں۔"

"کیا آپ نے سنا نہیں کہ سیف الدین نے کیسی بزدلی اور جنگی نااہلی کا مظاہرہ کیا ہے؟" — گمشتگین نے کہا — "یہ لڑکیاں بتاتی ہیں کہ اس نے ہماری تینوں فوجوں کا ایسا بُرا حال کرا لیا ہے کہ اب ہم بڑے لمبے عرصے کے لیے لڑنے کے قابل نہیں رہے۔ میں بکھری ہوئی فوجوں کو اکٹھا کر کے ایوبی کو حلب سے دُور روکنا چاہتا ہوں۔ اگر سیف الدین زندہ رہا تو وہ خفت مٹانے کے لیے ایک بار پھر کمان لینے کی ضد کرے گا اور ہمیں ایک اور شکست ہو گی۔ کیوں نہ اُسے ٹھکانے لگا دیا جائے۔"

"سیف الدین اتنی اہم شخصیت نہیں جتنا آپ سمجھ رہے ہیں" — صلیبی نے کہا — "جو ہم جانتے ہیں وہ آپ نہیں جانتے۔ ہم آپ کے ہر ایک دوست اور ہر ایک دشمن کو آپ سے زیادہ جانتے ہیں، اسی لیے ہم نے اپنے آپ کو اپنے مشیر اور اپنے جاسوس دے رکھے ہیں۔ میں جو ایوبی کے علاقوں میں بھیس بدل بدل کر اور اپنے آپ کو خطروں میں ڈال کر مارا مارا پھر رہا ہوں وہ صرف آپ کی بقا اور آپ کی ریاست کی توسیع کے لیے ہے۔ میں جو حالات دیکھ آیا ہوں اُن کا تقاضا صرف یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کو قتل کیا جائے۔ نورالدین زنگی مرگیا تو آپ سب آزاد ہو گئے۔ آپ قلعہ دار سے خود مختار حکمران بن گئے۔ ایوبی مرگیا تو آپ اس سے دگنے علاقے کے حکمران بن جائیں گے جو آپ کے پاس ہے۔ جنگ وجدل کا خطرہ ہمیشہ کے لیے ٹل جائے گا۔ میں تریپولی جا رہا ہوں۔ آپ کی فوج نے گھوڑوں اور اونٹوں کا جو نقصان اٹھایا ہے وہ میں بہت جلدی پورا کردوں گا۔ ہتھیار بھی بھجواؤں گا۔ ہمت نہ ہاریں۔ ایوبی مرگیا تو ہم آپ کو اتنی مدد دیں گے کہ آپ سیف الدین، الملک الصالح اور دوسرے تمام خود مختار مسلمان امرا پر چھا جائیں گے اور آپ کو وہی حیثیت حاصل ہو جائے گی جو آج صلاح الدین ایوبی کو حاصل ہے۔"

اقتدار کی ہوس اور عیش پرستی نے گمشتگین کی عقل پر پردہ ڈال رکھا تھا۔ اُس کی عقل میں اتنی سی بات نہیں آ رہی تھی کہ یہ صلیبی اپنی قوم کا نمائندہ ہے اور وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اور کر رہا ہے وہ اپنے قومی مقاصد کی خاطر کہہ اور کر رہا ہے۔ یہ بہت بڑا جاسوس اور تخریب کار تھا جو یہ دیکھتا پھر رہا تھا کہ سلطان ایوبی کے طوفان کو کس طرح روکا جا سکتا ہے۔ ہر میدان میں شکست کھا کر صلیبیوں نے یہی طریقہ بہتر جانا تھا کہ سلطان ایوبی کو قتل کرا دیا جائے اور مسلمان حکمرانوں کو ایک دوسرے کا بھی دوست نہ رہنے دیا جائے تاکہ سلطان ایوبی کے مرنے کے بعد یہ آپس میں لڑتے لڑتے ختم ہو جائیں اور صلیبیوں کو جنگ وجدل کے بعد دنیائے عرب کی حکمرانی مل جائے۔ اسی مقصد کی تکمیل کے لیے انہوں نے مسلمان امرا کے دماغوں میں زر پرستی اور بادشاہی کا کیڑا ڈال دیا تھا۔

"صلاح الدین ایوبی کے قتل سے تو شیخ سنان بھی دست بردار ہو گیا ہے" — گمشتگین نے کہا — "وہ کہتا ہے کہ اُس نے چار اور فدائی بھیج رکھے ہیں لیکن وہ پُر امید نظر نہیں آتا۔"

"اتنے زیادہ قاتلانہ حملے ناکام ہونے کے بعد سنان کو ایوبی کے قتل سے دست بردار ہی ہو جانا چاہیے" — صلیبی نے کہا — "ان حملوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ فدائی حشیش کے نشے میں جاتے ہیں۔ ایوبی کو صرف وہ آدمی قتل کر سکتا ہے جو ہوش میں ہو اور دل کی گہرائیوں سے محسوس کرے کہ اُسے صلاح الدین ایوبی کو اپنے ذاتی یا قومی جذبے سے قتل کرنا ہے۔ آپ شاید انسانی فطرت کو نہیں سمجھتے۔ ایوبی پر جو قاتلانہ حملہ کرنے جاتا ہے اس پر نشے کا اثر ہوتا ہے۔ جوں ہی آگے سے مزاحمت ہوتی ہے نشہ اُتر جاتا ہے اور حملہ آور اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی بجائے آپ کسی کو جذبات سے اندھا کر کے، اور اُس کے دل میں ایوبی کی نفرت پیدا کر کے اس کے قتل کے لیے بھیجیں تو وہ اُسے قتل کر کے ہی رہے گا۔"

"شیخ سنان نے مجھے صلاح الدین ایوبی کے چار چھاپہ مار دیئے ہیں" — گمشتگین نے کہا — "اور کہا ہے

کہ انہیں تیار کر کے اُن سے سیف الدین کو قتل کراؤں۔ یہ چھاپہ مار سیف الدین کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اس لیے یہ اُسے قتل کرنے میں خوشی محسوس کریں گے۔ میں انہیں موقع فراہم کروں گا۔ سیف الدین کو موت کے جال میں لانا میرا کام ہے۔"

"کیوں نہ انہی کو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے تیار کیا جائے؟" — صلیبی نے کہا — "لیکن انہیں حشیش یا کوئی اور نشہ نہ دیا جائے۔ ان پر جذباتیت کا نشہ طاری کیا جا سکتا ہے۔"

"ایسا نشہ آپ ہی طاری کر سکتے ہیں" — گمشتگین نے کہا۔

صلیبی نے تھیریسیا اور لزا کی طرف دیکھا اور مسکرایا۔ لزا نے کہا — "میں چھاپہ ماروں کے کمانڈر کو تیار کر سکتی ہوں جس کا نام الناصر ہے۔ باقی تین کو آپ سنبھالیں۔"

"تم الناصر کو سنبھالو" — صلیبی نے کہا — "دوسروں کو ابھی اِن کے حال پر چھوڑ دو جہاں تک میں انسانی فطرت کو سمجھتا ہوں، الناصر خود ہی اپنے ساتھیوں کو سنبھال لے گا۔" اُس نے پوچھا — "وہ ہیں کہاں؟ انہیں اس جگہ لے آؤ۔ الناصر کو الگ کمرہ دو اور اُس کے ساتھیوں کو الگ کمرے میں رکھو..... اور تم سب محتاط رہنا۔ سنان نے اس لڑکی پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ یہ لڑکی اُسے اتنی پسند آئی ہے کہ اس سے جُدا نہیں ہونا چاہتا۔ اُس نے مجھے دھمکی دی ہے کہ یہ لڑکی (لزا) اس کے حوالے کر دوں ورنہ میں اُس کا مہمان نہیں قیدی ہوں گا۔ اس نے مجھے سوچنے کی مہلت دی ہے۔"

"اس کے متعلق آپ پریشان نہ ہوں" — گمشتگین نے کہا — "میں ان چار چھاپہ ماروں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔ آپ بھی اور یہ لڑکیاں بھی میرے ساتھ چلیں گی۔"

☆

الناصر اور اُس کے تینوں ساتھیوں کو اُن کمروں میں سے ایک میں لے گئے جو صلیبی فوج کے افسروں کے لیے مخصوص تھے۔ الناصر کو الگ کمرہ دیا گیا جو اُس نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے جدا نہیں ہوگا۔ اُسے تھیریسیا اور لزا اپنے جال میں پھانسنے کے لیے الگ رکھنا چاہتی تھیں۔

"تم ان کے کمانڈر ہو" — صلیبی نے اُسے کہا — "تمہیں اپنے ماتحتوں سے الگ رہنا چاہیئے۔"

"ہمارے ہاں اونچ نیچ کا رواج نہیں" — الناصر نے کہا — "ہمارا سلطان اپنی فوج کے ساتھ رہتا ہے۔ میں معمولی سا کماندار ہوں، اپنے ساتھیوں سے الگ رہ کر تکبر کا گناہ نہیں کروں گا۔"

"ہم تمہاری تعظیم کرنا چاہتے ہیں" — صلیبی نے کہا — "اپنے ہاں جا کر جو جی میں آئے کرنا۔ یہاں تمہیں تمہارے ماتحتوں کے ساتھ رکھ کر ہم تمہاری توہین نہیں کرنا چاہتے۔"

"ہمارے چھاپہ مار کمانڈر اپنے سپاہیوں کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اور اُن کے ساتھ مرتے ہیں" — الناصر نے کہا — "ہم موت کی منزل کے ہمسفر ہیں۔ ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہوا کرتے۔ اگر ہم آپ کے مہمان ہوتے تو شاید میں آپ کی بات مان جاتا۔ ہم آپ کے قیدی ہیں۔ ہماری قسمت ایک ہے جو اذیت اور

صوبت ایک کو ملے گی، اس سے ہم سب حصہ وصول کریں گے۔ ایک ساتھی کو زندہ رکھنے کے لیے ہم تین ساتھی اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔"

"کیا تم ہماری قید سے فرار ہونے کی کوشش کرو گے؟" ــــ گمشتگین نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہم آزاد ہونے کی کوشش ضرور کریں گے۔ یہ ہمارے فرائض میں شامل ہے" ــــ الناصر نے کہا ــــ "مگر آزاد ہو جائیں یا تم سب کو مار کر۔ ہمیں قید میں رکھنا ہے تو ہمیں زنجیریں ڈال دو، دھوکے نہ دو۔ ہم میدان کے مرد ہیں۔ ہم سیف الدین اور گمشتگین جیسے ایمان فروش نہیں ہیں۔"

"میں گمشتگین ہوں" ــــ گمشتگین نے کہا ــــ "حرن کا خود مختار حکمران۔ تم نے مجھے ایمان فروش کہا ہے۔"

"میں آپ کو ایک بار پھر ایمان فروش کہتا ہوں۔" الناصر نے کہا ــــ "میں آپ کو غدار بھی کہتا ہوں۔"

"لیکن اب میں ایمان فروش ہوں نہ غدار" ــــ گمشتگین نے الناصر کو دھوکہ دینے کے لیے جھوٹ بولا ــــ "دیکھ لو، جنگ ترکمان میں لڑی جا رہی ہے اور میں یہاں ہوں۔ اگر میں تمہارا دشمن ہوتا تو تمہیں اس طرح آزاد نہ رہنے دیتا جس طرح اب ہو۔ سیف الدین اور الملک سے الگ ہو چکا ہوں۔ تمہیں عزت اور تعظیم سے اس قلعے سے لے جا رہا ہوں اور عزت سے رخصت کروں گا۔ تم ہو تو معمولی سے کماندار لیکن تمہارے سینے میں صلاح الدین ایوبی کی عظمت اور جذبہ ہے۔"

"لیکن میں اپنے ساتھیوں سے الگ نہیں رہوں گا" ــــ الناصر نے کہا ــــ "مجھ سے یہ گناہ نہ کرائیں۔"

"نہ سہی" ــــ صلیبی نے کہا ــــ "اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہو۔"

اُس وقت اُس کے ساتھی ایک کشادہ اور خوشنما کمرے میں تھے جہاں نرم و گداز بستر بچھے ہوئے تھے۔ وہاں ایک خادم بھی تھا جس سے ان تینوں نے پوچھا تھا کہ یہ قلعے کا کون سا حصہ ہے اور یہاں کیا ہوتا ہے۔ خادم نے انہیں بتایا کہ یہ مہمانوں کے کمرے ہیں۔ یہاں صرف وہ مہمان رکھے جاتے ہیں جو اونچے رتبے کے باعزت لوگ ہوتے ہیں۔ یہ تینوں چھاپہ مار دیکھ رہے تھے کہ اُن کے ساتھ قیدیوں والا سلوک نہیں ہو رہا۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ ایسے نرم بستروں پر انہیں فوراً نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گئے۔

☆

صلیبی اور گمشتگین نے الناصر کو بہت دیر اپنے ساتھ رکھا، اُس کے ساتھ عزت سے پیش آتے ہوئے ایسی باتیں کرتے رہے جن سے الناصر کے جذبے کی تیزی اور تُندی کچھ کم ہو گئی۔ یہ اِن دونوں کی کامیابی کا پہلا قدم تھا۔ لزا اس کمرے سے نکل گئی تھی۔ الناصر اُس وقت اس کمرے سے نکلا جب اس کے ساتھی گہری نیند سو گئے تھے۔ وہ برآمدے میں جا رہا تھا۔ ایک نسوانی آواز نے اُسے سرگوشی میں پکارا۔ وہاں اندھیرا تھا۔ وہ رُک گیا۔ ایک تاریک سایہ آگے آیا۔ یہ لزا تھی جس نے الناصر کا بازو پکڑ کر کہا ــــ "اب تمہیں یقین آ گیا ہے کہ میں جن نہیں انسان ہوں؟"

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ کیا ہو رہا ہے" ــــ الناصر نے جھنجھلاہٹ سے کہا ــــ "میں قیدی ہوں اور میری یوں عزت کی جا رہی ہے جیسے میں شہزادہ ہوں۔"

"تمہاری حیرت بجا ہے" ــــ لزا نے کہا ــــ "ذرا سمجھنے کی کوشش کرو۔ گمشتگین نے تمہیں بتا دیا ہے کہ اُس نے صلاح الدین ایوبی کی دشمنی ترک کر دی ہے۔ اب وہ ایوبی کے کسی فوجی کو جنگی قیدی نہیں سمجھتا۔ تم اور تمہارے ساتھی خوش قسمت ہیں کہ تم یہاں آ گئے اور گمشتگین یہاں تھا۔ دوسری وجہ میری ذات ہے۔ تم میری حیثیت اور رتبے کو نہیں جانتے۔ میں تمہاری نظر میں بدکار لڑکی ہوں جو حکمرانوں اور اعلیٰ حکام کی تفریح کا ذریعہ بنتی ہوں۔ یہ سب غلط ہے اور تمہارا وہم ہے۔" لزا نے اسے بازو سے پکڑا اور کہا ــــ "آؤ یہاں سے دُور جا بیٹھیں۔ آ جاؤ۔ میں تمہارے وہم دُور کرنا چاہتی ہوں، پھر تم آزاد ہو۔ میرے متعلق جو رائے قائم کرنا چاہو کر لینا۔"

قلعے کا یہ حصہ خوشنما تھا۔ کُھلا میدان تھا جس کے وسط میں چٹانیں تھیں۔ ان کے ارد گرد سبزہ تھا۔ سبزے میں پھولدار پودے اور درخت تھے۔ قلعہ بہت وسیع و عریض تھا۔ لزا الناصر کو باتوں میں الجھا کر کمروں سے دُور چٹان کے دامن میں لے گئی جہاں پھولوں کی مہک تھی۔ وہ جب اُدھر جا رہے تھے، اُس وقت صلیبی اور تھریسیا ایک دیوار کے ساتھ کھڑے چھپ کر دیکھ رہے تھے۔

"لزا اسے قابو میں لے لے گی" ــــ صلیبی نے کہا۔

"لڑکی جذباتی ہے" ــــ تھریسیا نے کہا ــــ "اپنے فرائض سے گھبرا کر اسی کے پاس جا بیٹھی تھی۔ اتنی کچی بھی نہیں۔"

"اس عمر میں اسے باہر کی ڈیوٹی پر نہیں بھیجنا چاہیے تھا" ــــ صلیبی نے کہا ــــ "ہم ساتھ ہیں کوئی گڑبڑ نہیں کرے گی۔"

لزا الناصر سے کہہ رہی تھی ــــ "تم نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں تم پر اتنی مہربان کیوں ہو گئی ہوں۔ تم نے مجھے اپنا دشمن سمجھ کر یہ بات پوچھی تھی۔ میں تمہیں یقین نہیں دلا سکتی کہ دشمنی تمہارے اور میرے بادشاہوں کے درمیان ہے۔ میری اور تمہاری کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"اور دوستی بھی کیا ہو سکتی ہے؟" ــــ الناصر نے پوچھا۔

لزا نے گہری آہ بھری اور بازو الناصر کے کندھوں پر رکھ کر کہا ــــ "تم پتھر ہو۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمانوں کے دل ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں۔ مذہب کو ذرا دیر کے لیے الگ رکھ دو۔ اپنے آپ کو مسلمان اور مجھے عیسائی نہ سمجھو۔ ہم دونوں انسان ہیں۔ ہمارے سینوں میں دل ہیں۔ کیا تمہارے دل میں کوئی خواہش، کوئی پسند اور کسی چیز سے پیار نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے۔ تم مرد ہو۔ تم اپنے دل پر قابو پا سکتے ہو۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں۔ میرا دل بے قابو ہو گیا ہے۔ تم میرے دل میں اُتر گئے ہو۔ ہم تمہیں نشے کی حالت میں قلعے میں لائیں تو شیخ سنان نے حکم دے دیا کہ ان چاروں کو تہہ خانے میں بند کر دو۔ اگر تمہیں وہاں لے جاتے تو وہاں سے لاش بن کر نکلتے۔ میں تم جیسے خوبصورت جوان کا یہ انجام برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے شیخ سنان سے کہا کہ تمہارے نہیں ہمارے قیدی ہیں اور یہ ہماری

تحویل میں رہیں گے۔ اس بوڑھے کے ساتھ مجھے اور تھیریسیا کو بہت دیر جھک جھک کرنی پڑی۔ اُس نے ایک شرط بتائی۔ کہنے لگا "اگر تم انہیں تہ خانے سے بچانا چاہتی ہو تو میری خواب گاہ میں آجاؤ"۔ میرے دل میں اس بوڑھے کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی۔ میں نے پس و پیش کی تو اُس نے کہا — "یہ چاروں تہ خانے میں جائیں گے یا تم میری خواب گاہ میں آؤ گی" — مجھے بڑی شدت سے محسوس ہوا کہ میں تمہیں آج سے نہیں بچپن سے چاہتی ہوں اور میں تمہاری خاطر اپنا جسم، اپنی جان اور اپنی آبرو قربان کر دینے کی ہمت رکھتی ہوں۔"

"کیا تم نے اپنی آبرو قربان کر دی ہے؟" — الناصر نے تڑپ کر پوچھا۔

"نہیں" — لزا نے کہا — "میں نے اُسے وعدے پر ٹالا ہے۔ اُس نے مجھے یہ کہہ کر مہلت دے دی ہے کہ ہم قلعے میں آزاد رہیں گے لیکن ہم اس کے قیدی ہوں گے۔"

"میں تمہاری آبرو کی حفاظت کروں گا" — الناصر نے کہا۔

"کیا تم نے میری محبت کو قبول کر لیا ہے؟" — لزا نے بھولے بھالے لہجے میں پوچھا۔

الناصر نے کوئی جواب نہ دیا۔ یہ تو اُسے ٹریننگ میں بتایا گیا تھا کہ صلیبی لڑکیاں حسن و جوانی اور حسین فریب کا جال کس طرح بچھایا کرتی ہیں لیکن یہ زبانی ہدایات تھیں جن کی حیثیت وعظ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں تھی۔ اُسے ایسے جال سے بچنے کی عملی ٹریننگ نہیں دی گئی تھی نہ دی جا سکتی تھی۔ اب ایک صلیبی لڑکی نے جال بچھایا تو انسانی فطرت کی کمزوریاں الناصر کی ذات سے اُبھر آئیں اور اس کی عقل و دانش پر غالب آنے لگیں۔ وہ ریگزاروں اور بیابانوں میں موت کے ساتھ کھیلنے والا انسان تھا۔ اس کے احساسات ریت میں دبے رہتے تھے۔ اس نے لزا جیسی دلکش لڑکی کبھی نہیں دیکھی تھی۔ جہاں تک دیکھنے کا تعلق تھا لزا کے حسن اور طلسماتی اثر والے جسم نے اس پر کچھ اثر نہیں کیا تھا مگر اب لزا کے کھلے بکھرے ہوئے، ریشم جیسے ملائم بال اُس کے ایک گال سے کبھی اس کے بازو سے مَس کر جاتے تھے۔ اس کے وجود میں لہر سی دوڑ جاتی اور وہ ہر بار اپنے جسم کے اندر لرزہ سا محسوس کرتا تھا۔

کئی بار ایسے ہوا تھا کہ دشمن کے تیر اس کے جسم کو چھوتے ہوئے گزر گئے تھے۔ برچھیوں کی انیوں نے اس کی کھال چیر دی تھی۔ وہ کبھی ڈرا نہیں تھا۔ جسم کو چھو کر گزرتے تیروں اور برچھیوں نے اس کے جسم پر ایک ثانیے کے لیے بھی لرزہ طاری نہیں کیا تھا۔ موت کئی بار اس کے ساتھ لگ کر گزر گئی تھی۔ اس کے احساسات میں ذرا سی بھی ہلچل پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں لگائی ہوئی آگ کے شعلوں میں سے بھی گزرا تھا مگر کمزور سی ایک لڑکی کے بالوں کے لمس سے اس کے وجود میں بھونچال آ گیا۔ اُس نے اس لمس سے بچنے کی ویسی کوشش کی جیسی وہ تیروں اور برچھیوں سے بچنے کے لیے کیا کرتا تھا، اور جب لزا اُس کے اور زیادہ قریب ہو گئی تو الناصر نے محسوس کیا کہ لڑکی ابھی اس سے دُور ہے۔

لزا کو ٹریننگ دی گئی تھی کہ اپنے شکار کو کس طرح ہپناٹائز کیا جا سکتا ہے۔ اُس نے کر لیا۔ الناصر کو ایسی پیاس محسوس ہونے لگی جو صحرا کی پیاس سے بہت مختلف تھی۔ پانی اس پیاس کو نہیں بجھا سکتا تھا۔ جوں جوں رات

گزرتی جا رہی تھی الناصر کی اصلیت ختم ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے تو الناصر کا جسم کانپا تھا پھر اُس کا ایمان لرز گیا۔ جذبے کی بنیادیں ہل گئیں اور جذبات کے جھکڑ اور زیادہ تند ہو گئے۔

"ہاں!" — الناصر نے مخمور آواز میں کہا — "میں نے تمہاری محبت کو قبول کر لیا ہے لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟ کیا تم مجھے یہ کہو گی کہ میں تمہارے ساتھ چلوں؟ اپنا مذہب چھوڑ دوں اور تم میرے ساتھ شادی کرو گی؟"

"میں نے ایسی کوئی بات نہیں سوچی" — لزا نے کہا — "اگر تم نے میرا ساتھ دینے کا ارادہ کر لیا ہے اور تم ہمیشہ کے لیے مجھے اپنی رفیقہ بنانا چاہتے ہو تو میں اپنا مذہب چھوڑ دوں گی۔ تم مجھ سے قربانی مانگو لیکن مجھے وہ محبت دو جو ناپاک نہ ہو۔ عارضی محبت تو میں جہاں سے چاہوں حاصل کر سکتی ہوں۔ تمہیں میری روح نے چاہا ہے۔"

الناصر پر طلسم طاری ہو چکا تھا۔ رات آدھی سے زیادہ گزر گئی تھی۔ الناصر وہاں سے اُٹھنا نہیں چاہتا تھا۔ لزا نے اُسے کہا کہ وہ اپنے کمرے میں چلا جائے۔ پکڑے جانے کی صورت میں انجام اچھا نہیں ہوگا۔

☆

الناصر کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھی گہری نیند سوئے تھے۔ وہ لیٹ گیا لیکن اُسے نیند نہ آئی۔ لزا اپنے کمرے میں داخل ہوئی تو تھیریسیا کی آنکھ کھل گئی۔

"اتنی دیر؟" — تھیریسیا نے کہا۔

"تو کیا پتھر ایک پھونک سے موم ہو جایا کرتے ہیں؟" — لزا نے کہا۔

"پتھر زیادہ سخت تو نہیں؟"

"مجھے ناکامی کی توقع تو نہیں تھی" — لزا نے جواب دیا — "لیکن مجھے ترکش کا آخری تیر بھی چلانا پڑا۔ وہ پوری طرح میرا غلام ہو گیا ہے۔"

"یہ کہنے کی ضرورت تو نہیں کہ خود ہی کہیں موم نہ ہو جانا" — تھیریسیا نے کہا۔

"آدمی خوبصورت ہے" — لزا نے کہا اور ہنس پڑی۔ کہنے لگی — "مجھے اتنا بھی بھولا بھالا نہ سمجھو لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ مجھے اس قسم کے بھولے مرد اچھے لگتے ہیں جن کے کردار میں کوئی فریب نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے یہ آدمی اس لیے مجھے اچھا لگا ہے کہ میں سیف الدین جیسے بوڑھے اور عیاش مردوں کے ساتھ رہ کر ان سے متنفر ہو گئی ہوں۔"

"الناصر سے بھی متنفر ہی رہنا" — تھیریسیا نے کہا — "محبت کے جال کو اور زیادہ طلسماتی بنائے رکھنا۔ اس کے ہاتھوں ہمیں صلیب کے سب سے بڑے دشمن صلاح الدین ایوبی کو قتل کرانا ہے۔"

تھیریسیا نے اُسے کچھ اور ہدایات دیں۔ ایک دو نئے طریقے بتائے اور دونوں سو گئیں۔ الناصر ابھی تک جاگ رہا تھا۔ تنہائی میں اُس نے لزا کی باتوں پر اور اظہارِ محبت پر غور کیا تو اس کا ذہن تقسیم ہو گیا۔ اُسے اپنی ٹریننگ یاد آئی جس میں اُسے صلیبی لڑکیوں کے جادو بھرے جالوں کے متعلق بتایا گیا تھا۔ لزا اُسے حسین فریب نظر آنے لگا لیکن اُس کے ذہن میں یہ خیال بھی غالب آ جاتا تھا کہ یہ فریب نہیں۔ جہاں تک جسم اور

چپے چپے کا تعلق تھا۔ الناصر میں بہت کشش اور جاذبیت تھی۔ اپنے ان اوصاف سے وہ خود بھی آگاہ تھا۔ انسانی فطرت کی کمزوریاں بھی الناصر کو وہم اور وسوسوں اور خوش فہمیوں میں مبتلا کر رہی تھیں۔ وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچا اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُسے ایک آدمی نے جگایا اور کہا کہ اُسے تھیریسیا نے اپنے کمرے میں بلایا ہے۔ وہ چلا گیا۔ اس کمرے میں تھیریسیا اکیلی تھی۔

"بیٹھو الناصر!" — تھیریسیا نے کہا — "میں تمہارے ساتھ بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔" الناصر اس کے سامنے بیٹھ گیا تو تھیریسیا نے کہا۔ "میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ رات لزا تمہیں باہر لے گئی یا تم اُسے لے گئے تھے۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یہ لڑکی بہت بھولی اور معصوم ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ تمہیں پسند کرتی ہے لیکن میں اُسے اور تمہیں اجازت نہیں دے سکتی کہ اس طرح رات رات بھر باہر بیٹھے رہو۔ لزا کو گمراہ کرنے کی کوشش نہ کرو۔"

"میں نے ایسی کوشش نہیں کی" — الناصر نے کہا — "ہم دونوں باتیں کرتے کرتے ذرا دُور نکل گئے تھے۔"

"میں لزا کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ تمہاری محبت میں ایسی پاگل نہ بنے کہ اُسے کسی کا ہوش ہی نہ رہے" — تھیریسیا نے کہا — "میں تم سے اُمید رکھوں گی کہ اُس کی کم عمری اور جذباتیت سے فائدہ نہ اٹھاؤ۔"

"لزا تمہاری طرح شہزادی ہے" — الناصر نے کہا — "اور میں تمہارا قیدی ہوں۔ میں ایک حقیر انسان ہوں۔ لزا کا مذہب کچھ اور ہے اور میرا کچھ اور۔ شہزادی اور قیدی میں اتنی محبت نہیں ہو سکتی۔"

"تم عورت کی فطرت سے شاید واقف نہیں" — تھیریسیا نے کہا — "شہزادی اپنے قیدی کو دل دے بیٹھے تو اُسے شہزادہ سمجھ کر اپنے آپ کو اُس کا قیدی بنا لیا کرتی ہے۔ محبت مذہب کی زنجیریں توڑ دیا کرتی ہے۔ میں اس کے ساتھ بات کر چکی ہوں۔ وہ کہتی ہے کہ میرا جینا اور میرا مرنا الناصر کے لیے ہے۔ وہ کہے گا کہ اپنا مذہب چھوڑ دو تو میں گلے سے صلیب اتار کر پھینک دوں گی۔ تم نہیں جانتے الناصر، لزا نے صرف تمہاری خاطر شیخ سنان کو ناراض کر دیا ہے۔ وہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو قید میں ڈال دینا چاہتا ہے لیکن لزا نے اس کے ساتھ دشمنی مول لے کر تمہیں اپنے ساتھ رکھا ہے۔ سنان نے لزا کو جو شرط بتائی ہے وہ صرف اُس لڑکی کے لیے قابلِ قبول ہو سکتی ہے جسے کسی کی محبت نے اندھا کر رکھا ہو۔ اگر ہم اس قلعے سے جلدی نہ نکل سکے تو لزا یہ شرط مان لے گی۔"

"میں ایسا نہیں ہونے دوں گا" — الناصر نے کہا — "میں لزا کی آبرو کی خاطر کٹ مروں گا۔"

"کیا تمہارے دل میں لزا کی اتنی ہی محبت ہے جتنی اُس کے دل میں ہے؟"

"اگر وہ لڑکی ہو کر میری محبت کا اعتراف کرتی ہے اور اس کے اظہار سے نہیں ڈرتی تو میں انکار کیوں کروں؟ میں مرد ہوں۔ میرے دل میں لزا کی محبت ہے۔"

"میں تم سے صرف یہ التجا کرتی ہوں کہ اُسے دھوکہ نہ دینا" — تھیریسیا نے کہا — "تم ہمارے قیدی نہیں ہو۔ گمشتگین تمہیں اپنا مہمان سمجھ رہا ہے۔"

الناصر کا ذہن جو لزا کے متعلق دو حصوں میں بٹ گیا تھا صاف ہو گیا۔ اُس پر لزا کی محبت کا نشہ طاری ہو گیا اور وہ اُسے دیکھنے کے لیے بیتاب ہو گیا۔ اس نے تھیریسیا سے پوچھا کہ وہ کہاں ہے۔ تھیریسیا نے اُسے بتایا کہ وہ رات بھر جاگتی رہی ہے، دوسرے کمرے میں سوئی ہوئی ہے۔ تھیریسیا کا تیر نشانے پر لگا۔ اُس نے لزا کے طلسم کو الناصر کی عقل پر پوری طرح طاری کر دیا...... یہی اس کا مقصد تھا۔ یہ لڑکیاں انتہا درجے کی چالاک تھیں۔ یہی ان کی تربیت تھی۔ وہ انسانی کمزوریوں کے ساتھ کھیلنا خوب جانتی تھیں۔ الناصر وہاں سے اٹھا تو وہ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔ اپنے کمرے میں گیا تو ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں گیا تھا۔ اُس نے جھوٹ بولا اور انہیں تسلی دی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ اپنے فرض سے پرے ہٹنے لگا تھا۔

٭

صلیبی گمشتگین کے پاس بیٹھا ہُوا تھا۔ گمشتگین اُسے کہہ رہا تھا کہ وہ الناصر اور اس کے ساتھیوں کو ایک دو دنوں میں حران لے جانا چاہتا ہے۔ اتنے میں تھیریسیا آگئی۔ اُس نے ان دونوں سے کہا — "ان چھاپہ ماروں کا کمانڈر ہمارے جال میں آگیا ہے" — اس نے بتایا کہ کس طرح الناصر کے دل پر لزا کا قبضہ مکمل اور پختہ کر دیا ہے۔ اس نے کہا — "اس آدمی کو صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ آدمی کتنے وقت میں اپنی اصلیت کو بھول کر اپنے سلطان کے قتل کے لیے تیار ہوتا ہے۔"

"میں ان چاروں کو ایک دو دنوں میں حران لے جانا چاہتا ہوں" — گمشتگین نے کہا — "کیا تم دونوں یا اکیلی لزا میرے ساتھ چلے گی اور میرے ساتھ رہے گی؟ قتل کے لیے الناصر کو لزا ہی تیار کرے گی۔"

"میں لڑکیوں کو اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں" — صلیبی نے کہا — "میں زیادہ دن رک نہیں سکتا۔ مجھے اپنے حکمرانوں کو جلدی یہ اطلاع دینی ہے کہ حلب، موصل اور حران کی فوجیں بالکل بے کار ہیں اور اُن فوجوں کے سالار سوائے بھاگنے کے اور کچھ نہیں جانتے۔ میں انہیں صورتِ حال سے آگاہ کر کے صلاح الدین کو شکست دینے کا کوئی اور طریقہ اختیار کرنے کا مشورہ دوں گا۔ ہو سکتا ہے ہماری طرف سے آپ لوگوں کو جو مدد ملتی ہے وہ بند کر دی جائے۔"

"ایسا نہ کہو" — گمشتگین نے منت سماجت کے لہجے میں کہا — "مجھے ایک موقعہ دو۔ میں ایوبی کو قتل کرا دوں گا پھر دیکھنا میں کس طرح فاتح بن کر دمشق میں داخل ہوتا ہوں۔ یہ دونوں لڑکیاں یا صرف لزا مجھے دو۔ اس نے چھاپہ ماروں کے کمانڈر پر قبضہ کر لیا ہے۔ وہ اسے تیار کرے گی۔ الناصر صلاح الدین ایوبی کے پاس بلا روک ٹوک جا سکتا ہے، کیونکہ یہ اُس کا چھاپہ مار ہے۔ وہ ایوبی کو آسانی سے قتل کر سکتا ہے اور یہ بھی تو سوچو، لزا کو آپ لے گئے تو الناصر میرے کسی کام کا نہیں رہے گا۔"

کچھ بحث مباحثہ کے بعد صلیبی نے کہا۔ "حرّان جانے کی بجائے ہم یہیں رُک کے رہتے ہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں الناصر کو تیار کرلیں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس کے تینوں ساتھیوں کو بھی تیار کیا جا سکے۔ ان کے دلوں میں صلاح الدین ایوبی کی نفرت پیدا کرنی ہے۔"

"الناصر کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ بہت کچا آدمی ہے۔" ہیڈ لیپانے کہا۔ "لزا اس کی عقل پر قابض ہو چکی ہے۔ دو تین ملاقاتوں کے بعد وہ لزا کے اشاروں پر ناچنے لگے گا۔"

"آج ان چاروں کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ۔"

کھانے کا وقت ہُوا تو الناصر اور اُس کے ساتھیوں کو بھی کھانے کے کمرے میں بلا لیا گیا۔ اُن کے ساتھ دوستانہ بے تکلفی پیدا کر لی گئی۔ کھانا ابھی رکھا نہیں گیا تھا کہ شیخ سنان کے ایک خادم نے آکر صلیبی سے کہا کہ اُسے سنان نے بلایا ہے۔ صلیبی چلا گیا۔

"اس لڑکی کے متعلق تم نے کیا سوچا ہے؟" شیخ سنان نے پوچھا۔

"میں جب جاؤں گا اسے اپنے ساتھ لے جاؤں گا" صلیبی نے جواب دیا۔

"تمہارے جانے تک لڑکی میرے پاس رہے گی"۔ سنان نے کہا۔

"میں آج ہی چلا جاؤں گا"۔

"جاؤ"۔ شیخ سنان نے کہا۔ "اور لڑکی کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ تم اسے قلعے سے باہر نہیں لے جا سکو گے"۔

"سنان!" صلیبی نے کہا۔ "اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی۔ مجھے للکارنے کی جرأت نہ کرو"۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارا دماغ ابھی ٹھکانے نہیں آیا"۔ شیخ سنان نے کہا۔ "آج رات لڑکی کو تم خود میرے پاس لے آنا۔ خود جاؤ یا رہو۔ اگر تم رات لڑکی کو نہ لائے تو تم تہہ خانے میں اور لڑکی میرے پاس ہوگی۔ جاؤ۔ ٹھنڈے دل سے سوچ لو"۔

☆

صلیبی کھانے کے کمرے میں داخل ہُوا۔ سب بیتابی سے اُس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ پھنکار رہا تھا۔ کہنے لگا۔ "سنو دوستو! شیخ سنان نے مجھے للکار کر کہا ہے کہ آج رات لزا اُس کے پاس ہوگی۔ اس نے مجھے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ لزا کو میں خود اُس کے پاس لے جاؤں، اور اگر میں نہ لے گیا تو وہ مجھے تہہ خانے میں ڈال دے گا اور لزا کو لے جائے گا"۔

"آپ اگر تہہ خانے میں چلے گئے تو کیا ہم مر جائیں گے؟" الناصر نے کہا۔ "وہ لزا کو نہیں لے جا سکے گا"۔

"لیکن یہ لڑکی تمہاری کیا لگتی ہے الناصر؟" اس کے ایک ساتھی نے پوچھا۔

"تم اپنے آپ کو ہمارا قیدی نہ سمجھو" گمشتگین نے کہا۔ "یہ مصیبت ہم سب کے لیے آرہی ہے"۔

"تم ہمارے نہیں شیخ سنان کے قیدی ہو"۔ صلیبی نے کہا۔ "تم ہمارا ساتھ دو۔ ہم باہر جا کر نہیں آزاد

کر دیں گے۔ اب یہاں سے نکلنے کی سوچو"۔

"مجھے شیخ سنان نے اجازت دے رکھی ہے کہ ان چاروں کو اپنے ساتھ لے جاؤں"۔ گمشتگین نے کہا۔ "میں انہیں آج ہی لے جا رہا ہوں۔ جلدی جلدی کھانا کھا لو۔ مجھے شام سے بہت پہلے روانہ ہونا ہے"۔

گمشتگین کا دماغ بہت تیز تھا۔ اس نے کھانے کے دوران سب کو بتا دیا کہ اُس نے کیا سوچا ہے۔ کھانا کھا کر اُس نے اپنے خادموں اور باڈی گارڈوں کو بلایا اور کہا کہ وہ فوراً قلعے سے روانہ ہو رہا ہے۔ سامان فوراً باندھ لیا جائے۔ اُسی وقت اس کا قافلہ تیار ہونے لگا۔ اُس کے اپنے گھوڑے کے علاوہ چار گھوڑے باڈی گارڈوں کے تھے۔ چار اونٹ تھے جن پر کھانے پینے کے سامان کے علاوہ خیمے لادے گئے۔ سفر لمبا تھا۔ اس لیے خیمے ساتھ رکھے گئے تھے۔ انہیں ان کے بانسوں پر لپیٹا گیا تھا۔

گمشتگین شیخ سنان کے پاس گیا اور اُسے بتایا کہ وہ جا رہا ہے اور چاروں چھاپہ ماروں کو بھی ساتھ لے جا رہا ہے۔ اُن کے متعلق سودا طے ہو چکا تھا۔ گمشتگین نے زرد جواہرات کی صورت میں قیمت ادا کر دی تھی۔

"مجھے اُمید ہے کہ میں نے صلیبیوں کے کہنے پر جو چار آدمی بھیج رکھے ہیں وہ صلاح الدین کا کام تمام کر کے ہی آئیں گے"۔ شیخ سنان نے کہا۔ "تم سیف الدین کو ان چھاپہ ماروں سے قتل کرا دو۔ تم لوگ لڑ نہیں سکتے۔ اپنے دشمنوں کو چوری چھپے قتل کرا دو ... تمہارا صلیبی دوست اور اُس کی پریاں کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہیں"۔ گمشتگین نے کہا۔

"اُس نے چھوٹی لڑکی کے متعلق کوئی بات تو نہیں کی؟"

"اُسے کہہ رہا تھا کہ آج رات شیخ سنان کے پاس چلی جانا"۔ گمشتگین نے جواب دیا۔ "وہ آپ سے بہت ڈرا ہُوا معلوم ہوتا تھا"۔

"یہاں بڑے بڑے جابر آدمی ڈر جاتے ہیں"۔ شیخ سنان نے کہا۔ "کمبخت لڑکی کو مجھ سے یوں چھپا رہا تھا جیسے وہ اس کی اپنی بیٹی ہے"۔

گمشتگین اس سے رخصت ہُوا۔ اس کا قافلہ تیار کھڑا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہُوا۔ اس کے باڈی گارڈ بھی گھوڑوں پر سوار ہوئے۔ دو گمشتگین کے آگے ہو گئے اور دو اُس کے پیچھے۔ ان کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں۔ گھوڑوں کے پیچھے الناصر اور اس کے ساتھی اور اُن کے پیچھے سامان سے لدے ہوئے اونٹ تھے۔ قلعے کا دروازہ کھُلا۔ قافلہ باہر نکل گیا اور دروازہ بند ہو گیا۔

☆

قافلہ قلعے سے دُور ہی دُور ہوتا گیا اور سورج اُفق کے عقب میں چھپنے لگا۔ سورج نے غروب ہو کر قافلے اور قلعے کو چھپا لیا۔ قلعے میں قندیلیں اور فانوس جل اُٹھے۔ شام پوری طرح تاریک ہوگئی تو شیخ سنان نے پسند ... گمشتگین کے لیے خیمہ کھڑا کر دیا گیا۔ باقی سب کے لیے الگ الگ خیمے نصب کیے گئے۔ چھاپہ مار اور باڈی گارڈز وغیرہ کھُلے آسمان تلے لیٹ گئے۔ وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔ فوراً ہی سو گئے۔ الناصر کو نیند نہیں آرہی

تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لزا کو خیمے سے جگا لائے یا وہ خود آجائے گی۔ وہ بھول گیا تھا کہ وہ چھاپہ مار ہے، اور اُس کی فوج کہیں لڑ رہی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی نہ آیا کہ اُسے واپس اپنی فوج میں جانا ہے اور فرار کا یہ موقعہ نہایت اچھا ہے۔ جب سب بیہوشی کی نیند سو گئے ہیں۔ گھوڑے بھی ہیں، ہتھیار بھی ہیں اور خورد و نوش کا سامان بھی ہے۔ اُس کے ساتھی اسی پر بھروسہ کیے سو گئے تھے۔ وہ اپنے کمانڈر کی ہدایات کے پابند تھے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ اُن کا کمانڈر اپنی عقل، اپنا ایمان اور اپنا جذبہ ایک نوجوان لڑکی کے سپرد کر چکا ہے۔ عورت اپنی تمام تر تباہ کاری کے ساتھ اس کے اعصاب پر سوار ہو چکی تھی۔

اُسے ایک سایہ چلتا نظر آیا جو کسی مرد کا نہیں تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھ کر بیٹھا، پاؤں پر سرکا اور سوئے ہوئے ساتھیوں سے دُور ہٹ گیا۔ سایہ اُدھر ہی آرہا تھا۔ ذرا دیر بعد دو سائے ایک دوسرے میں جذب ہو گئے۔ لزا الناصر کو سوئے ہوئے قافلے سے کچھ دُور ایک ٹیلے کی اوٹ میں لے گئی۔ اس رات وہ پہلے سے زیادہ جذباتی معلوم ہوتی تھی۔ الناصر کی جذباتی کیفیت میں دیوانگی آگئی تھی۔ لزا جذباتیت کا اظہار زبان سے کم اور حرکات سے زیادہ کر رہی تھی۔ اس نے اچانک پرے ہٹ کر کہا۔۔ "الناصر! ایک بات بتاؤ۔ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی عورت داخل ہوئی ہے؟"

"ماں اور بہن کے سوا میں نے کسی عورت کو کبھی ہاتھ بھی نہیں لگایا"۔۔ الناصر نے جواب دیا۔ "تم نے میری زندگی دیکھ لی ہے۔ میں نوجوانی میں نورالدین زنگی کی فوج میں شامل ہو گیا تھا۔ جہاں تک یادیں پیچھے جاتی ہیں میں اپنے آپ کو میدانِ جنگ میں، ریگستان میں، اپنے ساتھیوں سے دُور دشمن کے علاقوں میں خون بہاتا۔ اور بھیڑیوں کی طرح شکار کی تلاش میں پھرتا دیکھتا ہوں۔ میں جہاں بھی ہوتا ہوں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرتا۔ میرا فرض میرا ایمان ہے"۔۔ وہ چونک اٹھا۔ ذرا سی دیر کچھ سوچ کر اس نے پوچھا۔۔ "لزا، تم نے شاید میرے ایمان کی بنیاد ہلا دی ہے۔ مجھے بتاؤ تم لوگ مجھے اور میرے ساتھیوں کو کہاں لے جا رہے ہو؟"

"مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے دل میں میری محبت ہے یا مجھے دیکھ کر تم حیوان بن جاتے ہو؟"۔۔ لزا نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں پیار اور مذاق کی ہلکی سی بھی جھلک نہیں تھی۔ اُس کا انداز گزشتہ رات کی نسبت بدلا ہوا تھا۔

"تم نے مجھے کہا تھا کہ محبت کو ناپاک نہ کرنا"۔۔ الناصر نے کہا۔ "میں تم پر ثابت کروں گا کہ میں حیوان نہیں۔

سے پوچھا۔ "وہ صلیبی لڑکی کو لے کر نہیں آیا؟"۔۔ اُسے نفی میں جواب ملا۔ اس نے تین چار بار پوچھا تو بھی اُسے نفی میں جواب ملا۔ اس نے اپنے خصوصی خادم کو بلا کر کہا۔۔ "اُس صلیبی سے جا کر کہو کہ چھوٹی لڑکی کو لے کر جلدی آئے۔"

خادم اُن کمروں میں گیا جہاں صلیبی ٹھہرا کرتے تھے۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ لڑکیاں بھی نہیں تھیں۔ تمام کمرے خالی تھے۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ قلعے کے باغ میں گھوم پھر کر دیکھا۔ چٹان کے اِرد گرد گھوم کر دیکھا۔ وہاں سے بھی مایوس لوٹا اور شیخ سنان سے کہا کہ صلیبی اور لڑکیاں نہیں ملیں۔ سنان نے آسمان سر پہ اُٹھا لیا۔ اپنی فوج کے کمانڈر کو بلا کر حکم دیا کہ قلعے کے کونے کھدروں کی تلاشی لو اور صلیبی کو برآمد کرو۔ فوج میں کھلبلی مچ

گئی جیسے دیکھو بھاگ دوڑ رہا تھا۔ قلعے میں ہر طرف قندیلیں اور مشعلیں متحرک نظر آتی تھیں۔ صلیبی کہیں سے بھی نہ ملا۔ شیخ سنان نے ان آدھ درجن پہرہ داروں کو بلایا جو دروازے پر ڈیوٹی پر تھے۔ اِن سے پوچھا کہ گمشتگین کے قافلے کے علاوہ کس کے لیے دروازہ کھولا گیا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ حکم کے بغیر کسی کے لیے دروازہ نہیں کھولا جاتا اور گمشتگین کے علاوہ کسی اور کے لیے کھولا ہی نہیں گیا۔ انہوں نے گمشتگین کے قافلے کی تفصیل بھی بتائی۔ اس قافلے کے ساتھ صلیبی اور لڑکیاں نہیں تھیں۔

شیخ سنان اپنے کمرے میں پھنکار رہا تھا۔ رات کا پہلا پہر گزر گیا تھا۔ گمشتگین کا قافلہ چلا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا روک کر شتربانوں سے کہا۔۔ "اونٹوں کو بٹھاؤ اور انہیں باہر نکالو ورنہ مر ہی نہ جائیں۔"

اونٹوں کو بٹھا کر ان پر لدے ہوئے خیمے اتار دیے گئے۔ خیمے کھولے گئے تو ان میں سے صلیبی، تھیریسیا اور لزا نکلیں۔ وہ پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ گمشتگین انہیں خیموں میں لپیٹ کر قلعہ عصیات سے نکال لایا تھا۔ وہ قلعے سے بہت دُور نکل گئے تھے۔ فدائیوں سے ایسی توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ تعاقب میں آئیں گے۔ یہ فرقہ جنگجو نہیں تھا۔ کسی کے ساتھ آمنے سامنے کی لڑائی کا خطرہ مول نہیں لیا کرتا تھا۔ پھر بھی گمشتگین نے قافلے کو قیام نہ کرنے دیا۔ لڑکیوں کو اونٹوں پر سوار کر دیا گیا۔ صلیبی چھاپہ ماروں کے ساتھ پیدل چل پڑا۔ اس کا گھوڑا اور لڑکیوں کے گھوڑے قلعے میں رہ گئے تھے۔ صلیبی اس خطے کی زبان روانی سے بولتا تھا۔ اُس نے الناصر کے ساتھ باتیں شروع کر دیں۔ ان باتوں میں دوستی اور پیار کا رنگ غالب تھا۔ الناصر کے دل سے خطرے نکل گئے۔ وہ تو لزا کے قریب ہونا چاہتا تھا۔

لزا کے قریب ہونے کا موقعہ آدھی رات کے بعد ملا جب ایک جگہ قافلے کو قیام کے لیے روکا گیا۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہاری قوم میں ایک سے ایک بڑھ کر خوبرو، جنگجو، تنومند اور اونچے رتبے والا مرد موجود ہے۔ تم کسی بادشاہ کے سامنے چلی جاؤ تو وہ تخت سے اُتر کر تمہارا استقبال کرے گا، پھر تم نے مجھ میں کیا دیکھا ہے؟"

لزا نے کوئی جواب نہ دیا۔ الناصر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔ "مجھے جواب دو لزا"۔۔ لزا نے سر گھٹنوں پر رکھ دیا۔ الناصر کو اس کی سسکیاں سنائی دیں۔ وہ پریشان ہو گیا۔ اُس نے بار بار اس سے پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ وہ روتی رہی۔ الناصر نے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا تو لزا نے سر اُس کے سینے پر رکھ دیا۔ الناصر سمجھ نہ سکا کہ جس طرح اُس کی اپنی ذات سے انسانی فطرت کی بنیادی کمزوری اُبھر کر اُس کی عقل پر غالب آگئی تھی اسی طرح لزا بھی ایک کمزوری کی گرفت میں آگئی تھی۔ یہ وہ کمزوری تھی جو ملکہ کو اپنے غلام کے آگے جھکا دیتی ہے اور جو دولت کے انبار کو پتھروں کا ڈھیر سمجھ کر اپنے دل کی تسکین کے لیے کسی کٹیا میں جا بیٹھتی ہے۔ لزا محبت کی پیاسی تھی۔ وہ محبت جو روح کو مطمئن کر دے۔ اسے جسمانی محبت ملی تھی اور اُن مردوں سے ملی تھی جن سے اُسے نفرت تھی۔ اُس نے عصیات کے قلعے کی طرف جاتے ہوئے اور قلعے میں پہنچ کر بھی تھیریسیا کے آگے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا تھا۔ وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر الناصر کے پاس جا بیٹھی تھی اور اُسے کہا تھا۔۔ "مجھ پر بھروسہ کرنا"۔۔ اُس وقت اُس کے دل میں کوئی فریب کاری نہیں تھی۔ یہ اُس کے دل کی آواز

تھی۔ وہ اپنی روح کی راہنمائی میں الناصر کے پاس چلی گئی تھی۔ اگر اُسے تھیریسیا وہاں سے اٹھا نہ لے جاتی تو لزا نہ جانے الناصر سے اور کیا کچھ کہتی:

پھر اُسے الناصر کو بچانے کو کہا گیا۔ اس نے یہ کمال بھی کر دکھایا، مگر اُس کا دل ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ یہ اُس کا فرض تھا جو اُس نے ادا کیا تھا۔ وہ اپنے دل اور فرض کے درمیان بھٹک گئی تھی۔ الناصر کو معلوم نہیں تھا کہ تھوڑی دیر پہلے جب قافلہ رکا اور خیمے نصب کیے جا رہے تھے تو گمشتگین نے لزا کے کان میں کہا تھا۔ "سب سو جائیں تو میرے خیمے میں آجانا تمہاری قوم کی بھیجی ہوئی بہترین شراب پیش کروں گا۔ تمہیں بڑی استادی سے شیخ سنان سے بچا کر لایا ہوں۔"

لزا نے اُسے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس سے ہٹی تو صلیبی نے اُسے کہا۔ "خدا نے تمہیں اس بوڑھے درندے سے بچا لیا ہے۔ تھیریسیا سو جائے تو میرے خیمے میں آجانا۔ جشن منائیں گے۔"

لزا کو اپنی خوبصورتی اور اپنے جسم سے نفرت ہونے لگی۔ وہ اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔ تھیریسیا سو گئی۔ لزا کی آنکھ نہ لگی۔ وہ اٹھی اور دبے پاؤں الناصر کی طرف چل پڑی۔ الناصر اسی کے خیال اور انتظار میں جاگ رہا تھا۔

وہ الناصر کو کوئی جواب دینے ہی لگی تھی کہ الناصر نے چونک کر کہا۔ "سنو، تمہیں کوئی آہٹ سنائی دے رہی ہے؟۔۔۔ گھوڑے آرہے ہیں۔"

"دھمک بڑی صاف ہے۔"۔۔۔ لزا نے کہا۔۔۔ "سب کو جگا دیں۔ شیخ سنان نے ہمارے تعاقب میں سپاہی بھیجے ہوں گے۔"

الناصر دوڑ کر ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اُسے بہت سی مشعلیں نظر آئیں جو گھوڑوں کی چال کے ساتھ اوپر نیچے، اوپر نیچے ہو رہی تھیں۔ گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں بلند ہوتی جا رہی تھیں۔ الناصر دوڑتا نیچے آیا، لزا کو اپنے ساتھ لیا اور سوئے ہوئے قافلے کی طرف دوڑا۔ سب کو جگا دیا۔ اُس نے اپنے چھاپہ ماروں کو ساتھ لیا اور ٹیلے کے قریب لے گیا۔ لزا کو اپنے ساتھ رکھا۔ سب کے پاس برچھیاں اور تلواریں تھیں۔ گمشتگین کے باڈی گارڈ اور شتربان بھی برچھیوں اور تلواروں سے مسلح ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔

☆

وہ پندرہ سولہ سوار تھے۔ چھ سات کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ انہوں نے آتے ہی قافلے کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک نے للکار کر کہا۔ "دونوں لڑکیاں ہمارے حوالے کر دو۔ شیخ سنان نے کہا ہے، کہ دونوں لڑکیاں دے دو گے تو خیریت سے جا سکو گے۔"

الناصر تجربہ کار چھاپہ مار تھا۔ اُس نے اپنے چھاپہ مار پہلے ہی گھیرے سے دُور کر کے چھپا لیے تھے۔ اس نے اشارہ کیا اور وہ اپنے تین چھاپہ ماروں کے ساتھ ان سواروں پر ٹوٹ پڑا جو اُس کے سامنے تھے۔ چھاپہ ماروں نے پیچھے سے برچھیاں اُن کے جسموں میں داخل کر دیں۔۔۔۔ سوار گرے تو الناصر نے اپنے ساتھیوں سے بلند آواز سے کہا۔ "اِن کے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔" ایک گھوڑا اُس نے پکڑ لیا۔ اُس پر سوار ہُوا اور اپنے پیچھے

لزا کو بٹھا لیا۔ اُسے کہا کہ بازو مضبوطی سے اس کی کمر کے گرد لپیٹ لے۔

سنان کے فدائیوں نے ہلہ بول دیا۔ انہوں نے مشعلیں پھینک دی تھیں۔ یہ جلتی رہیں۔ الناصر اور اس کے چھاپہ ماروں نے بہت مقابلہ کیا۔ ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز آئی جو دُور ہٹتی گئی۔ وہ گمشتگین تھا جو جان بچا کر بھاگ گیا تھا۔ فدائیوں نے الناصر کے گھوڑے پر لڑکی دیکھ لی تھی۔ اُسے وہ زندہ پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ تین تین چار چار گھوڑے اُسے گھیرے میں لیتے اور سوار برچھیوں سے اس کے گھوڑے کو زخمی کرنے کے لیے برچھیوں کے وار کرتے تھے۔ الناصر تجربہ کار لڑاکا سوار تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو بچائے رکھا اور دو فدائی گرا لیے۔ اُسے دوڑتا گھوڑا یکلخت روکنا اور تیزی سے موڑنا پڑتا تھا۔ لزا کے پاؤں رکابوں میں نہیں تھے۔ ایک بار الناصر کو گھوڑا تیز رفتار پر ہی موڑنا پڑا۔ لزا سنبھل نہ سکی اور گر پڑی۔

فدائی گھوڑوں سے کُود آئے۔ لزا الناصر کی طرف دوڑی لیکن دو فدائیوں نے اُسے پکڑ لیا۔ الناصر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور برچھی تانی۔ فدائیوں نے لزا کو آگے کر دیا۔ الناصر کو اپنے ساتھیوں کے متعلق کچھ علم نہیں تھا۔ اُسے بھاگتے دوڑتے گھوڑوں کی اور برچھیاں اور تلواریں ٹکرانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ تین چار فدائیوں میں اکیلا تھا۔ اُس کا ہر وار خالی جا رہا تھا کیونکہ وہ اُن کے قریب آتا تھا تو فدائی لزا کو آگے کر دیتے تھے۔ آخر وہ بھی گھوڑے سے کُود گیا۔ بے جگری سے لڑا۔ زخمی ہُوا اور اُس نے دو فدائیوں کو گرا لیا۔

اس دوران لزا چیختی رہی۔۔۔ "الناصر نکل جاؤ۔ میرے لیے نہ مرو۔ نکل جاؤ۔ تم اکیلے ہو"۔۔۔ لیکن وہ دیوانہ ہُوا جا رہا تھا۔ اُس نے ایک بار چلا کر کہا۔۔۔ "خاموش رہو لزا۔ یہ تمہیں نہیں لے جا سکیں گے۔"

الناصر نے یہ کر کے بھی دکھا دیا کہ فدائی لزا کو نہ لے جا سکے۔ اُس نے فدائیوں کو بُری طرح زخمی کر کے پھینک دیا۔ اس معرکے میں وہ قیام گاہ سے دُور ہٹ گئے تھے۔ الناصر نے ایک گھوڑا پکڑا۔ لزا کو اس پر سوار کیا۔ خود اُس کے پیچھے سوار ہُوا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی لیکن بھاگا نہیں۔ معرکہ خاموش ہو گیا تھا۔ اُس نے جا کر دیکھا۔ وہاں صرف لاشیں تھیں اور دو تین فدائی زخموں سے تڑپ رہے تھے۔ اُس کے تینوں ساتھی مارے گئے تھے۔ صلیبی بھی مرا پڑا تھا۔ تھیریسیا لاپتہ تھی۔ الناصر نے زیادہ انتظار نہ کیا۔ آسمان کی طرف دیکھا۔ قطبی ستارے کا اندازہ کیا اور گھوڑے کو اُس رُخ پر ڈال دیا۔ بہت دُور جا کر اس نے گھوڑا روک لیا۔

"اب بتاؤ تم کہاں جانا چاہتی ہو"۔۔۔ اس نے لزا سے پوچھا۔ "میں تمہیں صرف اس لیے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤں گا کہ تم تنہا رہ گئی ہو اور مجبور ہو۔ کہو تو تمہیں تمہارے علاقے میں لے چلتا ہوں۔ قید ہو گیا تو پروا نہیں کروں گا۔ تم امانت ہو۔"

"اپنے ساتھ لے چلو"۔۔۔ لزا نے کہا۔۔۔ "الناصر! مجھے اپنی پناہ میں لے لو۔"

گھوڑا رات بھر چلتا رہا۔ صبح طلوع ہوئی تو الناصر نے علاقہ پہچان لیا۔ یہیں کہیں اُس نے ایک بار اپنے جیش کے ساتھ شب خون مارا تھا۔ وہاں مٹی کے ٹیلے اور بھربھری چٹانیں تھیں۔ چلتے چلتے وہ ایک چشمے تک پہنچ گئے۔ یہ ایک چٹان کے دامن میں تھا۔ الناصر کے کپڑے خون سے لال ہو گئے تھے۔ دونوں نے گھوڑے سے اُتر کر پانی پیا، گھوڑے کو پانی پلایا۔ الناصر نے زخم دیکھے۔ کوئی زخم گہرا نہیں تھا۔ خون رُک گیا تھا۔ اُس

نے اس ڈر سے زخم نہ دھوئے کہ خون جاری ہو جائے گا۔ لزا ٹہلتی ٹہلتی ایک طرف نکل گئی۔ الناصر اُسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے چٹان کے دوسری طرف گیا۔ لزا بیٹھی ہوئی تھی۔ الناصر کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔ وہاں ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں جو انسانوں کی معلوم ہوتی تھیں۔ کھوپڑیاں تھیں۔ پسلیوں کے پنجر تھے۔ ہاتھوں ٹانگوں اور بازوؤں کی ہڈیاں بھی تھیں۔ ان کے درمیان تلواریں اور برچھیاں پڑی تھیں۔

لزا ایک کھوپڑی کو سامنے رکھے بیٹھی تھی۔ کسی عورت کی کھوپڑی معلوم ہوتی تھی۔ چہرے پر کہیں کہیں کھال تھی۔ سر کے لمبے لمبے بال کچھ سر کے ساتھ تھے۔ باقی اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ سینے کا پنجرہ کھال کے بغیر تھا۔ پسلیوں میں ایک خنجر اُترا ہوا تھا۔ گلے کی ہڈی پر سونے کا ہار پڑا تھا۔ اس پنجرے کے اردگرد چیتھڑے پڑے تھے جو ریشمی کپڑے کے تھے۔ . . . الناصر آہستہ آہستہ چلتا لزا کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ لزا کھوپڑی میں کھو گئی تھی۔ اچانک اُس نے اپنے دونوں ہاتھ کانوں پر رکھے اور بڑی ہی زور سے چیخ ماری۔ وہ تیزی سے اُٹھ کر گھومی۔ الناصر نے اُسے بازوؤں میں لے کر سینے سے لگا لیا۔ لزا نے اپنا چہرہ الناصر کے سینے میں چھپا لیا۔ اُس کا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ الناصر اُسے چشمے تک لے گیا۔

☆

جب وہ اپنے آپ میں آئی تو الناصر نے اُس سے پوچھا کہ اس نے چیخ کیوں ماری تھی؟

"مجھے اپنا انجام نظر آگیا تھا۔" لزا نے اداس لہجے میں کہا۔ "تم نے وہ خشک لاش دیکھی ہوگی کسی عورت کی ہے۔ یہ کوئی مجھ جیسی ہوگی۔ اُس نے میری طرح حُسن کے جادو چلائے ہوں گے۔ ہر کسی کے لیے سہانا فریب بنی رہی ہوگی اور کہتی ہوگی کہ اُس کے حُسن کو زوال نہیں اور وہ سدا جوان اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔ تم نے اُس کی پسلیوں کے پنجرے میں خنجر پھنسا ہوا دیکھا ہے؟ گلے میں ہار دیکھا ہے؟ یہ ہار اور یہ خنجر جو کہانی سناتے ہیں وہ میری کہانی ہے، اور دوسری جو کھوپڑیاں بکھری پڑی ہیں اور اُن کے ساتھ جو تلواریں اور برچھیاں پڑی ہیں وہ سو بار سنی ہوئی کہانی سناتی ہیں۔ میں نے یہ کبھی توجہ سے نہیں سنی تھی۔ آج اس عورت کی کھوپڑی دیکھی تو مجھے یوں نظر آیا جیسے یہ میری اپنی کھوپڑی ہو۔ اس خشک کھوپڑی پر گوشت چڑھ گیا تو میرا چہرہ بن گیا۔ میں نے ایک گدھ کو دیکھا جو میرے چہرے سے آنکھیں نکال رہا تھا۔ ایک بھیڑیے کو دیکھا جو میرے گلابی گالوں کو نوچ رہا تھا۔ ان مُردار خوروں نے میرا چہرہ کھا لیا اور پیچھے کھوپڑی رہ گئی۔ مجھے ایسے نظر آیا جیسے کھوپڑی کے جبڑے اور خوفناک دانت ہل رہے ہوں۔ مجھے آواز سنائی دی — 'یہ ہے تمہارا انجام' — اور میرے دل کو کسی خوفناک چیز نے دانتوں میں جکڑ لیا۔"

"کچھ دنوں بعد وہاں جا کر دیکھنا جہاں ہم پر فدائیوں نے حملہ کیا تھا۔" الناصر نے کہا۔ "وہاں بھی تمہیں یہی منظر نظر آئے گا۔ لاشوں کے پنجر، کھوپڑیاں، تلواریں اور برچھیاں اور شاید ان سے کچھ دُور تھریسیا کی کھوپڑی بھی پڑی مل جائے۔ اُس کے سینے میں بھی خنجر اُترا ہوا ہوگا۔ وہ سب عورت کے لیے مرے ہیں۔ یہ سب بھی عورت کے لیے مرے ہیں۔"

"اگر میں نے اپنی روش نہ چھوڑی تو ایک روز صحرا میں گدھ اور بھیڑیے میرے اس جسم کا گوشت نوچ رہے ہوں گے جس پر مجھے ناز ہے اور جسے حاصل کرنے کے لیے کوئی جان پیش کرتا ہے کوئی دولت۔" لزا نے کہا۔ "مگر انسان عبرت حاصل نہیں کرتا۔ اُن کی تباہی اور بربادی نہیں دیکھتا جو اُس سے پہلے اس زمین پر اپنے اوپر حُسن، دولت اور جسمانی طاقت کا نشہ طاری کر کے تکبّر اور غرور سے چلتے پھرتے تھے. . . . میں نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہے۔ اپنی اصلیت جان لی ہے۔ تم بھی سُن لو الناصر! خدا نے تمہیں مردوں کی طاقت اور مردانہ حسن دیا ہے۔ تمہیں جو عورت دیکھے گی، وہ تمہارے قریب آنے کی خواہش کرے گی۔ دیکھ لو، تم بھی جا کر اپنا انجام دیکھ لو۔"

وہ ایسے انداز سے بول رہی تھی جیسے اُس پر آسیب کا اثر ہو۔ اُس کی شوخیاں اور فریب کاریاں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ کسی تارک الدنیا فقیر کے لہجے میں بول رہی تھی۔

"میں تمہیں اپنی اصلیت بتا دوں؟" اس نے الناصر سے پوچھا۔ "میں تمہیں دکھا دوں کہ میرے پسلیوں کے پنجرے میں کیا ہے؟" اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور چُپ ہو گئی۔ اُس کا ہاتھ سونے کے اس ہار پر جا لگا تھا جس میں جواہرات بھی تھے۔ اُس نے ہار کو مُٹھی میں لیا۔ زور سے جھٹکا دیا۔ ہار ٹوٹ کر اُس کے ہاتھ میں آگیا۔ اُس نے ہار چشمے میں پھینک دیا۔ انگلیوں سے انگوٹھیاں اتاریں جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ یہ بھی چشمے میں پھینک دیں۔ کہنے لگی — "میں ایک فریب ہوں الناصر! میں نے تمہیں بھی فریب دیا تھا. . . . میرے دل میں تمہاری محبت بھی پیدا ہو گئی تھی مگر اس پر میرے فرض کی بدرُوح کا بھی اثر تھا۔ یہ بہت اچھا ہوا کہ فدائیوں نے ہم پر حملہ کر دیا، اور یہ اور زیادہ اچھا ہوا کہ میں نے اپنی زندگی میں اپنی کھوپڑی دیکھ لی، ورنہ میں بتا نہیں سکتی کہ جہاں ہم تمہیں لے جا رہے تھے وہاں تم پر کیا روپ چڑھا دیا جاتا، میری محبت کا کیا حشر ہوتا! — تم ایک بہت بڑے فریب کا شکار ہونے جا رہے تھے۔ میں اب جھوٹ نہیں بولوں گی۔ تمہیں اس مقصد کے لیے لے جایا جا رہا تھا کہ میں اپنی خوبصورتی اور محبت کے جھانسے سے تمہاری عقل پر قبضہ کر لوں اور تمہارے ہاتھوں صلاح الدین ایوبی کو قتل کرایا جائے۔ گمشتگین قلعہ عصیات میں اس لیے گیا تھا کہ شیخ سنان اسے صلاح الدین ایوبی کے قتل کے لیے کرائے کے قاتل دے دے۔ سنان نے بتایا کہ اُس نے چار فدائی بھیج رکھے ہیں۔ اگر یہ بھی ناکام ہو گئے تو وہ آئندہ اس کام کے لیے کوئی فدائی نہیں بھیجے گا کیونکہ وہ بہت سے کارآمد فدائی ضائع کر چکا ہے۔ آخر یہ سودا طے ہوا کہ گمشتگین تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے جائے اور سیف الدین کے قتل کے لیے تیار کرے۔ اتنے میں ہمارا افسر آگیا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ ایوبی کا قتل ضروری ہے۔"

"یہ کبھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے سائے کو بھی میلی نگاہ سے دیکھوں۔" الناصر نے کہا۔ "دُنیا کی کوئی طاقت مجھے اتنا بے عقل نہیں بنا سکتی۔"

لزا ہنس پڑی۔ کہنے لگی — "میں نے دل سے اپنے فرائض کو قبول نہیں کیا، ورنہ ہم فولاد کو بھی پانی بنا دیا کرتی ہیں۔" اُس نے الناصر کو تفصیل سے بتایا کہ اس کے فرائض اور جذبات میں کتنا تضاد ہے۔ اس نے یہ

بھی بتایا کہ وہ سیف الدین کے پاس رہی ہے۔ اس نے پوچھا — "کیا تم مجھ جیسی ناپاک لڑکی کو قبول کرو گے؟ میں سچے دل سے اسلام قبول کروں گی۔"

"اگر تم نے سچے دل سے توبہ کر لی ہے تو میرے لیے یہ گناہ ہوگا کہ میں تمہیں قبول نہ کروں۔" الناصر نے کہا — "لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی کی اجازت کے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ دل سے بوجھ اتار دو۔ اگر تم پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہو تو ایسی زندگی تمہیں صرف ہمارے مذہب میں ملے گی۔" اُس نے پوچھا — "کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو فدائی ہمارے سلطان کے قتل کے لیے گئے ہیں وہ کس بھیس میں گئے ہیں، اور قاتلانہ حملہ کس طرح کریں گے؟"

"کچھ علم نہیں۔" لزا نے جواب دیا — "میرے سامنے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں ہوئی کہ چار فدائی بھیجے گئے ہیں۔"

"ہمیں اُڑ کر ترکمان پہنچنا ہوگا۔" الناصر نے کہا — "مجھے سلطان اور اُس کے محافظوں کو خبردار کرنا ہے۔"

اس نے لزا کو اپنے آگے گھوڑے پر بٹھا لیا اور ایڑ لگا دی۔ اتنی حسین لڑکی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی۔ اُس کے ریشم جیسے بال اس کے گالوں پر لہرا رہے تھے مگر اس کے ذہن میں سلطان ایوبی سما گیا تھا۔ فرض نے اُس کے جذبات کو سُلا دیا تھا۔ مقصد نے اُسے مردِ میدان اور انسانِ کامل بنا دیا تھا — اور لزا کی تو جیسے روح ہی بدل گئی تھی۔ وہ اس قوی اور تنومند جوان کے قبضے میں اور اُس کے رحم و کرم پر تھی لیکن اُسے جیسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ مرد ہے اور یہ ایک نوجوان لڑکی۔ اگر کوئی واعظ برسوں واعظ سناتا رہتا تو لزا پر کچھ اثر نہ ہوتا۔ الناصر نے خاموش زبان سے یہ حقیقت اُس کے دل میں اتار دی کہ وہ پاکیزہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے تو ایسی زندگی اُسے اسلام میں ملے گی۔

☆

سلطان صلاح الدین ایوبی کو قلعہ اعزاز کے قلعہ دار کا جواب آگ بگولہ کیے ہوئے تھا۔ اُسے یہ قلعہ سر کرنا تھا اور فوراً بعد حلب کو محاصرے میں لے کر یہ شہر لینا تھا۔ اُسے بُوزا اور منبج کے دو قلعے لڑے بغیر مل گئے تھے۔ ان میں جو دستے تھے انہیں اُس نے اپنی فوج میں شامل کر کے اُن کی جگہ اپنے دستے بھیج دیئے تھے اور وہ اعزاز اور حلب کی طرف پیش قدمی کی سکیم بنا رہا تھا۔ اس نے حسبِ معمول دیکھ بھال کے لیے اپنے فوجی اس علاقے میں بھیج رکھے تھے جہاں اُسے آگے بڑھنا اور محاصرہ کرنا تھا۔ جاسوسوں نے اُسے حلب اور اعزاز کے دفاعی انتظامات بتا دیئے تھے۔ سلطان ایوبی خود بھی آگے چلا جاتا تھا اور اپنی آنکھوں زمین کے خدوخال اور دیگر جنگی کوائف کا جائزہ لیتا تھا۔ ایسے مقصدوں کے دوران وہ اپنا جھنڈا ساتھ نہیں رکھتا تھا اور اپنے محافظوں (باڈی گارڈز) کو بھی ساتھ نہیں لے جاتا تھا تاکہ دشمن کو پتہ نہ چل سکے کہ یہ صلاح الدین ایوبی ہے۔ وہ گھوڑا بھی کسی دوسرے کا استعمال کرتا تھا۔ اس کے گھوڑے کو جس کے سفید رنگ پر کہیں کہیں گہرے لال دھبے تھے،

دشمن کے سالار پہچانتے تھے۔

اُسے کہا گیا تھا کہ وہ محافظوں کے بغیر اتنی دُور نہ نکل جایا کرے لیکن اُس نے اپنی حفاظت کی کبھی پرواہ نہیں کی تھی۔ اب تو اُس پر جنون سا طاری تھا۔ وہ اپنے مسلمان دشمنوں کو ناکوں چنے چبوا چکا تھا۔ اُن کے تابوت میں آخری کیل گاڑنی رہ گئی تھی۔ وہ علاقہ ایسا تھا کہ چٹانیں اور ٹیلے بھی تھے اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈ بھی۔ کچھ حصے میں گہرے کھڈ بھی تھے۔ ایسے علاقے میں سلطان ایوبی کا محافظوں کے بغیر گھومنا پھرنا خطرناک تھا۔

"سلطانِ محترم!" اُس کی انٹیلی جنس کے سربراہ حسن بن عبداللہ نے ایک روز اُسے جھنجھلا کر کہا۔ "خدانخواستہ آپ پر قاتلانہ حملہ کامیاب ہو گیا تو سلطنتِ اسلامیہ آپ جیسا کوئی دوسرا پاسبان پیدا نہیں کر سکے گی۔ ہم قوم کو منہ دکھانے قابل نہیں رہیں گے۔ آنے والی نسلیں ہماری قبروں پر لعنت بھیجیں گی کہ ہم آپ کی حفاظت نہ کر سکے تھے۔"

"اگر خدا کو یہی منظور ہے کہ مجھے کسی فدائی یا صلیبی کے ہاتھوں قتل ہونا ہے تو میں ایسی موت کو کیسے روک سکتا ہوں۔" سلطان ایوبی نے کہا — "بادشاہ جب اپنی جان کی حفاظت میں مگن ہو جاتے ہیں تو وہ ملک اور قوم کی آبرو کی حفاظت کے قابل نہیں رہتے۔ اگر مجھے قتل ہونا ہے تو مجھے اپنا فرض جلدی جلدی ادا کر لینے دو۔ مجھے محافظوں کا قیدی نہ بناؤ۔ مجھ پر بادشاہی کا نشہ طاری نہ کرو۔ تم جانتے ہو مجھ پر کتنے قاتلانہ حملے ہو چکے ہیں۔ اللہ نے مجھے ہر بار بچا لیا ہے۔ اب بھی بچائے گا۔"

اُس کا ذاتی عملہ اس کی سلامتی کے لیے پریشان رہتا تھا۔ پچھلی کہانیوں میں وہ تمام قاتلانہ حملے بیان کیے گئے ہیں جو اُس پر ہوئے تھے۔ ہر حملے کے وقت وہ اکیلا تھا لیکن اُس کا محافظ دستہ قریب ہی تھا جو ہر بار وہاں پہنچ گیا۔ اب سلطان ایوبی نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ اپنے ذاتی عملے اور محافظوں کو کسی جگہ کھڑا کر کے خود ٹیلوں اور چٹانوں میں غائب ہو جاتا تھا۔ حسن بن عبداللہ نے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ محافظ دستے کے چند ایک آدمی دُور دُور رہ کر سلطان ایوبی پر نظر رکھتے تھے۔ یہ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ بہت دنوں سے چار آدمی ویرانوں میں گھوم پھر رہے ہیں اور وہ سلطان ایوبی پر نظر رکھتے ہیں۔

یہی وہ چار فدائی تھے جن کے متعلق قلعہ عصیات میں شیخ سنان نے گمشتگین کو بتایا تھا کہ سلطان ایوبی کے قتل کے لیے بھیجے گئے ہیں۔ ان چاروں نے دیکھ لیا تھا کہ سلطان ایوبی، محافظوں کے بغیر گھومتا پھرتا رہتا ہے چنانچہ انہوں نے یہ منصوبہ ترک کر دیا تھا کہ جنگ زدہ علاقے کے پناہ گزینوں کے روپ میں سلطان ایوبی کے پاس جائیں گے اور اُسے قتل کر دیں گے۔ سلطان ایوبی انہیں بڑا اچھا موقع دے رہا تھا۔ ان چار فدائیوں کی سکیم اچھی تھی۔ اُن کی کمزوری یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھ تیر و کمان نہیں لائے تھے کیونکہ پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔ اگر اُن کے پاس ایک ہی کمان ہوتی تو وہ کسی بھی جگہ چھُپ کر سلطان ایوبی کو نشانہ بنا سکتے تھے۔ وہاں چھپنے کی جگہیں بہت تھیں۔ آسانی سے فرار ہُوا جا سکتا تھا۔ ان کے پاس لمبے خنجر تھے۔

اُدھر سے الناصر لزا کو گھوڑے پر بٹھائے تیزی سے آ رہا تھا۔ لزا نے اُسے بتا دیا تھا کہ چار فدائی سلطان ایوبی کے قتل کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ الناصر بہت جلدی سلطان ایوبی تک پہنچنا اور اُسے خبردار کرنا چاہتا تھا

کرسکتا تھا۔ گھوڑا اتنی لمبی مسافت دوڑتے ہوئے طے نہیں کرسکتا تھا۔
مگر سفر لمبا تھا اور گھوڑے پر دو سواروں کا بوجھ تھا۔ گھوڑا اتنی لمبی مسافت دوڑتے ہوئے طے نہیں
اُس نے راستے میں گھوڑے کو آرام دیا۔ پانی پلایا اور چل پڑا۔ ادھر سلطان ایوبی اپنی حفاظت سے بالکل ہی بے
نیاز ہو گیا تھا اور چار فدائی چھپ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ اس علاقے میں کوئی فوج نہیں تھی۔ کوئی آبادی بھی
نہیں تھی۔ فدائی جنگل کے درندوں کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے اور رات وہیں کہیں گزار لیتے تھے۔
سورج غروب ہو گیا۔ الناصر اور لزا کا گھوڑا چلتا رہا۔ اس کی چال بتا رہی تھی کہ اس کی رفتار کم ہوگی بڑھے
گی نہیں۔ الناصر نے بوجھ کم کرنے کے لیے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور لگام پکڑ کر پیدل چلنے لگا۔ رات
گزرتی جا رہی تھی۔ لزا نے الناصر سے تین چار بار کہا کہ وہ اور زیادہ سواری نہیں کرسکتی۔ اُس کی ہڈیاں بھی دکھنے
لگی تھیں۔ وہ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی لیکن الناصر جو خود تھکن، پیاس اور بھوک سے بے حال ہوا جا رہا تھا نہ رکا۔
اُس نے لزا سے کہا۔ "تمہاری اور میری جان سے سلطان صلاح الدین ایوبی بہت زیادہ قیمتی ہے۔ اگر میں
رُک گیا اور سلطان قتل ہو گیا تو میں سمجھوں گا کہ میں اپنے سلطان کا قاتل ہوں۔"

☆

صبح طلوع ہوئی۔ الناصر اب قدم گھسیٹ رہا تھا۔ لزا گھوڑے پر سر رکھے سوئی ہوئی تھی۔ گھوڑا معمولی
سی چال چل رہا تھا۔ ایک جگہ پانی اور گھاس دیکھ کر گھوڑا رُک گیا۔ لزا نے نیند سے چونک کر کہا۔ "خدا کے
لیے اسے مت گھسیٹو۔ اُسے ذرا کھا پی لینے دو۔" گھوڑے نے پانی پی لیا تو الناصر اُس کی لگام پکڑ کر چل پڑا۔
گھوڑا دوڑنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ الناصر بھی تھک ہار کر سوار ہو گیا۔ لزا کا رنگ پیلا پڑ چکا تھا۔ اُس کے منہ
سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ الناصر کو یہ تو معلوم ہی نہیں تھا کہ سلطان ایوبی کہاں ہوگا۔ وہ ترکمان کو جا رہا تھا۔
سلطان ایوبی آگے چلا گیا تھا جسے بعد میں کوہِ سلطان کا نام دیا گیا تھا، مگر وہ اب وہاں بھی نہیں تھا۔ اس
مقام سے بھی آگے چلا گیا تھا۔ الناصر کو ترکمان اور کوہِ سلطان کی چٹانیں نظر آنے لگی تھیں اور وہ سوچ رہا تھا
کہ کس طرف سے جائے۔ سورج بہت اوپر آ گیا تھا۔

اُس وقت سلطان ایوبی ایک چٹانی ویرانے میں اپنے عملے کے ساتھ وہاں کا جائزہ لے رہا تھا۔
اس نے عملے کو ایک جگہ رُکنے کو کہا اور اکیلا ہی ایک طرف نکل گیا۔ اُس کے ذہن میں شاید اپنی فوج کی پیش قدمی
کی کوئی سکیم تھی۔ گھوڑے سے اُتر کر وہ ایک چٹان پر چڑھ گیا۔ چاروں فدائی اس چٹان سے تھوڑی ہی
دُور ایک جگہ چھپ کر اُسے دیکھ رہے تھے۔ وہ کچھ دیر اُوپر کھڑا اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔
"نیچے آنے دو۔" ایک فدائی نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔
"اُس کے محافظ قریب ہی کہیں چھپے ہوئے ہوں گے۔" دوسرے نے کہا۔
"آج بچ کر نہ جائے۔" ایک اور بولا۔
"صرف ایک آدمی آگے جائے گا۔" چوتھے نے کہا۔ "وار پیچھے سے کرنا۔ ضرورت پڑی تو باقی آگے
جائیں گے۔"

سلطان ایوبی چٹان سے اُترا اور گھوڑے پر سوار ہو کر کسی اور طرف چلا گیا۔ فدائی اُس کے پیچھے پیچھے
گئے۔ حملے کے لیے یہ جگہ موزوں نہیں تھی۔ الناصر ابھی بہت دُور تھا۔ سلطان ایوبی ایک بار پھر گھوڑے سے اُترا۔
ایک اور چٹان پر چڑھا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں سے اُترا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل چل پڑا۔ فدائی اس سے ذرا
ہی دُور چھپے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی ایک جگہ سے گھوم گیا۔ آگے میدان تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہونے ہی لگا تھا
کہ اُسے دوڑتے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک فدائی ایک فٹ لمبا خنجر ہاتھ میں لیے اُس سے دو تین قدم
دُور رہ گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے دیکھ لیا۔

سلطان ایوبی نے اپنا خنجر نکالا۔ فدائی نے وار کر دیا۔ سلطان ایوبی نے اس کی خنجر والی کلائی کے آگے
اپنی کلائی رکھ کر وار روکنے کی کوشش کی مگر فدائی تنومند تھا۔ وار بڑی ہی طاقت سے کیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی نے
وار کیا جو فدائی بچا گیا۔ چٹان کی اوٹ سے ایک اور فدائی نکلا۔ اس نے بھی وار کیا جو سلطان ایوبی نے بچا تو لیا
لیکن اُس کے کوبے کی کھال کو چیر گیا۔ سلطان ایوبی گھوڑے کی اوٹ میں ہو گیا۔ ایک فدائی اُدھر آیا تو سلطان
ایوبی نے بائیں ہاتھ کا گھونسہ اُس کے منہ پر مارا۔ وہ پیچھے کو گرنے لگا تو سلطان ایوبی نے خنجر اس کے دل کے
مقام پر اتار کر زور سے ایک طرف کو جھٹکا دیا۔ یہ فدائی ختم ہو گیا۔
دوسرے نے اُس کے پیچھے سے وار کیا لیکن سلطان ایوبی بروقت سنبھل گیا۔ فدائی کے خنجر کی نوک سلطان
ایوبی کے ایک بازو میں لگی۔ یہ زخم بھی گہرا نہیں تھا۔ باقی دو فدائی بھی سامنے آ گئے۔ سرپٹ دوڑتے گھوڑوں
کے ٹاپو سنائی دیے جو آنِ واحد میں سلطان ایوبی کے قریب آ گئے۔ فدائی بھاگے۔ ایک کو تو سواروں نے گھوڑوں
تلے کچل ڈالا۔ دوسرے کو مار ڈالا۔ سلطان ایوبی کی پکار پر آخری فدائی کو زندہ پکڑ لیا گیا۔ اللہ نے سلطان صلاح الدین
ایوبی کو اس حملے سے بھی بچا لیا۔ اُس پر جس وقت حملہ ہوا اُس کا عملہ اس سے سات آٹھ سو گز دُور ایک بلندی پر
کھڑا تھا۔ اتفاق سے اُن میں سے کسی نے دیکھ لیا ورنہ یہ حملہ ناکام ہونے والا نہیں تھا۔

یہ قاتلانہ حملہ مئی ۱۱۷۶ء (ذی القعدہ ۵۷۱ ہجری) کو ہوا۔ اس کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی ڈائری میں اتنا ہی لکھا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی قلعہ اعزاز کے محاصرے کے
لیے جا رہا تھا کہ چار فدائیوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اُسے بچا لیا۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ)
محمد اکبر خان (رنگروٹ) نے متعدد حوالوں سے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی قلعہ اعزاز کے محاصرے کے دوران دن
کے وقت اپنے ایک سالار جاولاسدی کے خیمے میں سویا ہوا تھا جب ایک فدائی نے خیمے میں جا کر اُس پر
خنجر سے وار کیا۔ اتفاق سے سلطان ایوبی کے سر پر وہ مخصوص پگڑی تھی جو وہ میدانِ جنگ میں پہنا کرتا تھا۔
اُسے تربوش کہتے تھے۔ حملہ آور کا خنجر تربوش میں لگا اور سلطان ایوبی جاگ اٹھا۔ فوراً ہی چار پانچ فدائی
اندر آ گئے اور اُن کے ساتھ ہی سلطان ایوبی کے باڈی گارڈ بھی اندر آ گئے جنہوں نے فدائیوں کو ہلاک کر ڈالا۔
جنرل موصوف نے لکھا ہے کہ یہ فدائی کچھ عرصے سے دھوکے میں سلطان ایوبی کے محافظ دستے میں شامل
ہو گئے تھے۔

یورپی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حملہ آور سلطان ایوبی کے اپنے باڈی گارڈ تھے۔ ان مؤرخین نے سلطان ایوبی کے خلاف یہ شہادت مہیا کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنی فوج میں بالکل مقبول نہیں تھا، یہاں تک کہ اس کے باڈی گارڈ تک اس کے وفادار نہیں تھے۔ اُس وقت کے وقائع نگاروں کی غیر مطبوعہ تحریروں سے یہی کہانی سامنے آتی ہے جو سنائی گئی ہے۔ فدائی نہ اُس کے محافظ دستے میں تھے نہ کسی دھوکے سے حملہ آور ہوئے تھے۔ انہیں سلطان ایوبی اکیلا مل گیا تھا۔

جو فدائی پکڑا گیا تھا اس نے بیان دیا کہ وہ چاروں قلعہ عصیات سے آئے ہیں۔ اُسے حسن بن عبداللہ کے حوالہ کر دیا گیا جس نے اس سے قلعہ عصیات کے متعلق تمام تر معلومات لے لیں۔ یہ بھی پوچھ لیا کہ اندر کتنی فوج ہے اور اس کے لڑنے کی اہلیت کیسی ہے۔ یہ معلومات سلطان ایوبی کو دی گئیں۔

"کل رات کے آخری پہر ہم عصیات کی طرف کوچ کریں گے۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ اُس نے اپنی ہائی کمانڈ کے سالاروں کو بلایا اور کہا — "فدائیوں کا یہ اڈہ اکھاڑنا ضروری ہو گیا ہے۔ اس پر فوراً قبضہ کرنا ہے۔ فوج کا تیسرا حصہ کافی ہو گا۔" اُس نے بتایا کہ کتنی نفری جائے گی اور اس کی ترتیب کیا ہو گی۔

اُس شام سلطان ایوبی کو اطلاع دی گئی کہ الناصر نام کا ایک چھاپہ مار واپس آیا ہے۔ حسن بن عبداللہ الناصر سے ساری رپورٹ لے چکا تھا۔ اُسے سلطان ایوبی کے پیش کرنا ضروری تھا۔ الناصر کو بڑی ہی بُری حالت میں پیش کیا گیا۔ مسلسل سفر، بھوک اور پیاس نے اُسے ادھ مؤا کر دیا تھا۔ اُس کے ساتھ لزا تھی۔ اُس کا رنگ اُڑا ہوا اور جسمانی حالت دگرگوں تھی۔ الناصر نے سلطان ایوبی کو پوری تفصیل سے سنایا کہ اس پر کیا گزری ہے۔ اُس نے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھی۔ لزا کے متعلق بھی سب کچھ بتایا۔ سلطان ایوبی نے لزا سے پوچھا کہ وہ اپنے متعلق فیصلے میں آزاد ہے۔ لزا شاید اپنے آپ کو قیدی سمجھ رہی تھی اور اُسے بہت بُرے سلوک کی توقع تھی، لیکن یہاں معاملہ اُلٹ تھا۔ اس نے الناصر کے ساتھ رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ اُسے بتایا گیا کہ اُسے دمشق بھیج دیا جائے گا جہاں وہ نورالدین زنگی کی بیوہ کی تحویل میں رہے گی اور الناصر اُسے کچھ عرصہ کے بعد ملے گا۔ دراصل اس قسم کی لڑکیوں کو اُن کی جذباتی باتوں سے متاثر ہو کر قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ دمشق میں انہیں عزت اور آرام سے رکھا جاتا تھا اور اُن کی خفیہ نگرانی کی جاتی تھی۔

الناصر کو زخموں کے علاج اور آرام کے لیے پچھلے کیمپ میں بھیج دیا گیا۔

☆

شیخ سنان کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ گمشتگین اُسے دھوکہ دے گیا تھا۔ اُس نے گمشتگین کے قافلے کے تعاقب میں جو آدمی بھیجے تھے اُن میں سے صرف دو واپس آئے تھے۔ وہ تھیریسیا کو اٹھا لائے تھے۔ لزا کو الناصر بچا لے گیا تھا۔ شیخ سنان تھیریسیا سے انتقام لے رہا تھا۔ اسے اُس نے قید میں ڈال رکھا تھا۔ تھی تو وہ بھی بہت ہی خوبصورت لڑکی لیکن شیخ سنان کی نظر لزا پر تھی۔

دن کا پچھلا پہر تھا۔ عصیات کے قلعے کی دیواروں پر کھڑے سنتریوں نے دُور گرد کے بادل اٹھتے دیکھے،

گرد آگے ہی آگے آ رہی تھی۔ سنتری دیکھتے رہے، حتیٰ کہ گرد میں سینکڑوں گھوڑے نظر آنے لگے پھر پیادہ فوج نظر آئی۔ سنتریوں نے نقارے بجا دیئے۔ کمانڈروں نے اوپر جا کر دیکھا۔ شیخ سنان کو اطلاع دی۔ وہ بھی سامنے والی دیوار پر چڑھ گیا۔ اس وقت فوج قلعے کے قریب آ کر محاصرے کی ترتیب میں ہو رہی تھی۔ شیخ سنان نے مقابلے کا حکم دے دیا۔ قلعے کی دیواروں پر تیر انداز پہنچ گئے لیکن انہوں نے کوئی تیر نہ چلایا کیونکہ وہ باہر کی فوج کا ردِ عمل دیکھنا چاہتے تھے۔ سلطان ایوبی کو قلعے کے اندر کی معلومات مل چکی تھیں۔ الناصر اس کے ساتھ تھا۔ دو منجنیقیں نصب کر دی گئیں۔ الناصر نے انہیں بتایا کہ شیخ سنان کا محل کہاں ہے اور کتنی دُور ہے۔ اس کی راہنمائی میں منجنیقوں نے پہلے بڑے بڑے پتھر پھینکے جو ٹھکانے پر پڑے۔ سنان کے محل کی دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔

قلعے سے تیروں کا مینہ برس پڑا۔ سلطان ایوبی کے حکم سے منجنیقوں سے آتش گیر مادے کی سربمہر ہانڈیاں اندر پھینکی گئیں۔ یہ سنان کے محل کے قریب گر کر ٹوٹیں۔ سیال مادہ دُور دُور تک پھیل گیا۔ اسے آگ لگانے کے لیے فلیتے والے آتشیں تیر چلائے گئے لیکن آتش گیر سیال پر نہ گرے۔ تیر ٹھکانے پر پھینکنا آسان نہیں تھا۔ انہیں قلعے کی دیوار کے اوپر سے اندر جانا تھا۔ اتفاق سے قریب کہیں آگ جل رہی تھی۔ ایک ہانڈی اس کے اتنا قریب پھٹی کہ آگ نے اس کے مادہ کو شعلہ بنا دیا۔ دوسرے ہی لمحے سنان کا محل شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ وہاں بے شمار آتش گیر مادہ گرا اور بہہ بہہ کر پھیل گیا تھا۔

شیخ سنان پر شعلوں نے دہشت طاری کر دی۔ اس کی فوج صلیبیوں اور مسلمانوں کی لڑاکا فوج نہیں تھی۔ یہ نشے اور کاہلی کی ماری ہوئی فوج تھی۔ سنان نے حقیقت کو تسلیم کر لیا اور اس نے قلعے پر سفید جھنڈا چڑھا دیا۔ سلطان ایوبی نے جنگ بندی کا حکم دے دیا اور کہا کہ شیخ سنان سے کہو کہ باہر آئے۔ ہر طرف خاموشی طاری ہو گئی۔

ذرا دیر بعد قلعے کا دروازہ کھلا اور شیخ سنان دو تین سالاروں کے ساتھ باہر آیا۔ سلطان ایوبی اُس کے استقبال کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ اُس کی نگاہ میں سنان مجرم تھا۔ وہ جب سلطان ایوبی کے سامنے آیا تو سلطان نے اُسے اور اُس کے سالاروں کو اتنا بھی نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔

"سنان!" سلطان ایوبی نے کہا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"جان کی امان۔" شیخ سنان نے شکست خوردہ آواز میں کہا۔

"اور قلعہ؟" سلطان ایوبی نے پوچھا۔

"مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہو گا۔"

"اپنی فوج کے ساتھ قلعے سے فوراً نکل جاؤ۔" سلطان ایوبی نے کہا — "تم کوئی سامان اپنے ساتھ نہیں لے جا سکو گے۔ اپنی فوج کو سمیٹو۔ کسی کمانڈر اور کسی سپاہی کے پاس کوئی اسلحہ نہ ہو۔ یہاں سے خالی ہاتھ نکلو۔ تہہ خانے میں جو قیدی ہیں انہیں وہیں رہنے دو، اور یاد رکھو، سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں نہ ٹھہرنا بلکہ

کے پاس جا کر دم لینا۔ تم نے اب کے جو چار فدائی میرے قتل کے لیے بھیجے تھے وہ بھی مارے گئے ہیں۔ میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔ سفید جھنڈا تم نے چڑھایا ہے۔ میں قرآن کے فرمان کا پابند ہوں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا خدا تمہیں معاف کرے گا یا نہیں۔ اپنے آپ کو سلطان کہنا چھوڑ دو، ورنہ میں تمہیں اور تمہارے فرقے کو بحیرۂ روم میں ڈبو کر دم لوں گا۔"

جب سورج غروب ہو رہا تھا، دُور افق پر انسانوں کی لمبی قطار سر جھکائے چلی جا رہی تھی۔ شیخ سنان اسی قطار میں تھا۔ اس قطار میں اُس کے سپاہی اور اس کے سالار بھی تھے اور اس قطار میں اُس کے پیشہ ور قاتل بھی تھے۔ وہ اپنے ساتھ کچھ بھی نہیں لے جا سکے تھے۔ اُن کے گھوڑے اور اونٹ قلعے میں رکھ لیے گئے۔ سورج غروب ہونے تک سلطان ایوبی کی فوج قلعے پر قبضہ مکمل کر چکی تھی۔ تہہ خانے سے قیدیوں کو نکال لیا گیا تھا۔ قلعے سے جو زر و جواہرات برآمد ہوئے ان کا کوئی شمار نہ تھا۔

☆

سلطان ایوبی نے قلعہ ایک سالار کے حوالے کیا اور رات کو ہی کوہِ سلطان کو روانہ ہو گیا۔ وہ اب زیادہ انتظار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ چند ہی دنوں میں اُس نے پیش قدمی کی اور اعزاز کے قلعے کا جا محاصرہ کیا۔ حلب والوں نے اس قلعے کو دفاعی لحاظ سے بہت مستحکم کر رکھا تھا۔ یہ دراصل حلب کا دفاع تھا۔ اس میں جو فوج تھی وہ تازہ دم تھی، میدانِ جنگ میں نہیں گئی تھی۔ سلطان ایوبی کو ایسی خوش فہمی نہیں تھی کہ وہ اس قلعے کو فوراً سر کر لے گا۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ عقب سے حلب کی فوج حملہ کر دے گی۔ اس خطرے کو روکنے کا انتظام کر لیا گیا تھا۔ سلطان ایوبی کو یہ فائدہ حاصل تھا کہ حلب کی فوج ترکمان کی لڑائی سے نقصان اُٹھا کر آئی تھی۔ اس کا لڑنے کا جذبہ مجروح ہو چکا تھا۔

قلعہ اعزاز کے دفاع میں لڑنے والوں نے بے جگری سے مقابلہ کیا۔ تمام دن اور ساری رات انہوں نے سلطان ایوبی کی فوج کو قلعے کے قریب نہ آنے دیا۔ دیواریں توڑنے والی پارٹیوں نے بہت کوشش کی کہ کسی جگہ سے دیوار کے قریب چلے جائیں اور دیوار توڑ سکیں لیکن تیر اندازوں نے انہیں قریب نہ آنے دیا۔ اگلے دن بڑی منجنیقوں سے قلعے کے دروازے پر وزنی پتھر مارے گئے۔ آتش گیر مادہ کی ہانڈیاں بھی دروازے پر پھینک کر آتشیں تیر چلائے گئے۔ شعلوں نے دروازے کو چاٹنا شروع کر دیا۔ اوپر سے اعزاز کے تیر اندازوں نے منجنیقیں چلانے والوں پر بہت تیر برسائے۔ یہ تیر بڑی کمانوں سے پھینکے جا رہے تھے، اس لیے دُور تک آ جاتے تھے۔ ان سے منجنیقوں کے کئی آدمی زخمی اور شہید ہوئے لیکن اس قربانی کے بغیر قلعہ سر کرنا ممکن نہیں تھا۔ ایک شہید ہوتا تو دوسرا اُس کی جگہ لے لیتا تھا۔

دروازہ جل رہا تھا اور اس پر لگاتار پتھر پڑ رہے تھے۔ بہت دیر بعد پتھر دروازے میں سے اندر جانے لگے۔ شعلوں نے لکڑی کو کھا لیا تھا۔ لوہے کا فریم باقی تھا جو پتھروں سے ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ رات کو شعلے بجھ گئے، دروازے کا آہنی ڈھانچہ رہ گیا۔ اس میں سے پیادے گزر سکتے تھے گھوڑے گزارنا مشکل تھا۔ یہاں جانبازی

کی ضرورت تھی۔ پیادہ دستوں کو حکم دیا گیا کہ دروازے کے ڈھانچے میں سے گزر کر اندر جائیں۔ یہ سلطان ایوبی کے "کریک ٹروپس" تھے۔ انہوں نے ہلّہ بول دیا۔ اعزاز کے سپاہیوں نے ان دستوں کا یہ حشر کیا کہ آگے جو گئے تھے انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔ پیچھے والے اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے اوپر سے اندر گئے۔

یہ معرکہ بڑا ہی خونریز تھا۔ اس سے یہ فائدہ اٹھایا گیا کہ دروازے کا آہنی ڈھانچہ توڑ لیا گیا۔ جو پیادے زندہ تھے وہ اندر جا کر بکھر گئے اور خوب لڑے۔ پھر گھوڑ سواروں کو اندر جانے کا حکم ملا.... سلطان ایوبی نے قلعے کے اندر آتشزنی کا حکم دے دیا۔ ایک دستہ جگہ جگہ آگ لگانے لگا۔ اعزاز کی فوج ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نظر نہیں آتی تھی۔ یہ قلعہ حلب سے نظر آتا تھا۔ رات کو حلب والوں نے دیکھا کہ جہاں قلعہ ہے وہاں سے آسمان سرخ ہو رہا ہے۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ یہ اطلاع تو حلب میں پہنچ چکی تھی کہ سلطان ایوبی نے اعزاز کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ حلب کی ہائی کمانڈ نے اس امکان پر بھی غور کیا تھا کہ سلطان ایوبی پر عقب سے حملہ کیا جائے مگر سالاروں نے بتایا کہ فوج لڑنے کے قابل نہیں۔

اُس وقت سیف الدین حلب میں ہی تھا اور گمشتگین بھی وہیں چلا گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان اعزاز اور حلب کے دفاع کے سلسلے میں ترش کلامی ہوئی جو اس حد تک بڑھی کہ گمشتگین نے سیف الدین کو قتل کی دھمکی دے دی۔ سیف الدین نے اتحاد توڑ دیا۔ اس کی جو بچی کھچی فوج تھی وہ حلب سے نکال لے گیا۔ یہ لوگ دراصل ایک دوسرے کے بھی دشمن تھے۔ الملک الصالح کی عمر اب تیرہ برس سے کچھ اوپر ہو گئی تھی۔ وہ سوچنے سمجھنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اُس نے گمشتگین کا رویہ دیکھا تو اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا یہ دوست سازشی ہے۔ اس نے گمشتگین کو قید خانے میں ڈال دیا۔ تاریخ میں تحریر ہے کہ گمشتگین نے ان حالات میں کہ حلب اور اعزاز محاصرے میں تھے، الملک الصالح کے خلاف کوئی نئی سازش تیار کی تھی جس کا انکشاف ہو گیا اور اُسے قید میں ڈال کر دو تین روز بعد قتل کر دیا گیا۔

آخر اعزاز کے محافظوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ سلطان ایوبی کو اُس کی بہت قیمت دینی پڑی۔ اُس کے جن دستوں نے قلعے کے اندر معرکہ لڑا تھا اُن کی نفری آدھی رہ گئی تھی۔ اعزاز والوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ بزدل نہیں۔ سلطان ایوبی نے فوراً حلب کو محاصرے میں لے لیا۔ حلب قریب ہی تھا۔ حلب کے اندر جذبے کی کیفیت تھی کہ رات اعزاز کے شعلوں نے انہیں دہشت زدہ کر دیا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اُن کی فوج میں اتنا دم نہیں رہا کہ شہر کا دفاع کر سکے۔ انہی شہریوں نے کچھ عرصہ پہلے سلطان ایوبی کے چھکے چھڑا دیئے تھے، اور اُسے محاصرہ اٹھانا پڑا تھا مگر اب یہ شہر جیسے مر ہی گیا تھا۔

☆

محاصرے کے دوسرے دن الملک الصالح کا ایک ایلچی سلطان ایوبی کے پاس آیا۔ وہ جو پیغام لایا وہ صلح کی پیش کش نہیں تھی۔ یہ ایک ایسا جذباتی پیغام تھا جس نے سلطان ایوبی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ پیغام یہ تھا کہ نور الدین زنگی مرحوم کی بچی سلطان ایوبی سے ملنا چاہتی ہے۔ اس بچی کا نام شمس النساء تھا۔ یہ الملک الصالح کی چھوٹی بہن تھی۔ عمر

دس گیارہ سال تھی۔ الملک الصالح جب دمشق سے حلب گیا تو اپنی بہن کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اُن کی ماں رضیع خاتون بنت معین الدین (بیوہ نورالدین زنگی) دمشق میں ہی رہی تھی۔ وہ سلطان ایوبی کی حامی تھی۔

سلطان ایوبی نے حلب کے ایلچی کو جواب دیا کہ وہ بچی کو لے آئے۔

بچی آگئی۔ اُس کے ساتھ الملک الصالح کے دو سالار تھے۔ سلطان ایوبی نے بچی کو سینے سے لگا لیا اور وہ بہت رویا۔ بچی کے ہاتھ میں الملک الصالح کا تحریری پیغام تھا جس میں اس نے شکست قبول کر لی تھی اور سلطان ایوبی کو سلطان تسلیم کر رہا تھا۔ اُس نے سلطان ایوبی کی اطاعت بھی قبول کر لی تھی۔ اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ گمشتگین کو قتل کر دیا گیا ہے اس لیے حرن بھی سلطان ایوبی کی ملکیت تصور کیا جائے۔

"تم لوگ بچی کو کیوں ساتھ لائے ہو؟" سلطان ایوبی نے سالاروں سے پوچھا — "یہ پیغام تم خود نہیں لا سکتے تھے؟"

جواب سالاروں کو دینا چاہیے تھا لیکن انہوں نے بچی کی طرف دیکھا۔ بچی نے سلطان ایوبی سے کہا — "ماموں جان! مجھے بھائی صالح نے بھیجا ہے۔ آپ اعزاز کا قلعہ ہمیں دے دیں اور ہمیں حلب میں رہنے دیں۔ ہم آئندہ آپ سے لڑائی نہیں کریں گے۔"

سلطان ایوبی نے بچی کے ساتھ آئے ہوئے سالاروں کو غضب ناک نظروں سے دیکھا۔ وہ شرط منوانے کے لیے زنگی مرحوم کی بچی کو ساتھ لائے تھے۔

"میں اعزاز کا قلعہ اور حلب تمہیں دیتا ہوں شمس النساء۔" سلطان ایوبی نے بچی کو گلے لگا کر کہا اور حکم جاری کر دیا کہ اعزاز کے قلعے سے اپنی فوج نکال لی جائے اور حلب کا محاصرہ اٹھا لیا جائے۔ اُس نے حلب کے سالاروں سے کہا — "میں نے اعزاز اور حلب اس معصوم بچی کو دیا ہے۔ تم بزدل، بے غیرت اور ایمان فروش اس قابل بھی نہیں کہ تمہیں فوج میں رہنے دیا جائے۔"

۲۴ جون ۱۱۷۶ء (۴ ذی الحج ۵۷۱ ہجری) معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ سلطان ایوبی نے اعزاز اور حلب کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کر لیا اور الملک الصالح کو نیم خود مختاری کی حیثیت دے دی۔ اس کے فوراً بعد سیف الدین نے بھی سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی — اور مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کا دور ختم ہو گیا، مگر قوم میں غدار اور ایمان فروش بدستور سرگرم رہے۔

☆

رات روح اور روشنی

قبرستان بہت ہی وسیع تھا۔ تمام قبریں ابھی تازہ تھیں۔ مٹی کی ڈھیریاں بے ترتیب تھیں۔ کوئی اونچی کوئی نیچی۔ بعض قبریں ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ میدانِ جنگ کی قبریں ایسی ہی ہُوا کرتی ہیں۔ حماۃ سے حلب تک ایسے زمین قبرستان تیار ہو گئے تھے۔ یہ سرسبز اور شاداب خطہ اداس ہو گیا تھا۔ اس کی فضا خون کی بُو سے بوجھل ہو گئی تھی۔ جہاں پرندے چہچہاتے تھے وہاں گدھ منڈلا رہے تھے۔

ایسا ایک قبرستان حلب کے مضافاتی قلعہ اعزاز کے قریب تھا۔ قبروں کی مٹی ابھی نمناک تھی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوجوں کا امام چند ایک فوجیوں کے ساتھ وہاں کھڑا فاتحہ پڑھ رہا تھا۔ اُس نے جب منہ پر ہاتھ پھیرے تو آنسو اس کی داڑھی تک پہنچ چکے تھے۔

"یہ خطہ اب بانجھ ہو جائے گا۔ یہاں اب کوئی پتا ہرا نہیں ہوگا"۔ اُس نے کہا۔ "یہاں ایک ہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت کرنے والے، ایک ہی کلمہ اور ایک ہی قرآن پڑھنے والے ایک دوسرے کے قاتل ہو گئے تھے۔ جس زمین پر بھائی کے ہاتھوں بھائی کا خون گرتا ہے وہ زمین سوکھ جاتی ہے۔ یہاں تکبیر کے نعرے ٹکرائے تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ حق کے نام پر جانیں قربان کرنے والے شہید ہوئے اور باطل کے ساتھی اس رُتبے سے محروم رہے۔ یہ سب روزِ محشر اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ خدائے ذوالجلال انہیں یہ تو ضرور کہیں گے کہ خون جو تم نے ایک دوسرے کا بہایا ہے اتنا تم مل کر اسلام کے دشمن کا بہاتے تو فلسطین ہی نہیں سپین بھی ایک بار پھر تمہارا ہوتا"۔

گھوڑوں کے قدموں کی ہنگامہ خیز آوازیں سنائی دیں۔ امام کے ساتھ کھڑے کسی فوجی نے کہا۔ — "سلطان آ رہے ہیں"۔ — امام نے گھوم کر دیکھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی آ رہا تھا۔ اُس کے ساتھ سالار اور محافظ دستے کے چھ سوار تھے۔ قبرستان کے قریب آکر سلطان ایوبی نے گھوڑا روکا، اُترا اور امام کے قریب آکر فاتحہ پڑھ کر اس نے امام سے ہاتھ ملایا۔

"سلطانِ محترم!" — امام نے سلطان ایوبی سے کہا — "یہ صحیح ہے کہ یہ بھی مسلمان تھے جو ہمارے خلاف لڑے۔ لیکن میں انہیں اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان کی قبروں پر فاتحہ پڑھی جائے۔ انہیں شہیدوں کے

ساتھ دفن نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے مجاہدین حق کی خاطر لڑ رہے تھے۔ انہیں آپ نے دشمن کے مقتولین کے ساتھ دفن کرا دیا ہے۔"

"میں انہیں بھی شہید سمجھتا ہوں جو باطل کی خاطر ہمارے خلاف لڑے تھے"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔ "یہ اپنے حکمرانوں کی فریب کاری کے شہید ہیں۔ ہم نے اپنے سپاہیوں کو اللہ کا پیغام دیا تھا۔ ان کے خلاف لڑنے والے سپاہیوں کو ان کے بادشاہوں نے جذباتی نعرے اور جھوٹا پیغام دے کر ان کے دلوں میں باطل کو حق بنا کر بٹھا دیا۔ ان کے اماموں نے انعام واکرام لے کر سپاہیوں کو گمراہ کیا اور اللہ اکبر کے نعرے لگا کر اللہ اور رسولؐ کے احکام کی خلاف ورزی کرائی۔ میں ان کی لاشوں کو ایک ہی گڑھے میں دبا کر یا کہیں پھینک کر ان کی توہین نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ہمارے دشمن مسلمانوں کے جن سپاہیوں کو احساس ہو گیا تھا کہ انہیں گمراہ کیا گیا ہے وہ ہمارے ساتھ ہیں، اور یہ جو مر گئے ہیں ان تک روشنی نہیں پہنچی تھی کیونکہ بادشاہی کے دلدادہ حکمرانوں نے اُن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی تھی۔"

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ مسلمان اُمرا سلطان صلاح الدّین ایوبی کے دشمن ہو گئے تھے۔ وہ خلافت سے آزاد ہو کر خود مختار حکمران بننا چاہتے تھے۔ ان میں ایک نورالدّین زنگی مرحوم کا بیٹا الملک الصالح تھا، دوسرا مُوصل کا امیر سیف الدّین غازی اور تیسرا گمشتگین جو حرن کا قلعہ دار تھا لیکن اس نے خود مختاری کا اعلان کر دیا تھا۔ ان تینوں نے اپنی فوجوں کی متحدہ ہائی کمان بنا لی اور سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ صلیبی ان کی پشت پناہی کر رہے تھے۔ صلیبیوں کو ان کے ساتھ صرف یہ دلچسپی تھی کہ مسلمان آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ختم ہو جائیں یا اتنے کمزور ہو جائیں کہ اُن (صلیبیوں) کے خلاف لڑنے کے قابل نہ رہیں۔ حکمرانی کے نشے، صلیبیوں کی دی ہوئی مالی اور جنگی امداد، شراب اور یہودیوں کی حسین وجمیل لڑکیوں نے اِن اُمرا کو ایسا اندھا کیا کہ وہ سلطان ایوبی کے راستے میں اُس وقت حائل ہو گئے جب نورالدّین زنگی فوت ہو چکا تھا اور سلطان ایوبی مصر سے یہ عزم لے کر آیا تھا کہ صلیبیوں کو عالمِ اسلام سے بے دخل کر کے قبلۂ اوّل کو سلطنتِ اسلامیہ میں شامل کرے گا۔

ڈیڑھ سال تک حماۃ سے حلب تک کے اس سرسبز خطے میں مسلمان مسلمان کا خون بہاتا رہا۔ آخر فتح حق کی ہوئی۔ سلطان ایوبی نے فتح پائی۔ اُس کے دشمنوں نے اُس کی اطاعت قبول کر لی لیکن سلطان ایوبی کے چہرے پر مسرت کی ہلکی سی بھی جھلک نظر نہیں آتی تھی۔ قوم کی عسکری قوت کا بیشتر حصّہ تباہ ہو چکا تھا۔ اس لحاظ سے یہ صلیبیوں کی فتح اور مسلمانوں کی شکست تھی۔ صلیبی اپنے عزائم میں کامیاب ہو گئے تھے۔ سلطان ایوبی اب کئی برسوں تک بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کے قابل نہیں رہا تھا۔

جون ۱۱۷۶ء کے اُس روز جب سلطان ایوبی قلعہ اعزاز کے قریب وسیع قبرستان میں اپنے امام کے پاس کھڑا تھا تو (اُس دور کے وقائع نگاروں کے مطابق) اُس کا چہرہ بجھا بجھا سا تھا۔ اُس نے امام سے کہا۔۔۔ "ہر نماز کے بعد دعا کیا کریں کہ اللہ انہیں بخش دے جن کی آنکھوں پر کفر کی پٹی باندھ کر اپنے بھائیوں

کے خلاف لڑایا گیا تھا"۔۔۔ سلطان گھوڑے پر سوار ہوا اور اُس نے قبرستان پر نگاہ ڈالی۔۔۔ "خدا کو اتنے زیادہ خون کا حساب کون دے گا؟ یہ گناہ میرے حساب میں نہ لکھ دیا جائے۔"

اپنے سالاروں کی طرف دیکھ کر اُس نے کہا۔۔۔ "ہماری قوم خودکشی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ کفار اُمتِ رسول اللہ کی قوت اور جذبے سے اِس قدر خائف ہیں کہ اس قوت کو دلکش حربوں سے کمزور کر رہے ہیں۔ اُن کے پاس یہی ایک ذریعہ رہ گیا ہے۔ ہمارے بعض بھائیوں نے اُن کے اس ذریعے کو قبول کر لیا ہے اور تاریخ میں خانہ جنگی کا باب کھول دیا ہے۔ اگر ہم نے اس باب کو یہیں بند نہ کیا تو میں مستقبل کو جہاں تک دیکھ سکتا ہوں مجھے اُمتِ رسول اللہ خانہ جنگی سے خودکشی کرتی نظر آتی ہے۔ کفار آج کے دور کی طرح مالی اور جنگی امداد دے دے کر اُمت کو آپس میں لڑاتے رہیں گے۔ چند ایک افراد پر جب تخت وتاج کے حصول کا جنون سوار ہوتا ہے تو وہ قوم کو آلۂ کار بنا کر قوم کو لے ڈوبتے ہیں۔ بادشاہی کے بھوکے لوگ قوم کا خون اسی طرح بہاتے رہیں گے۔ یہ اتنا وسیع قبرستان دیکھو۔ قبریں گنو تو گن نہیں سکو گے۔ ہم پیچھے جو لاشیں دفن کر آئے ہیں، اُن کا بھی شمار نہیں۔ میں اتنے خون کا حساب کس سے لوں؟ خدا کو میں کیا جواب دوں گا؟"

"خانہ جنگی کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔ "اب آگے کی سوچیں۔ ہمیں بیت المقدس پکار رہا ہے۔ قبلۂ اوّل ہماری راہ دیکھ رہا ہے۔"

"اور مجھے مصر پکار رہا ہے"۔۔۔ سلطان صلاح الدّین ایوبی نے گھوڑا چلا دیا اور کہنے لگا۔۔۔ "وہاں سے بڑی تشویش ناک خبریں آ رہی ہیں۔ وہاں میرا قائم مقام میرا بھائی ہے۔ وہ مجھے پریشانی سے بچانے کے لیے حالات کی سنگینی مجھ سے چھپا رہا ہے۔ علی بن سفیان اور کوتوال غیاث بلبیس بھی مجھے تفصیل سے کوئی بات نہیں بتا رہے۔ صرف اتنی خبر بھیجتے ہیں کہ دشمن کی زمین دوز تخریبی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان کا سدِّباب کیا جا رہا ہے۔ پرسوں کے قاصد نے بتایا ہے کہ قاہرہ میں تخریب کاری زور پکڑتی جا رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے شیخ سنان کو ہم نے عصیات سے بے دخل کر دیا ہے مگر اُس کا قاتل گروہ قاہرہ میں سرگرم ہے۔ دو کماندار ایسے طریقے سے قتل ہو گئے ہیں کہ ان کے جسموں پر زخم اور چوٹ کا کوئی نشان نہیں۔ مرنے کے بعد لاشوں کی حالت سے یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ زہر دیا گیا تھا۔ یہ حشیشین کا خاص طریقہ ہے۔"

"تو کیا آپ فوج کو یہیں رہنے دیں گے یا ساتھ لے جائیں گے؟"۔۔۔ ایک سالار نے کہا۔

"اس کے متعلق میں نے ابھی فیصلہ نہیں کیا"۔۔۔ سلطان ایوبی نے کہا۔۔۔ "شاید کچھ نفری لے جاؤں۔ فوج کی ضرورت یہاں زیادہ ہے۔ صلیبیوں نے مصر میں تخریب کاری اسی لیے تیز کر دی ہے کہ میں فلسطین کی طرف پیش قدمی کرنے کی بجائے مصر چلا جاؤں۔ میں اُن کی یہ خواہش پوری نہیں ہونے دوں گا، البتہ میرا مصر جانا ضروری ہے۔"

☆

سلطان ایوبی کے خدشے بے بنیاد نہیں تھے۔ صلیبیوں کی ذہنیت اور عزائم کو اُس سے بڑھ کر

اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ اُس وقت جب وہ قبرستان سے فاتحہ پڑھ کر اپنے جنگی ہیڈ کوارٹر کی طرف جا رہا تھا، شیخ سنان تریپولی پہنچ چکا تھا۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حسن بن صباح کے بعد اس فرقے کے جس پیرو مرشد نے شہرت حاصل کی وہ شیخ سنان تھا۔ یہ شخص حشیشین (فدائیوں) کا سربراہ تھا۔ سلطان ایوبیؒ اور صلیبیوں کی جنگوں کے دوران فدائیوں کا قاتل گروہ شیخ سنان کی زیر قیادت بہت ہی زیادہ سرگرم ہو گیا تھا۔ سلطان ایوبی پر متعدد بار قاتلانہ حملے کیے گئے اور ہر حملے کا انجام یہ ہوا کہ قاتل مارے گئے اور جو بچے وہ پکڑے گئے۔

صلیبیوں نے شیخ سنان کو عصیات نام کا ایک قلعہ دے رکھا تھا جو مئی ۱۱۷۶ء میں سلطان ایوبی نے محاصرے میں لے کر شیخ سنان سے ہتھیار ڈلوائے اور اس سے قلعہ خالی کرا کے اسے بخش دیا تھا۔ اس محاصرے کی تفصیلات سنائی جا چکی ہیں۔

شیخ سنان جون ۱۱۷۶ء کے ایک روز تریپولی (لبنان) پہنچا۔ اس کے ساتھ اس کے فدائی اور فوج تھی۔ کسی کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سلطان ایوبی نے انہیں نہتہ کر کے رخصت کیا تھا۔ تریپولی اور گرد و نواح کا وسیع علاقہ ایک صلیبی حکمران ریمانڈ کے قبضے میں تھا۔ شیخ سنان اس کے پاس پہنچا اور پناہ مانگی۔ دو روز بعد ریمانڈ نے اِدھر اُدھر سے دوسرے صلیبی بادشاہوں اور کمانڈروں کو تریپولی بلایا تاکہ سلطان ایوبی کے خلاف آئندہ لائحہ عمل تیار کیا جائے۔ صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا ماہر ڈائریکٹر جرمن نژاد ہرمن بھی اس کانفرنس میں موجود تھا۔

"آپ مجھے اس بنا پر نہیں کوس سکتے کہ میں صلاح الدین ایوبی سے شکست کھا کر آیا ہوں"۔۔۔ شیخ سنان نے صلیبیوں کی اس کانفرنس میں کہا۔۔۔ "آپ جانتے ہیں کہ ہم فوج کی طرح نہیں لڑ سکتے۔ سلطان ایوبی کا مقابلہ تمہاری فوج بھی نہیں کر سکتی، میرے فدائی اس کے محاصرے میں کیسے لڑ سکتے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ آپ ایوبی کے دشمن مسلمان امراء کو اپنی فوجیں دیں۔ وہ سب مل کر بھی اُس کے سامنے نہیں ٹھہر سکے"۔

"شیخ سنان!"۔۔۔ ریمانڈ نے کہا۔۔۔ "یہ ہم تک رہنے دیں کہ ایوبی کے خلاف ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ نے اس کے قتل کے لیے جو چار آدمی بھیجے تھے وہ بھی ناکام ہو گئے ہیں۔ مارے گئے اور پکڑے گئے ہیں۔ صلاح الدین ایوبی پر آپ کا ایک بھی قاتلانہ حملہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے بیکار آدمی بھیجتے رہے ہیں جن کے مر جانے یا گرفتار ہو جانے سے آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ ہم آپ کو جو مراعات اور رقم دیتے رہے ہیں وہ ضائع ہو گئی ہے"۔

"صرف ایک صلاح الدین کے قتل نہ ہونے سے آپ کی رقم ضائع نہیں ہوئی"۔۔۔ شیخ سنان نے کہا۔۔۔ "میں نے مصر میں صلاح الدین کی حکومت کے جو دو حاکم قتل کرائے ہیں انہیں اپنی رقم کے حساب میں رکھیں۔ آپ کے تین طاقتور مخالف سوڈان میں تھے۔ انہیں میں نے قبروں میں اتارا اور وہاں آپ کا راستہ صاف کیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی کے مخالف مسلمان امراء میں سے جو حلب میں الملک الصالح کے ساتھ تھے، دو صلاح الدین کے حامی ہو گئے تھے۔ آپ کے اشارے پر میں نے انہیں قتل کرایا ہے اور اب مصر میں حاکموں کے خفیہ قتل کا جو سلسلہ شروع ہوا

ہے وہ کس نے شروع کیا ہے؟ کیا آپ اسے بھی ناکام کہیں گے؟"

"ایوبی کب قتل ہوگا؟"۔۔۔ فرانسیسی صلیبی گے آف لوزینان نے میز پر مکّہ مار کر پوچھا۔۔۔ "صلاح الدین ایوبی کے قتل کی بات کرو۔ آپ نے نور الدین زنگی کو جو زہر دیا تھا وہ صلاح الدین کو کب دو گے؟"

"جس روز اس قسم کے حالات پیدا ہو جائیں گے جیسے نور الدین زنگی کے وقت پیدا ہوئے تھے"۔۔۔ شیخ سنان نے کہا۔۔۔ "زنگی زلزلے کی تباہ کاری کے متاثرین کی امداد کے لیے اکیلا بھاگتا دوڑتا رہتا تھا۔ نہ اُسے ہوش تھا نہ اُس کے عملے کو کہ اس کے لیے جو کھانا پکتا ہے وہ کون پکاتا ہے اور کوئی اس کی نگرانی بھی کرتا ہے یا نہیں۔ اس موقعے سے میرے اُن آدمیوں نے جو میں نے آپ کے کہنے پر اُس کے قتل کے لیے بھیج رکھے تھے، فائدہ اٹھایا اور اُس کے کھانے میں وہ زہر ملا دیا جو گلے کی بیماری بن گیا اور وہ تین چار دنوں بعد مر گیا۔ اس کے طبیب آج بھی کہتے ہیں کہ نور الدین زنگی خناق سے مرا ہے مگر صلاح الدین کے کھانے تک پہنچنا ممکن نہیں"۔

"کیا آپ اُس باورچی کو خرید نہیں سکتے جو اُس کا کھانا پکاتا ہے؟"۔۔۔ ایک اعلیٰ کمانڈر نے پوچھا۔

"اس کا جواب ہمارا دوست ہرمن دے سکتا ہے"۔۔۔ شیخ سنان نے کہا اور ہرمن کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

پچھلی کہانیوں میں ہرمن کا ذکر چند بار آیا ہے۔ وہ جرمنی کا رہنے والا تھا۔ علی بن سفیان کی طرح جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر تھا۔ تخریب کاری اور کردار کشی میں خصوصی مہارت رکھتا تھا۔ مصر میں سلطان ایوبی کے خلاف جو سازشیں اور وسیع پیمانے پر ایک بغاوت جو ہوئی تھی وہ اُسی نے کرائی تھی۔ سلطان ایوبی کے ان دو چار اعلیٰ حکام کو بھی ہرمن نے اُس کے خلاف کر دیا تھا جو سلطان ایوبی کے معتمد تھے۔ وہ مسلمان حکام اور عوام کی نفسیات اور کمزوریوں کو خوب سمجھتا اور انہیں استعمال کرنے کا فن جانتا تھا۔ اُسے ایک صلیبی بادشاہ فلپ آگسٹس اپنے ساتھ لایا تھا۔ وہ سوڈان، مصر اور عرب کے ہر حصے کی زبان مقامی لب و لہجے سے بول سکتا تھا۔

"شیخ سنان ٹھیک کہتے ہیں"۔۔۔ ہرمن نے کہا۔۔۔ "اس سوال کا جواب مجھے دینا چاہیے کہ صلاح الدین ایوبی کے باورچی کو کیوں نہیں خریدا جا سکتا۔ اگر صلاح الدین پر ہوتا تو وہ اب تک زہر سے مارا جا چکا ہوتا۔ وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ اُس کے کھانے کی کسی نے نگرانی کی ہے یا نہیں۔ اس نے اپنی جان کو خدا کے سپرد کر رکھا ہے۔ اس عقیدے کا وہ پکا ہے کہ اُس کی موت کا جو دن مقرر ہے اُس روز اُسے اپنی جان خدا کے حضور پیش کرنی ہے اور اُسے کوئی انسان روک نہیں سکتا۔ اُس کے محافظ دستے کا کمانڈر، خفیہ محکمے کا ایک ذمہ دار آدمی اور اُس کا ایک معتمد خاص اس کا کھانا کھا کر دیکھتے ہیں۔ بعض اوقات طبیب آ جاتا ہے اور وہ بھی کھانا دیکھتا ہے۔ اس اتنی کڑی نگرانی کے علاوہ دوسری دشواری یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے باورچی اور دیگر تمام ملازم اس کے مرید ہیں۔ اُن کے دلوں میں اُس کی اندھی عقیدت ہے۔ ایوبی انہیں اپنے نوکر نہیں سمجھتا۔ اُن کے ساتھ دوستوں اور بھائیوں جیسا سلوک کرتا ہے۔ پوری طرح جائزہ لیا جا چکا ہے۔ صلاح الدین کے اس ذاتی حلقے میں

سے کسی کو خریدنا یا اس حلقے میں اپنا کوئی آدمی داخل کرنا ممکن نہیں۔ اُس کے پاس افراد ایسے ہیں جو اس کے گرد حصار کھینچے ہوئے ہیں۔ یہ ہیں علی بن سفیان، غیاث بلبیس، حسن بن عبداللہ اور زاہدان۔ یہ سب اتنے ماہر سراغرساں ہیں کہ ان کی نظریں انسان کے ضمیر اور روح کو بھی دیکھ لیتی ہیں۔"

"اسلام کا خاتمہ" ــــ فلپ آگسٹس نے کہا ــــ "میں سو بار کہہ چکا ہوں کہ ہمیں اسلام کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ ایسا مذہب ہے جو انسان کی روح کو قبضے میں لے لیتا ہے۔ جس کسی نے اسلام کو اپنی روح میں اتار لیا اُسے دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ آپ سب نے دیکھ لیا ہے کہ صلاح الدین کے گرد جن مسلمانوں کا گھیرا ہے وہ مذہب کے اتنے پکے ہیں کہ تم زر و جواہرات سے اور اتنی خوبصورت لڑکیوں سے اُن کا گھیرا نہیں توڑ سکتے۔ وہ مسلمان کچے ایمان کے ہیں جنہیں تم خرید لیتے ہو۔ انہوں نے اسلام کو اپنی روح میں نہیں اُترنے دیا۔ تم نے دیکھا ہے کہ ہمارے کتنے بڑے بڑے لشکروں کو صلاح الدین کے کتنے تھوڑے تھوڑے سپاہیوں نے کتنا کتنا نقصان پہنچایا ہے۔ جہاں ہمارے گھوڑے تھکن اور پیاس سے رہ جاتے ہیں، وہاں صلاح الدین کے سپاہی تھکن اور پیاس سے بے نیاز رہتے ہیں۔ اس قوت کو یہ لوگ ایمان کہتے ہیں۔ ہمیں اُن کا ایمان کمزور کرنا ہے ہرمن! اُن کے ایک دو اُمرا یا اعلیٰ حکام کو ہاتھ میں لینا بیشک ضروری ہے۔ اس سے آپ نے بہت فائدہ اٹھایا ہے لیکن کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو جس سے اس قوم کے دل میں اپنے مذہب کے خلاف بیزاری پیدا ہو جائے۔ پختہ عمر کے آدمیوں کے نظریات بدلنا آسان نہیں ہوتا، ان کی نسل کو بچپن اور لڑکپن میں اپنا نشانہ بنالو۔ کچے ذہن کو تم اپنے سانچے میں ڈھال سکتے ہو۔ ان کے حیوانی جذبے کو بھڑکاؤ۔"

"یہودی یہ کام کر رہے ہیں" ــــ ہرمن نے کہا ــــ "اور اس محاذ پر میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے نتائج آہستہ آہستہ سامنے آ رہے ہیں۔ ایک دن یا چند ایک دنوں میں آپ کسی کے نظریات اور عقیدے نہیں بدل سکتے۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔ ایک دَور گزر جاتا ہے۔"

"یہ عمل جاری رہنا چاہیے" ــــ فلپ آگسٹس نے کہا ــــ "میں یہ توقع نہیں رکھوں گا کہ نتائج ہماری زندگی میں سامنے آئیں۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ ہم نے کردار کُشی کا یہ عمل جاری رکھا تو وہ وقت آئے گا کہ مسلمان برائے نام مسلمان رہ جائیں گے، ان کے ہاں مذہبی فرائض محض رسمی بن جائیں گے اور ان پر ہمارا رنگ چڑھ جائے گا۔ ان کی سوچوں پر صلیب غالب آجائے گی۔"

"شیخ سنان!" ریمانڈ نے شیخ سنان سے کہا ــــ "اگر آپ ہم سے عصیات کے قلعے کے بدلے ایک اور قلعے کا مطالبہ کریں گے تو ہم ابھی یہ مطالبہ پورا نہیں کر سکیں گے۔ ہمارا معاہدہ قائم رہے گا۔ قلعے کے سوا دوسری تمام مراعات آپ کو حاصل رہیں گی۔ اگر آپ ان مراعات اور مالی وظیفوں کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو قاہرہ میں اور خصوصاً تمام تر مصر میں صلاح الدین ایوبی کی فوج اور انتظامیہ کی اہم شخصیتوں کا قتل جاری رکھیں اور صلاح الدین ایوبی کے قتل کی بھی کوششیں جاری رکھیں۔"

"صلاح الدین کے قتل کے متعلق میں آپ کو صاف الفاظ میں بتا دیتا ہوں کہ میں اس میں اور کوئی آدمی ضائع نہیں کروں گا" ــــ شیخ سنان نے کہا ــــ "اس شخص کا قتل ممکن نظر نہیں آتا۔ میں بڑے قیمتی فدائی ضائع کر چکا ہوں۔ مجھے یہ کہنے کی بھی اجازت دیں کہ سلطان صلاح الدین نے مجھے نئی زندگی دی ہے۔ میں نے اس

کے آگے ہتھیار ڈالے تو مجھے یہ توقع تھی کہ میں نے اُس پر جتنے قاتلانہ حملے کرائے ہیں اُن کا انتقام لینے کے لیے وہ مجھے اور میرے چیدہ چیدہ فدائیوں کو قتل کر دے گا لیکن اُس نے میری اور میرے آدمیوں کی جان بخشی کر دی۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ ہمیں دھوکہ دے رہا ہے۔ جونہی ہم پیٹھ پھیریں گے وہ ہم پر تیروں کا مینہ برسا دے گا یا ہم پر گھوڑے دوڑا دے گا۔ آپ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں اپنے تمام آدمیوں اور پوری فوج کے ساتھ آپ کے سامنے زندہ موجود ہوں۔ آپ مجھے مراعات سے محروم کر دیں، میں صلاح الدین ایوبی کے قتل سے دستبردار ہو گیا ہوں۔ البتہ قاہرہ میں میرے آدمیوں کی کارگزاری سے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

"قاہرہ میں ایسے حالات پیدا کر دیئے گئے ہیں جو صلاح الدین کو قاہرہ جانے پر مجبور کر دیں گے" ہرمن نے کہا ــــ "بہت جلد سوڈانی مصر کی سرحدی چوکیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ مصر پر کوئی بڑا حملہ نہیں کیا جائے گا، حملے کا دھوکہ دیا جائے گا تاکہ سلطان صلاح الدین شام سے مصر چلا جائے۔"

ہرمن جاسوسی اور سراغرسانی کا ماہر تھا لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ اس کانفرنس میں جو خاص ملازم شراب اور کھانے کی چیزیں لا اور لے جا رہے تھے، ان میں وکٹر نام کا ایک فرانسیسی سلطان ایوبی کا جاسوس تھا اور انہی خاص ملازموں میں راشد چنگیز نام کا ایک ترک مسلمان بھی تھا جس نے اپنے آپ کو یونان کا عیسائی ظاہر کر کے یہ نوکری حاصل کی تھی۔ یہ بھی سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ ہرمن نے ان خاص ملازموں کو جو کانفرنسوں اور کمانڈروں کی محفلوں اور دعوتوں میں حاضر رہتے اور کھانا کھلاتے تھے، گہری چھان بین کے بعد اس ملازمت کے لیے منتخب کیا تھا۔ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ سلطان ایوبی نے جاسوسوں کا جال پھیلا رکھا تھا۔ اُسے صلیبیوں کے دُور اندر کی باتوں کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اب شیخ سنان کی اس کانفرنس کی تمام باتیں اُس کے دو جاسوسوں نے سُن لی تھیں جنہیں چند دنوں تک سلطان ایوبی تک پہنچ جانا تھا۔

☆

اُن دنوں قاہرہ میں زمین دوز تخریب کاری بڑھ گئی تھی۔ مصر کی فوج کے نائب سالار سے ایک درجہ کم عہدے کا ایک کماندار شہر کے باہر مردہ پایا گیا۔ وہ شام کے بعد گھر سے نکلا تھا۔ ساری رات گھر نہ آیا۔ صبح اس کی لاش دیکھی گئی۔ اس کے جسم پر کوئی زخم نہیں تھا، کوئی چوٹ نہیں تھی۔ سراغرسانوں نے جائے واردات پر ایک تو مرنے والے کے نقوش پا دیکھے اور دو نقوش کسی اور کے تھے۔ اس کماندار کے چال چلن کی سب تعریف کرتے تھے۔ اُس کا اٹھنا بیٹھنا غلط یا مشکوک قسم کے لوگوں کے ساتھ نہیں تھا۔ اُس کی ایک ہی بیوی تھی جو اس سے ہر لحاظ سے مطمئن تھی۔ اس کی موت کا باعث معلوم کرنے کی بہت کوشش کی گئی۔ اگر یہ قتل تھا تو قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل رہا تھا۔

تین چار دنوں بعد اسی عہدے کا ایک اور فوجی کماندار بالکل اسی طرح ایک صبح اپنے کمرے میں مُردہ پایا گیا۔ وہ فوجی بارکوں کے ایک کمرے میں رہتا تھا۔ اس کے متعلق بھی رپورٹیں بالکل صاف تھیں۔ اُس کے دوستوں کے حلقے میں اپنے ہی دستے کے کچھ آدمی تھے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ اس کا لڑائی جھگڑا نہیں تھا

نشان قتل کی بظاہر وجہ کوئی نہیں تھی۔ اُسے قتل کہا ہی نہیں جا سکتا تھا کیونکہ جسم پر زخم یا چوٹ کا کوئی ہلکا سا بھی نشان نہیں تھا۔ یہ لاش سرکاری طبیب نے دیکھی۔ لاش کے ہونٹوں کے کونوں میں ذرا ذرا سی جھاگ تھی۔ اُس نے یہ جھاگ لکڑی کے ایک لمبوترے ٹکڑے کے سرے پر لگالی۔ اُس نے ایک کتا منگوایا اور یہ جھاگ گوشت کے ایک ٹکڑے پر لگا کر ٹکڑا کتے کو کھلا دیا۔

اُس نے کتے کو اپنے گھر لے جا کر باندھ دیا اور اُسے دیکھتا رہا۔ کتے نے کوئی غیر معمولی حرکت نہ کی۔ اُسے جو کھانے کو دیا گیا وہ کھاتا رہا۔ طبیب ساری رات جاگ کر کتے کو دیکھتا رہا۔ آدھی رات کے بعد کتا اٹھا اور جہاں تک رسی اجازت دیتی تھی وہ بڑے آرام سے ٹہلتا رہا۔ بہت دیر ٹہل کر وہ رُکا اور گر پڑا۔ طبیب نے دیکھا، کتا مر چکا تھا۔ طبیب نے رپورٹ دی کہ دونوں کمانداروں کو ایسا زہر دیا گیا ہے جس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔ انسان نہایت اطمینان سے مر جاتا ہے۔

سراغرسانوں نے دونوں کمانداروں کے متعلق گہری تفتیش کی۔ یہ معلوم کرنے کی بہت کوشش کی گئی کہ زندگی کے آخری روز وہ کس کس سے ملے، کہاں گئے اور انہوں نے کس کے ساتھ کچھ کھایا پیا مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ شادی شدہ کماندار کی بیوی سے بھی پوچھ گچھ کی گئی لیکن اس پر شک کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ دونوں کمانداروں میں مشترک وصف یہ تھا کہ پکے مسلمان تھے۔ میدانِ جنگ میں اُن کی کمانڈ اور دلیری کی تعریف سلطان ایوبی نے بھی کی تھی۔ دونوں سرحدی دستوں کے کمانڈر رہ چکے تھے اور انہوں نے کئی ایک سوڈانیوں کو سرحد پار کرتے گرفتار کیا تھا۔ سوڈانیوں نے انہیں بہت رشوت پیش کی تھی جو انہوں نے قبول نہیں کی تھی۔ اب دونوں کو نائب سالاری کی ترقی ملنے والی تھی۔ وہ اس قابل تھے کہ کسی بھی جگہ حملے کی قیادت آزادانہ کر سکیں۔

علی بن سفیان نے رائے دی کہ قتل کی یہ دونوں وارداتیں صلیبی تخریب کاروں کی ہیں اور قاتل فدائی ہیں۔ اس نے کہا کہ دشمن نے اب اہم شخصیتوں کے قتل کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ تمام کمانداروں اور حکام کو خبردار کر دیا گیا کہ کسی اجنبی یا مشکوک آدمی کے ہاتھ سے کوئی چیز نہ کھائیں اور ایسے آدمیوں پر نظر رکھ کر انہیں پکڑنے کی کوشش کریں جو دوستی لگانے اور کھانے پینے کی کوئی چیز پیش کرنے کی کوشش کریں۔ سراغرساں مصروف ہو گئے۔

دوسرے کماندار کے قتل کے سات آٹھ روز بعد ایک رات فوج کے خیموں کو آگ لگ گئی۔ ہزاروں خیمے ایک جگہ لپٹے پڑے تھے۔ ان کے انباروں کے اوپر چھپر تھے۔ وہاں پہرہ بھی تھا پھر بھی آگ لگ گئی۔ یہ آگ تخریب کاری کا نتیجہ تھی۔ وہاں اتفاقیہ آگ لگنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ ان چھپروں کے قریب آگ جلانے کی ممانعت تھی۔ اس کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ پُراسرار سے کچھ اور واقعات ہوئے تھے۔ سرحدی دستوں کو اور زیادہ چوکس کر دیا گیا تھا۔ سوڈان کی طرف سرحد کے اندر چوری چھپے آنے والوں کی تعداد اور رفتار بڑھ گئی تھی۔ اس کا اندازہ ان لوگوں کی گرفتاریوں سے ہوتا تھا۔

☆

علی بن سفیان نے اپنی انٹیلی جنس کو اور زیادہ پھیلا دیا اور پہلے سے زیادہ ہوشیار کر دیا تھا۔ قاہرہ سے

کچھ دُور دریائے نیل کے کنارے پہاڑی علاقہ تھا۔ اُس کے اندر کہیں فرعونوں کے زمانے کے کھنڈر تھے۔ اس سے پہلے ایسے واقعات ہوئے تھے کہ صلیبی اور سوڈانی تخریب کاروں نے ایسے کھنڈروں کو خفیہ اڈوں کے طور پر استعمال کیا تھا۔ مصر میں ایسے کھنڈروں کی تعداد کچھ کم نہیں تھی۔ اس پہاڑی علاقے کو نظر میں رکھنے کے لیے علی بن سفیان نے اپنے جاسوسوں کو خصوصی ہدایات کے ساتھ مقرر کر رکھا تھا۔ اب کے صلیبی تخریب کاروں نے یہ کامیابی بھی حاصل کر لی تھی کہ انہوں نے دو تین مہینوں کے عرصے میں علی بن سفیان کے چھ سات جاسوس جو قاہرہ میں مختلف جگہوں پر مختلف بہروپوں میں رہتے تھے غائب کر دیئے تھے۔

یہ وہ جاسوس تھے جو صلیبیوں کے جاسوسوں کو پکڑنے کے ماہر تھے لیکن وہ خود پکڑے گئے یا مارے گئے۔ خطرہ یہ تھا کہ وہ پکڑے گئے تو صلیبی انہیں حشیشین کے حوالے کر کے انہیں مصر کی ہی حکومت اور فوج کے خلاف استعمال کریں گے۔ اصل خطرہ تو یہ تھا کہ دشمن کے جاسوسوں نے قاہرہ کے جاسوسوں کو پہچان لیا تھا۔ جاسوسی اور سراغرسانی کی اس جنگ میں دشمن جیت رہا تھا۔ علی بن سفیان نے اب نئے اور نچلے عہدوں کے ایسے جاسوس جو اپنے فن میں خصوصی مہارت رکھتے تھے استعمال کرنے شروع کر دیئے تھے۔ ان میں ایک مہدی الحسن تھا جو یروشلم اور تریپولی تک بڑی کامیاب جاسوسی کر آیا تھا۔ بہت دلیر اور دانشمند جاسوس تھا۔

علی بن سفیان نے یہ پہاڑی علاقہ اُسے دے رکھا تھا۔ اس علاقے کے اندر صرف ایک راستہ تھا۔ پیچھے دریا اور باقی ہر طرف پہاڑیاں اور چٹانیں بھی تھیں۔ اندرونی علاقے میں سبزہ اور درخت تھے، کہیں کہیں پانی کی جھیلیں بھی تھیں۔ اطلاع ملی تھی کہ اس کے اندر مشکوک سے آدمی آتے جاتے دیکھے گئے ہیں۔ فرعونوں کی کسی عمارت کے کھنڈر سامنے نظر نہیں آتے تھے۔ کسی نے کبھی دیکھے بھی نہیں تھے، لیکن یہ یقین ضرور تھا کہ اس کوہسار کے اندر فرعونوں نے کچھ نہ کچھ بنایا ضرور تھا جو اب تک موجود ہے۔ بہرحال یہ جگہ ایسی تھی جو تخریب کاروں کا خفیہ اڈہ بننے کے لیے موزوں تھی۔

مہدی الحسن وہاں ایک دو اونٹ اور چند ایک بھیڑ بکریاں لے جا کر صحرائی خانہ بدوش یا گڈریئے کے بہروپ میں جایا کرتا تھا۔ اس کے جانور اِدھر اُدھر چرتے چُگتے رہتے اور وہ گھومتا پھرتا رہتا تھا۔ اُس نے کچھ دُور اندر تک علاقہ دیکھا تھا۔ وہاں اُسے کچھ بھی نظر نہیں آیا تھا۔ بہت آگے جا کر ایک پہاڑی ایسی تھی جس کے دامن سے بیس پچیس فٹ اوپر ایک قدرتی سرنگ کا دہانہ تھا۔ مہدی الحسن اس سرنگ کے اندر گیا تھا۔ یہ اتنی اونچی اور فراخ تھی کہ اس میں سے اونٹ گزر سکتا تھا۔ یہ پہاڑی کی طرف تک چلی گئی تھی۔ مہدی الحسن دوسری طرف گیا۔ وہاں تنگ سی ایک وادی تھی جہاں کوئی اڈہ نہیں ہو سکتا تھا۔ سرنگ بہت لمبی تھی۔ اُس کے اندر دائیں بائیں دیواروں میں غاریں سی بنی ہوئی تھیں۔ اتنے بڑے بڑے پتھر بھی تھے کہ ایک پتھر کے پیچھے آدمی بیٹھ کر چھپ سکتا تھا۔

اس مصری جاسوس نے علی بن سفیان کو رپورٹ دی تھی کہ وہ جہاں تک جا سکا ہے، اُسے کوئی

علی بن سفیان نے اُسے کہا کہ وہ سارا دن وہیں گزارا کرے اور وہ زیادہ اندر تک نہ جایا کرے کیونکہ پکڑے یا مارے جانے کا خطرہ تھا۔ علی بن سفیان نے اُسے یہ بھی کہا کہ کبھی کبھی وہ اونٹ پر سوار ہو کر رات کو بھی چلا جایا کرے۔ اگر کوئی آدمی اُسے مل جائے تو اُسے بتائے کہ وہ قاہرہ جا رہا ہے۔ اپنے آپ کو کسان ظاہر کرے۔ اس ہدایت کے تحت مہدی الحسن رات کو بھی وہاں گیا تھا۔ ایک رات اسے کسی کے بھاگتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ یہ کوئی جنگلی جانور بھی ہو سکتا تھا اور یہ کوئی انسان بھی ہو سکتا تھا۔ مہدی الحسن آگے نہ گیا۔ کچھ دیر وہاں رُکا رہا پھر واپس آگیا۔

☆

وہ دوسرے دن سورج نکلنے سے پہلے دو تین اونٹ اور بھیڑ بکریاں لے کر وہاں چلا گیا۔ انہیں کھلا چھوڑ کر خود اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے لگا۔ وہاں سبزہ تھا۔ جھاڑیاں اور گھاس تھی اور جنگلی پودے بھی۔ کچھ آگے جا کر اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جو زمین پر جھکا ہُوا تھا۔ اُس نے قیمتی چغہ پہن رکھا تھا اور اس کی لمبی داڑھی تھی۔ سر پر عمامہ بھی قیمتی تھا۔ مہدی الحسن آہستہ آہستہ اس کی طرف چلنے لگا۔ جھکے ہوئے آدمی نے اس کی طرف دیکھا۔ مہدی الحسن نے اپنی چال ڈھال میں جاہلانہ پن نمایاں رکھا اور آہستہ آہستہ اس آدمی کے قریب جا کھڑا ہُوا۔

چغے والے کے ہاتھ میں ایک تھیلا تھا جس میں ہرے پتے بھرے ہُوئے تھے اور اس کے دوسرے ہاتھ میں ایک پودے کی ہری شاخ تھی۔

"آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟" — مہدی الحسن نے گنواروں کے سے لہجے میں احمقوں کی طرح ہنس کر پوچھا — "کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟ میں بھی تلاش کروں؟"

"میں حکیم ہوں" — اس آدمی نے کہا — "جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہوں۔ ان کی دوائیاں بناؤں گا۔"

مہدی الحسن نے اُس کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیا۔ وہ قاہرہ کا حکیم تھا اور خاصی شہرت رکھتا تھا۔ مہدی الحسن نے اس کے اس جواب کو غلط نہ سمجھا کہ وہ جڑی بوٹیاں ڈھونڈ رہا ہے۔ اس علاقے میں جڑی بوٹیاں موجود تھیں۔ حکیم نے اس سے پوچھا کہ وہ یہاں کیا کر رہا ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ یہاں سے تھوڑی ہی دُور اپنے ایک کنبے کے ساتھ خیمے میں رہتا ہے اور یہاں جانوروں کو چرانے اور پانی پلانے لایا ہے۔

"ان بوٹیوں سے آپ کس مرض کی دوائیاں بنائیں گے؟" — مہدی الحسن نے پوچھا۔

"تم کسی مرض کو نہیں سمجھ سکتے" — حکیم نے جواب دیا — "بعض مرض ایسے ہوتے ہیں کہ مریض کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اُسے کیا ہے؟"

یہ حکیم مشہور تھا۔ دُور دُور سے اس کے پاس مریض آتے تھے۔ اتفاق سے مہدی الحسن کو یہاں مل گیا۔ یہ انسانی فطرت کی کمزوری ہے کہ انسان پر مرض کا وہم بھی طاری ہو جاتا ہے اور انسان بڑی لمبی عمر کا اور ایسی

جسمانی طاقت کا متمنی رہتا ہے جو کبھی کم نہ ہو۔ مہدی الحسن کو شاید معمولی سی کوئی تکلیف تھی۔ اُس نے اس کا ذکر حکیم سے کیا۔ حکیم نے اُس کی نبض پر ہاتھ رکھا، پھر اس کی آنکھوں میں جھانکا اور یوں چونکا جیسے اُسے ان آنکھوں میں کوئی عجیب چیز نظر آئی ہو۔ اس نے مہدی الحسن کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ حکیم کے چہرے پر حیرت کا تاثر تھا۔

"تم میرے دواخانے میں آسکتے ہو؟" — حکیم نے پوچھا — "شہر میں آجاؤ"

"میں بہت غریب آدمی ہوں" — مہدی الحسن نے کہا — "آپ کو پیسے کہاں سے دوں گا؟"

"تم ابھی میرے ساتھ چلو" — حکیم نے کہا — "میرا اونٹ اُدھر چر رہا ہے۔ تمہارے پاس بھی اونٹ ہے۔ مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں۔ امیر لوگ بہت پیسے دے جاتے ہیں۔ غریبوں کا علاج مفت کرتا ہوں۔ تمہاری بیماری اس وقت تو معمولی ہے لیکن یہ اچانک بڑھ جائے گی۔ مجھے کوئی اور شک بھی ہے۔"

مہدی الحسن دراصل ڈیوٹی پر تھا۔ معمولی سے مرض کی خاطر وہ ڈیوٹی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اُس نے حکیم سے کہا کہ وہ شام کو اُس کے دواخانے میں آئے گا، اُسے راستہ اور جگہ بتا دے۔ مہدی الحسن کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اُس کا دواخانہ کہاں ہے۔ وہ انجان بنا رہا اور حکیم نے اُسے سمجھا دیا کہ دواخانہ کہاں ہے۔

☆

مہدی الحسن شام کے بعد اسی بہروپ میں حکیم کے دواخانے میں چلا گیا۔ اُس نے اونٹ ساتھ رکھا تھا تاکہ حکیم کو شک نہ ہو۔ اُسے خود حکیم پر کوئی شک نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حکیم جڑی بوٹیاں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ اسے فی الواقع خیال پیدا ہو گیا تھا کہ جسے وہ معمولی سی تکلیف سمجھتا ہے وہ خطرناک بیماری بن سکتی ہے۔ حکیم نے اُسے اچھی طرح دیکھا اور کہا — "میں دوائی دے دیتا ہوں۔ اگر اس سے افاقہ نہ ہُوا تو وہ کوئی اور بندوبست کرے گا کیونکہ اُسے کوئی اور شک ہے۔"

مہدی الحسن نے پوچھا کہ اور کیا شک ہے؟

"اللہ نہ کرے میرا شک درست ہو" — حکیم نے کہا — "تم خوبصورت جوان ہو۔ صحرا میں گھومتے پھرتے رہتے ہو۔ جس جگہ تم مجھے ملے تھے وہ جگہ ٹھیک نہیں۔ وہاں بدروحیں رہتی ہیں۔ ان میں بعض فرعونوں کے وقتوں کی بڑی حسین لڑکیوں کی بدروحیں ہیں۔ انہیں فرعونوں نے زبردستی اپنے پاس رکھا اور عیاشی کا ذریعہ بنایا تھا، پھر انہیں مروا ڈالا تھا کیونکہ ان کی جگہ انہیں دوسری لڑکیاں مل گئی تھیں۔ روح بوڑھی نہیں ہوتی ہمیشہ جوان رہتی ہے۔ جن لڑکیوں کو قتل کیا گیا تھا اُن کی روحیں اس سرسبز خطے میں بھٹکتی رہتی ہیں۔ مجھے شک ہے کہ تمہاری شکل و صورت فرعونوں کے دَور کے کسی ایسے جوان سے ملتی جلتی ہے جسے اُس دَور کی کوئی لڑکی چاہتی تھی مگر وہ کسی فرعون کا شکار ہو گئی۔ تم اس جگہ جاتے رہتے ہو۔ اس لڑکی کی بدروح نے تمہیں دیکھ لیا ہے اور تمہاری روح کے ساتھ دل بہلا رہی ہے۔"

"یہ مجھے نقصان تو نہیں پہنچائے گی؟" — مہدی الحسن نے حکیم کی بات سے متاثر ہو کر پوچھا — "بدروح

کی دوستی اچھی تو نہیں ہوتی۔ کیا آپ اس بدروح سے نجات دلا سکتے ہیں؟"

"میرا شک غلط ہو سکتا ہے"۔۔۔ حکیم نے کہا۔۔۔ "پہلے دوائی دوں گا۔ افاقہ نہ ہُوا تو بدروح کا کچھ کروں گا۔ میرے پاس اس کا بھی علاج ہے۔ تعویذ دوں گا۔ عمل کروں گا۔ ضرورت پڑی تو اس بدروح کے ساتھ تمہاری ملاقات کرا دوں گا۔ بدروح سے نجات حاصل کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے۔ بدروح کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی"۔

مہدی الحسن قابل اور ذہین جاسوس تھا لیکن وہ عالم فاضل نہیں تھا۔ اپنی قوم کے ہر فرد کی طرح جنات، چڑیلوں اور بدروحوں کے وجود پر یقین رکھتا تھا۔ اُس نے ان کی جو کہانیاں اور روائتیں سُنی تھیں انہیں سچ مانتا تھا۔ حکیم کا ایک ایک لفظ اُس کے دل میں اُتر گیا اور اُس پر بدروح کا خوف طاری ہوگیا۔ وہ حکیم کے پاس جاسوسی کے لیے نہیں علاج کے لیے ہی گیا تھا۔ حکیم نے اُسے تسلّی دی کہ وہ کوئی فکر نہ کرے لیکن وہ فکرمند ہوگیا۔ حکیم نے اُسے دوائی کی صرف ایک خوراک دی اور کہا کہ رات سونے سے پہلے کھالے۔

اُس نے سونے سے پہلے یہ دوائی کھالی۔ اُسے فوراً نیند آگئی۔ اِس سے پہلے اُس کی اتنی جلدی آنکھ کبھی نہیں لگی تھی۔ صبح آنکھ کھُلی تو اُس نے محسوس کیا کہ اس کی طبیعت غیر معمولی طور پر ہشاش بشاش ہے۔ وہ سب سے پہلے علی بن سفیان کے پاس گیا۔ اُسے یہ نہ بتایا کہ اُس نے اس پہاڑی علاقے میں حکیم کو جڑی بوٹیاں تلاش کرتے دیکھا تھا۔ یہ بتانے والی بات نہیں تھی کیونکہ حکیم کوئی مشکوک انسان نہیں تھا۔ وہ قاہرہ کا اتنا مشہور اور قابل حکیم تھا کہ فوج اور حکومت کے بڑے بڑے افسر بھی اُس کے پاس علاج کے لیے جاتے تھے۔ اُس کے متعلق یہ بھی مشہور تھا کہ تعویذ بھی دیتا اور جنّات وغیرہ کو بھی قبضے میں رکھتا ہے۔ علی بن سفیان نے مہدی الحسن سے کہا کہ وہ اُسی جگہ جائے، اُسے وہاں کوئی نہ کوئی مشکوک انسان ضرور نظر آئے گا۔ علی بن سفیان دراصل تخریب کاروں کے ایک اڈے کی تلاش میں تھا۔

مہدی الحسن اُس طرف جاتے حکیم کے پاس چلا گیا۔ وہ گڈریوں کے لباس میں تھا۔ اُس نے حکیم سے کہا کہ وہ صبح سویرے اتنی دُور سے یہ بتانے آیا ہے کہ رات اُسے بہت گہری نیند آئی ہے اور اب وہ اتنا ہشاش بشاش ہے جتنا وہ پہلے کبھی نہیں ہُوا تھا۔

"اگر شام تک تم اسی حالت میں رہے تو بدروح نہیں ہو سکتی"۔۔۔ حکیم نے کہا۔۔۔ "شام کو پھر آجانا"۔

مہدی اونٹ پر سوار ہُوا اور اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوگیا۔

☆

اس سرسبز جگہ وہ بہت دنوں سے جا رہا تھا اور سارا سارا دن وہاں رہتا تھا۔ رات کو بھی وہاں گیا تھا مگر اب حکیم سے ملاقات کے بعد اسے اس جگہ سے ڈر محسوس ہونے لگا۔ حکیم نے اُسے بتایا تھا کہ بدرُوح نقصان نہیں پہنچائے گی کیونکہ وہ محبت کی خاطر اس کی روح کے پاس آتی ہے، پھر بھی اَن دیکھی

پُراسرار مخلوق کا ڈر قدرتی تھا۔ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے اس کے گرد بدروحیں منڈلا رہی ہوں۔ وہ دلیر آدمی تھا۔ ڈر کو دل سے نکالنے کی کوشش کرنے لگا اور اس بدروح کو تصور میں لانے لگا جس کا ذکر حکیم نے کیا تھا۔ اس تصور نے اُسے تسکین دی اور وہ اِدھر اُدھر گھومنے لگا۔

اچانک اُس نے محسوس کیا کہ اس کی طبیعت جو اتنی زیادہ ہشاش بشاش تھی بجھ رہی ہے اور دل پر گھبراہٹ طاری ہو رہی ہے۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن گھبراہٹ بڑھتی گئی اور اُس نے حکیم کو اپنی جو تکلیف بتائی تھی وہ پہلے کی نسبت زیادہ ہوگئی۔ اُس نے اُسی وقت حکیم کے پاس جانا چاہا لیکن ڈیوٹی نہیں چھوڑ سکتا تھا، برداشت کرتا رہا۔ بہت دیر بعد اس کی طبیعت گھبراہٹ سے آزاد ہونے لگی اور آہستہ آہستہ اُس حالت میں آگئی جس میں کل دوائی کھانے سے پہلے تھی۔ اسے یقین ہونے لگا کہ یہ بدروح کا اثر ہے۔

دن گزر گیا۔ اُس نے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کو اکٹھا کیا اور انہیں وہاں لے گیا جہاں روزانہ لے جاتا تھا۔ اونٹ پر سوار ہو کر وہ شہر میں حکیم کے پاس چلا گیا۔ اسے اپنی طبیعت کی یہ تبدیلی بتائی۔ حکیم نے بدروح کے شک کا اظہار کیا لیکن ایک روز اور دوائی کھانے کو کہا۔ اُس نے دوائی دے دی جو مہدی الحسن نے رات سونے سے پہلے کھالی۔ گذشتہ رات کی طرح اسے گہری نیند آئی اور صبح طبیعت شگفتہ تھی۔ وہ روزمرہ کی طرح علی بن سفیان کے پاس گیا اور وہاں سے اپنی ڈیوٹی کی جگہ چلا گیا۔

اس کی جسمانی حالت اچھی رہی، ذہنی حالت یہ تھی کہ بدروح کا خیال غالب تھا۔ آدھا دن گزرا تو اس کی شگفتگی کم ہونے لگی جو آہستہ آہستہ ختم ہوگئی اور اس کی جگہ گھبراہٹ اور اداسی آگئی۔ اس نے دھیان اِدھر اُدھر کرنے کی کوشش کی اور ٹہلنے لگا۔ پھر آہستہ آہستہ طبیعت ٹھکانے آگئی۔ اُس کے کانوں میں ایسی آواز پڑی جیسے دُور کہیں کوئی عورت رو رہی ہو۔ رونے کی آواز بلند ہوئی پھر مدھم ہوتے ہوتے خاموش ہوگئی۔ مہدی الحسن جہاں تھا وہیں رہا۔ یہ کوئی بدروح رو رہی تھی اور یہ وہی بدروح ہو سکتی تھی جس کا ذکر حکیم نے کیا تھا۔ مہدی الحسن کے دل پر خوف طاری ہُوا جس پر اُس نے قابو پا لیا۔ اُس نے یہ ارادہ کیا کہ بدروح سے بات کرے لیکن حکیم نے اُسے بتایا نہیں تھا کہ بدروح کے ساتھ بات کرنی چاہیے یا نہیں۔ اگر وہ کسی اور جگہ اور مختلف ماحول میں کسی عورت کے رونے کی آواز سنتا تو دوڑ کر مدد کو پہنچتا لیکن یہاں کسی جیتی جاگتی عورت کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ فرعونوں کے دَور کی کسی لڑکی کی بدروح تھی۔

شام کو وہ کل کی طرح حکیم کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ اُس کی حالت کیا ہوئی اور اُس نے کیسی آوازیں سنی ہیں۔ حکیم گہری سوچوں میں کھو گیا اور بولا۔۔۔ "میرا شک یقین میں بدل گیا ہے۔ یہ بدروح ہے۔ گھبراؤ نہیں۔ میں ابھی ایک تعویذ دوں گا پھر بدروح سے پوچھوں گا کہ کیا چاہتی ہے۔ اس کے مطابق کچھ اور کروں گا لیکن تمہیں ڈرنا نہیں چاہیے۔ یہ بدروح تمہارے ساتھ محبت کرتی ہے اس لیے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ تم اُس جگہ جاتے رہنا۔ اگر تم نے اس بدروح سے بھاگنے کی کوشش کی تو نقصان کا خطرہ ہے"۔

حکیم نے اُسے ایک تعویذ دے دیا جو اُس نے اپنے بازو کے ساتھ باندھ لیا۔

"میں رات کو اپنا عمل کروں گا" حکیم نے کہا۔ "کل صبح میرے پاس آنا۔ تمہیں بتاؤں گا کہ بدروح کیا ہے۔ تم نے رونے کی جو آوازیں سنی ہیں وہ اسی بدروح کی ہیں۔ یہ بدروح شیطان نہیں، پھر بھی کوشش کروں گا کہ تمہیں اس سے نجات مل جائے۔"

مہدی الحسن دل پر تذبذب اور ہیجان لے کر چلا گیا۔

☆

اگلے روز مہدی الحسن کو علی بن سفیان کی طرف سے کچھ اور ہدایات ملیں۔ وہ بھاگم بھاگ حکیم کے پاس گیا۔ حکیم جیسے اُسی کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ اُسے دیکھتے ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور اُسے اندر لے گیا۔

"وہ تمہارے ساتھ صرف ایک ملاقات کرنا چاہتی ہے" حکیم نے اُسے کہا۔ "وہ تمہارے سامنے آئے گی۔ اپنا آپ دکھائے گی۔ تم اُسے دیکھ سکو گے۔ ہو سکتا ہے پہلے روز وہ تمہارے سامنے آئے اور غائب ہو جائے۔ وہ دوسری دنیا کی مخلوق ہے۔ شاید اس دنیا کے انسانوں کے قریب آنے سے گریز کرے۔ اگر اُس نے ایسا ہی کیا تو تمہیں اگلے روز پھر جانا پڑے گا۔"

"کہاں؟"

"وہیں، جہاں تم ہر روز جاتے ہو" حکیم نے کہا۔ "جہاں تم نے مجھے دیکھا تھا۔ تم وہاں رات کو جاؤ گے۔"

"آپ بھی ساتھ ہوں گے؟"

"نہیں" حکیم نے جواب دیا۔ "اُس جہان میں گئی ہوئی روح صرف اُسے نظر آتی ہے جسے وہ چاہتی ہے، اور اگر کوئی گناہگار بدروح کسی انسان پر نظر رکھ لے تو اُسے فوراً مار ڈالتی ہے۔ یہ بدروح جو تمہیں ملنا چاہتی ہے کسی کو پریشان کرنے والی نہیں۔ اُس کے رونے کو سمجھو۔ وہ مظلوم ہے۔ محبت کی پیاسی ہے۔ میں نے رات جب اُسے حاضر کیا تو وہ زار و قطار روئی اور اُس نے میری منت کی کہ اِس شخص کو تھوڑی دیر کے لیے میرے پاس بھیج دو، پھر ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔"

اگر یہ باتیں کوئی اور کر رہا ہوتا تو مہدی الحسن پر اتنا زیادہ اثر نہ ہوتا جتنا اُس نے قبول کیا۔ یہ باتیں اُس حکیم کی زبان سے نکل رہی تھیں جس سے مہدی الحسن کے بڑے حاکم بھی متاثر تھے ...... وہ حکیم بھی تھا، اور عالم بھی۔ اُس کے بولنے کا انداز ایسا تھا جو سننے والے کی روح میں اُتر جاتا تھا۔ اُس نے مہدی الحسن کو یقین دلایا کہ رات کو اس بدروح کی ملاقات سے اُس پر کوئی خوف طاری نہیں ہوگا اور اُسے نقصان کی بجائے شاید کچھ فائدہ بھی ملے۔

"ایک احتیاط بھی ضروری ہے" حکیم نے اُسے کہا۔ "کسی کے ساتھ اس بدروح کے متعلق یا اُس کی ملاقات کے متعلق کوئی بات نہ کرنا۔ اگر تم نے یہ راز فاش کر دیا تو نقصان کا خطرہ ہے۔ تم اپنی دنیا کے انسانوں کو دھوکہ دے سکتے ہو، عالمِ غیب میں گئی ہوئی روح کا راز فاش کرو گے تو میں بتا نہیں سکتا کہ تمہارے جسم کے کون سے دو اعضا ہمیشہ کے لیے بیکار ہو جائیں گے۔ دونوں ٹانگیں سوکھ جائیں گی یا دونوں بازو یا دونوں

آنکھیں بینائی سے محروم ہو جائیں گی۔ اب میں تمہیں جو بات بتانے لگا ہوں یہ بھی ایک راز ہے۔ یہ راز تمہیں اس لیے دے رہا ہوں کہ تم عبرت حاصل کر سکو۔ یہاں کی فوج کے دو اعلیٰ رتبے کے کماندار رات کے وقت مارے گئے ہیں۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس طرح مرے ہیں۔ مجھے دو تین بدروحوں نے بتایا ہے کہ انہیں بدروحوں نے مارا ہے۔ انہوں نے بدروحوں کے راز فاش کر دیئے تھے۔"

"وہ کس طرح؟" مہدی الحسن گنوار گڈریا اور صحرائی خانہ بدوش بنا ہوا تھا لیکن وہ دراصل جاسوس تھا۔ وہ ان دو کمانداروں کی موت کا سراغ لینا چاہتا تھا۔ اُس نے حکیم سے تفصیل پوچھی۔

"میں ایسی راز کی بات کسی کو بتا نہیں سکتا" حکیم نے کہا۔ "جتنی اجازت تھی اتنی بتا دی ہے۔ تم بالکل خاموش رہنا۔ اپنے اس راز کے ساتھ واسطہ رکھو جو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ یہ بھی نہ سوچنا کہ میں تمہاری ذات میں کسی لالچ اور کسی اُجرت کے بغیر اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہوں۔ میں اِن روحوں اور بدروحوں کی خواہشات کا پابند ہوں۔ اگر میں انہیں ناراض کر دوں تو میرا علم بیکار ہو جائے اور بدروحیں میرا بھی وہی حشر کر دیں جو وہ اپنے دشمنوں کا کرتی ہیں۔ اس روح نے جو تمہیں دیکھ کر روتی ہے مجھے کہا ہے کہ میں اس کے ساتھ تمہاری تھوڑی سی دیر کی ملاقات کرا دوں تو یہ میرا فرض ہے کہ اس کی خواہش پوری کروں۔"

"اگر میں اس سے نہ ملوں تو کیا ہوگا؟"

"وہ بدروح بن کر تمہاری روح پر اپنا سایہ کرے گی" حکیم نے جواب دیا۔ "تم نے مجھے اپنی جو تکلیف بتائی تھی وہ کوئی جسمانی تکلیف نہیں۔ یہ روحانی عارضہ ہے۔ اس نے تم پر ابھی اپنا پورا اثر نہیں ڈالا تھا۔ تم کوئی نیک انسان ہو۔ تمہاری نیکی تمہارے کام آئی ہے۔ تم نے میرے ساتھ اس تکلیف کا ذکر کر دیا۔ خدائے ذوالجلال جس پر رحمت فرمانا چاہتے ہیں اس کے لیے وہ کسی انسان کو سبب بنا دیتے ہیں۔ یہ کرشمہ اللہ کی ذات کا ہے کہ تم نے مجھے وہاں دیکھ لیا اور ہم دونوں ملے۔ اس رحمت سے ڈرو نہیں۔ اگر تم اس بدروح کی ملاقات کی خواہش کر دو گے تو وہ اس دنیا میں تمہیں بہت فائدہ دے گی۔ ایک فائدہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ نہایت خوبصورت لڑکی کے روپ میں گوشت پوست کا زندہ جسم بن کر تمہیں جب چاہو گے ملا کرے گی۔ تم اُسے بیوی بنا کر گھر رکھ سکتے ہو اور اگر وہ زیادہ مہربان ہو گئی تو مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں کسی فرعون کے مدفون خزانے کا بھید بتا دے اور ایسا ذریعہ پیدا کر دے کہ تم یہ خزانہ نکال کر اور اس بدروح کو ساتھ لے کر مصر سے کہیں دُور چلے جاؤ اور کسی خطے کے بادشاہ بن جاؤ۔"

"ملاقات کب ہوگی؟"

"آج رات چلے جاؤ" حکیم نے کہا۔

حکیم نے اُسے ایک اور تعویذ دیا اور اُسے بہت سی ہدایات دیں۔ خطروں سے بھی آگاہ کیا اور فائدے بھی بتائے اور زور دے کر کہا کہ ڈرنا نہیں۔ وہاں پہنچنے کا وقت بھی بتایا جو رات تاریک ہو جانے کے کچھ دیر بعد کا تھا۔ مہدی الحسن عجیب و غریب سے تاثرات لے کر وہاں سے اٹھا اور اپنی روزمرہ کی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

دن وہاں گزارا اور سورج غروب ہونے سے بہت پہلے واپس چلا گیا۔

☆

رات تاریک ہوئی تو وہ پھر وہاں موجود تھا مگر اب ڈیوٹی پر نہیں بدروح کی ملاقات کے لیے گیا تھا۔ ایسی تاریک تنہائی اور ایسے سنسان ماحول میں اُسے خوفزدہ ہونا چاہیے تھا لیکن حکیم کی باتیں اُسے حوصلہ دے رہی تھیں۔ اُس نے بازو کے ساتھ دو تعویذ باندھ رکھے تھے اور وہ اپنے طور پر کوئی ورد بھی کر رہا تھا۔ وہ اُس جگہ پہنچ گیا جو اُسے حکیم نے بتائی تھی۔ یہ پہاڑیوں کے اندر تھی۔ درخت بھوتوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔
ماحول اس قدر خاموش تھا کہ مہدی الحسن کو اپنے دل کی دھڑکن بھی سنائی دے رہی تھی۔

اُسے رونے کی وہی آواز سنائی دی جو اُس نے دن کو سنی تھی۔ وہ اس آواز کی طرف چل پڑا۔ کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ وہ ذرا سا چل کر رُک گیا۔ اب کے رونے کی آواز اس کے عقب سے آنے لگی۔ یہ بھی دُور تھی۔ وہ اُس طرف چل پڑا۔ اس جگہ سے وہ واقف تھا اس لیے آسانی سے چلا جا رہا تھا۔ یہ آواز بھی خاموش ہوگئی۔

مہدی الحسن نے بلند آواز سے کہا۔ "مجھے اپنا آپ دکھاؤ گی یا اسی طرح ڈراتی رہو گی؟"

اُسے اپنے ہی الفاظ صاف سنائی دیئے۔ اگر اُسے یہ علم نہ ہوتا کہ یہ اُس کی اپنی صدائے بازگشت ہے تو وہ ڈر کے مارے بھاگ جاتا۔ یہ صحرائی پہاڑیاں تھیں جو دیواروں کی طرح کھڑی تھیں۔ ان میں زیادہ تر عمودی اور کچھ ڈھلانی تھیں۔ مہدی الحسن کو اپنی آواز تین چار بار سنائی دی۔ اُس کی آواز ماحول اور فضا میں گھومتی اور تیرتی محسوس ہوتی تھی۔

اس آواز کی گونج تاریک فضا میں تحلیل ہوگئی تو اُسے ایک نسوانی آواز سنائی دی ـــ "مجھ سے ڈرو نہیں۔ آگے آؤ۔" یہ آواز دُور سے آئی تھی۔ یہ اُسے کئی بار سنائی دی اور آہستہ آہستہ ختم ہوگئی۔

آواز پھر آئی ـــ "اب بے وفائی نہ کرنا۔ میں دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔"

مہدی الحسن کو یہ الفاظ کئی بار سنائی دیئے، پھر مہدی الحسن کی آواز اُبھری اور بار بار سنائی دینے کے بعد خاموش ہوگئی۔ اس طرح دونوں طرف سے آوازیں اُبھرتی، بھٹکتی اور گونجتی رہیں۔ بدروح کی آواز میں التجا تھی جس سے مہدی الحسن کا خوف دُور ہوگیا۔ وہ ان پہاڑیوں میں اندر تک چلا گیا۔ اُسے سامنے روشنی کی چمک دکھائی دی جو آسمانی بجلی کی طرح چمکی اور بجھ گئی۔ اس چمک میں اُس نے دیکھ لیا کہ وہ کہاں ہے۔ اُسے اس چمک میں اُس سرنگ کا دہانہ نظر آیا تھا جس میں سے گزر کر وہ ایک بار دوسری طرف گیا تھا۔ وہ وہیں رُک گیا۔

کچھ دیر بعد روشنی پھر چمکی اور اس میں اُسے سرنگ کے دہانے میں کوئی انسان کھڑا نظر آیا۔ روشنی جانے کہاں سے آ رہی تھی۔ یہ اتنی لمبی چوڑی تھی کہ دہانے میں کھڑا انسان صاف نظر آتا تھا۔ وہ اس سے کم و بیش پچاس قدم دُور تھا۔ اُس نے غور سے دیکھا۔ چہرہ بڑی ہی خوبصورت لڑکی کا تھا۔ صرف چہرہ نظر آتا تھا۔ باقی سارا جسم سفید کفن میں لپٹا ہوا تھا۔ مہدی الحسن ڈرنے لگا۔ اُسے نسوانی آواز سنائی دی ـــ "مجھ سے ڈرو نہیں۔ دو ہزار سال

سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔"

وہ آگے بڑھا۔ چند قدم چلا ہوگا کہ کفن سے ایک بازو باہر آیا جو مہدی الحسن کی طرف بڑھا۔ ہاتھ کی ہتھیلی اس طرح آگے ہوئی جیسے اشارہ کیا ہو کہ آگے نہ آنا۔ مہدی الحسن وہیں رُک گیا۔ روشنی بجھ گئی۔ وہ اس انتظار میں کھڑا رہا کہ روشنی ایک بار پھر چمکے گی اور اُسے کفن میں لپٹی ہوئی یہ لڑکی نظر آئے گی مگر اُسے آواز سنائی دی۔

"تم پر اعتبار کون کرے۔ چلے جاؤ۔ چلے جاؤ۔"

"مجھ پر اعتبار کرو۔" مہدی الحسن نے کہا اور آگے کو دوڑا۔ وہ پکارتا جا رہا تھا۔ "میں تمہاری خاطر آیا ہوں۔ میرے قریب آؤ۔"

وہ سرنگ کے دہانے میں جا رکا۔ اُسے سرنگ کے اندر سے آواز سنائی دی۔ "کل آنا۔ چلے جاؤ۔ تم فانی دنیا کے انسان ہو۔ تمہارے وعدے بھی فانی ہیں۔"

مہدی الحسن سرنگ کے اندر چلا گیا اور آگے ہی آگے چلا گیا۔ اُسے سرنگ کا دوسرا دہانہ دکھائی دیا۔ سرنگ کے اندر کی نسبت باہر تاریکی کم تھی اس لیے سرنگ کا دہانہ نظر آ رہا تھا۔ سرمئی سی اس روشنی میں ایک لمبوترا سایہ دکھائی دیا جو فوراً غائب ہوگیا۔ یہ کفن میں لپٹی ہوئی لڑکی جیسا تھا۔ مہدی الحسن دوڑ پڑا۔ ٹھوکر کھا کر گرا اور اُٹھ کر پھر دوڑا۔ اگلے دہانے میں جا کر اُس نے آوازیں دیں مگر اُسے اپنی ہی پکار کی صدائے بازگشت کے سوا کوئی جواب نہ ملا۔ رونے کی آواز بھی نہ اُبھری۔ بدروح نے بھی اُسے نہ پکارا۔ وہ مایوس ہو کر واپس چل پڑا۔ ابھی وہ سرنگ کے وسط ہی میں تھا کہ اُسے سرنگ کے سامنے والے دہانے میں روشنی دکھائی دی۔ مگر اس روشنی میں کفن میں لپٹی ہوئی لاش نہیں تھی۔

روشنی بُجھ گئی۔ مہدی الحسن سرنگ سے نکل گیا۔ اُسے سامنے اور ذرا بائیں کو بلندی پر روشنی کا دھوکہ ہوا مگر وہ کسی اور طرح کی روشنی تھی جیسے کسی نے کھڈ میں یا چٹان کے پیچھے آگ جلا رکھی ہو۔ مہدی الحسن نے کچھ سوچا اور اُدھر کو چل پڑا جدھر سے آیا تھا۔ وہ اس پہاڑی علاقے سے نکل گیا۔ اُس کا اونٹ باہر بندھا تھا۔ وہ اونٹ پر سوار ہوا اور قاہرہ کی سمت روانہ ہوگیا۔ اس کی ذہنی کیفیت ایسی تھی جس میں ڈر اور خوف نہیں بلکہ اضطراب اور ہیجان تھا۔ وہ ان دو روشنیوں کے متعلق سوچ رہا تھا۔ ایک وہ جس میں اُسے کفن میں لپٹی ہوئی لاش نظر آئی تھی اور دوسری وہ جو اُسے بلندی پر دکھائی دی تھی۔ بلندی والی روشنی آگ کی تھی۔

وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔ رات بہت گزر گئی تھی پھر بھی اُسے نیند نہ آئی۔ بار بار کفن میں لپٹی ہوئی لڑکی کا چہرہ اُس کے سامنے آتا تھا اور یہ ارادہ اُسے تڑپا دیتا کہ وہ رات وہیں گزارے اور اس لڑکی کو قریب سے دیکھ کر لوٹے۔

☆

عادت کے مطابق وہ صبح وقت پر اُٹھا، مشین کی طرح روزمرہ کے کام کیے۔ علی بن سفیان کے پاس جا کر نئی ہدایات لیں جن میں ایک یہ تھی کہ اس علاقے میں اس کی ڈیوٹی ختم کر دی گئی تھی۔ اُسے شہر کے باہر کسی

اور جگہ جانے کو کہا گیا۔

"مجھے ابھی وہیں جانے دیں جہاں اتنے دنوں سے جا رہا ہوں۔" مہدی الحسن نے کہا۔ "مجھے توقع ہے کہ ان پہاڑیوں میں مجھے کچھ مل جائے گا۔ میں دو تین روز بعد آپ کو بتا سکوں گا کہ یہ علاقہ صاف ہے یا نہیں۔"

علی بن سفیان اس کے مشوروں کو نظر انداز نہیں کرتا تھا۔ وہ کوئی عام قسم کا جاسوس نہیں تھا۔ اس شعبے کا عہدیدار تھا اور تجربے کے لحاظ سے وہ قابلِ اعتماد تھا۔ کچھ دیر کی بحث اور غور و خوض کے بعد علی بن سفیان نے اپنے اسی علاقے میں جانے کی اجازت دے دی۔ مہدی الحسن بدروح سے ملے بغیر اس علاقے کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ شاید پہلا موقع تھا کہ اُس نے فرض پر اپنی ذاتی خواہش کو ترجیح دی تھی۔ علی بن سفیان کو ذرا سا بھی شک ہوتا کہ وہ کسی اور چکر میں اپنی ڈیوٹی بدلنے سے گریز کر رہا ہے تو اُسے کبھی نہ جانے دیتا۔ ایک تجربہ کار جاسوس اور سراغرساں اپنے آپ کو ایسے خطرے میں ڈال رہا تھا جس میں اس کی جان ضائع ہو سکتی تھی۔

مہدی الحسن حکیم کے پاس گیا اور اُسے رات کی واردات سنائی۔ حکیم نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے آنکھیں کھولیں اور مہدی الحسن کی آنکھوں میں جھانکا۔

"آج رات پھر جاؤ۔" حکیم نے اُسے کہا۔ "اُس پاک جہان کی مخلوق اِس ناپاک دنیا کے کسی انسان کے قریب آنے سے ڈرتی ہے۔ تم کوئی ایسی ویسی حرکت نہ کرنا۔ شاید آج بھی ذرا سی دیر نظر آ کر وہ غائب ہو جائے۔ تم بے صبر نہ ہو جانا۔ وہ تمہیں ملنے کو بے تاب ہے۔ ضرور ملے گی۔ اگر اس ملاقات میں تمہارا فائدہ نہ ہوتا تو میں تمہیں وہاں نہ بھیجتا۔ تمہاری جان کو بھی کوئی خطرہ نہیں۔"

مہدی الحسن چلا گیا۔ اُس علاقے میں گھومتا پھرا۔ سرنگ کے اندر گیا۔ دوسری طرف گیا۔ سرنگ کے دہانے سے نیچے اُتر گیا۔ اُسے زمین پر کپڑے کی ایک پٹی پڑی نظر آئی۔ اُس نے اٹھا لی۔ یہ نصف انچ چوڑی اور کوئی نصف گز لمبی ہو گی۔ اسے وہ دیکھتا رہا اور اپنے پاس رکھ لی۔ وہ پھر سرنگ میں داخل ہوا اور باہر آ گیا۔ اُس نے اُس بلندی کی طرف دیکھا جہاں رات اُسے آگ کا دھوکہ ہوا تھا۔ اُدھر ڈھلان تھی۔ وہ سرنگ سے نکل کر ڈھلان پر چڑھنے لگا۔ اُسے ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ "اوپر نہ جانا۔ جس کے لیے تم آئے ہو وہ تمہیں رات کو ملے گی۔" یہ آواز گونج بن کر بار بار سنائی دینے لگی۔

"ہماری دنیا میں آ کر کھوج نہ لگاؤ۔" وہی آواز پھر سنائی دی۔

مہدی الحسن رُک گیا۔ اُسے ایسے محسوس ہونے لگا جیسے یہ آواز اُس کے اردگرد گھوم رہی ہے۔ وہ اوپر نہ گیا۔ حیرت زدہ ہو کر اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ اس نے سوچا کہ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس سے یہاں کی کوئی بدروح اُسے نقصان پہنچا دے۔ وہ اس جگہ سے باہر چلا گیا اور ایک جگہ بیٹھ کر سوچنے لگا کہ اس جگہ کی حقیقت کیا ہے۔ دن اسی سوچ میں گزر گیا اور وہ رات کو وہیں واپس آنے کے لیے چلا گیا۔

سورج غروب ہونے کے بعد جب وہ اس پہاڑی خطے میں جانے لگا تو وہی بھیس بدلا جس میں وہ وہاں جایا کرتا تھا۔ دن کے وقت جب وہ ڈیوٹی پر جاتا تھا تو اپنا لمبا خنجر ساتھ لے جاتا تھا۔ حکیم نے اُسے بڑی سختی سے کہا تھا کہ وہ رات کو جب بدروح سے ملنے جائے تو اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جائے۔ گزشتہ رات وہ خنجر اپنے ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ اب شام کو وہ بدروح کی ملاقات کے لیے جا رہا تھا۔ اُس نے گڈریوں کا بھیس بدل لیا۔ خنجر دیوار کے ساتھ لٹک رہا تھا۔ اُس نے خنجر کو دیکھا اور گہری سوچ میں کھو گیا۔ ہدایت کے مطابق اُسے خنجر ساتھ نہیں لے جانا تھا لیکن اُس نے گہری سوچ سے بیدار ہو کر خنجر دیوار سے اُتار لیا۔ اپنے کپڑوں کے اندر کمر کے ساتھ باندھ لیا اور باہر نکل گیا۔

اُس جگہ پہنچ کر اُس نے اونٹ کو بٹھا دیا اور اور اُس جگہ چلا گیا جہاں سے سرنگ کا دہانہ نظر آتا تھا۔ اُسے اپنے عقب میں کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی جو فوراً خاموش ہو گئی۔ اُس کے فوراً بعد اوپر سے پتھر لڑھکنے کی آواز آئی جو ایسی بلند تو نہیں تھی، لیکن ایسے سکوت اور ایسی وادیوں میں جو عمودی پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھیں یہ آواز لڑھکتے پتھر ساکن ہو جانے کے بعد بھی سنائی دیتی رہی پھر ایسی گونج بن کر فضا میں تیرنے لگی جیسے کوئی سسکیاں اور ہچکیاں لے رہا ہو۔ ذرا اور وقت گزرا تو مہدی الحسن کو رونے کی آوازیں سنائی دیں۔

"میرے سامنے آؤ۔" مہدی الحسن نے بلند آواز سے کہا۔ "میری دنیا ناپاک ہے میں ناپاک نہیں ہوں۔"

"تم مجھے پھر چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔" یہ نسوانی آواز کہیں قریب سے آئی۔

مہدی الحسن کی آواز اور یہ نسوانی آوازیں بار بار سنائی دینے لگیں جیسے ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑ رہی ہوں۔ روشنی چمکی اور بُجھ گئی جس سے مہدی الحسن کو سرنگ کا دہانہ نظر آیا۔ وہ دبے پاؤں تیز قدم آگے چلا گیا اور سرنگ کے دہانے سے ذرا نیچے ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ گیا۔ اُس نے اُدھر اوپر دیکھا جہاں گزشتہ رات اُسے آگ کا دھوکہ ہُوا تھا۔ وہ دھوکہ آج بھی موجود تھا۔ سرنگ کا دہانہ ذرا بلند تھا۔ وہ پیٹ کے بل سرکتا اوپر چلا گیا اور وہ چند لمحوں بعد دہانے کے اندر تھا۔ وہاں سے اُس نے چھپ کر اُدھر اوپر دیکھا جدھر اُسے آگ کا دھوکہ نظر آیا تھا۔ اب چونکہ وہ خود بھی بلندی پر تھا اس لیے اُسے وہاں آگ کی ایسی روشنی دکھائی دی جس کا شعلہ کہیں چھپا ہُوا تھا۔

اُسے سرنگ کے اندر سے کسی عورت کی آواز سنائی دی۔ "دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔ آگے آؤ۔"

مہدی الحسن سرنگ کی دیوار کے ساتھ ساتھ اور اندر کو چل پڑا۔ اُسے خیال آیا کہ حکیم نے اُسے کہا تھا کہ اپنے ساتھ کوئی ہتھیار نہ لے جانا ورنہ اس لڑکی کی روح سامنے نہیں آئے گی۔ اُس کے پاس ڈیڑھ فٹ لمبا خنجر تھا اور بدروح بول رہی تھی۔ وہ اور آگے چلا گیا اور سرنگ کے وسط میں پہنچ گیا۔ سرنگ فراخ تھی۔

اُسے کوئی آتا محسوس ہُوا۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھ گیا۔ اس کے قریب سے کوئی گزرنے لگا۔ اتنے گھُپ اندھیرے میں بھی اُس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ وہی لڑکی ہے اور یہ کفن میں لپٹی ہوئی ہے۔ لڑکی رُک گئی اور اس نے رونے کی آواز نکالی۔ مہدی الحسن نے یہ آواز پہلے کئی بار سنی تھی۔ اُس کا دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کفن میں لپٹی ہوئی لاش آگے کو سرکی۔ عین اُس وقت دہانے پر روشنی چمکی اور بُجھ گئی۔ مہدی الحسن اٹھا اور بجلی کی تیزی سے پیچھے سے لاش کو دبوچ لیا۔ لاش کی آواز سنائی دی — "او بدبخت، تمہیں کس وقت مذاق سُوجھا ہے۔ چھوڑ دو مجھے۔ شکار انتظار میں کھڑا ہے۔"

مہدی الحسن نے جس شک پر جان کی بازی لگا کر اُسے پکڑا تھا وہ شک صحیح ثابت ہُوا۔ اُس نے سوچ لیا تھا کہ یہ بدروح ہوئی تو اُس کے ہاتھ نہیں آئے گی اور اُس کی جان نکال لے گی اور اگر یہ کوئی دھوکہ ہُوا تو اُسے بڑا موٹا شکار مل جائے گا۔

کفن میں لپٹی ہوئی اس عورت کی آواز سنتے ہی مہدی الحسن سرگوشی میں بولا — "اونچی آواز نکالی تو خنجر ایک پہلو میں گھونپ کر دوسرے پہلو سے نکال دوں گا۔"

"میں تمہارا دل اور کلیجہ منہ کے راستے نکال کر کھا جاؤں گی۔" عورت نے کہا — "میں روح ہوں۔"

مہدی الحسن نے اُسے ایک بازو سے دبوچے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نکال کر اُس کی نوک عورت کے پہلو میں رکھ دی۔ سرنگ کے سامنے والے دہانے پر ایک بار پھر روشنی چمکی۔ مہدی الحسن کا اُدھر جانا پُرخطر تھا۔

"میں اسی لیے تمہیں اپنے قریب نہیں آنے دیتی تھی کہ تم فریبی اور فانی دنیا کے انسان ہو۔" عورت نے رُندھی ہوئی اور اثر انگیز آواز میں کہا — "دو ہزار سال سے تمہاری راہ دیکھ رہی ہوں۔"

"تمہارا انتظار ختم ہو گیا ہے۔" مہدی الحسن نے کہا — "اب تم روحوں کی پاک دنیا میں واپس نہیں جاؤ گی۔ تم اب میری ناپاک دنیا کی عورت ہو۔"

"میں عورت نہیں۔" اس نے کہا — "میں جوان لڑکی ہوں۔ میں حسین لڑکی ہوں۔ میں اونچا نہیں بولوں گی۔ میری بات غور سے سُن لو۔ میں جانتی ہوں تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔ تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ میں نے تمہیں حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا اور یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"تو چلو میرے ساتھ۔" مہدی الحسن نے کہا۔

"نہیں۔" لڑکی نے کہا — "تم میرے ساتھ چلو۔ میں تمہارے ساتھ گئی تو ہم دونوں بھوکے مریں گے۔ تم میرے ساتھ آئے تو فرعونوں کا خزانہ ہمارا ہو گا۔ پھر تمہیں ویرانوں میں بھٹکتے پھرنے اور تھوڑی سی تنخواہ کے عوض جاسوسی کرتے پھرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"خزانہ نکال رہے ہیں۔" لڑکی نے کہا — "میں بہت سے آدمیوں کے ساتھ ہوں۔"

"وہ سب کہاں ہیں؟"

"میرے ساتھ چلو۔ سب تمہارا استقبال کریں گے۔" لڑکی نے کہا — "مجھے روشنی میں دیکھو گے تو خزانوں کو اور اپنی دنیا کو بھول جاؤ گے۔"

مہدی الحسن جو خوشبو اس لڑکی کے جسم سے سونگھ رہا تھا وہ اُس پر خمار طاری کر رہی تھی۔ اُس نے اِس لڑکی کو جب اپنے بازوؤں میں دبوچا تھا تو اُس نے محسوس کر لیا تھا کہ یہ جسم ایمان خریدنے کا اثر رکھتا ہے۔ لڑکی کی آواز میں ترنم تھا۔ اس پر نشہ طاری ہو چلا تھا۔ اُس لمحے سرنگ کے دہانے پر روشنی پھر چمکی۔ مہدی الحسن بیدار ہو گیا۔ اُس نے لڑکی سے یہ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کہ اس کے آدمی سرنگ کے پیچھے بھی ہیں یا نہیں۔ سامنے کے دہانے کی طرف وہ نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ اُدھر کے متعلق اُسے یقین تھا کہ اُدھر آدمی ہوں گے اور روشنی کا انتظام تو اُدھر تھا ہی۔

"اٹھو۔" اس نے لڑکی کو اٹھایا اور کہا — "کفن اتار دو۔"

لڑکی نے کفن اتار دیا۔ مہدی الحسن نے کفن سے لمبی اور چوڑی پٹیاں پھاڑیں۔ ایک سے لڑکی کے ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیے۔ دوسری پٹی سے اُس کی ٹانگیں ٹخنوں کے قریب سے باندھیں۔ تیسری پٹی اُس کے مُنہ پر باندھ کر اُسے کندھے پر ڈال لیا۔ خنجر ہاتھ میں رکھا اور وہ سرنگ کے پچھلے دہانے کی طرف چل پڑا۔ اُسے وہاں سے بہت جلدی نکلنا تھا۔

☆

گزشتہ رات جب مہدی الحسن یہاں آیا تھا تو وہ بدروح سے ہی ملنے آیا تھا۔ سرنگ کے دہانے پر وہ روشنی کی چمک میں اُسے نظر آئی اور غائب ہو گئی تھی۔ مہدی نے دہانے پر جا کر ایک تودہ سامنے کے سامنے بلندی پر روشنی سی دیکھی تھی اور پھر وہ سرنگ کے اندر گیا تو اس نے دوسرے دہانے میں سے ایک سایہ سا باہر جاتے دیکھا تھا۔ دن کے وقت وہ پھر سرنگ میں سے گزر کر دوسری طرف گیا تو اُسے کپڑے کی ایک باریک سی پٹی زمین پر پڑی نظر آئی تھی۔ اُسے پٹی دیکھتے ہی یاد آ گیا کہ میت پر کفن ایسی ہی پٹیوں سے باندھا جاتا ہے۔ وہ چونکہ علی بن سفیان کا تربیت یافتہ تھا اس لیے وہ ذرا ذرا سی چیزوں اور لطیف سے اشاروں کو بہت اہمیت دے رہا تھا۔ وہ جب آج رات بدروح کی ملاقات کے لیے چلا تھا تو اُس نے حکیم کے منع کرنے کے باوجود خنجر ساتھ لے لیا تھا۔ یہ آزمائش کا ایک طریقہ تھا۔ خنجر کے باوجود بدروح آ گئی۔

اس نے دلیری یہ کی کہ آج دہانے پر روشنی نظر آتے ہی وہ دہانے میں چلا گیا اور وہاں سے اس نے بلندی پر دیکھا۔ وہاں آگ کا چھپا ہُوا شعلہ تھا۔ دہانے پر چمک وہیں سے آتی تھی۔ مہدی الحسن کو دو واقعات یاد آ گئے۔ صلیبیوں کے ایجنٹوں نے مصر کے ایسے ہی پہاڑی علاقوں میں مصر کے دیہاتیوں کو توہمات میں اُلجھانے اور انہیں اثر میں لینے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ ایک پہاڑی پر بڑے شعلے والی مشعل جلا کر چھپا رکھی تھی۔ اس کے سامنے لکڑی کا ایسا تختہ رکھتے تھے جس پر ابرق چپکا ہُوا تھا۔ دوسرے واقعہ میں چمکیلی دھات کی

چادر استعمال کی گئی تھی۔ ابرق یادھات کی چمک سامنے والی پہاڑی پر پڑتی تھی۔ مشعل اور چادر کے درمیان ایک اور تختہ رکھتے تو چمک بجھ جاتی تھی۔ یہ مشعل اور چمکیلی چادر ایسی جگہ رکھی جاتی جہاں سے یہ لوگوں کو نظر نہیں آتی تھیں۔

ان دونوں وارداتوں میں صلیبی ایجنٹ پکڑے گئے اور ان کا یہ طریقہ بے نقاب ہو گیا تھا ورنہ سیدھے سادے لوگ اسے غیب کی چمک سمجھتے تھے۔ ان دونوں وارداتوں پر چھاپہ مارنے والوں میں مھدی الحسن بھی تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ سرنگ کے بالکل بالمقابل پہاڑی پر جو آگ کا دھوکہ سا ہوتا ہے وہ مشعل چھپی ہوئی ہے اور سرنگ کے دہانے پر اسی کی چمک پھینکی جاتی ہے۔

اُسے ٹریننگ کے دوران بتایا گیا تھا کہ جو انسان مر جاتا ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے تعلق توڑ جاتا ہے۔ خدا اس کی روح کو یوں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ انسانوں کے پیچھے دوڑتی پھرے۔ جو مر جاتے ہیں وہ نہ جسمانی طور پر واپس آتے ہیں نہ روح یا بدروح کی شکل میں۔ مھدی الحسن کو ٹریننگ میں یہ اٹل حقیقت ذہن نشین کرائی گئی تھی کہ انسان کو خدا نے اتنی زیادہ جسمانی اور روحانی قوت عطا کی ہے جو پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہو گا یہ قوت اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ جنّات اور بھوت اور چڑیلیں انسان کے اپنے ذہن کی تخلیق ہیں۔ صلیبی ہمارا ایمان کمزور کرنے کے لیے ہم پر وہمے اور توہمات طاری کر رہے ہیں۔

یہ سبق قوم کے ہر فرد کو ملنا چاہیے تھا لیکن یہ ممکن نہ تھا۔ سلطان ایوبی نے لڑاکا جاسوسوں (کمانڈوز) کے جو دستے تیار کیے تھے انہیں بڑی کاوش سے ذہن نشین کرایا گیا تھا کہ ایمان کی قوت کیا ہوتی ہے۔ انہیں توہمات سے دُور رکھا گیا تھا۔ انہیں عملی سبق بھی دیئے گئے تھے۔

"صلیبیوں نے تمہارے سامنے حضرت عیسٰی کو زمین پر اُتارا تھا"۔ مھدی الحسن کو علی بن سفیان کا ایک سبق یاد آ گیا تھا۔ "تمہارے سامنے خدا کو بھی انہوں نے زمین پر اُتارا تھا۔ وہ بدروحوں کو بھی لائے۔ تم نے یہ فریب کاری اپنی آنکھوں دیکھی تھی اور یہ بھی دیکھا تھا کہ یہ فریب کاری کیسی کاریگری سے کی جا رہی تھی۔ تم نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے کہ یہ شعبدہ بازی تھی۔ یہ اسلامی نظریات کو مجروح اور مسخ کرنے کی کوششیں تھیں جو تم نے ناکام کیں۔ خدا پہلے ہی زمین پر موجود ہے۔ قرآن کا فرمان ہے کہ کوئی پیغمبر واپس نہیں آئے گا۔ رسولِ اکرم صلعم کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ خدائے ذوالجلال نے ہمیں اپنا نور دکھا دیا ہے۔ صلیبی اس کوشش میں مصروف ہیں کہ مسلمان کے سینے میں اللہ، رسول صلعم اور قرآن کا یہ نور بجھ جائے"۔

سلطان ایوبی نے اپنی فوج میں اور خصوصاً اپنے جانباز دستوں کے دلوں میں یہ اصول پیوست کر رکھا تھا — "اللہ کے نام پر تم جو بھی خطرہ مول لو گے وہ تمہارے لیے خطرہ نہیں رہے گا کیونکہ تمہیں خدا کی خوشنودی اور مدد حاصل ہو گی۔ اگر آج تم توہم پرستی کا شکار ہو گئے تو تمہاری اگلی نسل کا ایمان اتنا کمزور ہو گا کہ وہ کفر کے آگے ہتھیار ڈال دے گی"۔

ایسے ہی کچھ اور سبق تھے جو مھدی الحسن کو یاد آ گئے تھے۔ اُسے اپنی اہمیت کا بھی احساس ہو گیا تھا۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ معمولی عہدے یا درجے کا جاسوس نہیں تھا۔ اس کی قابلیت اور تجربہ بھی غیر معمولی تھا۔ دشمن کے تخریب کار اُسے قتل کر سکتے تھے۔ اسی علاقے میں اُسے دُور سے تیر مار سکتے تھے لیکن اُس کے پائے کے جاسوسوں کو دشمن زندہ پکڑنے یا اپنے جال میں پھانس کر اس پر اپنا طلسم طاری کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ صلیبیوں اور حشیشین کے پاس ایسے طریقے تھے جن سے وہ کسی بھی انسان کے ذہن پر قبضہ کر کے اسے اپنے حق میں استعمال کر سکتے تھے۔ مھدی الحسن اُن کے کام کا انسان تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ انہوں نے صرف اسی کو پکڑنے کے لیے اس پہاڑی علاقے میں یہ ڈھونگ رچایا تھا۔ اس علاقے میں کسی جگہ انہوں نے اپنا اڈہ بنا رکھا تھا۔ مھدی الحسن کو انہوں نے گڈریے کے روپ میں بھی پہچان لیا تھا۔ چنانچہ اسے پھانسنے کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔

☆

مھدی الحسن لڑکی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے کندھے پر اٹھائے سرنگ کے دوسرے دہانے کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے سارے سبق یاد آ گئے تھے اور اس کے گرد سلطان ایوبی کی آواز گونج رہی تھی۔ "جس طرح ایک غدّار پوری قوم کو ذلّت و رسوائی میں ڈال سکتا ہے۔ اسی طرح ایک حریّت پسند جانباز پوری قوم کو بڑے سے بڑے خطرے سے بچا سکتا ہے"۔

مھدی الحسن کے دل میں یہ احساس ایک بڑا ہی مضبوط جذبہ بن کر بیدار ہو گیا کہ اس کی قوم جو گہری نیند سو رہی ہے وہ اُسی کے بھروسے پر سو رہی ہے۔ وہ جاسوسوں کی زمین دوز جنگ کا جانباز تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ قوم بہت بڑے لشکر کا اور گھوڑ سواروں کے طوفان کا اور تیروں کی بوچھاڑوں کا مقابلہ کر سکتی ہے لیکن دشمن کے جاسوسوں اور تخریب کاروں کا مقابلہ صرف ایک یا دو جاسوس ہی کر سکتے ہیں۔ مھدی الحسن مصر اور اپنی قوم کا واحد پاسبان اور سلامتی کا ضامن بن گیا مگر ایک سوال اسے پریشان کر رہا تھا — "کیا حکیم بھی دشمن کے تخریب کاروں کے گروہ کا فرد ہے؟"

اُس کا ذہن تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کہ اتنا عالم، معزز اور صاحبِ حیثیت طبیب جس کی عزت حکام بالا بھی کرتے تھے دشمن کا ساتھی ہو سکتا ہے۔ اُسے یاد آیا کہ اُسے جو سبق دیئے گئے تھے اور اس کے اپنے جو تجربے اور مشاہدے تھے اُن سے اُس پر یہ حقیقت واضح ہوئی تھی کہ ایمان فروشی کا عہدے اور رُتبے کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اُس نے دیکھا یہ تھا کہ ایمان کا سودا عموماً اونچے رتبے کے لوگ کرتے ہیں اور زیادہ بڑا بننے کے لالچ میں اگر بعض انسان ایمان گروی رکھ دیتے ہیں۔

اُس کے سامنے اب مسئلہ یہ تھا کہ لڑکی کو ساتھ لے کر وہ کس طرف سے باہر نکلے اور اپنے اونٹ تک پہنچے۔ لڑکی سے وہ اس لیے راہنمائی نہیں لینا چاہتا تھا کہ وہ اُسے غلط راستے پر ڈال کر کسی اور جال میں پھانس سکتی تھی۔ وہ جس راستے سے آیا تھا اُس راستے کو وہ اب مسدود سمجھتا تھا۔ روشنی پھینکنے والوں نے دہانے پر دو تین بار روشنی پھینکی تھی مگر لڑکی کو مھدی الحسن نے سرنگ میں دبوچ رکھا تھا۔ لڑکی کی وہ آواز بھی بند ہو گئی تھی جو

مہدی الحسن کو بدروح کا تاثر دیتی تھی۔ ان حالات میں اُسے یہ خطرہ نظر آ رہا تھا کہ اُدھر اس گروہ کے آدمی پیچھے اُتر آئے ہوں گے۔ سرنگ کی دوسری طرف اُسے معلوم نہیں تھا کہ کسی طرف سے باہر جانے کا راستہ ہے یا نہیں۔ وہ لڑکی کو اٹھائے سرنگ سے باہر نکل گیا۔ ایک طرف دہانے سے کچھ دُور جا کر اُس نے لڑکی کو زمین پر بٹھا دیا اور اُس کے منہ سے پٹی کھول کر کہا۔۔۔ "کیا تم بتاؤ گی کہ میں کس طرف سے جاؤں جدھر تمہارا کوئی آدمی نہ ہو؟"

"اگر اکیلے جاؤ تو بتا سکتی ہوں"۔

"تم میرے ساتھ چلو گی"۔ مہدی الحسن نے کہا۔۔۔ "مجھے پھانسنے کی کوشش کرو گی تو میں اپنے آپ کو زندہ نہیں رہنے دوں گا نہ تمہیں زندہ چھوڑوں گا"۔

"میں تمہیں وہ راز بتا دوں جو تم جاننا چاہتے ہو تو اکیلے چلے جاؤ گے؟"

"میں وہ راز جان چکا ہوں"۔ مہدی الحسن نے کہا۔۔۔ "مجھے راستہ بتاؤ"۔

"مجھے صرف ایک بار روشنی میں دیکھ لو"۔ لڑکی نے کہا۔۔۔ "پھر مجھے اپنا سمجھنا۔ ایک بار میرے ساتھ چلے چلو۔ میں تمہیں دھوکہ نہیں دے رہی"۔

لڑکی نے مہدی الحسن کی مردانگی کو بھڑکانے کے جتن کیے۔ زروجواہرات کے لالچ بھی دیئے مگر اُسے راستہ نہ بتایا۔ مہدی الحسن نے پٹی سے اُس کا منہ بند کر دیا اور خود ہی ایک محفوظ راستہ سوچ لیا۔ یہ راستہ پہاڑیوں کے اوپر تھا۔ اُس نے لڑکی کو وہیں بیٹھے رہنے دیا اور اوپر چڑھنے لگا۔ نیچے کسی کی آواز سُن کر وہ وہیں دبک گیا۔ کوئی مرد اس لڑکی کو پکار رہا تھا۔ مہدی الحسن آہستہ آہستہ نیچے آ گیا اور لڑکی کے قریب ایک بڑے پتھر کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس آدمی نے لڑکی کو شاید دیکھ لیا تھا۔

"تم بولتی کیوں نہیں؟"۔۔۔ اُس آدمی نے پوچھا اور اوپر آنے لگا۔ لڑکی کا منہ بند تھا۔ وہ آدمی اس کے قریب آ بیٹھا اور بولا۔۔۔ "کیا ہُوا ہے تمہیں؟ اُدھر نہیں گئی؟"

مہدی الحسن اُس کے عقب میں تھا۔ فاصلہ دو چار قدم تھا۔ اُس نے اُٹھ کر اُس آدمی کی پیٹھ میں خنجر کا بھرپور وار کیا۔ فوراً بعد دوسرا وار کیا۔ جوان آدمی کے دونوں وار دُور تک اُتر گئے۔ اس آدمی کی آواز بھی نہ نکلی۔ مہدی الحسن نے اُسے گھسیٹ کر اُس پتھر کے پیچھے پھینک دیا جس کے پیچھے وہ چھپا تھا۔ اُس نے لڑکی کو کندھے پر ڈالا اور پہاڑی پر چڑھ گیا۔ یہ کوئی اونچی پہاڑی نہیں تھی۔ اوپر سے چوڑی تھی۔ وہ اس پر چلنے لگا۔ اس کے لیے آسان طریقہ یہ تھا کہ رات بھر کہیں چھپا رہتا اور دن کی روشنی میں نکل جاتا لیکن اُس کی کوشش یہ تھی کہ بہت جلد تاہو پہنچ جائے تاکہ حکیم کی گرفتاری اور اس علاقے کو محاصرے میں لینے کا انتظام صبح سے پہلے ہو جائے۔

اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا جہاں مشعل کی روشنی تھی۔ اب چونکہ وہ خود بلندی پر تھا اس لیے اُسے بالمقابل بلندی پر مشعل صاف نظر آ رہی تھی۔ ایک آدمی دونوں ہاتھوں میں آئینے کی طرح چمکتی چاندی دھات کی

یا ابرق کی) اٹھائے اِدھر اُدھر عکس مار رہا تھا۔ اُس کے ساتھ ایک اور آدمی تھا۔ مہدی الحسن کے لیے اوپر اوٹ تھی۔ وہ اس کی مدد سے روشنی سے بچتا آگے ہی آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ مشعل اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

٭

اسی پہاڑی خطے میں دُور اندر جہاں تک کوئی مسافر اور کوئی گڈریا نہیں پہنچ سکتا تھا، ایک پہاڑی کے دامن میں غار کا تنگ سا دہانہ تھا۔ اس کے پیچھے غار اتنا وسیع تھا جو غار نہیں بلکہ بہت ہی کشادہ کمرہ تھا۔ اس میں بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ دو لڑکیاں بھی تھیں۔

"اب تک اُسے واپس آ جانا چاہیئے تھا"۔۔۔ ایک آدمی نے کہا۔

"آ جائے گی"۔ ایک اور نے کہا۔۔۔ "یہاں کون سا خطرہ ہے۔ آج وہ اُسے لے کے ہی آئے گی"۔

"آدمی کام کا ہے"۔۔۔ ایک نے کہا۔۔۔ "کمبخت بہت تجربہ کار ہے۔ ہم اسے تیار کر لیں گے"۔

اتنے میں ایک آدمی دوڑتا اندر آیا اور بولا۔۔۔ "گوپل مرا پڑا ہے اور لڑکی کا کچھ پتہ نہیں چل رہا کہاں ہے۔ گوپل کو خنجروں سے ہلاک کیا گیا ہے"۔

"وہ (مہدی الحسن) کہاں ہے؟"۔۔۔ کسی نے پوچھا

"کہیں نظر نہیں آ رہا"۔۔۔ اُسے جواب ملا۔۔۔ "اُس کا اونٹ یہیں ہے، وہ خود کہیں نظر نہیں آ رہا"۔

سب باہر کو دو مشعلیں اٹھا کر دوڑ پڑے اور سرنگ کے دہانے تک گئے۔ وہاں اُن کے ساتھی کی لاش پڑی تھی۔ سرنگ میں جا کر دیکھا۔ لڑکی کا کفن پڑا تھا۔ اُس کے لیڈر نے سب سے کہا کہ دو آدمی باہر چلے جاؤ۔ اگر باہر سے کوئی خطرہ آئے تو اطلاع دو، اگر وہ نظر آئے تو اُسے پکڑ لو۔ مقابلہ کرے تو مار ڈالو اور باقی آدمی پھیل جاؤ۔ وہ یہیں کہیں ہوگا۔ اگر وہ صبح تک نہ ملے تو یہاں سے نکلو۔

اُس وقت مہدی الحسن لڑکی کو کندھے پر اٹھائے ایک مشکل میں پھنسا ہُوا تھا۔ وہ سرنگ والی پہاڑی سے دُور نکل گیا تھا۔ آگے پہاڑی دیوار کی طرح ہو گئی تھی۔ نہ دائیں ڈھلان تھی نہ بائیں، اور یہ بلند تھی۔ یہ بالکل دیوار تھی جس پر بیک وقت دونوں پاؤں نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ وہ اس پر اس طرح بیٹھ گیا جس طرح گھوڑے پر بیٹھتے ہیں۔ وہ سرک سرک کر کھسکنے لگا۔ لڑکی کو کندھے پر سنبھالنا اور توازن قائم رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ لڑکی نے اُس کے توازن کو بگاڑنے کے لیے تڑپنا شروع کر دیا۔ مہدی الحسن کو معلوم تھا کہ یہاں سے گرا تو ہڈیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس سے اُس نے اندازہ لگایا کہ یہاں جو بھید ہے وہ اتنا قیمتی اور نازک ہے کہ یہ لڑکی اسے چھپائے رکھنے کی خاطر مہدی الحسن کو اپنے ساتھ گرا کر خود بھی مرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ دیوار ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی اور لڑکی اس سے سنبھل نہیں رہی تھی۔ اُدھر لڑکی کے گروہ کے آدمی تلاش اور تعاقب میں پھیل گئے تھے۔ اُن کے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال تھا۔ تخریب کاری کے اڈے کا پکڑے جانا اُن کی شکست تھی اور ان میں سے جنہیں پکڑے جانا تھا اُن کے لیے بڑی ہی اذیت ناک موت تھی۔ مہدی الحسن نے لڑکی کے گرد بازو اس قدر زور سے لپیٹ لیا کہ اُس کی پسلیاں ٹوٹنے لگیں۔ وہ تو

اپنی روح کی بھی طاقت استعمال کر رہا تھا۔ آخر یہی طاقت اسے دیوار سے گزار لے گئی۔ آگے جو چوٹی آئی وہ خاصی چوڑی تھی۔ مہدی الحسن نے لڑکی کو زمین پر پٹخ دیا اور غضب ناک آواز میں بولا — "کیا تم میرا راستہ روک لوگی؟" — اُس نے لڑکی کو اپنے غصّے کا ذائقہ چکھانے کے لیے دو چار قدم پیٹھ کے بل گھسیٹا اور کہا — "میرے لیے کوئی مشکل پیدا کی تو میں تمہیں اسی طرح گھسیٹ کر ساتھ لے جاؤں گا۔ مرتی ہو تو مر جاؤ۔"

اُسے دُور نیچے ایک شعل دکھائی دی۔ وہ بہت تھک گیا تھا اور وہ محسوس کرنے لگا تھا کہ خطرے سے نکل آیا ہے مگر اس جگہ سے نکلنا ابھی ٹیڑھا مسئلہ بنا ہُوا تھا۔ اسے بہت جلدی قاہرہ پہنچنا تھا۔ اُس نے لڑکی کے پاؤں کھول دیے۔ ہاتھ پیٹھ پیچھے بندھے رہنے دیے۔ اُسے آگے کر لیا اور خنجر کی نوک اس کی پیٹھ کے ساتھ لگا کر کہا — "چلو، میرے کہے بغیر دائیں بائیں نہ گھومنا۔"

☆

تعاقب میں جو آدمی نکلے تھے وہ سُرنگ میں اور اُس کے ارد گرد وادیوں میں گھوم پھر رہے تھے۔ دو آدمی اُس جگہ جا کھڑے ہوئے جہاں سے مہدی الحسن اندر آتا جاتا تھا۔ مہدی الحسن ڈھلان میں اُترتا اور چڑھائیاں چڑھتا ایک ایسی چٹان پر جا پہنچا جہاں آگے کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کا بھیدی تھا۔ اُسے اتنا تجربہ تھا کہ اندھیرے میں بھی اجنبی زمین کے خدوخال بھانپ لیا کرتا تھا۔ اُسے یہ سمجھنے میں کچھ دیر لگی کہ نیچے دریا ہے اور یہ دریائے نیل ہے۔ اُس نے لڑکی کے ہاتھ بھی کھول دیے اور منہ سے بھی پٹی اتار دی۔ چٹان کی ڈھلان کھڑی تھی۔ لڑکی سے کہا کہ بیٹھو اور نیچے کو سرکو۔

دونوں سرک کر نیچے گئے۔ پانی کی آواز صاف سنائی دینے لگی۔ چٹان کی ڈھلان ختم ہو چکی تھی۔ وہ ابھی دریا کی سطح سے بلند تھے۔ اُس نے لڑکی سے کہا کہ دریا میں کُود و۔ لڑکی بولی — "میں تیرنا نہیں جانتی۔"

مہدی الحسن نے خنجر نیام میں ڈالا اور لڑکی کو اپنے بازوؤں میں لے لیا جیسے بغل گیر ہُوا جاتا ہے۔ اس نے لڑکی کو مضبوط گرفت میں لیے ہوئے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ دریا کا رُخ قاہرہ کی طرف تھا۔ لڑکی کو اُس نے دانستہ چھوڑ دیا۔ اُس نے دیکھا کہ لڑکی تیر رہی ہے۔

"مجھے معلوم تھا تم تیر سکتی ہو" — مہدی الحسن نے کہا — "تمہیں ہر ڈھنگ سکھا کر ہمارے ملک میں بھیجا جاتا ہے۔ زیادہ زور نہ لگاؤ، دریا اُدھر ہی جا رہا ہے جدھر ہم جا رہے ہیں۔"

اُن کے ایک طرف چٹانیں اور پہاڑیاں کھڑی تھیں۔ انہیں تلاش کرنے والے اس کوہسار کے دوسری طرف بھاگ دوڑ رہے تھے۔ لڑکی نے تیرتے تیرتے ایک بار پھر کوشش کی کہ مہدی الحسن کو اپنے جواں جسم کا اسیر بنائے لیکن اُس نے کوئی اثر نہ لیا۔ بہت دُور آگے جا کر جب مہدی الحسن نے دیکھا کہ وہ خطرے کے علاقے سے دُور آ گیا ہے، منہ میں دو انگلیاں ڈال کر خاص انداز سے سیٹیاں بجائیں۔ وہ تیرتا بھی گیا اور وقفے وقفے سے سیٹیاں بھی بجاتا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے دُور سے ایسی ہی سیٹی سنائی دی۔ پھر سیٹیوں کا تبادلہ ہُوا۔ ایک کشتی اُن کے قریب آ گئی۔ مہدی الحسن کو معلوم تھا کہ جس طرح سرحد پر گشتی سنتری گھومتے پھرتے رہتے ہیں اسی طرح دریا میں بھی

گشتی پہرہ ہوتا ہے۔ خطرے کے وقت ایک دوسرے کو بلانے کے لیے وہ منہ سے اسی طرح سیٹی بجایا کرتے تھے۔ یہ کشتی گشتی سنتریوں کی تھی۔ مہدی الحسن نے اپنا تعارف کرایا۔ سنتریوں نے اُسے اور لڑکی کو کشتی میں بٹھا لیا۔

☆

علی بن سفیان گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ اُسے ملازم نے جگایا اور بتایا کہ مہدی الحسن نام کا ایک آدمی ایک لڑکی کو ساتھ لے کے آیا ہے۔ مہدی الحسن کا نام ہی کافی تھا۔ علی بن سفیان اُچک کر اُٹھا اور باہر کو دوڑا۔ مہدی الحسن اور لڑکی کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ دونوں کو کمرے میں بٹھایا۔ قندیل جل رہی تھی۔ مہدی الحسن نے پہلی بار لڑکی کا چہرہ دیکھا اور سوچا کہ لڑکی نے ٹھیک کہا تھا کہ مجھے روشنی میں دیکھو گے تو سب کچھ بھول جاؤ گے۔

مہدی الحسن نے حلیم کا نام لے کر کہا — "اُس کے گھر پر فوراً چھاپہ ماریں۔"

"مہدی!" — علی بن سفیان نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا — "کس کی بات کر رہے ہو؟"

"کیا ایمان فروشی کوئی نئی خبر ہے؟" — مہدی الحسن نے کہا اور لڑکی سے پوچھا — "حلیم تمہارا ساتھی ہے نا؟ یہاں جھوٹ بولو گی تو انجام بڑا ہی بھیانک ہوگا۔"

لڑکی نے سر جھکا لیا۔ علی بن سفیان نے اُس کے بھیگے ہوئے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا — "یہاں تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں ہوگا جو تم سوچ رہی ہو۔ تمہارے حسن اور جوانی کے لیے ہم پتھر ہیں اور جب ہم بے بس عورت کی عزت کرنے پر آتے ہیں تو ہم ریشم کی طرح ملائم اور نرم ہیں.... حلیم تمہارا ساتھی ہے؟"

لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔

مہدی الحسن نے نہایت مختصر طور پر سنایا کہ وہ کیا دیکھ کر آیا ہے اور حلیم نے اُسے بدروح کا کس طرح جھانسہ دیا تھا۔

علی بن سفیان نے ملازم اور اپنے محافظوں کو بلایا اور انہیں مختلف کمانداروں کی طرف پیغامات دے کر دوڑا دیا۔ کوتوال غیاث بلبیس کو بھی بلوا لیا۔ اُس نے اس قسم کے ہنگامی حالات کے لیے زیادہ نفری کا ایک دستہ تیار کر رکھا تھا جو چند منٹوں میں کارروائی کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ مہدی الحسن کی رپورٹ پر یہ دستہ فوراً تیار ہو گیا۔ علی بن سفیان نے غیاث بلبیس کے سپرد یہ کام کیا کہ حلیم کے گھر چھاپہ مارے اور اُسے گرفتار کرکے اُس کے مکان اور دواخانے کو سر بمہر کر دے۔ اُس نے خود سواروں کو ساتھ لیا۔ ایک گھوڑے پر مہدی الحسن کو دوسرے پر لڑکی کو بٹھایا اور واردات والے علاقے کو روانہ ہو گیا۔

وہ جگہ بہت دُور نہیں تھی۔ لڑکی کے گروہ کے آدمی اُس وقت تک تلاش سے مایوس ہو چکے تھے۔ انہوں نے تھک ہار کر فیصلہ کیا کہ وہاں سے نکل جائیں۔ انہیں خدشہ یہ تھا کہ لڑکی اگر قاہرہ پہنچ گئی تو وہ نشاندہی کر دے گی۔ گروہ میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ کچھ آدمی کہتے تھے کہ مہدی الحسن کا اونٹ یہیں ہے۔ وہ اگر نکل گیا ہے تو اتنی جلدی قاہرہ نہیں پہنچ سکے گا۔ اسی کشمکش میں انہوں نے وہاں سے بھاگنے میں وقت ضائع کر دیا۔ آخر وہ اپنا سامان سمیٹ کر غار نما کمرے سے نکلے مگر انہیں گھوڑوں کے قدموں کے دھماکے سنائی دینے لگے۔ باہر نکلنے کا راستہ

بند ہو چکا تھا۔

علی بن سفیان کے سواروں نے مشعلیں جلائیں اور وادیوں میں پھیل گئے۔ لڑکی کو ساتھ رکھا گیا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا گروہ کہاں رہتا ہے۔ وہاں گئے تو غار کے اندر سے چار پانچ آدمی پکڑے گئے۔ اندر مختلف قسم کے سامان کے انبار تھے جن میں آتش گیر مادہ، تیر و کمان اور خنجر تھے اور ایک مضبوط بکس میں سونے اور چاندی کے وہ سکے تھے جو مصر میں رائج تھے۔ ان آدمیوں میں صرف ایک صلیبی تھا باقی قاہرہ کے مسلمان تھے۔ اُن کی نشاندہی پر گروہ کے دوسرے افراد کی تلاش شروع ہوئی۔ ساری رات اور اگلا پورا دن تلاش جاری رہی جس کے نتیجے میں باقی افراد بھی پکڑے گئے جن میں دو ایسی ہی لڑکیاں تھیں جیسی مہدی الحسن نے پکڑی تھی۔

☆

اُدھر قاہرہ میں حکیم کے گھر کو گھیرے میں لے کر اُس کے دروازے پر دستک دی گئی تو دروازہ ایک ملازم نے کھولا۔ غیاث بلبیس اپنے چند ایک آدمیوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔ اُس کے آدمی کمروں میں گھس گئے۔ اُن کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ حکیم کے سونے کا کمرہ اندر سے بند تھا۔ دروازہ ایک نیم برہنہ لڑکی نے کھولا۔ حکیم پلنگ پر نیم برہنہ پڑا تھا۔ پلنگ کے قریب صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ حکیم نشے کی حالت میں بے ہوش پڑا تھا۔ اس کے مریض اور معتقد تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ حکیم اس حالت تک بھی پہنچ سکتا ہے۔ لڑکی اُس کی بیوی نہیں تھی، اور وہ مسلمان بھی نہیں تھی۔ یہ صلیبیوں کا بھیجا ہوا تحفہ تھا، اور اُس کے گھر سے جو دولت برآمد ہوئی وہ یقیناً حکمت کی آمدنی نہیں تھی۔

حکیم اُس وقت ہوش میں آیا جب وہ قید خانے کے تہہ خانے میں بندھا ہوا تھا۔ غیاث بلبیس کو اطلاع دی گئی کہ حکیم بیدار ہو گیا ہے۔ وہ حکیم کے پاس گیا اور اُسے کہا کہ وہ اب کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ ذرا سی پس و پیش کے بعد اُس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا۔ اُس نے دو نائب سالاروں کے نام لے کر بتایا کہ وہ مصر میں سلطان ایوبی کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔ یہ گروہ صلیبیوں نے تیار کیا تھا۔ حکیم کو یہ لڑکی تحفے کے طور پر اور بے اندازہ رقم دے کر اس گروہ میں شامل کیا گیا تھا۔ اُس کی یہ شرط بھی مان لی گئی تھی کہ نئی حکومت میں اُسے وزارت کے درجے کا عہدہ دیا جائے گا۔ حکیم چونکہ بڑے بڑے افسروں میں بھی مقبول تھا اور وہ قابل حکیم بھی تھا اِس لیے اُس کی ہر بات برحق مانی جاتی تھی۔ اس مقبولیت اور اثر و رسوخ سے یہ فائدہ اُٹھاتا رہا کہ سلطان ایوبی کے خلاف نفرت پھیلاتا رہا۔

قاہرہ میں جو تخریب کاری کے واقعات ہوئے تھے، ان میں حکیم ذمہ داری سے ملوّث تھا۔ اُس نے اپنی حیثیت اور مقبولیت سے یہ فائدہ بھی اٹھایا کہ علی بن سفیان کے بعض جاسوسوں کو پہچان لیا تھا۔ اُن میں مہدی الحسن بھی تھا جو اُس پہاڑی علاقے میں جانے لگا جس میں تخریب کاروں کا اڈہ تھا۔ پہلے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اُسے قتل کر دیا جائے۔ حکیم نے اُسے دیکھ لیا۔ اتفاق سے حکیم نے مہدی الحسن کے متعلق بھی معلوم کر رکھا تھا کہ قابل اور جرأت مند جاسوس ہے۔ حکیم نے فیصلہ کیا کہ اتنے تجربہ کار آدمی کو قتل کرنے کی بجائے ایسے

طریقے سے اپنے جال میں پھانسا جائے کہ وہ اس گروہ کے لیے کام کرے۔ گروہ کے پاس ایسے طریقے موجود تھے۔ وہ چند ایک مصری جاسوسوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر استعمال کر رہے تھے۔ علی بن سفیان کا شعبہ انہیں اپنے دیانتدار جاسوس سمجھتا تھا۔

حکیم نے مہدی الحسن کو پھانسنے کا یہ طریقہ اختیار کیا جو سنایا جا چکا ہے۔ اُسے پورا یقین تھا کہ مہدی الحسن اتنی حسین "بدروح" کے جھانسے میں آ جائے گا۔ آگے حشیشین اور صلیبی ماہرین اس کے ذہن کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا اور جو طریقہ اختیار کیا گیا تھا وہ کوئی عجوبہ نہیں تھا۔ یہ ایک عام طریقہ تھا۔ یہ طریقہ اور یہ شعبدہ بازی صرف اُن پر کامیاب نہیں ہوتی تھی جن کا ایمان مضبوط ہوتا تھا۔ مہدی الحسن انہی ایمان والوں میں سے نکلا۔

جو دو کماندار پُراسرار طور پر مر گئے تھے، اُن کے متعلق حکیم نے بتایا کہ انہیں قتل کیا گیا تھا۔ دونوں کو حکیم نے وہ زہر دیا تھا جس سے ذرّہ بھر تلخی محسوس نہیں ہوتی تھی۔ انسان اپنے اندر کوئی تکلیف یا تبدیلی محسوس نہیں کرتا تھا، اور بارہ گھنٹوں بعد اچانک مر جاتا تھا۔ ان دونوں کو قتل کرنے کی ضرورت یہ پیش آئی تھی کہ سلطان ایوبی اور اس کی حکومت کے وفادار تھے۔ دیندار مسلمان تھے۔ انہیں خریدنے کی کوشش کی گئی تھی مگر وہ ایمان بیچنے کی بجائے ایمان خریدنے والوں کے لیے خطرہ بن گئے تھے۔ حکیم پہلے ان میں سے ایک کو اس طرح ملا جیسے اتفاقیہ آمنا سامنا ہو گیا ہو۔ باتوں باتوں میں حکیم نے اُسے کسی بیماری کے وہم میں مبتلا کیا اور دوائی خانے میں بلا کر اُسے دوائی کے بہانے زہر دے دیا جو حشیشین کی ایجاد تھا۔ چند دنوں بعد دوسرے کماندار کے ساتھ بھی حکیم نے ایسی ہی "اتفاقیہ" ملاقات کی اور اُسے بھی کسی خفیہ بیماری کے وہم میں ڈال کر زہر دے دیا۔

حکیم نے یہ انکشافات از خود ہی نہیں کر دیئے تھے۔ اُس کی زبان تہ خانے کی اذیتوں نے کھلوائی تھی۔ اُس نے بتایا کہ فوج میں ایک طرف تو بے اطمینانی پھیلائی جا رہی ہے اور دوسری طرف اس میں نشے اور جنسی لذت پرستی کی عادت پیدا کی جا رہی ہے۔ فوجی افسروں کو حکومت کے خلاف کیا جا رہا ہے اور جو مضبوط عقیدے والے ہیں انہیں پُراسرار طریقے سے قتل کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے۔ سوڈان کی فوج عنقریب مصر کی سرحد پر مصر کی سرحدی چوکیوں پر حملوں کا سلسلہ شروع کرنے والی ہے۔ اس سلسلے کی نگرانی اور قیادت صلیبی کریں گے۔ سرحدی دیہات کے لوگوں کو سوڈانی اپنے زیر اثر لیں گے۔

علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے مصر کے قائمقام امیر العادل کو ان گرفتاریوں، تفتیش اور انکشافات سے باخبر رکھا لیکن اور کسی کو اس راز میں شریک نہیں کیا گیا۔ حکیم اور اس کے دوسرے ساتھیوں نے جن نائب سالاروں اور دیگر عہدوں کے افراد کے نام بتائے تھے، انہیں گرفتار کرنا ضروری تھا لیکن العادل (سلطان ایوبی کا بھائی) گھبرا گیا۔ اُس نے اس راز کو راز ہی رکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ یہ صورتِ حال اتنی نازک ہے کہ اسے سلطان ایوبی خود ہی آ کر سنبھالے تو زیادہ بہتر ہے۔ معاملہ بڑا ہی نازک تھا۔ اُس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ سلطان ایوبی کے پاس خود جائے اور اُسے مصر آنے کو کہے یا اس سے ہدایات لے۔

العادل کی روانگی خفیہ رکھی گئی۔ تمام مشتبہ نائب سالاروں وغیرہ کے ساتھ ایک ایک جاسوس سائے کی طرح لگا دیا گیا۔

☆

"میں کوئی نئی خبر نہیں سُن رہا" شام میں حلب کے قریب اپنے ہیڈ کوارٹر میں العادل سے ساری بات سُن کر سلطان ایوبی نے کہا ۔ "میں کہہ نہیں سکتا کہ قوم میں ایمان فروشی کا جو مرض پیدا ہو گیا ہے اس کا کیا علاج ہوگا۔ میری نظریں بیت المقدس پر نہیں یورپ پر لگی ہوئی ہیں مگر میرے ایمان فروش بھائی مجھے مصر سے نہیں نکلنے دے رہے..... تم یہ محاذ سنبھالو۔ میں دمشق جاتا ہوں، وہاں سے مصر چلا جاؤں گا۔"

سلطان ایوبی نے العادل کو محاذ کی تمام تر صورتِ حال بتائی، ہدایات دیں اور کہا کہ اپنے جاسوس اتنی دور تک گئے ہوئے ہیں کہ صلیبیوں نے اگر حملہ کیا تو تمہیں کم از کم دو تین روز پہلے اطلاع مل جائے گی۔ چھاپہ مار جیش ہر وقت تیاری کی حالت میں رہتے ہیں۔ میں نے انہیں حملے کے ممکنہ راستوں کے ارد گرد چھپا رکھا ہے تازہ اطلاعات یہ ہیں کہ صلیبی حملہ نہیں کریں گے۔ اگر میری غیر حاضری سے وہ فائدہ اٹھانے کی سوچ میں تو گھبرانا نہیں۔ قلعہ بند ہو کر لڑنا۔ دشمن کو آگے آنے دینا۔ پہلا وار دشمن کو کرنے دینا۔ بے شک پیچھے ہٹ جانا زمین موزوں ہے۔ بلندیوں پر قبضہ رکھنا۔

"اور خاص طور پر یاد رکھو" سلطان ایوبی نے کہا ۔ "الملک الصالح، سیف الدین اور جن امراء نے ہماری اطاعت قبول کی ہے، صلیبیوں کے حملے کی صورت میں ان پر اعتبار نہ کرنا۔ ان کے ذہنوں سے بادشاہی کی خواہش نکلی نہیں۔ معاہدے کے مطابق وہ کوئی فوج نہیں رکھ سکتے۔ میں نے ان کے اندر تک جاسوس بھیج دیئے ہیں اور میں نے زندگی میں پہلی بار اپنے اصول کے خلاف یہ انتظام کر دیا ہے کہ ہمارے یہ مسلمان بھائی ذرا سی بھی مخالفانہ حرکت کریں تو انہیں قتل کر دیا جائے۔"

قاضی بہاؤ الدین شداد نے اپنی یادداشتوں میں ربیع الاوّل ۵۷۲ ہجری (ستمبر ۱۱۷۶ء) کا مہینہ لکھا ہے جب سلطان ایوبی العادل کو محاذ پر چھوڑ کر دمشق گیا۔ اُس کا ایک اور بھائی شمس الدولہ طوران شاہ یمن سے واپس آ چکا تھا۔ یمن میں بھی صلیبی اثرات پیدا ہو گئے تھے اور وہاں کے مسلمان سلطنتِ اسلامیہ کے خلاف باغی ہو رہے تھے۔ سلطان ایوبی نے وہاں شمس الدولہ کو بھیجا تھا جو کامیاب لوٹا تھا۔ سلطان ایوبی نے اُسے دمشق کا گورنر مقرر کیا اور اکتوبر ۱۱۷۶ء میں مصر کو روانہ ہو گیا۔

قاہرہ پہنچتے ہی اُس نے تمام مشتبہ افراد کو کسی کے عہدے کا لحاظ کیے بغیر گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ اُن کی گرفتاری کے اگلے روز اُس نے وہ تمام سونا اور خزانہ پریڈ کے میدان میں رکھوایا جو غار سے برآمد ہوا تھا۔ اُس وقت تک جتنی صلیبی لڑکیاں پکڑی جا چکی تھیں اور اب جو پکڑی گئی تھیں انہیں خزانے کے انبار کے قریب کھڑا کیا گیا۔ اِن میں حکیم بھی تھا، نائب سالار بھی تھے اور کماندار بھی۔ سب زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے۔ مصر میں جتنی فوج تھی اُسے ان کے قریب سے گذار کر میدان میں کھڑا کیا گیا۔

سلطان ایوبی گھوڑے پر سوار آیا اور فوج کے سامنے رکا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہیں حکومت کے خلاف اکسایا جا رہا ہے" سلطان ایوبی نے بلند اور گرجدار آواز میں کہا ۔ "اگر تم میں سے کوئی مجھے یہ یقین دلا دے کہ وہ اسلام کی عظمت اور رسولِ خدا کی محبت کی خاطر تمہیں میرے خلاف اور میری حکومت کے خلاف بھڑکا رہا ہے اور وہ قبلہ اوّل کو کفار سے آزاد کرانے کا عزم رکھتا ہے اور وہ سپین پر حملہ کر کے اس ملک کو ایک بار پھر سلطنتِ اسلامیہ کا عزم کیے ہوئے ہے تو وہ سامنے آئے، میری تلوار لے لے اور میرے گھوڑے پر سوار ہو جائے۔ میں اُس کے حق میں سلطانی سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

ہر طرف سناٹا طاری ہو گیا۔

سلطان ایوبی پیچھے کو مڑا اور ملزموں سے کہا ۔ "میری جگہ لینے والا تم میں ہے۔ وہ کون ہے؟ آگے آئے۔ ربِّ کعبہ کی قسم! میں سچے دل سے اپنی حکومت اس کے حوالے کر دوں گا اور خود اس کے حکم کا پابند رہوں گا۔"

خاموشی۔ گہرا سکوت۔

"اللہ کے شیرو!" سلطان ایوبی فوج سے مخاطب ہوا "تمہیں بغاوت پر نہ اسلام کی عظمت کے لیے اکسایا جا رہا ہے نہ رسول صلعم کے نام مقدس کی خاطر۔ تمہیں جو خزانہ دکھایا گیا ہے اور جو لڑکیاں تمہارے سامنے کھڑی ہیں یہ وہ انعام ہے جو ان لوگوں کو دیا گیا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی قیمت ہے۔ میں اِن سب سے کہتا ہوں کہ آگے آئیں اور کہیں کہ میں نے جو کہا ہے یہ جھوٹ ہے۔"

کوئی آگے نہ آیا۔ سلطان ایوبی گھوڑے سے اُترا اور ملزموں سے حکیم کو بازو سے پکڑا۔ اُسے اپنے گھوڑے کے قریب لے جا کر کہا ۔ "میرے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور کہو کہ ایوبی جھوٹ بول رہا ہے۔"

حکیم گھوڑے پر سوار ہو گیا مگر اُس نے سر جھکا لیا۔

"کہو سلطان جھوٹ بول رہا ہے۔" سلطان ایوبی نے غضبناک آواز میں کہا۔

حکیم نے سر اٹھایا اور بلند آواز سے کہا ۔ "سلطان ایوبی نے جو کہا ہے سچ کہا ہے" اور وہ گھوڑے سے کود آیا۔

وقائع نگار لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کو پہلی بار غصے میں دیکھا گیا۔ حکیم گھوڑے سے اُتر کر سر جھکائے کھڑا تھا۔ سلطان ایوبی نے تلوار نکالی اور ایک ہی وار میں حکیم کا سر تن سے جدا کر دیا۔ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور بڑی ہی بلند آواز سے چلایا ۔ "اللہ کے سپاہیو! عظمتِ اسلام کے پاسبانو! اگر میں نے بے انصافی کی ہے تو یہ لو میری تلوار سے میری گردن اڑا دو" ۔ اُس نے اپنی تلوار برچھی کی طرح فوج کی طرف پھینکی۔ تلوار کی نوک زمین میں گڑ گئی اور تلوار جھولنے لگی۔

سب سے آگے والا سالار گھوڑے سے کود کر اترا۔ تلوار زمین سے اکھاڑ کر دونوں ہاتھوں پر رکھ کر سلطان کو پیش کی اور کہا ۔ "سلطان! اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔" فوج میں اتنا شور اٹھا کہ سالار کی آواز دب گئی۔ فوج ملزموں کے خلاف بھڑک اٹھی تھی۔ سلطان ایوبی نے ہاتھ اوپر کر کے فوج کو خاموش کیا اور تخریب کاروں کے جرائم سنائے۔

اُسی روز سلطان ایوبی نے سوڈان کو اپنا ایلچی اس تحریری پیغام کے ساتھ روانہ کر دیا کہ اگر سوڈان کی فوج نے مصر کی سرحد پر ذرا سی بھی بدامنی پیدا کی تو اسے مصر پر حملہ تصوّر کیا جائے گا اور اس کے جواب میں ہم سوڈان پر حملہ کرنے میں حق بجانب اور آزاد ہوں گے اور ہم سوڈان پر اسلامی پرچم لہرا کر دم لیں گے۔ ☆

ایک منزل کے مسافر

خون جو سلطان صلاح الدین ایوبی کی تلوار سے ٹپک رہا تھا وہ صاف کیے بغیر اُس نے تلوار نیام میں ڈال لی۔ یہ خون اُس غدار حکیم کا تھا جو صلیبیوں کا جاسوس اور تخریب کار بنا ہوا تھا۔

فوری طور پر جنہیں غداری اور دشمن کے ساتھ ساز باز کرنے کے جرم میں گرفتار کیا گیا تھا وہ پا بجولاں قید خانے کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ سلطان ایوبی اپنے سالاروں، نائب سالاروں، فوج اور شہری انتظامیہ کے اعلیٰ حکام کے اجلاس میں بے چینی سے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا۔ وہ بہت کچھ کہہ چکا تھا اور بہت کچھ کہتے کہتے رُک گیا تھا۔ اجلاس کے حاضرین اُس کی جذباتی کیفیت کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ وہ سلطان ایوبی سے نظریں ملانے سے بھی ڈرتے تھے۔

"سلطانِ عالی مقام!" ایک سالار نے کہا۔ "ہم صلیبیوں کی کوئی سازش کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔"

سلطان ایوبی نے بڑی تیزی سے نیام سے تلوار نکالی۔ تلوار خون آلود تھی۔ اُس نے تلوار حاضرین کے آگے کرکے کہا۔ "یہ خون کس کا ہے؟.... یہ تم سب کا خون ہے۔ یہ میرا خون ہے۔ یہ ہمارے اُس بھائی کا خون ہے جو ہمارے ساتھ مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھا کرتا تھا۔ اُس کے گھر میں قرآن بھی ہے۔ اگر یہ خون غدار ہو سکتا ہے تو صلیبیوں کی ہر سازش کامیاب ہوگی.... صلیبیوں کی یہ سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ وہ اسلام کی اُن افواج کو جنہیں متحد ہو کر فلسطین کو صلیبی استبداد سے آزاد کرانا تھا آپس میں لڑا کر ہمیں اتنا کمزور کر چکے ہیں کہ ہم ایک لمبے عرصے تک فلسطین کی طرف کوچ کرنے سے معذور ہو گئے ہیں۔ ہماری منزل بیت المقدس تھی۔ ہمیں آج قاہرہ میں نہیں یروشلم میں ہونا چاہیے تھا مگر اسلام کی جنگی طاقت تباہ ہو گئی ہے۔"

سلطان ایوبی نے تلوار اپنے دربان کی طرف پھینکی پھر نیام بھی اتار کر اُسے دی اور کہا۔ "اگر یہ خون کسی کافر کا ہوتا تو میں نیام صاف نہ کراتا۔ یہ ایک غدار کا خون ہے۔ نیام میں اُس کی بو بھی نہ رہے۔" دربان تلوار اور نیام صاف کرنے کے لیے باہر گیا۔ سلطان ایوبی نے اجلاس کے حاضرین سے کہا۔ "صلیبیوں کی سازش کامیاب ہو چکی ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ میں حلب سے آگے نہ جا سکوں۔ دیکھ لو، میں آگے جانے کی

بجائے قاہرہ میں آگیا ہوں۔ اپنے آپ کو دھوکے میں نہ رکھو۔ اب صلیبی آگے بڑھیں گے۔ ہم جب آپس میں لڑ رہے تھے وہ ہمیں فیصلہ کن شکست دینے کی تیاریاں کر رہے تھے۔"

"ہم نے مسلمانوں کو لڑا کر صلاح الدین ایوبی کا رُخ پھیر دیا ہے۔" یہ تریپولی (لبنان) کا صلیبی حکمران ریمانڈ کہہ رہا تھا۔ صلیبی جاسوسوں نے وہاں خبر پہنچادی تھی کہ سلطان ایوبی حلب سے مصر چلا گیا ہے اور اس کی جگہ اُس کا بھائی العادل محاذ پر آیا ہے۔ یہ خبر یروشلم تک پہنچ گئی تھی۔ یہ خبر عکرہ تک بھی پہنچ گئی تھی جہاں صلیبِ اعظم تھی اور جہاں بڑا پادری بھی تھا جسے صلیبِ اعظم کا محافظ کہتے تھے۔ وہ فوراً تریپولی جمع ہوگئے تھے۔ اُن کے ہاں بھی ایسی ہی کانفرنس ہو رہی تھی جیسی سلطان ایوبی نے بلا رکھی تھی۔

"ایوبی یروشلم کو فتح کرنے نکلا تھا۔" ریمانڈ کہہ رہا تھا۔ "ہم نے ایک بھی تیر چلائے بغیر اُسے مصر کی طرف پسپا کر دیا ہے۔ اُس کے ہاتھوں اُن مسلمان امراء اور حکمرانوں کو بے کار کر دیا ہے جو کسی بھی وقت ہمارے خلاف ایوبی کی قوت بن سکتے تھے۔ ہم اس سے بڑی اور کیا کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ اب ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔"

"یہ کامیابی اتنی بڑی نہیں ہے جتنی آپ نے کہا ہے۔" ایک صلیبی حکمران بالڈوین نے کہا۔ "ہم نے حملے کے لیے زمین ہموار کی ہے۔ اصل کام تو حملہ ہے۔ اس کی کامیابی کو ہم بہت بڑی کامیابی کہیں گے۔ فوجیں فوراً جمع کرو اور پیش قدمی کرو اور سلطان ایوبی کو سنبھلنے کا موقعہ نہ دو۔"

"اگر ہم نے اپنے آپ کو بہت جلدی نہ سنبھالا تو میں بتا نہیں سکتا کہ اس کے نتائج کیا ہوں گے۔" سلطان ایوبی نے اپنے سالاروں اور دیگر حکام سے کہا۔ "آج ہی سے نئی بھرتی شروع کر دو۔ سوار زیادہ ہونے چاہئیں۔ سوڈان کے اُن جوانوں کو بھی بھرتی کرو جنہیں سات سال ہوئے بغاوت کے جرم میں فوج سے نکال کر قابلِ کاشت زمینوں پر آباد کیا گیا تھا۔ انہیں نے مصر میں اتنی خوشحالی دیکھی ہے کہ اب دھوکہ نہیں دیں گے۔ ایسے جوان جو گھوڑ سواری اور تیغ زنی کی سوجھ بوجھ رکھتے ہوں، انہیں جنگی تربیت دو۔ میں بہت جلدی مصر سے نکل جانا چاہتا ہوں۔ اگر صلیبیوں کا دماغ خراب ہو گیا ہو تو دنیائے عرب اُن کی دستبرد سے بچ جائے گی اور اگر اُن کا دماغ ٹھکانے ہے تو انہیں میری غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً حملہ کر دینا چاہیے۔ وہ اناڑی نہیں۔ میرے لیے یہ حالات انہوں نے کسی مقصد کے تحت پیدا کیے تھے جن سے مجبور ہو کر میں مصر آگیا ہوں۔ وہ ہم سے بیت المقدس کو صرف اسی صورت میں بچا سکتے ہیں کہ مقبوضہ علاقوں سے نکل کر ہمارے علاقوں میں آکر لڑیں۔ اس جنگ کے لیے مجھے بہت سی فوج کی ضرورت ہے۔"

"میں اس وقت دو سو پچاس نائٹ (زرہ پوش سردار) میدان میں لا سکتا ہوں۔" تریپولی کی کانفرنس میں ایک مشہور صلیبی حکمران رینالٹ آف خوین نے کہا۔ "اس حملے کی قیادت میری فوج کرے گی۔ میں نے اس کا پلان بھی تیار کر لیا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ہم صلاح الدین ایوبی کی طرح چوروں والی جنگ نہیں لڑیں گے۔ ہم طوفان اور سیلاب کی مانند پیش قدمی کریں گے۔ ہم سب اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے کوچ کریں گے تو آپ

خود محسوس کریں گے کہ انسانوں اور گھوڑوں کا یہ طوفان دنیائے عرب کو خس و خاشاک کی طرح اڑا لے گا۔ مصر کو بھی روند جائے گا اور اس کا زور سوڈان میں جا کر تھمے گا۔"

"اگر صلیبی افواج متحد ہو کر آئیں تو عرب کی سرزمین ہم سب سے اتنا خون مانگے گی جس میں ریگزار کے ذرّے تیریں گے۔" سلطان ایوبی قاہرہ میں کہہ رہا تھا۔ "اب کے ہم سروں سے کفن باندھ کر جائیں گے۔ میرے رفیقو! میری ایک حس مجھے بتا رہی ہے کہ ہمیں پوری تیاری سے اور پوری طرح سنبھل کر میدان میں اُترنا پڑے گا۔"

"ایوبی کو مصر میں اُلجھائے رکھنے کے لیے ہمیں تخریب کاری تیز کرنی ہوگی۔" ریناٹ نے کہا اور صلیبیوں کی انٹیلی جنس کے استاد ہرمن سے کہا۔ "ہرمن! مصر پر اپنی گرفت اور سخت کر دو۔ مجھے توقع یہ ہے کہ ایوبی چین سے بیٹھنے والا آدمی نہیں۔ اُس کی فوج کا جانی نقصان بہت ہو چکا ہے۔ وہ فوری طور پر نئی بھرتی کرے گا.... کوشش کرو کہ اُسے بھرتی نہ ملے۔ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو مصر کی فوج کے ذخیرے تباہ کراتے رہو۔ وہاں کی فوج پر نظر رکھو اور وہاں کے جاسوسوں سے کہو کہ صلاح الدین ایوبی کی ایک ایک حرکت کی اطلاع فوراً پہنچاتے رہیں۔"

"اور ہرمن!" ایک صلیبی کمانڈر نے کہا۔ "مصر کی خبر ملے نہ ملے، زیادہ ضروری یہ ہے کہ یہاں کی خبر باہر نہ جانے پائے۔ ہمیں تسلیم کرنا چاہیے کہ ایوبی جس طرح میدانِ جنگ میں ہمارے لیے مصیبت بن جاتا ہے، وہ جاسوسی کے میدان میں بھی ہم سے ہوشیار ہے۔ ہمارے درمیان اُس کے جاسوس موجود ہیں۔ یہاں کی مسلمان آبادی پر گہری نظر رکھو۔ کسی پر ذرا سا شک ہو اُسے قید کر دو، قتل کر دو۔ تمہیں پورے اختیارات دیئے جاتے ہیں۔"

"میں کسی کے دل میں نہیں اُتر سکتا۔" سلطان ایوبی کہہ رہا تھا۔ "ایمان فروشوں کے سروں پر سینگ نہیں ہوتے۔ میں علی بن سفیان اور غیاث بلبیس کو اجازت دیتا ہوں کہ جس پر شک ہو کہ وہ صلیبیوں کا جاسوس ہے اسے قتل کر دو۔ اگر اُس پر رحم کرنا چاہو تو اُسے قید میں ڈال دو۔ میں ان حالات میں جب صلیبی متحد ہو کر آتے نظر آ رہے ہیں کسی کو بخش نہیں سکتا۔ میں اب تحقیقات اور عدل و انصاف کے طور طریقے بھی بدل دینا چاہتا ہوں.... اور علی بن سفیان!" اُس نے اپنی انٹیلی جنس کے سربراہ سے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم نے مقبوضہ علاقوں میں اپنا جال بچھا رکھا ہے۔ صلیبیوں کے ہاں اپنے کچھ اور آدمی بھیج دو اور وہاں کے جاسوسوں سے کہو کہ کوئی خبر اور اطلاع زیادہ دیر تک اپنے پاس نہ رکھیں۔ خطرہ مول لیں اور تیر کی رفتار سے قاہرہ خبریں پہنچائیں۔ مجھے اندھا نہ کر دینا علی بن سفیان! اور کوشش کرو کہ یہاں سے کوئی خبر باہر نہ جا سکے۔"

"اگر ہماری افواج کی کمان مشترکہ ہو تو ہم زیادہ بہتر اور مؤثر طریقے سے لڑ سکیں گے۔" ریمانڈ نے کہا۔

"میں اتحاد پر زور دوں گا مشترکہ کمان پر نہیں۔" رینالٹ نے کہا۔ "مشترکہ کمان کے کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ میدانِ جنگ میں ہمیں ایک دوسرے سے باخبر رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کے راستے میں نہیں آنا چاہیے۔ ہم پیش قدمی کے لیے علاقے تقسیم کر لیں گے۔ احتیاط صرف یہ کی جائے کہ ہماری نقل و

حرکت راز میں رہے"۔

☆

دونوں طرف جنگی تیاریوں کا ہنگامہ تھا۔ صلیبی اب کے سلطان ایوبی کو فیصلہ کن شکست دینے کا عزم کیے ہوئے تھے۔ سلطان ایوبی زخم خوردہ تھا۔ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ صلیبیوں کی شہ پر تین مسلمان اُمراء سلطان ایوبی کے خلاف محاذ آرا ہو گئے تھے۔ اڑھائی تین سال مسلمان فوجیں ایک دوسرے کا خون بہاتی رہیں۔ سلطان ایوبی نے تینوں مسلمان افواج کو فیصلہ کن شکست دے کر اُن سے ہتھیار ڈلوائے اور انہوں نے سلطان ایوبی کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر اس فتح کو سلطان ایوبی اُمتِ رسولؐ اللہ کی بدترین شکست کہتا تھا کیونکہ صلیبیوں کی سازش کامیاب ہو گئی تھی۔ اس خانہ جنگی میں اللہ کے دہ ہزار ہا سپاہی مارے گئے یا عمر بھر کے لیے اپاہج ہو گئے جنہیں فلسطین کو صلیب سے پاک کرنا تھا۔

اس دوران صلیبیوں نے فوج میں اضافہ کر لیا تھا، فوج کو آرام بھی دے لیا تھا اور جنگی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ اُن کا یہ دعویٰ بے بنیاد نہیں تھا کہ وہ طوفان کی طرح آئیں گے اور دنیائے عرب کو خس و خاشاک کی طرح اڑائے جائیں گے۔ اُن کے مقابلے میں سلطان ایوبی کی فوج کے تجربہ کار سپاہی اور کماندار شہید ہو چکے تھے اور وہ نئی بھرتی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ رنگروٹوں کو لڑانا بہت بڑا خطرہ تھا مگر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اُسے مصر میں بھی فوج کی زیادہ نفری رکھنی تھی کیونکہ سوڈان کی طرف سے خطرہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر تخریب کاری اور غداری بھی زیادہ تھی۔

صلیبی طوفان کی طرح آنے کے پلان بنا رہے تھے اور سلطان ایوبی اپنے طریقۂ جنگ سے ہٹنا نہیں چاہتا تھا۔ اُس نے طے کر رکھا تھا کہ وہ شبخون مارنے اور "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کے اصول پر لڑے گا۔ اب کے صلیبیوں نے ایسا پلان تیار کرنے کی سوچی تھی جس میں سلطان ایوبی کا کمانڈو آپریشن کامیاب نہ ہو سکے۔ وہ اُس کی فوج کو گھیرے میں لے کر آمنے سامنے کی جنگ لڑانے کی ترکیبیں سوچ رہے تھے۔ دونوں طرف یہ کوشش ہو رہی تھی کہ اپنی اپنی جنگی تیاریاں، منصوبوں اور نقل و حمل کو راز میں رکھیں اور ایک دوسرے کے راز معلوم کریں۔ اس مقصد کے لیے دونوں کے ہاں ایک دوسرے کے جاسوس موجود تھے۔

صلیبی کمانڈروں وغیرہ کو یہ تو معلوم تھا کہ اُن کے درمیان سلطان ایوبی کے جاسوس موجود ہیں لیکن ریمانڈ والئ تریپولی اور دیگر صلیبی حکمرانوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اُن کی کانفرنس میں دو مسلمان جاسوس موجود ہیں۔ پہلے بھی اِن کا ذکر آ چکا ہے۔ ایک مسلمان راشد چنگیز تھا اور دوسرا فرانسیسی عیسائی وکٹر تھا۔ یہ اعلیٰ قسم کے ملازم تھے جو صلیبی بادشاہوں اور اعلیٰ کمانڈروں کی دعوتوں وغیرہ میں شراب اور کھانے وغیرہ کی سروس کی نگرانی کرتے تھے۔ راشد چنگیز نے اپنا نام عیسائیوں جیسا ظاہر کر رکھا تھا۔ ترک ہونے کی وجہ سے اُس کا رنگ یورپی باشندوں جیسا تھا۔ بہت ہوشیار اور چرب زبان تھا۔ وکٹر کے متعلق تو کسی کو شبہ ہی نہیں تھا کہ وہ عیسائی ہے۔ وہ فرانس کا رہنے والا تھا لیکن اپنے آپ کو اُس نے یونانی عیسائی بتایا تھا۔

صلیبیوں کی اِس کانفرنس میں بھی دونوں اپنی مخصوص وردی پہنے موجود تھے کیونکہ صلیبی شراب کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ یہ دونوں شراب پیش کر رہے تھے اور اُن کی باتیں غور سے سُن رہے تھے۔ یہ باتیں بہت ہی قیمتی تھیں جو انہیں قاہرہ پہنچانی تھیں مگر یہ ابھی مکمل نہیں تھیں۔ وہ صلیبیوں کا پورا پلان معلوم کر کے قاہرہ پہنچانے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔ علی بن سفیان کو اپنے ان دونوں جاسوسوں پر مکمل اعتماد تھا، حالانکہ وکٹر عیسائی تھا۔ صلیبیوں کو یہی خطرہ محسوس ہو رہا تھا کہ صلاح الدین ایوبی کو اُن کے پلان اور نقل و حرکت کا علم ہو گیا تو وہ جگہ جگہ گھات لگا کر تھوڑی تھوڑی نفری سے اُن کے طوفانی لشکر کو تباہ کر دے گا۔ چنانچہ وہاں سلطان کے جاسوسوں کو سراغ لگانے اور انہیں پکڑنے کے بڑے ہی سخت احکام جاری کر دیئے گئے۔

☆

مصر میں بھرتی کی مہم شروع ہو گئی۔ دو تین فوجی دستے ترتیب دیئے گئے جو اُن علاقوں کے دوروں پر نکل گئے جن سے بھرتی مل سکتی تھی۔ فوجی جاہ و جلال اور جنگی مظاہروں اور کھیل تماشوں کا انتظام کیا گیا۔ مسجدوں کے اماموں کے لیے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے سلطان ایوبی کا یہ پیغام بھیجا گیا کہ وہ لوگوں کو جہاد کی اہمیت بتائیں اور انہیں یہ بتائیں کہ کفار پوری طاقت کے ساتھ عالمِ اسلام پر حملہ آور ہو رہے ہیں، اور یہ بھی کہ قبلۂ اوّل کفار کے قبضے میں ہے۔ اس صورت میں ہر مسلمان پر جہاد فرض ہو گیا ہے۔ اماموں سے کہا گیا کہ وہ جوانوں کو مصر کی فوج میں بھرتی ہونے کی تلقین کریں۔

مذہب اور قوم کے وقار کے جذبے سے جوان سال آدمی بھرتی ہونے لگے۔ اُن کے ذہنوں میں مقصد واضح تھا مگر بہت سے جوان مالِ غنیمت کے لالچ سے بھرتی ہوئے۔ یہ دیہاتی علاقوں کے لوگ تھے۔ اُن کے کانوں تک اماموں کی آواز نہیں پہنچی تھی، اُن تک فوجی افسر پہنچے جنہوں نے سلطان ایوبی کے اس حکم کی تعمیل کی خاطر کہ بھرتی بہت جلدی کرو، لوگوں کو جہاد کے وعظ سنانے کی بجائے یہ کہا کہ صلیبیوں کے شہر فتح کیے جائیں گے جہاں اتنی دولت ہے کہ وہ سمیٹ نہیں سکیں گے۔ چنانچہ وہ دلوں میں جہاد کا جذبہ لے کر بھرتی ہونے کی بجائے مالِ غنیمت کا لالچ لے کر ہنسی خوشی بھرتی ہوئے۔ ان اناڑی اور کم فہم فوجی افسروں نے سلطان ایوبی کی توقع کے خلاف بے شمار جوانوں کو بھرتی کر لیا مگر اُسے یہ نہ بتایا کہ انہوں نے مقصد پورا نہیں کیا حکم کی تعمیل کی ہے۔ میدانِ جنگ میں جا کر یہ سپاہی سلطان ایوبی کے لیے بڑا ہی تکلیف دہ مسئلہ بن گئے۔

اُدھر تریپولی سے کچھ دُور صلیبی فوج ایک میدان میں اکٹھی ہونے لگی۔ فلسطین کے دوسرے مقبوضہ شہروں میں ایلچی بھیج دیئے گئے کہ وہ صلیبی فوج کو تیار کر لیں۔ تریپولی میں سب سے زیادہ سرگرمی حوثین کے حکمران ریناالٹ کی تھی۔ اُس کی فوج خاصی زیادہ تھی جس میں اڑھائی سو نائٹ تھے۔ نائٹ ایک اعزاز تھا جو غیر معمولی طور پر ذہین، دلیر اور قیادت کے ماہر فوجی افسر کو دیا جاتا تھا۔ اُسے خاص قسم کی زرہ بکتر دی جاتی، اور وہ خصوصی دستوں کا کمانڈر ہوتا تھا۔ ریناالٹ کو انتقام کی آگ پریشان کیے ہوئے تھی۔ آپ نے اُس

سلسلے کی ایک کہانی "اسلام کی پاسبانی کب تک کرو گے" میں اس صلیبی بادشاہ کا نام اور واقعہ پڑھا ہوگا۔ ۳،۰۰ کے اوائل میں صلیبیوں نے سمندر سے سکندریہ پر حملہ کیا تھا لیکن سلطان ایوبی کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے حملے کی خبر قبل از وقت مل گئی تھی۔ اُس نے حملے کے استقبال کا ایسا بندوبست کر رکھا تھا کہ صلیبیوں کا بحری بیڑہ بری طرح تباہ ہوا اور یہ بیڑہ فوج کو ساحل پر نہیں اتار سکا تھا۔

اس حملے کی دوسری کڑی خشکی کے راستے حملہ کرنا تھا جس کی قیادت ریجنالٹ کر رہا تھا۔ چونکہ مسلمان جاسوس صلیبیوں کا پورا پلان لے آئے تھے اس لیے خشکی پر نورالدین زنگی نے اپنی فوج کی گھات لگا رکھی تھی۔ عقب اور پہلوؤں سے بھی حملوں کا انتظام کر رکھا تھا۔ ریجنالٹ اس پھندے میں آ گیا۔ اُس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ گھات سے نکلنے کی کوشش کی مگر ایک رات نورالدین زنگی کے چھاپہ ماروں نے ریجنالٹ کے ہیڈکوارٹر پر شبخون مارا اور ریجنالٹ کو پکڑ لیا۔ صلیبیوں کا نہ صرف حملہ ناکام رہا بلکہ انہیں کمر توڑ شکست ہوئی۔ جانی اور مالی نقصان کے علاوہ سب سے بڑا نقصان تو یہ تھا کہ اُن کا ریجنالٹ جیسا جنگجو بادشاہ قیدی ہو گیا تھا۔

نورالدین زنگی کے لیے یہ بڑا ہی قیمتی قیدی تھا۔ اُس کی رہائی کے لیے وہ صلیبیوں سے بڑی ہی کڑی شرائط منوانا چاہتا تھا مگر زندگی نے وفا نہ کی۔ دو ماہ بعد زنگی فوت ہو گیا۔ اُس کے اعلیٰ حکام اور سالاروں نے زنگی کے گیارہ سالہ بیٹے الملک الصالح کو سلطنت کی گدی پر بٹھا دیا کیونکہ اُسے وہ اپنا کٹھ پتلی بنا کر من مانی کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے خلاف محاذ قائم کر لیا اور اُسے شکست دینے کے لیے صلیبیوں کے ساتھ دوستی کر لی۔ اس دوستی کا انہوں نے پہلا معاوضہ یہ دیا کہ ریجنالٹ جیسے قیمتی قیدی کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا، اور اس کے ساتھ دوسرے تمام قیدیوں کو بھی رہا کر دیا۔ وہیں سے سلطان ایوبی کی مسلسل معرکہ آرائی اپنے پیر استاد اور عزیز دوست نورالدین زنگی کے بیٹے سے شروع ہو گئی۔ دوسرے امراءِ خلافت سے آزاد ہو گئے، اور سب نے سلطان ایوبی کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر لیا تھا۔ اس کا اور جو نقصان ہوا سو ہوا، ایک نقصان اب سامنے آیا کہ ریجنالٹ جسے ان غدار مسلمانوں نے خیرسگالی کے طور پر یا صلیبیوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے رہا کر دیا تھا وہ ایک جنگی قوت بن کر سلطان ایوبی کے خلاف نہیں بلکہ عالمِ اسلام کو تہ تیغ کرنے کے لیے فیصلہ کُن حملے کے لیے آ رہا تھا۔

الملک الصالح نے ریجنالٹ کے ساتھ جو جنگی قیدی رہا کیے تھے وہ بھی اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ بن کر آ رہے تھے۔ ریجنالٹ اپنی شکست اور ذلّت کا انتقام بھی لینا چاہتا تھا۔ صلیبیوں کی اس کانفرنس میں اُس نے اس تجویز کی مخالفت کی کہ تمام صلیبی افواج مشترکہ کمان کے تحت ہوں۔ اس مخالفت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ آزاد ہو کر اپنے عزائم کے مطابق جنگ لڑنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ صلیبیوں میں یہ کمزوری تھی کہ وہ متحد نہیں ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے لیکن ہر ایک کے دل میں یہ ہوتا تھا کہ وہ زیادہ سے زیادہ علاقے فتح کر کے ان کا بادشاہ بن جائے۔ متعدد مؤرخین نے لکھا ہے کہ صلیبیوں کو اس کمزوری نے دنیائے عرب میں نقصان پہنچایا اور وہ اتنی زیادہ اور اتنی برتر جنگی طاقت کے باوجود نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکے۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ سلطان ایوبی کی صفوں میں غدار نہ ہوتے تو وہ صلیبیوں کو دنیائے عرب سے بے دخل کر کے یورپ کے لیے خطرہ بن جاتا۔

"اگر آپ صلاح الدین ایوبی کو شکست دینا چاہتے ہیں تو ہم سب اپنی اپنی فوج کو مشترکہ کمان کے سپرد کر دیتے ہیں" ـــــ ریمانڈ آف تریپولی نے کہا ـــــ "ورنہ ہم بکھر کر ناکام بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ حملے کی قیادت ریجنالٹ کی فوج کرے۔ یہ فیصلہ مشترکہ کمان کو کرنا چاہیے۔"

"میں آپ سے الگ نہیں ہوں گا" ـــــ ریجنالٹ نے کہا ـــــ "لیکن میں کسی مشترکہ کمان کا پابند نہیں رہوں گا۔ مجھے اپنی شکست کا انتقام لینا ہے۔ نورالدین زنگی تو مر چکا ہے، میں صلاح الدین ایوبی کو اسی طرح قید میں آپ سب کے سامنے لاؤں گا جس طرح زنگی مجھے قید کر کے دمشق لے گیا تھا، ورنہ تاریخ ہمیشہ مجھ پر لعنت بھیجتی رہے گی۔ میں آپ سب سے پوچھتا ہوں کہ جس وقت زنگی نے مجھ پر شب خون مار کر میرے دستوں کو بکھیر دیا اور اُن سے ہتھیار ڈلوا لیے تھے اُس وقت آپ میں سے کس نے زنگی پر جوابی حملہ کیا تھا؟ کون میری مدد کو پہنچا تھا؟ ... کوئی نہیں۔ اب مجھے پابند نہ کریں۔ میں نے اسی روز کے لیے فوج کو تیار کیا تھا۔ میرے انتقام کا دن آ گیا ہے۔ میری فوج آپ کی کسی بھی فوج کی راہ میں حائل نہیں ہوگی۔ جسے بھی میری مدد کی ضرورت ہوگی اُسے خطرہ مول لے کر بھی مدد دوں گا لیکن میں آپ سب سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے پابند نہ کریں۔"

"نہیں کریں گے" ـــــ بالڈون نے کہا ـــــ "ہماری آج کی کانفرنس ابتدائی بات چیت تک محدود رہے گی۔ اس میں ہم نے یہ طے کر لیا ہے کہ ہماری زمین دوز کوششوں سے مسلمانوں کی خانہ جنگی نے انہیں کمزور کر دیا ہے اور صلاح الدین ایوبی اِدھر آنے کی بجائے مصر چلا گیا ہے۔ لہٰذا ہمیں برق رفتار اور طوفانی قسم کا حملہ کرنا ہے۔ ہم نے آج اس حملے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اب دو چار دن ہم سب فرداً فرداً سوچ لیں۔ ہم میں سے جو بھی غیر حاضر ہیں انہیں بھی بلا لیں اور ایک دن مقرر کر کے حملے کا پلان تیار کر لیں۔ ہماری فوجیں تیار ہیں۔ اس دوران ہرمن اپنے شعبۂ جاسوسی کو اتنا زیادہ سرگرم کر دے کہ زمین کی تہوں میں سے بھی صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کو نکال کر قید کر دے اور یہاں کے مسلمانوں پر کڑی نظر رکھے۔ ہر مسلمان گھرانے اور ہر مسلمان فرد کی روزمرہ حرکات کو بھی دیکھے۔ ہماری افواج کا اجتماع یہیں شروع ہو گیا ہے جسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ یہ انتظام ہرمن کو کرنا ہے کہ کوئی آدمی یا عورت اس جگہ سے باہر جائے تو یہ یقین کر لیا جائے کہ وہ جاسوس نہیں۔"

"ایسا ہی ہوگا" ـــــ ہرمن نے کہا ـــــ "یہاں سے کوئی پرندہ بھی باہر نہیں جائے گا۔"

☆

پہلے سنایا جا چکا ہے کہ اس کانفرنس میں شراب پلانے والے خادموں (مردوں اور لڑکیوں) کے نگران اور انچارج دو آدمی تھے جو صلیبیوں کی کانفرنسوں اور دعوتوں وغیرہ میں بڑی دل کش وردی میں حاضر رہتے تھے۔ یہ قابلِ اعتماد آدمی تھے۔ انہیں گہری چھان بین کے بعد ملازم رکھا گیا تھا مگر یہ دونوں سلطان ایوبی

کے جاسوس تھے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر ہوشیار اور ذہین تھے ورنہ ہرمن جیسے استاد جاسوس اور سراغرساں کی نظروں اور عقل کو دھوکہ دینا ممکن نہیں تھا۔ دونوں خوبرو جوان اور دراز قد تھے۔ وکٹر کو اپنا نام بدلنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ وہ تھا ہی عیسائی۔ راشد چنگیز جو ترک تھا اپنا نام عیسائیوں جیسا رکھے ہوئے تھا۔ یہ دونوں اس کانفرنس میں بھی موجود تھے۔ آدھی رات کے قریب کانفرنس برخاست ہوئی اور وہ دونوں اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"ہم دونوں میں سے کوئی بھی ڈیوٹی سے غیر حاضر نہیں ہو سکتا" ـــــ وکٹر نے کہا ـــــ "یہ خبر کسی اور کے ذریعے قاہرہ بھیجنی پڑے گی۔ ایسا کون ہو سکتا ہے؟"

"امام سے بات کریں گے" ـــــ راشد چنگیز نے کہا ـــــ "وہی بہتر جانتا ہے کہ کون سا آدمی بہتر ہے قاہرہ تک تیز رفتاری سے پہنچنے کے لیے کسی خاص آدمی کی ضرورت ہوگی مگر ان کا پورا منصوبہ معلوم ہو جائے تو قاہرہ کو اطلاع دیں گے۔ ادھوری اطلاع پر سلطان ایوبی کوئی غلط چال نہ چل بیٹھے۔"

"امام کو اتنی سی اطلاع دینا تو ضروری ہے کہ صلیبی بہت بڑے حملے کا فیصلہ کر چکے ہیں" ـــــ وکٹر نے کہا۔ "تاکہ سلطان اپنی فوج کو تیار کر لے اور اپنے نقصانات جلدی جلدی پورے کر لے ..... اور سنو!" ـــــ اُس نے چنگیز سے کہا ـــــ "جس وقت یہ لوگ حملے کی باتیں کر رہے تھے تو میں نے تمہیں دیکھا تھا۔ تم شراب کا پیالہ ریمانڈ کے آگے رکھتے رکھتے رُک گئے تھے اور صاف پتہ چلتا تھا کہ تم اُن کی باتیں غور سے سُن رہے ہو۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تھا۔ اس پر مجھے نمایاں چمک نظر آئی تھی۔ میں جانتا ہوں کہ اتنا قیمتی راز مل جانے سے ہیجان اور خوشی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے لیکن تمہیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ ہرمن بھی وہیں موجود ہوتا ہے۔ ہرمن علی بن سفیان کے پائے کا جاسوس ہے۔ میں نے تمہیں دیکھ کر فوراً ہرمن کی طرف دیکھا تھا۔ مجھے شک ہوتا ہے جیسے وہ تمہیں دیکھ رہا تھا۔ محتاط رہو میرے بھائی! ہم دشمن کے پیٹ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

"ہرمن کے لیے ہم اجنبی نہیں" ـــــ راشد چنگیز نے کہا ـــــ "ہمارے متعلق وہ شکوک رفع کر چکا ہے۔ اب ڈرنے کی ضرورت نہیں۔"

"ڈرنے کی نہیں محتاط ہونے کی ضرورت ہے" ـــــ وکٹر نے کہا ـــــ "تم نے آج وہ ہدایات سُن لی ہیں جو ہرمن کو ملی ہیں۔ وہ اب ہر کسی کو شک کی نگاہوں سے دیکھیں گے ..... اور اب تم یوں کرو، مسجد میں چلے جاؤ۔ سب سو گئے ہیں۔ امام کو بتاؤ کہ آج صلیبیوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔ اگر قاہرہ کو کوئی جانے والا ہو تو اس فیصلے کی اطلاع علی بن سفیان کو دے دے اور اگر اُدھر سے کوئی آئے تو ہم سے ملے بغیر واپس نہ جائے۔"

شہر کی ایک مسجد کا امام سلطان ایوبی کے لیے جاسوسی کرتا تھا۔ یہ مسجد جاسوسی کا خفیہ اڈہ بنی ہوئی تھی۔ مسلمان جاسوس مسجد میں جا کر امام کو خبریں پہنچاتے اور اس سے ہدایات لیتے تھے۔ وکٹر کبھی مسجد میں نہیں گیا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اُسے نماز نہیں آتی اور مسجد کے آداب سے بھی واقف نہیں اس لیے اُسے ڈر تھا کہ مسجد میں کوئی ایسا مسلمان اُسے پکڑوا دے گا جو صلیبیوں کا جاسوس ہوگا۔ یہ غلط بھی نہیں تھا۔ صلیبیوں کے مخبروں میں مسلمان بھی

تھے جو مسجدوں میں جانے والے نمازیوں پر بھی نظر رکھتے اور اُن کی باتیں غور سے سنتے تھے۔ وہ اکثر مسلمانوں کو گرفتار کراتے رہتے تھے۔ راشد چنگیز نے چونکہ اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کر رکھا تھا اس لیے وہ دن کے دوران مسجد میں نہیں جاتا تھا۔ صلیبی کمانڈروں وغیرہ کی شبینہ دعوتوں سے فارغ ہو کر اگر ضرورت پڑے تو آدھی رات کے بعد امام کے گھر جاتا تھا جو مسجد کے بالکل ساتھ ملا ہوا تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے صحن میں کھلتا تھا۔

☆

راشد چنگیز نے کپڑے بدلے۔ چغہ اور عمامہ پہنا، مصنوعی داڑھی چہرے پر باندھی اور کمرے سے نکل کر اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ حکم کے مطابق اُسے داڑھی اُسترے سے صاف کرانی پڑتی تھی۔ اپنے مشن پر جانے کے لیے اُس نے ایسی مصنوعی داڑھی بنا رکھی تھی جو فوراً لگائی اور اتاری جا سکتی تھی۔ اُن دنوں وہاں رات کو بھی رونق رہتی تھی۔ ریمانڈ کی اپنی فوج کے علاوہ ریناٹ بھی اپنے بہت سے افسروں (نائٹوں) کے ساتھ وہاں گیا ہوا تھا۔ اُس کے چند ایک دستے بھی تھے۔ یہ فوجی افسر اور دیگر صلیبی کمانڈر راتیں عیش و عشرت میں گذارتے تھے۔ پیشہ ور عورتوں کی چہل پہل لگی رہتی تھی۔ اعلیٰ حکام کی بیویاں اور داشتہ عورتیں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ وہاں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ کون سی عورت کس کی بیوی ہے۔ عورتوں کی عارضی اور مستقل خرید و فروخت بھی ہوتی تھی۔

راشد چنگیز اپنے کمرے سے نکلا تو اُسے چھُپ کر جانے میں بہت دشواری ہوئی۔ کمروں اور خیموں کے اندر تو طوفانِ بدتمیزی بپا تھا ہی باہر بھی کہیں کہیں اُسے کوئی بدمست جوڑا نظر آ جاتا تھا جس سے بچ کر اُسے راستہ بدلنا پڑتا۔ آخر وہ خطرے کے علاقے سے نکل گیا اور شہر کی گلیوں میں داخل ہو گیا۔ پھر وہ مسجد کے دروازے تک پہنچ گیا۔ وہ جب اِدھر اُدھر دیکھ کر مسجد میں داخل ہونے لگا تو اُس نے دبے دبے قدموں کی آہٹ سنی جو گلی میں اُٹھی اور موڑ پر خاموش ہو گئی۔ راشد چنگیز نے اس پر غور کیا لیکن یہ سمجھ کر اپنے آپ کو تسلی دی کہ کُتا ہوگا اور یہ آہٹ وہم بھی ہو سکتی تھی۔ وہ مسجد کے صحن میں گیا اور امام کے دروازے پر مخصوص دستک دی۔ دروازہ کھُلا۔ راشد چنگیز اندر چلا گیا اور امام کو ساری رپورٹ دے دی۔

"صلیبیوں کی زیادہ تر فوج یہاں جمع ہو گی" ـــــ چنگیز نے کہا ـــــ "یہ ریناٹ کی فوج ہو گی۔ یہاں کی فوج تو پہلے ہی یہاں موجود ہے۔ قاہرہ تک اس فوج کے کُوچ اور عزائم کی اطلاع تو پہنچ ہی جائے گی، اگر ہم کوشش کریں تو اس فوج کو کوچ سے پہلے کچھ نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں اور اس کے کُوچ کو التوا میں ڈال سکتے ہیں۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ چھاپہ ماروں سے کہا جائے کہ وہ فوج کی رسد کو نذرِ آتش کر دیں" ـــــ امام نے کہا ـــــ "میں یہ کام کرا سکتا ہوں لیکن کراؤں گا نہیں۔ تم نے ایسے کئی واقعات سنے ہوں گے کہ جس مقبوضہ شہر میں ہمارے چھاپہ ماروں نے صلیبی فوج کو نقصان پہنچایا وہاں کے مسلمان باشندوں کے لیے زندگی دوزخ سے بدتر بنا دی گئی۔ گھر گھر تلاشی ہوئی۔ ہماری مستورات کی بے عزتی ہوئی۔ ہماری جوان بیٹیوں کو صلیبی پکڑ کے

گئے۔ قید اور قتل کا ظالمانہ سلسلہ شروع ہو گیا۔ میں نے اپنے ایک قاصد کے ذریعے سلطان ایوبی تک یہ مسئلہ پہنچایا تھا۔ سلطان محترم نے میری توقع کے بالکل مطابق جواب بھیجا ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ مسلمان باشندوں کی عزت، جان اور مال کی خاطر کسی شہر میں خفیہ تباہ کاری نہ کی جائے۔ دشمن کی رسد کو اس کی فوج کے ساتھ آنے دیا جائے۔ اسے میرے چھاپہ مار میدانِ جنگ میں نہیں آنے دیں گے۔"

"میں آپ کو مکمل اطلاع دو چار دنوں میں دے سکوں گا۔" چنگیز نے کہا۔ "اب آپ اور زیادہ محتاط ہو جائیں۔ یہاں کے سراغرساں غیر معمولی طور پر سرگرم ہو گئے ہیں۔ وہ اب یہاں کے جانوروں اور پرندوں کو بھی شکی نگاہوں سے دیکھیں گے۔"

یہ طے کر کے کہ ایک آدمی کو صبح قاہرہ روانہ کر دیں گے چنگیز مسجد سے نکلا۔ وہ چوری چھپے نہیں چل رہا تھا تاکہ کوئی شک نہ کرے۔ وہ گلی کا موڑ مُڑا تو اُسے پھر کسی کے قدموں کی دبی دبی آہٹ سنائی دی۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ گلی تاریک تھی۔ اُسے کچھ بھی نظر نہ آیا۔ اب کے یہ وہم نہیں تھا۔ وہ آگے چل پڑا۔ اپنے ٹھکانے کے قریب جا کر اُس نے مصنوعی داڑھی اتار کر کپڑوں میں چھپا لی۔ اُس کے کپڑے ایسے تھے جو کوئی شک پیدا نہیں کرتے تھے کیونکہ ایسے کپڑے عیسائی بھی پہنتے تھے۔

اب وکٹر اور چنگیز کی کوشش یہ تھی کہ یہ معلوم کریں کہ صلیبی فوج کہاں کہاں حملہ کرے گی اور اس کے کوچ کا پروگرام کیا ہے۔ زیادہ سے زیادہ فوج جمع کرنے کے انتظامات شروع ہو گئے تھے۔ قاصدوں کی بھاگ دوڑ بھی شروع ہو گئی تھی۔ یہ دونوں جاسوس اس سرگرمی سے بظاہر لاتعلق ہو کر اس کی ہر ایک تفصیل معلوم کرنے میں مصروف تھے۔ ریمانڈ کی حیثیت میزبان کی تھی کیونکہ یہ اُس کا دارالحکومت تھا۔ اُس نے ایک رات تمام صلیبی حکمرانوں، اعلیٰ کمانڈروں اور دیگر اعلیٰ حکام کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ یہ رات وکٹر اور چنگیز کے لیے غیر معمولی مصروفیت کی رات تھی۔ چونکہ مہمانوں میں بادشاہ بھی تھے اس لیے انہیں شراب وغیرہ پیش کرنے میں زیادہ مستعد رہنا تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ مستعدی کی ضرورت اُس وقت تک ہوتی ہے جب تک مہمان ہوش میں رہتے ہیں۔ شراب میں بدمست ہو کر جب وہ بداخلاقی کے مظاہرے کرنے لگتے ہیں تو ملازموں کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

اس ضیافت میں جتنے مرد تھے اتنی ہی عورتیں تھیں۔ ان میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں، جوان عورتیں بھی اور وہ بھی جو بڑھاپے کو جوانی کا دھوکہ دے رہی تھیں۔ وکٹر اور چنگیز کھانا اور شراب وغیرہ لانے والے ملازموں کی نگرانی کرتے اور بھاگتے دوڑتے رہے۔ ایک جوان یورپی عورت نے چنگیز سے دو تین بار شراب مانگی۔ چنگیز نے ہر بار کسی ملازم یا ملازمہ کو بلا کر کہا کہ اسے شراب دے۔ اُس وقت مہمان ریمانڈ کے محل میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے تھے۔ یہ عورت بہت خوبصورت تھی۔ اس نے دیکھا کہ چنگیز ہر بار ملازم سے کہہ کر شراب منگواتا ہے تو اُس نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارے ہاتھ سے تھوڑی سی پینا چاہتی ہوں۔ تم نوکروں کو حکم دے کر اِدھر اُدھر ہو جاتے ہو۔"

"میں لا دیتا ہوں۔" چنگیز نے نوکروں کے سے لہجے میں کہا۔

"یہاں نہیں۔" عورت نے کہا۔ "میں باہر باغ میں جا رہی ہوں۔ وہاں لانا۔"

چنگیز شراب کی ایک خوشنما صراحی لے کے اُس جگہ چلا گیا جہاں وہ عورت جا بیٹھی تھی۔ یہ محل کا باغ تھا۔ وہاں بھی مہمان بکھرے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ ایک عورت اور ہاتھ میں شراب کا پیالہ تھا مگر یہ عورت اکیلی تھی اور چنگیز ذرا حیران بھی ہُوا کہ ایسی جوان اور خوبصورت عورت اکیلی کیوں ہے۔ اس پر تو مہمانوں کو مکھیوں کی طرح بھنبھنانا چاہیے تھا۔ وہ اس کے پیالے میں شراب ڈالنے لگا تو عورت نے پوچھا کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے۔ اُس نے یورپ کے کسی گاؤں کا نام لیا اور بتایا کہ وہ لڑکپن سے شاہ ریمانڈ کے شاہی سٹاف میں ہے۔

"تم تھوڑی سی دیر میرے پاس رُک سکو گے؟" عورت نے پوچھا اور پیالہ اُس کی طرف بڑھا کر کہا۔ "لو، میرے پیالے میں تم پیو پھر میں پیوں گی۔" اس کی آواز میں التجا اور تشنگی تھی۔

"آپ دیکھ رہی ہیں کہ میں نوکر ہوں۔" چنگیز نے کہا۔ "آپ شاہی خاندان کی خاتون ہیں۔ میں اس وقت نوکری کے فرائض ادا کر رہا ہوں۔"

"اِس وقت مجھے اپنا نوکر سمجھو۔" عورت نے اس کی کلائی پکڑ لی اور پیاسی مسکراہٹ سے کہا۔ "تم شہزادے ہو۔ یہ تو دل بتایا کرتا ہے کہ کون کیا ہے۔"

"آپ اکیلی کیوں ہیں؟" چنگیز نے پوچھا۔

"کیونکہ میرے جذبات مجھے اجازت نہیں دیتے کہ جس سے مجھے نفرت ہو اُس کے ساتھ ہنسوں کھیلوں۔" اُس نے جواب دیا۔ "مجھے جو اچھا لگتا ہے اُسے اپنے پاس بلا لیا ہے۔ تم نے میرے ہاتھ سے پیالہ لیا نہیں۔"

"کسی نے دیکھ لیا تو مجھے سُولی پر کھڑا کر دیا جائے گا۔" چنگیز نے کہا۔

"اگر تم نے میرے پیالے سے ایک گھونٹ نہ پیا تو میں تمہیں سُولی پر کھڑا کر دوں گی۔" عورت نے کہا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ اُس نے اور آگے ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔ "پاگل، تم مجھے اتنے اچھے لگتے ہو کہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر تمہیں اِدھر بلایا ہے۔ مجھے ٹالنے کی نہ سوچنا۔"

"میں شراب نہیں پیوں گا۔" چنگیز نے کہا۔

"نہ پیو۔" عورت نے کہا۔ "مگر میں جب بھی اور جہاں بھی تمہیں بلاؤں تمہیں آنا پڑے گا۔"

راشد چنگیز فہم و فراست کا مالک اور تجربہ کار انسان تھا۔ وہ اس پر ذرہ بھر حیران نہ ہُوا کہ ایک اونچے طبقے کی حسین و جمیل عورت اس کی دوستی کی خواہش کا اظہار کر رہی ہے۔ اُسے یہ خیال بھی آیا کہ یہ کسی بوڑھے جرنیل کی جوان بیوی ہو گی یا یہ کسی ایسے خاوند کی بیوی ہو گی جو اس وقت کسی اور کی بیوی کے ساتھ مگن ہو گا۔ ایک وجہ تو صاف تھی۔ چنگیز خوبرو آدمی تھا جس کے قدبُت میں بڑی کشش تھی۔ یہ پہلا موقعہ نہیں

تھا کسی عورت نے اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی ہو۔ صلیبی حکمرانوں اور اعلیٰ افسروں کو دعوتوں میں شراب پیش کرنے والی لڑکیاں خاص طور پر حسین اور دلکش تھیں۔ ان میں سے دو چنگیز کے ساتھ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کر چکی تھیں لیکن چنگیز نے اپنے کردار کو اُن سے بچائے رکھا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اُسے جو فرض دے کر بھیجا تھا اس کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے کردار کے قلعے کو مسمار نہ ہونے دے۔ علی بن سفیان نے اُسے ٹریننگ کے دوران ذہن نشین کرایا تھا کہ ذہن عیاشی کی طرف مائل ہو جائے تو فرائض ذہن سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اُس کے ذہن میں عورت کو ایک ایسے زہر کی مانند بٹھایا گیا تھا جو ایمان کھا جاتا ہے۔ ریمانڈ آف تریپولی کے محل میں اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ جس ملازم یا ملازمہ کو چاہے نوکری سے نکلوا سکتا تھا۔ اُس کی اپنی شخصیت کا اثر تو جادو کا سا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صلیبیوں کا کوئی کردار نہیں۔ ان کی عورتیں بے حیائی اور بد اخلاقی کو قابلِ فخر سمجھتی تھیں۔ ان وجوہات کی بنا پر چنگیز کے لیے یہ عورت اور اُس کی یہ بے تکلفی عجوبہ نہیں تھی۔

وہ چونکہ خصوصی قابلیت کا جاسوس تھا اس لیے اس نے فوراً سوچ لیا کہ وہ اس عورت کو یہ بتائے بغیر کہ وہ جاسوس ہے اُسے جاسوسی کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ اس عورت نے اُسے یہ جو کہا تھا کہ جہاں بھی تمہیں بلاؤں تمہیں آنا پڑے گا، اس میں حکم یا دھمکی نہیں بلکہ دوستانہ بے تکلفی تھی اور اُس کے پیچھے میں جو تاثر تھا، اسے چنگیز بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ عورت کی مسکراہٹ کے جواب میں وہ بھی مسکرایا۔ اِس مسکراہٹ سے اُس نے شکاری کو اُس کے بچائے ہوئے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔

"اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟" — اُس نے کہا۔ "میری ڈیوٹی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ آپ مہمانوں میں چلی جائیں" — اُس نے ذرا جھجک کر پوچھا۔ "آپ کس کی بیوی ہیں؟"

"بیوی نہیں داشتہ" — عورت نے کہا اور ایک اعلیٰ کمانڈر کا نام لے کر کہنے لگی — "کمبخت کے پاس بے شمار دولت ہے۔ یہاں آکر اُسے ایک اور مل گئی ہے۔ مجھے بھی آزاد نہیں کرتا۔ مجھ پر ان جذبات کا نشہ طاری رہتا ہے جو اپنے دل کی پسند اور ناپسند کے پابند ہوتے ہیں یا شاید دل اُن کا پابند ہوتا ہے۔ یہ وہ جذبات ہیں جو یہ نہیں دیکھتے کہ جو انسان دل پر قابض ہو گیا ہے وہ بادشاہ ہے یا غلام۔ مجھے تمہاری حیثیت سے کوئی غرض نہیں۔ مجھ سے دُور نہ بھاگنا۔ یہ ظلم ہوگا۔ تم پہلے انسان ہو جسے میرے دل نے پسند کیا ہے۔ میں جسمانی آسودگی کی پیاسی نہیں۔ میری روح پیاسی ہے۔ اِس کی پیاس تمہاری آنکھوں کے چشمے بجھا سکتے ہیں.... اب جاؤ۔ کل رات میں تمہیں خود ڈھونڈ لوں گی۔"

☆

جس وقت چنگیز اس عورت کے ساتھ باغ میں تھا وکٹر مہمانوں میں گھوم پھر رہا تھا۔ اُس کے کان اُن چند ایک صلیبیوں کی باتوں پر لگے ہوئے تھے جنہیں یہ فیصلہ کرنا تھا کہ پیش قدمی کس طرح کی جائے، حملہ کہاں کیا جائے۔ اُسے کام کی کچھ باتیں معلوم ہوئیں لیکن یہ ابھی تجویزیں اور مشورے تھے۔ راشد چنگیز

بھی مہمانوں میں چلا گیا اور رینالٹ کے اِرد گرد گھومنے لگا۔ رینالٹ اپنے ساتھیوں سے اپنا وہی عزم دُہرا رہا تھا جس کا اُس نے کانفرنس میں اظہار کیا تھا۔ اُس کے پاس اتنی زیادہ جنگی طاقت تھی جس کے زور پر وہ بڑے اونچے دعوے کر رہا تھا۔

رات گزر گئی۔ اگلے دن چنگیز کے پاس ایک آدمی آیا جو اس کے گروہ کا جاسوس تھا۔ اس نے اسے پیغام دیا کہ آدھی رات کے لگ بھگ امام کے پاس جائے۔ کوئی ضروری بات کرنی تھی.... دن گزرا، رات آئی۔ چنگیز اور وکٹر ریمانڈ کے کھانے کے کمرے میں اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے۔ رات بہت دیر بعد فارغ ہوئے۔ چنگیز نے ابھی وکٹر کو نہیں بتایا تھا کہ ایک عورت اُس کی دوستی کی خواہاں ہے۔ فارغ ہو کر اُس نے وکٹر کو بتایا کہ وہ کپڑے بدل کر امام کے ہاں جا رہا ہے۔ وکٹر نے اُسے چند ایک باتیں بتائیں جو امام کو بتانے والی تھیں۔

چنگیز نے کپڑے بدلے اور مصنوعی داڑھی چہرے پر باندھ کر چہرہ عمامے میں چھپا لیا۔ وہ کمرے سے نکل کر اندھیرے میں چلا گیا۔ اُس عمارت سے کچھ دُور سرسبز میدان تھا جس میں درختوں کی بہتات تھی۔ پھولدار پودے بھی تھے اور اس کے اردگرد کوئی آبادی نہیں تھی۔ اُسے اس قدرتی باغ میں سے گزر کر جانا تھا۔ اس میں داخل ہوا ہی تھا کہ کسی درخت کے پیچھے سے ایک سایہ نمودار ہوا اور اُس کی طرف بڑھنے لگا۔ چنگیز نے پہلا کام یہ کیا کہ مصنوعی داڑھی اُتار کر چُغے کی جیب میں ڈال لی۔ اُسے خطرہ تھا کہ اس جگہ وہی آدمی آ سکتا ہے جو اس جگہ ملازم ہوگا اور وہ اُسے پہچانتا ہوگا۔ اس نے رفتار سست کر لی، اور آہستہ آہستہ ٹہلنے لگا۔

سایہ دائیں طرف سے آ رہا تھا اور جب قریب آیا تو بولا — "میں نے کہا تھا کہ تمہیں خود ڈھونڈ لوں گی" — اور اُس کے ساتھ نسوانی ہنسی سنائی دی۔ یہ وہی عورت تھی۔

"محل کی گھٹن نے دماغ خراب کر دیا ہے" — چنگیز نے کہا — "ہوا خوری کے لیے اِدھر نکل آیا ہوں۔"

"میں تمہارے کمرے میں آ رہی تھی" — عورت نے کہا — "اِدھر آتے دیکھا تو تمہارے پیچھے آنے کی بجائے اس طرف سے آئی تا کہ کوئی دیکھ نہ لے.... بیٹھو گے یا ٹہلو گے؟ میں صراحی اور دو پیالے اپنے ساتھ لے آئی ہوں" — وہ ہنس پڑی۔

راشد چنگیز نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ رہتی کہاں ہے اور اتنی رات گئے کہاں سے آ نکلی ہے اور کیا جس کی وہ داشتہ ہے وہ اُسے ڈھونڈے گا نہیں؟ وہ اسی قدر سمجھ سکا کہ یہ عورت جذبات سے مغلوب ہے اور خطرے مول لے رہی ہے۔ چنگیز نے اس سے راز لینے کے ارادے سے کہا — "تم اپنے کمانڈر آقا سے نجات چاہتی ہو۔ یہ تب ہی ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ لڑائی پر چلا جائے مگر ایسا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ وہ کون سی فوج میں ہے؟"

"وہ بالڈوین کی فوج کی ہائی کمان کا جرنیل ہے" — عورت نے جواب دیا — "وہ شاید لڑائی پر چلا جائے

مگر وہ مجھے اور دوسری لڑکی کو بھی ساتھ لے جائے گا۔"

"وہ یہاں کیوں آیا ہے؟" چنگیز نے پوچھا۔ "لڑائی کا کوئی امکان ہے؟"

"یہاں اُسے بالڈون نے اسی مقصد کے لیے بھیجا ہے کہ لڑائی کا امکان پیدا کیا جائے۔" عورت نے جواب دیا۔

"صلاح الدین ایوبی کی فوج کہاں ہے؟" چنگیز نے پوچھا۔

"میں نے کبھی توجہ نہیں دی۔" اُس نے جواب دیا۔ "تم چاہو تو پوچھ کر بتا دوں گی۔"

راشد چنگیز نے اس سے کچھ اور باتیں پوچھیں۔ اس عورت کو جو کچھ معلوم تھا اس نے بتایا اور جو معلوم نہیں تھا اس کے متعلق کہا کہ پوچھ کر بتا دے گی۔

"کوئی لڑے کوئی مرے تمہیں اس سے کیا؟" عورت نے جذباتی لہجے میں کہا۔ "اگر اُس نے مجھے میدانِ جنگ میں جانے کو کہا تو میں نہیں جاؤں گی۔ میں اس کی بیوی تو نہیں۔ میں نہ اپنے موجودہ آقا کی غلام ہوں نہ صلاح الدین ایوبی کے ساتھ میری دشمنی ہے۔ مجھے اتنا ذلیل کیا گیا ہے کہ میں اِن سب کو جو اپنے آپ کو صلیب کے محافظ کہتے ہیں زہر دے کر مار دینا چاہتی ہوں۔" اُس نے چنگیز کو بٹھا لیا۔ دونوں پیالے زمین پر رکھ کر ان میں شراب انڈیلی اور ایک پیالہ چنگیز کی طرف بڑھا کر بولی۔ "ایسی تنہائی اور ایسی تاریک رات کے رومان کو لڑائی کی باتوں سے تباہ نہ کرو۔ پیو۔"

چنگیز کے لیے مشکل پیدا ہو گئی۔ وہ ڈیڑھ سال سے ان شرابیوں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں انہیں شراب پلاتا تھا لیکن اُس نے خود کبھی نہیں پی تھی۔ اس گناہگار ماحول میں جہاں اُسے گناہوں کی بڑی ہی دلکش دعوتیں ملتی تھیں اُس نے اپنے ایمان کو داغدار نہیں ہونے دیا تھا۔ اب اُسے ایک ایسی عورت مل گئی جس کی وساطت سے وہ اپنا فرض بہتر طریقے سے ادا کر سکتا تھا لیکن یہ عورت اُسے شراب پیش کر رہی تھی۔ خطرہ تھا کہ اس نے اس جذباتی عورت کی پیش کش ٹھکرائی تو وہ اُس کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اُس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ فرض کی ادائیگی کی خاطر وہ شراب کے دو گھونٹ پی لے یا اتنی قیمتی عورت کو ضائع کر دے۔

"مجھے شراب پسند نہیں۔" اُس نے کہا۔

"خدا نے تمہیں مردانہ حُسن اور شجاعت کا بڑا ہی دلکش مجسمہ بنایا ہے۔" عورت نے کہا۔ "لیکن شراب قبول نہ کر کے تم ثابت کر رہے ہو کہ تم پتھر کا بے جان مجسمہ ہو۔"

کچھ دیر انکار اور اصرار کا تصادم جاری رہا۔ چنگیز نے اس حسین عورت کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے اس کے ہاتھ سے پیالہ لیا پھر پیالہ منہ سے لگا لیا۔ عورت نے اُس کے پیالے میں اور شراب ڈال دی۔ چنگیز نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پیالہ ہونٹوں سے لگا لیا اور آہستہ آہستہ پیالہ خالی کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ محسوس کرنے لگا جیسے اس کے خیالات اور نظریات کی دنیا میں بھونچال آ گیا ہو۔ اُس کے ارد گرد دیواریں گر پڑیں اور وہ آزادی کے احساس سے لطف اندوز ہونے لگا جیسے کال کوٹھڑی سے رہا کر دیا گیا ہو۔

وہ نسوانی جسم کے لمس سے آشنا نہیں تھا۔ اُس نے شادی بھی نہیں کی تھی۔ جاسوسی کے لیے اُسے جو منتخب کیا گیا تھا اُس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ غیر شادی شدہ تھا اور پیچھے کا اُسے کوئی غم نہیں تھا مگر اس صورت حال میں جب ایک دل کش عورت اُسے شراب پلا کر اُس کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی تھی اُس کا شادی شدہ نہ ہونا اس کی بہت بڑی کمزوری بن گئی تھی۔ یہ عورت اُسے گناہ کی دعوت نہیں دے رہی تھی۔ اُس سے اُس محبت کی بھیک مانگ رہی تھی جو روح کو مسرور اور مخمور کر دیا کرتی ہے۔ چنگیز کی فطرت میں چونکہ گناہ کا عنصر نہیں تھا اس لیے اُس کے ذہن میں کوئی بے ہودہ ارادہ نہ آیا مگر اس صلیبی عورت کے ریشمی بالوں کے لمس نے اس کی پیاسی پیاسی اور جذباتی باتوں نے اور اُس کے سڈول بازوؤں نے اور اُس کے نرم وگداز گالوں نے اُسے وہ راشد چنگیز بھی نہیں رہنے دیا تھا جو وہ شراب کے چند گھونٹ حلق سے اُترنے سے پہلے تھا۔ رات گزرتی جا رہی تھی۔

وہ جب جدا ہونے کے لیے اُٹھے تو عورت نے اُس سے پوچھا۔ "تم نے مجھ سے لڑائی کے متعلق کچھ باتیں پوچھی تھیں۔ مجھے سب کچھ معلوم نہیں۔ اگر تم اپنے تمام سوالوں کا جواب چاہتے ہو تو میں کل رات جواب فراہم کر دوں گی۔"

اچانک چنگیز کے اندر وہ چنگیز بیدار ہو گیا جو سلطان ایوبی کا جاسوس تھا۔ اُسے اپنے فرائض یاد آ گئے اور اُسے یہ بھی یاد آ گیا کہ اس پر شراب اور ایک حسین عورت کا نشہ طاری ہے اور اُسے بہت محتاط ہونا چاہیے چنانچہ اُس نے عورت سے کہا۔ "مجھے بھی تمہاری طرح لڑائی کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں۔ میں آرام اور سکون کی زندگی کا شیدائی ہوں۔ اگر میرے سوالوں کا جواب لا سکو تو مجھے یہ پتہ چل جائے گا کہ ہماری فوج جدھر حملہ کرنے جا رہی ہے اُدھر مجھے بھی جانا پڑے گا اور وہ جگہ اور علاقہ کونسا ہو گا۔ شراب ساتھ جائے گی۔ ملازم ساتھ جائیں گے اس لیے مجھے بھی ساتھ جانا پڑے گا۔"

☆

واپس آ کر اُس نے اُسی وقت وکٹر کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے رنج اس بات کا ہو رہا تھا کہ وہ امام سے ملنے جا رہا تھا مگر راستے میں اس عورت نے روک لیا اور اُسے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ رات کا آخری پہر تھا۔ صلیبیوں کی اس عیاش دنیا میں صبح سویرے جاگنے کا کوئی بھی عادی نہیں تھا۔ چنگیز امام کے پاس جا سکتا تھا مگر منہ میں شراب کی بُو لیے ہوئے وہ مسجد میں جانے سے ڈر رہا تھا۔ اُس کے دل پر یہ بوجھ بھی سوار ہو گیا کہ شراب نوشی بہت بڑا گناہ ہے جس کا وہ ارتکاب کر چکا ہے۔ اس کے باوجود اُسے جب اس عورت کا خیال آیا تو اُس میں اُسے کوئی عیب نظر نہ آیا بلکہ اُس پر اس کی محبت کا خمار از سرِ نو سوار ہو گیا۔ عورت کے خیال کے ساتھ کوئی گناہ وابستہ نہیں تھا۔ یہ پاک محبت کا سرور تھا جس سے وہ دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا..... وہ لیٹ گیا اور اُس کی آنکھ لگ گئی۔

اُسے وکٹر نے جگایا۔ سورج اوپر اُٹھ آیا تھا۔ وکٹر نے پہلی بات یہ پوچھی۔ "امام سے مل آئے

تھے۔ کیا بات تھی؟"
"نہیں" چنگیز نے وکٹر کو حیران کردیا۔ "میں سمجھ تک نہیں جاسکا۔" اُس نے وکٹر کو تمام تر واقعہ سنادیا اور کہا۔ "اگر میں شراب پیے ہوئے نہ ہوتا تو میں اس عورت سے جدا ہونے کے بعد بھی جاسکتا تھا۔"

"پھر تم کوشش کرو کہ آئندہ شراب نہ پیو۔" وکٹر نے اُسے کہا۔ "اگر اس عورت کو اپنے ہاتھ میں رکھنے کے لیے اُس کے کہنے پر دو گھونٹ پی ہی لیے تھے تو تمہیں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ امام تمہارے انتظار میں پریشان ہو رہا ہوگا۔ دن کے وقت جانا ٹھیک نہیں۔ آج رات ضرور جانا۔" وکٹر نے اُس سے پوچھا۔ "تم اناڑی نہیں ہو چنگیز! خود سمجھ سکتے ہو کہ اس عورت کی نیت کیا ہے اور کیا وہ تمہارے ساتھ دلی محبت کرتی ہے، تمہیں دھوکہ تو نہیں دے رہی یا تمہیں جسمانی جذبے کی تسکین کا ذریعہ بنانا چاہتی ہوگی۔ یہ تو اُس کے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ تم جاسوس ہو۔ میں تمہیں یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ عورت کے جادو نے فرعونوں جیسے بادشاہوں کو تخت سے اٹھا کر کوڑے کرکٹ میں گم کردیا ہے۔ خود اپنی قوم کو دیکھ لو۔ صلیبیوں کی بھیجی ہوئی دلکش لڑکیوں نے مصر میں بغاوت تک کرائی ہے۔ سلطان ایوبی کے قابلِ اعتماد سالاروں کو غدار بنایا ہے۔"

"میں اتنا کچا تو نہیں وکٹر بھائی!" راشد چنگیز نے کہا۔ "یہ عورت مظلوم نظر آتی ہے۔ وہ بے شک داشتہ ہے لیکن شہزادی ہے، عصمت فروش نہیں۔ عیش و عشرت اور مادی آسائشوں کے لحاظ سے میں اُسے شہزادی کہتا ہوں لیکن جذباتی لحاظ سے وہ مظلوم ہے۔ وہ پاک محبت کی پیاسی ہے۔ میں نے اس کے جسم کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کیا ہے نہ کروں گا لیکن اُس کی محبت کو میں ٹھکرا کر اُسے مزید مظلوم نہیں بنانا چاہتا۔ تم یہ نہ سمجھو کہ میں اُسی کا ہو کے رہ جاؤں گا۔ اُسے وہ محبت بھی دوں گا جس کی اُسے ضرورت ہے اور اُس سے وہ راز بھی لے لوں گا جس کی مجھے ضرورت ہے۔"

"تم دل سے اُسے چاہنے لگے ہو؟"

"ہاں وکٹر!" چنگیز نے جواب دیا۔ "میں تم سے کچھ چھپاؤں گا نہیں۔ وہ میرے دل میں اُتر گئی ہے۔"

"دل میں اُتر جانے والیاں پاؤں کی زنجیریں بھی بن جایا کرتی ہیں چنگیز!" وکٹر نے کہا۔ "میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ سب سے مقدم اور مقدس فرض ہے۔ فرض اور محبت کے درمیان، نشے اور ہوش کے درمیان، ایمان اور سفلی جذبات کے درمیان کوئی دیوار نہیں ہوتی جسے پھلانگنا دشوار ہو، بال جیسی باریک ایک لکیر ہوتی ہے جو ذرا سی لغزش سے نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے اور انسان اِدھر سے اُدھر چلا جاتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس سے راز لیتے لیتے تم اپنے آپ کو اُس کے آگے بے نقاب کر دو۔"

راشد چنگیز نے قہقہہ لگایا اور وکٹر کی ران پر ہاتھ مار کر بولا۔ "ایسا نہیں ہوگا میرے دوست، ایسا نہیں ہوگا۔"

"اور یاد رکھو۔" وکٹر نے کہا۔ "شراب کا تعلق شیطان کے ساتھ ہے۔ جو صفات شیطان میں ہیں،

وہ شراب میں ہیں۔ اس کا عادی نہ ہو جانا۔ اس عورت کو خوش کرنے کے لیے اتنی سی پی لینا جس سے تمہاری عقل ٹھکانے رہے۔"

"امام تک یہ پیغام پہنچانا ضروری ہے کہ میں رات کسی مجبوری کی وجہ سے نہیں آسکا، آج رات آؤں گا۔" چنگیز نے کہا۔

"بازار چلے جاؤ۔" وکٹر نے کہا۔

اُن کے دو چار ساتھی بازار میں دکاندار تھے۔ معمولی سی پیغام رسانی ان کی معرفت ہو سکتی تھی۔ اہم اور نازک راز انہیں نہیں دیئے جاتے تھے۔ وکٹر خود ہی بازار چلا گیا اور ایسے ایک آدمی سے مل کر آگیا۔

☆

اگلی رات چنگیز اپنے کام سے جلدی فارغ ہو گیا۔ اپنے کمرے میں جا کر اس نے وردی اُتاری، دوسرے کپڑے پہنے اور مصنوعی داڑھی کپڑوں میں چھپا لی۔ اُسے ڈر تھا کہ وہ عورت اُسے اچانک مل گئی تو داڑھی کا راز فاش ہو جائے گا۔ اُس کا ارادہ یہ تھا کہ امام سے مل کر واپس اُسی جگہ آ جائے گا جہاں عورت سے ملنا تھا۔ وہ اُسی راستے سے گیا۔ یہی راستہ محفوظ تھا اور چھوٹا بھی تھا۔ وہ اُس جگہ داخل ہو گیا جہاں سبزہ، پودے اور درخت تھے۔ وسط میں گیا تو اُسے مانوس سایہ ایک طرف سے آتا نظر آیا۔ چنگیز بھاگ نہیں سکتا تھا۔ سایہ قریب سے نمودار ہوا تھا۔ فوراً ہی اُس کے سامنے آگیا اور بولا۔ "آج تم جلدی آگئے۔ میری محبت کا اثر ہے؟"

"اور تم یہاں اتنی جلدی کیوں آن کھڑی ہوئی تھی؟" چنگیز نے پوچھا۔ "نوج نے ابھی آدھی رات کا گھڑیال تو نہیں بجایا؟"

"میرا دل کہہ رہا تھا تم گھڑیال کی آواز سے پہلے آجاؤ گے۔" عورت نے کہا۔

"لیکن مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ تم اتنی جلدی آجاؤ گی۔" چنگیز نے کہا۔ "میں کسی کام سے جا رہا تھا، واپس یہیں آنا تھا۔"

"اگر کام ضروری ہے تو جاؤ۔" عورت نے کہا۔ "میں ساری رات تمہارا انتظار یہیں کروں گی۔"

"اب تو میں یہاں سے ہل بھی نہیں سکوں گا۔" چنگیز نے اُسے بازوؤں کے گھیرے میں لیتے ہوئے کہا۔ عورت کے کھلے ہوئے بالوں کی مہک اور کپڑوں پر لگے ہوئے عطر نے اُسے دیوانہ بنا ڈالا لیکن اپنے آپ کو اس حد تک ہوشمند اور چوکنا رکھا کہ امام کے پاس جانا ملتوی کر دیا۔ اُس نے سوچا کہ یہ عورت آخر صلیبی ہے۔ اس کے دل میں اپنے آقا کے خلاف نفرت ہو سکتی ہے، اپنی قوم اور صلیب کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ چنگیز یہ خدشہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ امام کی طرف گیا تو یہ عورت کسی اور شک کی بنا پر اُس کے پیچھے نہ چل پڑے۔ چنانچہ اُس نے محبت کی شدت کا اظہار کر کے آگے جانا منسوخ کر دیا۔

عورت نے پیالے زمین پر رکھے اور صراحی سے ان میں شراب ڈال کر ایک پیالہ چنگیز کو دینے لگی۔ چنگیز شراب نہیں پینا چاہتا تھا۔ اُس نے ایک بہانہ سوچ لیا۔

"تم اگر زہر کا پیالہ دو گی وہ بھی پی لوں گا" چنگیز جذبات سے جھومتے ہوئے بولا ـــــ "شراب نہیں پیوں گا۔"

"تم عیسائی ہوتے ہوئے شراب سے کیوں نفرت کرتے ہو؟"

"شراب کا نشہ تمہارے حُسن اور تمہاری محبت کے نشے پر غالب آجاتا ہے" چنگیز نے کہا ـــــ "جس طرح تمہارے دل نے زر و دولت اور عیش و عشرت کو قبول نہیں کیا کیونکہ اُن کی مسرت مصنوعی اور جسمانی ہے، اسی طرح میرا دل شراب کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس کا نشہ مصنوعی ہے۔ مجھ پر اپنا خمار طاری کرو۔"

عورت نے اس کا سر اپنی آغوش میں رکھ لیا اور اس پر اپنا خمار طاری کر دیا۔ اس سے پہلے چنگیز نے اس کے ساتھ جو باتیں کی تھیں، ان میں بناوٹ اور جھوٹ تھا، اب اس کی عقل پر اور اس کے جذبات پر یہ عورت غالب آگئی۔ اسی لذت انگیں خمار میں اُس نے خود پیالہ اٹھایا اور ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

"اور ڈالو" اُس نے کہا۔

عورت نے اب اُس کا پیالہ بھر دیا، جو وہ آہستہ آہستہ پینے لگا۔ پھر وہ اُس عورت میں گُم ہو گیا۔

"ہم کب تک چوری چھپے ملتے رہیں گے؟" عورت نے کہا۔ "ذرا غور کرو میں کیسی اذیت میں مبتلا ہوں۔ میرے جسم کا مالک کوئی اور ہے اور دل کے مالک تم ہو۔ تمہاری محبت نے اُس کی نفرت کو اور زیادہ کر دیا ہے۔ میں اب اُسے برداشت نہیں کر سکتی۔ آؤ یہاں سے بھاگ چلیں۔"

"کہاں جائیں گے؟" چنگیز نے پوچھا۔

"دنیا بہت وسیع ہے" عورت نے جواب دیا۔ "یہاں سے مجھے نکالو۔ میرے جذبات کی جوانی کو ایک بوڑھا کچل اور مسل رہا ہے۔"

"چلے چلیں گے" چنگیز نے کہا ـــــ "تھوڑے دن ٹھہر جاؤ ..... میرے سوالوں کا جواب لائی ہو؟"

"ہاں!" عورت نے کہا ـــــ "ہماری فوجیں جمع ہو رہی ہیں ....." اُس نے تفصیل سے بتایا کہ کس کس کی فوج کہاں کہاں اجتماع کرے گی اور اُن کا ارادہ کیا ہے لیکن ابھی آخری پلان کا اُسے علم نہیں ہو سکا تھا۔ چنگیز اس سے کرید کرید کر پوچھتا رہا۔

وہ جب وہاں سے اُٹھے تو ایک دوسرے کے دل میں پوری طرح سما چکے تھے۔

☆

"میں امام تک تو نہیں پہنچ سکا لیکن اس عورت سے کچھ نئی معلومات لے آیا ہوں" چنگیز نے وکٹر کو بتایا "وہ میرے جال میں آگئی ہے اور میرے ہاتھ میں کھیلتی رہے گی۔"

"میرا خیال ہے کہ تم بھی اُس کے جال میں آگئے ہو" وکٹر نے کہا ـــــ "تمہارا انداز بتا رہا ہے کہ اُس کا تیر تمہارے دل میں اُتر گیا ہے۔"

"میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ وہ میرے دل میں اُتر گئی ہے" چنگیز نے کہا ـــــ "اب تو اُس نے یہ بھی کہہ دیا

ہے کہ وہ میرے ساتھ بھاگ چلے گی لیکن میں نے اُسے کہا ہے کہ کچھ دن انتظار کرے۔ میں اُسے یہاں سے نکال لے جاؤں گا۔ میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ صلیبیوں کا منصوبہ معلوم ہو جائے تو یہ راز میں خود قاہرہ لے جاؤں گا اور اس عورت کو بھی ساتھ لے جاؤں گا۔"

"اُسے کب بتاؤ گے کہ تم مسلمان ہو اور یہاں جاسوسی کے لیے آئے تھے؟"

"مصر کی سرحد میں داخل ہو کر" چنگیز نے جواب دیا "یہاں اُسے تھوڑے ہی بتا دوں گا۔"

چنگیز محبت کے نشے میں سرشار تھا۔ وہ صلیبیوں کا راز معلوم کرنے کے لیے جس قدر بیتاب تھا اس سے زیادہ بے چین اس عورت سے ملنے کے لیے تھا۔ وہ خود محسوس کر رہا تھا کہ اس کے سوچنے کے انداز میں اور اس کی روزمرہ حرکات و سکنات میں نمایاں تبدیلی آگئی ہے۔ پہلی بار اُس نے شراب پی تھی تو اگلے روز وہ پچھتاوے سے پریشان رہا تھا، مگر گزشتہ رات اُس نے اپنی مرضی سے شراب کا پیالہ اٹھا لیا تھا اور اب وہ پچھتاوے سے آزاد تھا۔ یہ بہت بڑی تبدیلی تھی۔

اُس شام اُسے اچانک بتایا گیا کہ چند ایک صلیبی حکمران اور اُن کے [illegible] رہے ہیں۔ ریمانڈ میزبان تھا۔ اُس نے شراب کی محفل کا اہتمام کیا تھا۔ رات جب مہمان آئے تو یہ ہجوم نہیں تھا۔ چند ایک خصوصی مہمان تھے جو اس امر کا ثبوت تھا کہ یہ دعوت کم اور اجلاس زیادہ ہے۔ وکٹر اور چنگیز خاص طور پر سرگرم اور مستعد تھے۔ اس دعوت کے لیے انہوں نے کھانا پیش کرنے کے ملازموں کا باقاعدہ انتخاب کیا تھا۔ اس محفل میں صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا سربراہ ہرمن بھی موجود تھا..... شراب کا دور چلنے لگا اور حملے کی باتیں ہونے لگیں۔ اب کے جو باتیں ہو رہی تھیں وہ تجاویز نہیں بلکہ فیصلے کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان میں پلان کا خاکہ بھی تھا اور ان باتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ کُوچ جلدی کیا جائے گا۔

ہرمن سے اس کے محکمے کی سرگرمیوں کے متعلق پوچھا گیا۔ اُس نے بتایا کہ جہاں جہاں صلیبی فوج ہے وہاں محکمے کو سرگرم کر دیا گیا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے جاسوسوں کا سراغ لگا کر انہیں پکڑا جائے۔ تریپولی میں جہاں صلیبی فوج کا سب سے بڑا اجتماع ہو رہا تھا جاسوسوں کو پکڑنے کے خصوصی انتظامات کر دیئے گئے اور ہرمن نے بتایا کہ یہاں جاسوسوں کے ایک گروہ کا سراغ ملا ہے۔ اُس گروہ کو بیکار کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ہرمن نے کہا ـــــ "صرف ایک آدمی پکڑا گیا تو اُس کے ذریعے پورے گروہ کا سراغ مل جائے گا۔ قاہرہ کے جاسوسوں کو ہدایات بھیج دی گئی ہیں۔ اُدھر سے کل ہی ایک آدمی آیا ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ صلاح الدین ایوبی نے بھرتی اور ٹریننگ تیز کر دی ہے اور وہ یروشلم کی طرف پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہے۔"

صلیبیوں کے اجلاس میں چنگیز اور وکٹر کو اتنی معلومات حاصل ہو گئیں کہ اگر یہی قاہرہ پہنچا دی جاتیں تو سلطان ایوبی کے لیے کافی تھیں۔ اُسے یہ اطلاع بہت جلد ملنی چاہیے تھی کہ صلیبی عنقریب پیش قدمی کر رہے ہیں اور اُن کا رُخ حران اور حلب کی طرف ہے۔

محفل برخاست ہوئی۔ چنگیز اور وکٹر آدھی رات کے بعد فارغ ہوئے۔ چنگیز کو امام کے پاس جانا تھا۔ اس

نے ہرات کی طرح کپڑے بدلے اور مصنوعی داڑھی کپڑوں میں چھپالی۔ آج رات چونکہ بہت دیر ہوگئی تھی، اس لیے اُسے یہ خطرہ نہیں تھا کہ عورت اسے راستے میں مل جائے گی۔ وہ اطمینان سے باہر نکل گیا۔

☆

اُس کی توقع غلط ثابت ہوئی۔ وہ اُس سرسبز جگہ سے گزر رہا تھا کہ عورت نے اُسے روک لیا۔ چنگیز نے یہ بھی نہ سوچا نہ اُس سے پوچھا کہ وہ کہاں رہتی ہے اور اُسے کہاں سے دیکھ لیتی ہے۔ وہ تو معلوم ہوتا تھا جیسے اُسی جگہ کہیں رہتی تھی جہاں اُسے چنگیز کے قدموں کی آہٹ سنائی دیتی اور وہ باہر آجاتی ہو۔ چنگیز نے اس پر غور نہ کیا۔ اُسے دراصل غور کرنے کی مہلت ہی نہیں ملتی تھی۔ عورت اس کے ذہن اور دل پر غالب آجاتی تھی اور وہ سب کچھ بھول جاتا تھا۔ آج رات بھی وہ امام کے پاس نہیں جاسکتا تھا مگر اس کا اُسے افسوس نہ ہوا۔ عورت نے اُسے جذبات میں اُلجھا لیا تھا۔ آج وہ مظلومیت کا اظہار ایسی دیوانگی سے کررہی تھی جس سے چنگیز کے پاؤں اُکھڑ گئے۔

"مجھے پناہ میں لے لو"۔ عورت نے جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "دیکھنے والے مجھے شہزادی اور ملکہ سمجھتے ہیں مگر میری زندگی ایسا جہنم ہے جسے تم قریب سے دیکھو تو سر سے پاؤں تک کانپ اُٹھو۔ میں مسلمان ماں باپ کی بیٹی ہوں۔ میری خوبصورتی نے مجھے ایسی اذیت میں ڈالا ہے جو بڑھتی جارہی ہے ختم ہوتی نظر نہیں آتی۔ پندرہ سال کی عمر میں میرے باپ نے مجھے ایک عربی تاجر کے ہاتھ فروخت کیا تھا۔ میرا باپ غریب آدمی نہیں تھا۔ ہم چھ بہنیں تھیں۔ اُس کے دل میں پیسے کا پیار تھا۔ بیٹیوں کو وہ بالکل پسند نہیں کرتا تھا۔ میری دو بڑی بہنیں باپ کے سلوک سے تنگ آکر اپنے چاہنے والوں کے ساتھ چلی گئی تھیں۔ مجھے اُس نے بیچ ڈالا....

"ایک سال بعد اس تاجر نے مجھے تحفے کے طور پر ایک صلیبی افسر کے حوالے کردیا۔ تھوڑے عرصے بعد وہ لڑائی میں مارا گیا۔ میں بھاگ گئی مگر جاتی کہاں۔ ایک عیسائی نے مجھے پناہ دی مگر اُس نے میرے جسم کو کمائی کا ذریعہ بنالیا۔ میں کوئی سستی سی طوائف نہیں تھی۔ وہ مجھے صلیبی فوج کے بہت اونچے رُتبے کے افسروں کو چند دنوں کے لیے داشتہ کے طور پر دیتا تھا۔ اس آدمی نے اور اُن صلیبیوں نے جن کے ہاں مجھے بھیجا جاتا تھا، مجھے زیورات سے لاد دیا اور مجھے ہر وہ آسائش دی جو محل میں کسی شہزادی کو ملتی ہے۔ اس لحاظ سے میں مطمئن اور مسرور تھی مگر مجھے روحانی مسرت نہیں ملتی تھی۔ اسی پیشے میں میرا میل جول فوجی افسروں کے ساتھ بڑھ گیا۔ میں تجربہ کار ہوچکی تھی۔ میری رسائی حکمرانوں اور سب سے بڑے عہدوں کے کمانڈروں تک ہوگئی۔ انہوں نے مجھے جاسوسی کی تربیت دے کر ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنا شروع کردیا۔ ایک بار مجھے بغداد میں بھیجا گیا تھا۔ وہاں نورالدین زنگی کے ایک سالار کو اس کے خلاف کرنا تھا۔ میں نے یہ کام خوش اسلوبی سے کرلیا تھا....

"میں اگر اپنے جاسوسی کے کارنامے تمہیں سنانے لگوں تو تم حیران رہ جاؤ گے اور شاید یقین بھی نہ کرو۔ ایسے قصے بڑے لمبے ہیں۔ اسی دوران اس کمانڈر نے مجھے داشتہ رکھ لیا۔ یہ بوڑھا آدمی ہے۔ مجھے بہت عیش

کراتا ہے۔ مجھے بڑے فخر سے اپنے ساتھ لیے پھرتا ہے۔ وہ شاید لوگوں کو یہ دھوکا دینا چاہتا ہے کہ وہ بوڑھا نہیں اور وہ مجھ جیسی جوان عورت کو خوش و خرم رکھ سکتا ہے۔ یہ میری ہر فرمائش پوری کرتا ہے۔ میں اس کے ساتھ عکرہ میں تھی۔ وہاں اتفاق سے ایک مسلمان جاسوس سے ملاقات ہوگئی۔ وہ دمشق سے گیا تھا۔"

"اُس کا نام کیا تھا؟" چنگیز نے پوچھا۔

"نام بتادوں گی تو تمہارے کس کام آئے گا؟" عورت نے کہا۔ "تم اُسے جانتے تو نہیں۔ میری بات سنو۔ تمہاری محبت نے میری زبان کی زنجیریں توڑ دیں اور میرے دل کے دروازے کھول دیے ہیں۔ میں تمہارے آگے ایسا راز فاش کررہی ہوں جو مجھے قید خانے میں بھجوا سکتا ہے جہاں انسانی درندے مجھے اذیت ناک طریقوں سے ہلاک کریں گے، لیکن میں تمہارے ہاتھ سے مرنا پسند کروں گی.... میں کہہ رہی تھی کہ دمشق کا جاسوس پکڑا گیا اور اُسے تہہ خانے میں ڈال دیا گیا۔ میں بہت بڑے افسر کی چہیتی داشتہ تھی۔ میں اُس جاسوس کا تماشہ دیکھنے تہہ خانے میں چلی گئی۔ اُسے ایسی ظالمانہ اذیتیں دی جارہی تھیں کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی۔ اُس سے پوچھ رہے تھے کہ اُس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں اور اُس نے اب تک کون سا راز معلوم کیا ہے....

"اُس کی پیٹھ سے خون بہہ رہا تھا اور اُس کا چہرہ نیلا ہوگیا تھا، پھر بھی وہ کہہ رہا تھا: 'میری رگوں میں مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ اپنے کسی ساتھی کے ساتھ غداری نہیں کروں گا'۔ میری رگ رگ بیدار ہوگئی۔ میری رگوں میں بھی مسلمان باپ کا خون دوڑ رہا تھا۔ میرے اندر ایک انقلاب زلزلے کی طرح آیا اور میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ اس مسلمان کو اس تہہ خانے سے نکالوں گی۔ میں نے اپنے آقا کا عہدہ، اپنے حُسن کا فریب اور تین چار ٹکڑے سونا استعمال کیا اور ایک صبح میرے آقا نے مجھے یہ خبر سنائی کہ تہہ خانے سے مسلمان جاسوس فرار ہوگیا ہے۔ اس بوڑھے کو معلوم نہیں تھا کہ وہ تہہ خانے سے فرار نہیں ہُوا تھا۔ میں نے اُسے وہاں سے نکلوا کر اوپر کے حصے میں منتقل کرادیا تھا۔ جس وقت میرا آقا مجھے اس کے فرار کی خبر سنا رہا تھا اُس وقت مفرور جاسوس اسی شہر میں موجود تھا۔ میں نے اپنے ایک مسلمان ملازم سے اس کے چھپنے کا بندوبست کرا لیا تھا....

"وہ بھی تمہاری طرح خوبصورت جوان تھا۔ تہہ خانے میں اُسے لاش بنادیا گیا تھا۔ میں نے اُسے طاقت کی دوائیں اور غذائیں دیں۔ میں رات کو چوری چھپے اُس کے پاس جایا کرتی تھی۔ اُس نے میری ذات میں ایمان بیدار کردیا۔ میں نے اُسے بتادیا تھا کہ میں مسلمان کی بیٹی ہوں۔ یہ آپ بیتی اُسے بھی سنائی تھی جو تمہیں سنا چکی ہوں۔ اُس نے مجھے کہا کہ میرے ساتھ چلی چلو۔ میں نے اُسے کہا کہ مجھے جاسوسی کے ڈھنگ سکھا دو، میں اپنے مذہب اور اپنی قوم کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں۔ اس نے مجھے عکرہ کے تین آدمیوں کے نام پتے بتائے پھر اُن کے ساتھ ملاقات کا انتظام بھی کردیا۔ یہ جاسوس تندرست ہوگیا تو میں نے اُسے شہر سے نکلوا دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں چوری چھپے اُس کے ساتھیوں سے ملتی رہی۔ وہ مجھے جاسوسی کے سبق دیتے رہے پھر میں عملی طور پر اُن کے لیے کام کرنے لگی....

"ایک تو میں اتنے اونچے رتبے کے فوجی افسر کی داشتہ تھی دوسرے میری خوبصورتی اور جوانی کی بدولت

دوسرے افسر میری دوستی کے خواہشمند رہتے تھے۔ میں عصمت کا موتی تو گنوا ہی چکی تھی۔ بے حیائی اور شوخی میری عادت بن گئی تھی۔ گناہگاروں کے ساتھ زندگی بسر کر کے میں فریب کار بھی ہو گئی تھی۔ میں نے ان لوگوں کو خوب انگلیوں پر نچایا، انہیں بڑے حسین جھانسے دیئے اور بڑے قیمتی راز مسلمانوں کو دیتی رہی۔ یہ جاسوس مجھے سلطان صلاح الدین ایوبی کے متعلق باتیں سنایا کرتے تھے۔ میں اُسے فرشتہ سمجھتی ہوں۔ میرے دل میں یہی ایک خواہش ہے کہ اپنی قوم کے لیے کچھ کرتی رہوں اور ایک بار سلطان ایوبی کی زیارت کروں۔ میں اسی کو حج سمجھوں گی....

"اب میں اس کمانڈر کے ساتھ یہاں آ گئی ہوں۔ صلیبی بڑی ہی زیادہ طاقت سے مسلمانوں پر فوج کشی کر رہے ہیں۔ مجھے اُن کے تمام راز معلوم ہو چکے ہیں۔ اب مجھے کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ایوبی کا جاسوس ہو۔"

"تم نے اتنی دلیری سے یہ راز کیوں فاش کر دیا ہے؟" چنگیز نے اُس سے پوچھا۔ "تم اگر واقعی جاسوس ہو تو بالکل اناڑی ہو۔ تم نے میری محبت پر اعتماد کیا ہے۔ اگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ میں تمہاری نسبت صلیب سے زیادہ محبت کرتا ہوں اور میری وفاداریاں صلیب کے ساتھ ہیں تو کیا کرو گی؟ عقل مند جاسوس اپنے فرض پر اپنے بچوں کی محبت کو بھی قربان کر دیا کرتے ہیں۔"

"میں تمہیں حقیقت بتا دوں تو تم مان جاؤ گے کہ میں اناڑی نہیں ہوں۔" عورت نے کہا۔ "میں نے یقین کر لیا تھا کہ تم عیسائی نہیں ہو۔ تم مسلمان ہو اور مصر کے جاسوس ہو۔"

راشد چنگیز یوں چونکا جیسے اس عورت نے اُسے ڈس لیا ہو۔ شراب کا نشہ اور رومان انگیز جذبات کا خماریوں اُتر گیا جیسے کمان سے تیر نکل گیا ہو۔ اُس نے کچھ کہنے کی کوشش کی تو اُس نے محسوس کیا جیسے اس کی زبان اکڑ گئی ہو۔

اُسے عورت کی دبی دبی ہنسی سنائی دی۔ عورت نے کہا — "کہو، میں اناڑی ہوں؟"

چنگیز کے لیے جواب دینا محال ہو گیا۔ اگر یہ عورت واقعی مسلمان تھی تو کیا چنگیز کو اُس پر اپنا آپ ظاہر کر دینا چاہیے تھا؟ طریقہ یہ تھا کہ ایک گروہ کے جاسوس اپنے ہی ملک کے جاسوسوں کے دوسرے گروہ سے بھی بیگانہ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنگیز کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ عورت کس پائے کی جاسوس ہے۔ یہ بھی تو ممکن تھا کہ وہ دوغلا کھیل کھیل رہی ہو۔ اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ سلطان ایوبی نے سختی سے حکم دے رکھا ہے کہ کسی عورت کو کہیں جاسوسی کے لیے نہ بھیجا جائے۔ اگر یہ عورت جاسوسی کر رہی تھی تو اپنے طور پر کر رہی ہو گی۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتی تھی کہ جاسوسوں کو معلومات پہنچا دیتی تھی۔ ایسی عورت پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے تھا۔

"خاموش کیوں ہو گئے ہو؟" عورت نے پوچھا۔ "کہہ دو میں نے غلط کہا ہے۔"

"تم نے بالکل غلط کہا ہے" — راشد نے جواب دیا۔ "اور تم نے مجھے مشکل میں ڈال دیا ہے۔"

"کیسی مشکل؟"

"یہ کہ میں تمہیں گرفتار کرا دوں یا محبت کی خاطر خاموش رہوں۔" چنگیز نے کہا — "میں عیسائی ہوں،

اور پکا صلیبی ہوں۔"

وہ زمین پر بیٹھے تھے۔ عورت نے اپنے زانو کے نیچے سے کچھ نکالا اور یہ چنگیز کی گود میں رکھ کر کہا — "یہ رہی تمہاری مصنوعی داڑھی۔ کل جب تم میرے پاس تھے تو بھی یہ تمہارے چغے کی جیب سے نکال لی تھی اور پھر جیب میں ہی ڈال دی تھی۔ آج بھی نکال لی ہے۔"

چنگیز اُس کے حُسن اور اُس کی محبت اور شراب کے نشے میں ایسا گم ہو جاتا تھا کہ اُسے ہوش نہیں رہتی تھی۔

"میں نے ایک رات یہ داڑھی تمہارے چہرے پر دیکھی تھی۔" عورت نے کہا۔ "تم اس داڑھی میں کہیں سے نکلے تھے۔ میں نے تمہیں راستے میں روک لیا اور جب تم نے مجھے بازوؤں میں لیا تھا، میں نے تمہارے چغے کی دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈالا۔ میرے ایک ہاتھ نے داڑھی محسوس کر لی۔"

"مصنوعی داڑھی سے تم نے کیسے یقین کر لیا کہ میں جاسوس ہوں؟"

"تم جس انداز سے مجھ سے فوجوں کی آمد و رفت کی باتیں پوچھتے رہے ہو یہ انداز جاسوسوں کا ہے۔" عورت نے کہا — "تم نے مجھ سے جن سوالوں کے جواب لانے کو کہا تھا وہ کوئی اور نہیں پوچھ سکتا۔ کسی عام آدمی کے ذہن میں ایسے سوال آتے ہی نہیں اور شراب سے انکار صرف مسلمان کر سکتا ہے۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ بازو چنگیز کے گلے میں ڈال کر اور گال اُس کے گال سے لگا کر بولی — "تم مجھ سے ڈر رہے ہو۔ کیا تمہارا دل مان نہیں رہا کہ میں مسلمان ہوں؟ میں تمہیں اپنا دل کس طرح دکھاؤں۔ ہم دونوں ایک منزل کے مسافر ہیں۔ میں نے تمہیں سلطان ایوبی کا جاسوس سمجھ کر دل میں نہیں بٹھایا تھا۔ تم مجھے معلوم نہیں کیوں اچھے لگے تھے۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے ہم آسمانوں میں بھی اکٹھے تھے، زمین پر بھی اکٹھے ہو گئے ہیں اور ہم اکٹھے اٹھائے جائیں گے.... کہو تو میں تمہارے جاسوس ہونے کے کئی اور ثبوت پیش کر دوں۔ میں تمہاری حفاظت کروں گی، اور میں نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ ہم دونو بہت ہی قیمتی راز اپنے ساتھ لے کر یہاں سے اکٹھے نکلیں گے۔ اگر یہ راز قاہرہ بروقت نہ پہنچا تو حرن، حلب، حماۃ، دمشق اور بغداد تو صلیبیوں کے سیلاب میں ڈوب ہی جائیں گے مصر کو بچانا بھی ممکن نہیں رہے گا۔ سلطان ایوبی بالکل بے خبر ہے۔ وقت ضائع نہ کرو۔ میں یہاں سے اکیلی نہیں نکل سکتی، تمہارا ساتھ ضروری ہے۔ میں تمہیں ساتھ لے کر سیر کے بہانے شہر سے نکل سکتی ہوں۔ تم میرے محافظ ہو گے اور کوئی بھی ہم پر شک نہیں کرے گا۔"

راشد چنگیز پر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ عورت نے اُس کے پیالے میں شراب انڈیلی اور پیالہ اُس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے مخمور انداز اور جذباتی لہجے میں کہا — "تم گھبرا گئے ہو۔ پی لو۔ یہ شراب کا آخری پیالہ ہے۔ اس کے بعد ہم اس سے توبہ کر لیں گے۔" اُس نے چنگیز پر اپنے ریشمی بالوں کا سایہ کر لیا اور پیالہ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ بالوں کے ملائم لمس اور مہک نے نسوانی جسم کے لمس اور حرارت نے اور شراب نے چنگیز کی زبان سے کہلوا لیا — "تم واقعی جاسوس ہو ورنہ ڈیڑھ سال جاسوسوں کے سب سے بڑے استاد ہرمن کے سائے میں رہ کر بھی وہ مجھے نہیں پہچان سکا۔ میں تمہاری ذہانت کا مرید ہو گیا ہوں۔ تم ٹھیک کہتی ہو کہ

ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ تم میرے ساتھ قاہرہ چلوگی۔"

"بہت دیر ہوگئی ہے۔" عورت نے کہا۔ "کل یہیں ملنا۔ میں تمہیں وہ باتیں بتاؤں گی جو تم کسی بھی طرح معلوم نہیں کرسکتے۔"

☆

رات کا آخری پہر تھا جب راشد چنگیز اپنے کمرے میں پہنچا۔ اُس نے وکٹر کو کبھی جگایا نہیں تھا۔ صبح اُسے رات کی روئیداد سنایا کرتا تھا لیکن اُس رات اُس پر ہیجانی کیفیت طاری تھی۔ وہ بہت ہی خوش تھا۔ جو عورت اُسے دل دے بیٹھی تھی وہ مسلمان تھی، اور تجربہ کار جاسوس بھی۔ یہ خوشی کیا کم تھی کہ وہ بہت ہی خوبصورت عورت کے ساتھ ترپولی سے نکل رہا تھا۔ اس نے اُسی وقت وکٹر کے کمرے میں جاکر اُسے جگایا اور بتایا کہ یہ عورت تو اپنی جاسوس ہے۔ اُس نے وکٹر کو اس عورت کی ساری کہانی سنادی۔

"تم نے اُسے بتادیا ہے کہ تم جاسوس ہو؟" وکٹر نے پوچھا۔

"ہاں!" چنگیز نے جواب دیا۔ "مجھے بتاہی دینا چاہیے تھا۔"

"میرے متعلق بھی بتادیا ہے؟"

"نہیں!" چنگیز نے جواب دیا۔ "تمہارے متعلق کوئی بات نہیں ہوئی۔" وکٹر کو خاموش دیکھ کر اُس نے کہا۔ "تم سمجھ رہے ہو کہ میں نے غلطی کی ہے۔ میں اناڑی تو نہیں وکٹر!"

"تم نے یہی اچھا کیا ہے کہ میرا ذکر نہیں کیا۔" وکٹر نے کہا۔ "اور تم یہ دعویٰ بھی نہ کرو کہ تم اناڑی نہیں ہو۔"

"کیا میں نے غلطی کی ہے؟" چنگیز نے پوچھا۔

"ہوسکتا ہے تم نے بہت اچھا کیا ہو۔" وکٹر نے کہا۔ "اگر یہ غلطی ہے تو یہ کوئی معمولی سی غلطی نہیں تم شاید یہ بھول گئے ہو، صرف ایک جاسوس اپنی فوج کی فتح کا باعث بن سکتا ہے اور شکست کا بھی۔ تم جانتے ہو کہ سلطان ایوبی صلیبیوں کی ان ارادوں سے بے خبر ہے۔ اگر ہم پکڑے گئے اور یہ راز ہمارے ساتھ قید خانے میں چلا گیا یا جلاد کی نذر ہوگیا سلطان ایوبی جو آج تک ہر میدان کا فاتح کہلاتا آیا ہے تاریخ میں شکست خوردہ کے خطاب سے بھی یاد کیا جائے گا۔"

"نہیں!" چنگیز نے وثوق اور خود اعتمادی سے کہا۔ "وہ مجھے دھوکہ نہیں دے گی۔ وہ مسلمان ہے۔ میں رات کو اُسے ملنے جاؤں گا۔ وہ پورا راز اپنے ساتھ لارہی ہے۔ اب ہمیں اپنے امام کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ میں یہ راز خود قاہرہ لے جاؤں گا۔ میرے دل کی شہزادی میرے ساتھ ہوگی..... ہاں۔ مجھے خیال آتا ہے کہ میری غیر حاضری سے یہاں کسی کو یہ شک نہ ہو کہ میں کوئی فوجی راز لے کر بھاگا ہوں۔ یہ عورت بھی میرے ساتھ لاپتہ ہوگی۔ تم یہ مشہور کردینا کہ تم نے مجھے اور اُسے چوری چھپے ملتے دیکھا ہے اور میں اس عورت کو بھگا کر یروشلم کی سمت نکل گیا ہوں۔"

وکٹر گہری سوچ میں کھوگیا اور راشد چنگیز نشے میں جھومتا رہا۔

جس وقت چنگیز وکٹر کے کمرے میں داخل ہُوا تھا، اُس وقت تھوڑی ہی دور افسروں کے رہائشی کمروں میں سے ایک میں یہ عورت داخل ہوئی جو چنگیز پر مرمٹی تھی۔ کمرے میں رہنے والا سویا ہُوا تھا۔ اُس عورت نے بستر سے اُس کا ایک ٹخنہ پکڑا اور زور سے جھٹکا دیا۔ وہ آدمی ہڑبڑا کر اٹھا۔ عورت نے ہنس کر کہا۔ "اٹھو، اٹھو، شکار مار لیا ہے۔" اس آدمی نے قندیل جلائی اور اس عورت کو اپنے بازوؤں میں لے کر بستر پر گرا لیا۔ کچھ دیر بے حیائی کے ننگے مظاہرے ہوتے رہے پھر اُس صراحی میں جس میں یہ عورت چنگیز کے لیے شراب لے گئی تھی جو شراب بچی تھی وہ اُس آدمی نے پیالوں میں انڈیلی۔ دونوں نے پیالے خالی کیے۔

"اب کہو کیا خبر لائی ہو؟"

"وہ جاسوس ہے۔" عورت نے کہا۔ "اور مسلمان ہے۔"

"ہرمن کا شک صحیح ثابت ہُوا ہے۔"

"بالکل صحیح۔" عورت نے کہا۔ "شراب کا اور میرا جادو کام کرگیا ہے ورنہ ہرمن جیسا ماہر سراغرساں بھی اُسے نہ پکڑ سکتا۔ اگر اُس کی مصنوعی داڑھی میرے ہاتھ نہ آجاتی تو شاید میں بھی ناکام رہتی۔ مجھے شک تو دیں سے ہوگیا تھا جب اُس نے پہلے روز شراب پینے سے انکار کردیا تھا۔ میں جان گئی کہ یہ مسلمان ہے۔ میں نے اُسے کہا کہ میں پاک محبت کے لیے ترس رہی ہوں تو اُس نے مجھے پاک محبت دی، ورنہ ہمارے لوگ عورت کو دیکھتے ہیں تو سب سے پہلے اُس کے کپڑے اتارتے ہیں۔"

"محبت پاک ہو یا ناپاک عورت کا جسم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔" اس آدمی نے کہا۔ "یہ کمزوری ہر انسان میں موجود ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہارا حُسن اس آدمی کو بے نقاب کردے گا۔ عورت مجسّم طور پر پاس ہو یا عورت کا صرف تصور ہو انسان اپنے آپ میں نہیں رہتا۔"

یہ آدمی صلیبیوں کی انٹیلی جنس کا افسر تھا اور ہرمن کا نائب۔ ہرمن کو کسی طرح شک ہوگیا تھا کہ راشد چنگیز جاسوس ہے۔ ایک تو وہ تجربہ کار تھا دوسرے اُسے حکم ملا تھا کہ جس پر ذرا سا بھی شک ہو کہ جاسوس ہے اُسے پکڑ لو۔ چنانچہ اُس نے بڑے سخت انتظامات کردیے تھے۔ راشد چنگیز کو شاید انہوں نے رات کو مسجد میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ ہرمن نے اپنے نائب سے کہا کہ چنگیز کو کسی عورت کے جال میں لاکر دیکھو کہ یہ آدمی صاف ہے یا مشتبہ۔ اس محکمے کے پاس اس مقصد کے لیے ایک سے ایک کاریاں عورت موجود تھی۔ اس عورت کو منتخب کیا گیا اور اُسے چنگیز کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ یہ عورت اپنے فن کی ماہر تھی۔ اُس نے یہ ڈرامہ کھیلا جو سنایا گیا ہے۔ چنگیز نے کبھی بھی نہ سوچا کہ ہر رات وہ کمرے سے نکل کر امام کے پاس جاتا ہے تو یہ عورت راستے میں مل جاتی ہے، یہ آتی کہاں سے ہے اور اُسے کس طرح پتہ چل جاتا ہے کہ چنگیز جا رہا ہے۔ وہ سائے کی طرح اُس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

"میں نے اُسے اپنی دردناک کہانی جو تم نے بتائی تھی سنائی تو وہ جذباتی ہوگیا۔" عورت نے ہرمن کے

نائب کو سنایا۔ "وہ فوراً قائل ہو گیا کہ میں مسلمان ہوں اور میں واقعی صلاح الدین ایوبی کے لیے جاسوسی کر رہی ہوں"۔

"مسلمان جذباتی قوم ہے"۔ ہرمن کے نائب نے کہا۔ "بلکہ یہ عجیب و غریب قوم ہے۔ مسلمان مذہب کے نام پر ایسی ایسی قربانیاں دے گزرتے ہیں جو کوئی اور قوم نہیں دے سکتی۔ میدانِ جنگ میں ایک مسلمان دس سے لے کر بیس صلیبی سپاہیوں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے۔ اسے وہ ایمان کی قوت کہتے ہیں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں مسلمانوں کی اس روحانی قوت کا قائل ہو گیا ہوں۔ آٹھ آٹھ یا دس دس چھاپہ مار ل کا ہمارے عقب میں چلے جانا، شبخون مارنا، ہماری رسد کو نذرِ آتش کر کے غائب ہو جانا، گھیرے سے نکل جانا، نہ نکل سکیں تو اپنی لگائی ہوئی آگ میں زندہ جل جانا کوئی معمولی بہادری نہیں۔ اسے مافوق الفطرت کہا جا سکتا ہے۔ میں تو اسے معجزہ کہا کرتا ہوں....

"مسلمانوں کی اس قوت کو کمزور کرنے کے لیے ہمارے اُن دانشوروں نے جو انسانی فطرت کی کمزور رگوں کو سمجھتے ہیں ایسے طریقے وضع کیے ہیں جن سے مسلمانوں کے مذہبی جنون کو ان کی کمزوری بنا دیا گیا ہے۔ یہودیوں نے اس سلسلے میں بہت کام کیا ہے۔ ہم نے یہ کامیابی چند ایک یہودیوں اور عیسائیوں کو مسلمانوں کے عالموں اور اماموں کے بہروپ میں بھیج کر حاصل کی ہے۔ مسلمان علاقوں کی کئی مسجدوں کے امام اصل میں یہودی اور عیسائی ہیں۔ انہوں نے قرآن اور حدیث کی ایسی تفسیریں مقبولِ عام کر دی ہیں جن میں مسلمان غلط عقائد کے پیروکار ہوتے جا رہے ہیں۔ انہیں اب مذہب کے نام پر اپنے بھائیوں کے خلاف لڑایا جا سکتا ہے اور ہم نے لڑا کر دکھا بھی دیا ہے....

"ہم نے مسلمانوں میں جنسی جنون بھی پیدا کر دیا ہے۔ اب جس مسلمان کے ہاں دولت اور اقتدار آتا ہے وہ سب سے پہلے حرم بناتا اور اسے حسین اور جوان لڑکیوں سے بھرتا ہے۔ یہ زن پرستی نیچے تک چلی گئی ہے۔ ہم نے کئی طریقوں سے مسلمانوں کے بیٹوں میں تصور پرستی اور ذہنی عیاشی کا رجحان پیدا کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ مسلمان جذباتی ہیں۔ تم نے دیکھ لیا ہے کہ اس مسلمان جاسوس کے جذبات کو تم نے چھیڑا تو وہ تمہارے جال میں پھنس گیا۔ جذباتیت بہت بڑی کمزوری ہے۔ ہرمن کہا کرتا ہے کہ مستقبلِ قریب میں یہ قوم تصوروں کی غلام ہو جائے گی، اور حقیقت سے دور ہٹ جائے گی، پھر ہمیں جنگ و جدل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ مسلمان ذہنی طور پر ہمارے غلام ہو جائیں گے۔ وہ اپنی روایات کو ترک کر کے ہمارے تہذیب و تمدن کو اپنانے میں فخر محسوس کریں گے"۔

"مجھے نیند آ رہی ہے"۔ عورت نے اُکتا کر کہا۔ "میں نے تمہیں ایک شکار دے دیا ہے۔ ابھی اسے گرفتار کر لو"۔

"نہیں"۔ انٹیلی جنس کے اس نائب نے کہا۔ "ابھی تمہارا کام ختم نہیں ہُوا۔ اگر اسے گرفتار کرنا ہوتا تو اس کے ساتھ یہ ناٹک کھیلنے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہیں اتنی زحمت نہ دی جاتی۔ ہم تو کسی کو بھی محض شک میں گرفتار

کر سکتے ہیں مگر اسے ابھی گرفتار نہیں کریں گے۔ اس سے اس کے اُن تمام ساتھیوں کا سراغ لینا ہے جو تریپولی میں جاسوسی کر رہے ہیں۔ ان میں تباہ کار چھاپہ مار بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس سے دوسرے شہروں کے جاسوسوں کی بھی نشاندہی کرائی جا سکے۔ تم اسے پھر مل رہی ہو۔ اسے کہنا کہ تم نے تمام تر راز معلوم کر لیا ہے، اب چند ایک دوسرے جاسوسوں کی بھی ضرورت ہے۔ اسے یہ بھی کہنا کہ ایک جگہ صلیبیوں نے بے انداز آتش گیر مادہ اور قیمتی سامان جمع کر رکھا ہے جو حملے میں ساتھ جائے گا۔ اسے تباہ کرنا ہے، اس لیے یہاں کے زمین دوز چھاپہ ماروں سے میری ملاقات کراؤ"۔

"میں سمجھ گئی ہوں"۔ عورت نے کہا۔ "لیکن یہ بھی امکان ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں سے پردہ نہ اُٹھائے"۔

ہرمن کے نائب نے عورت کے بالوں پر، عریاں کندھوں پر اور اُس کے سینے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "کیا تمہارے یہ ہتھیار بے کار ہو گئے ہیں؟ اُس نے اپنا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے۔ اُس نے قلعے کا دروازہ کھول دیا ہے۔ تمہیں اب اندر جا کر کونے کھدرے کی تلاشی لینی ہے۔ تم یہ کام بھی کر سکو گی۔ میں صبح ہرمن کو تفصیل سے بتا دوں گا کہ تم نے یہ کارنامہ کر دکھایا ہے"۔

☆

شام کے کھانے پر جب چنگیز اور وکٹر اپنی ڈیوٹی سر انجام دے رہے تھے ہرمن آ گیا۔ اُس نے چنگیز کے ساتھ دوستانہ انداز سے ہاتھ ملایا اور کہا۔ "تمہیں معلوم ہے کہ ہماری افواج تاریخ کی سب سے بڑی مہم پر جا رہی ہیں۔ ہم تمہیں بھی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ بہت دُور کی سیر کرائیں گے۔ وکٹر بھی ساتھ ہو گا۔ چونکہ دو تین بادشاہ ساتھ ہوں گے اس لیے تم دونوں کا ساتھ جانا ضروری ہے"۔

"میں ضرور چلوں گا"۔ چنگیز نے کہا۔

ہرمن کو رپورٹ مل چکی تھی کہ راشد چنگیز جاسوس ہے اور آج رات اُس کے محکمے کی ایک جواں سال اور دلنشیں عورت جس نے اسے بے نقاب کیا ہے اس سے اس کے گروہ کے دیگر افراد کے نام اور پتے بھی حاصل کر لے گی۔ ہرمن نے اس عورت کو نئی ہدایات دی تھیں اور اپنے نائب سے کہا تھا کہ چنگیز کے گروہ کا انکشاف ہونے تک یہ عورت اسے اکیلے ملتی رہے اور اتنی ہوشیار رہے کہ چنگیز کو شک نہ ہو۔

چنگیز کا دھیان اپنے کام میں تھا ہی نہیں۔ وہ لمحے گن گن کر گزار رہا تھا۔ اتنی بڑی کامیابی اُس نے کبھی بھی حاصل نہیں کی تھی کہ اتنا عظیم راز اُسے ملا ہو اور اتنی حسین لڑکی اس پر مرمٹی ہو۔ اُس رات کو تریپولی میں وہ آخری رات سمجھ رہا تھا۔ مکمل راز لے کر اس عورت کے ساتھ اُسے اگلے روز تریپولی سے نکل جانا تھا.... وہ آخر فارغ ہو گیا اور اپنے کمرے میں گیا۔ وکٹر بھی اس کے ساتھ تھا۔ اُس نے کپڑے بدلے۔ مصنوعی داڑھی نہ لی۔ خنجر چُغے کے اندر چھپا لیا۔

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہا ہوں کہ اس عورت اور شراب کے نشے سے آزاد ہو کر اور دماغ کو حاضر رکھ کر بات کرنا"۔ وکٹر نے اسے کہا۔ "مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ تم اس عورت کی پوری چھان بین کیے بغیر اسے اپنے

سارے راز دے دوگے؟"

"سنو ڈکرز!" چنگیز نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "میں اس عورت کے خلاف کوئی بات نہیں سنوں گا۔ میں نے اس کے ساتھ بڑی لمبی ملاقاتیں کی ہیں۔ اس کی پوری کہانی سنی ہے۔ تم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ میں بہتر سمجھتا ہوں۔ مجھے پاگل نہ سمجھو۔ یہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔"

ڈکرز چپ رہا۔ اُس نے چنگیز کے لہجے سے جان لیا تھا کہ وہ اپنے آپ میں نہیں۔ اُسے یہ احساس تو تھا کہ چنگیز کی شکل و صورت اور قد بت میں اتنی کشش ہے کہ اس عورت سے کہیں زیادہ خوبصورت اور اونچے طبقے کی عورتیں بھی اُسے نظر بھر کر دیکھتی ہیں لیکن اس عورت کے متعلق اُسے وہم سا ہو چلا تھا کہ چنگیز کو دھوکہ دے رہی ہے، اور اگر وہ دھوکہ نہیں دے رہی تو چنگیز اُسے اپنی اصلیت بتا کر اپنے آپ کو خطرے میں ڈال رہا ہے۔ اگر یہ عورت مسلمان جاسوس ہی ہے تو اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اُسے سرکاری طور پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ ڈکرز کو اطمینان محسوس نہیں ہو رہا تھا۔

چنگیز چلا گیا۔ ڈکرز گہری سوچ میں کھو گیا۔ چنگیز کے جانے کے بعد وہ سو جایا کرتا تھا مگر اُس رات اُسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اپنے کمرے میں جا کر وہ بیٹھنے کی بجائے بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

☆

عورت اُسی جگہ چنگیز کے انتظار میں کھڑی تھی۔ اُس کے قریب زمین پر شراب کی صراحی اور دو پیالے پڑے تھے۔ اندھیرے میں چنگیز کو سائے کی طرح آتا دیکھ کر وہ دوڑ پڑی اور اُس کے ساتھ لپٹ گئی جیسے بچہ ماں کے ساتھ لپٹ جاتا ہے۔ اُس نے ایسے والہانہ پن اور خود سپردگی کا مظاہرہ کیا جس نے چنگیز کی عقل پر خمار طاری کر دیا اور اُس کے جذبات بیدار ہو گئے۔ اس کایاں عورت نے اپنے حسن و جوانی کے وہ سارے ہتھیار استعمال کیے جن پر ہرمن کے نائب نے ہاتھ پھیر کر کہا تھا کہ تمہارے یہ ہتھیار بے کار تو نہیں ہو گئے۔

"تم مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے؟" اُس نے چنگیز سے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "تمہاری محبت نے مجھے ایسا بے بس اور مجبور کر دیا ہے کہ میں نے اپنا اتنا نازک راز تمہیں دے دیا ہے۔"

عورت اُس کی کمر کے گرد ایک بازو لپیٹے اسے وہاں لے گئی جہاں صراحی اور پیالے رکھے تھے۔ اُسے وہاں بٹھایا اور پیالوں میں شراب ڈال کر بولی — "فتح کی خوشی میں ایک جام۔" چنگیز اس قدر مسرور تھا کہ اُس نے فوراً پیالہ لیا اور پی گیا۔ عورت نے اُس کے پیالے میں اور شراب ڈال دی۔ چنگیز نے وہ بھی پی لی۔ اُن سے آٹھ دس قدم دور ایک درخت تھا۔ کوئی پیچھے سے رینگتا ہوا آیا اور اُس درخت کے تنے کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔ رات خاموش تھی۔ درخت کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے آدمی کو چنگیز اور عورت کی سرگوشیاں بھی سنائی دے رہی تھیں مگر وہ سرگوشیوں میں نہیں ذرا اونچی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔

"اب بتاؤ کیا خبر لائی ہو؟" چنگیز نے عورت سے پوچھا۔

"ایسی خبر لائی ہوں جو سلطان ایوبی نے کبھی خواب میں نہیں سنی ہوگی۔" عورت نے کہا۔ "میں صلیبیوں کی

موت کا پروانہ لائی ہوں۔" اُس نے چنگیز کو صلیبیوں کا پلان اور پیش قدمی کا راستہ بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کب حملہ کریں گے۔ اُس نے صلیبی فوج کی رسد کا راستہ بھی بتایا اور یہ بھی کہ کوچ کب ہوگا۔

"ہمیں یہاں سے جلدی نکل جانا چاہیے۔" چنگیز نے کہا۔ "کل رات نکل چلیں؟"

"نہیں!" عورت نے کہا۔ "ہمیں جس راز کی ضرورت تھی وہ مل گیا ہے لیکن میرے دل میں انتقام کی جو آگ بھڑک رہی ہے میں اسے سرد کر کے جاؤں گی۔ صلیبیوں نے اپنی فوج کے لیے بے اندازہ رسد جمع کر لی ہے۔ خیموں اور ہتھیاروں کا کوئی حساب نہیں۔ آتش گیر سیال کے مٹکے بھی ہیں۔ اناج کے انبار ہیں۔ یہ ذخیرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے۔ اسے تباہ کرنا کوئی مشکل نہیں۔ پہرے کا اتنا ہی انتظام ہے کہ سات آٹھ سپاہی رات کو گشت کرتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ صلیبیوں نے یہ ذخیرہ تین چار مہینوں میں جمع کیا ہے۔ اگر ہم نے اسے نذرِ آتش کر دیا تو ان کا حملہ تین چار مہینوں کے لیے رک جائے گا۔ اس عرصے میں سلطان صلاح الدین ایوبی اپنی تیاریاں مکمل کرے گا۔ تم ہرمن کو جانتے ہو۔ میں نے اُس کے دل سے بھی راز نکال لیے ہیں۔ اُس نے بتایا ہے کہ سلطان ایوبی نئی بھرتی کر رہا ہے اور اُس کی پہلی فوج اپنے ہی بھائیوں کے خلاف لڑ کر اتنا جانی نقصان اُٹھا چکی ہے کہ لڑنے کے قابل نہیں رہی۔ یہ بدبخت صلیبی سلطان ایوبی کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ اِس وقت ضرورت یہ ہے کہ صلیبیوں کا کوچ التوا میں ڈالا جائے۔ اس کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ان کی رسد جلا دی جائے۔ ان کے جو ہزاروں گھوڑے ہیں انہیں ہلاک کرنے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔"

"رسد کو آگ کون لگائے گا؟" چنگیز نے پوچھا۔

"یہ تمہیں معلوم ہوگا کہ یہاں تمہارے کتنے آدمی موجود ہیں۔" عورت نے کہا۔ "ان میں چھاپہ مار بھی ہوں گے۔ یہ کام اُن کے سپرد کیا جائے۔ یہاں تمہارے کتنے چھاپہ مار موجود ہیں؟"

"سلطان ایوبی نے حکم دے رکھا ہے کہ دشمن کے مقبوضہ علاقوں میں تباہ کاری نہ کی جائے کیونکہ چھاپہ مار تو تباہ کاری کے بعد اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں سزا بے گناہ مسلمان باشندوں کو ملتی ہے۔" چنگیز نے کہا۔ "صلیبی ان کے گھروں میں گھس کر ان کی مستورات کو بھی پریشان کرتے ہیں، اس لیے ہم نے چھاپہ ماروں کو واپس بھیج دیا تھا۔ یہاں جاسوس ہیں۔ وہ تخریب کاری بھی کر سکتے ہیں۔ وہ یہاں کے چند ایک جوانوں کو تیار کر سکتے ہیں۔"

"انہیں کسی جگہ اکٹھا کرنے کا انتظام ہو سکتا ہے؟" عورت نے پوچھا اور چنگیز کے پیالے میں شراب ڈال کر اپنے ہاتھوں پیالہ اُس کے منہ کے ساتھ لگا دیا۔

"ہم نے ایک مسجد کو خفیہ اڈہ بنا رکھا ہے۔" چنگیز نے شراب کا پیالہ پی کر کہا۔ اُس نے مسجد کا محلِ وقوع بتا دیا اور کہا۔ "اس مسجد کا امام ہماری جماعت کا امیر ہے۔ بہت قابل اور دلیر انسان ہے۔ میں آج رات ہی اُسے بتا دوں گا۔ وہ کل ان جوانوں کو مسجد میں اکٹھا کرے گا۔ وہ سب نماز پڑھنے کے بہانے آئیں گے۔"

"صرف ایک قابل اور دلیر آدمی سے کام نہیں چلے گا۔" عورت نے کہا۔ "امام کے ساتھ تم ہوگے اور تین چار اور ذہین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے تاکہ اس تباہ کاری کا منصوبہ دانشمندی سے بنے۔ یہ ذخیرہ اُس

وقت تباہ کیا جائے گا جب ہم دونوں یہاں سے نکل جائیں گے ورنہ شہر کی ناکہ بندی ہو جائے گی۔"

"صرف امام نہیں۔" چنگیز نے کہا ۔۔۔ "یہاں ہمارا ایک سے ایک بڑھ کر قابل آدمی موجود ہے۔" اُس نے چند ایک آدمیوں کے نام بتا دیئے اور کہا ۔۔۔ "میں ان سب کو مسجد میں بلا سکتا ہوں۔"

یہ عورت چنگیز سے یہی راز لینا چاہتی تھی۔ اُس نے اس گروہ کے متعلق کچھ اور باتیں پوچھیں جو چنگیز نے بتا دیں اور کہا ۔۔۔ "اس کام میں میں اکیلا نہیں۔ میرے ساتھ وکٹر نام کا جو آدمی ہے وہ بھی ہمارے گروہ میں ہے۔"

"وکٹر بھی؟" عورت نے چونک کر کہا۔

"ہاں!" چنگیز نے کہا ۔۔۔ "کیا تم ہماری استادی کی تعریف نہیں کرو گی کہ ہم نے ایک عیسائی کو بھی اپنا جاسوس بنا رکھا ہے؟"

عورت کچھ دیر خاموش رہی۔ پھر بولی ۔۔۔ "کل دن کو میں تمہارے کمرے میں آؤں گی۔ مجھے وہاں آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"

☆

عورت جانے کے لیے اُٹھی۔ درخت کی اوٹ میں چھپے ہوئے آدمی نے حرکت کی۔ اُس نے بیٹھے بیٹھے کمربند سے خنجر نکالا اور آٹھ دس قدم کا فاصلہ دو چھلانگوں میں طے کر کے عورت کو پیچھے سے ایک بازو سے جکڑ لیا۔ اُس کا خنجر والا ہاتھ اوپر اُٹھا، تیزی سے نیچے آیا اور خنجر عورت کے سینے میں اُتر گیا۔ عورت کی ہلکی سی چیخ سنائی دی اور یہ آواز ۔۔۔ "میرے سینے میں خنجر اُتر گیا ہے۔"

چنگیز نے خنجر نکالا اور اُس آدمی کو للکار کر اُس پر حملہ کیا۔ اُس آدمی نے گھوم کر عورت کو آگے کر دیا اور کہا۔ "میں وکٹر ہوں چنگیز! اس بدبخت کو زندہ نہیں رہنا چاہیئے"۔۔۔ عورت سسک رہی تھی۔ وکٹر نے اُسے پیچھے سے ایک بازو میں دبوچ رکھا تھا۔

"تم ذلیل عیسائی!" چنگیز شراب میں نشے میں کہہ رہا تھا ۔۔۔ "سانپ کے بچے نکلے؟" ۔۔۔ وہ گھوم کر اس پر حملہ کرنے لگا۔

وکٹر نے عورت کو آگے کر دیا اور اُسے ڈھال بنا کر بولا ۔۔۔ "ہوش میں آؤ چنگیز! تم نے اسے سب کچھ بتا کر سارا کھیل برباد کر دیا ہے۔ اگر یہ زندہ رہی تو کل ہم سب گرفتار ہو جائیں گے۔"

چنگیز بپھرے ہوئے چیتے کی طرح اُس کے ارد گرد گھوم اور چنگھار رہا تھا۔ لڑکی ابھی ہوش میں تھی۔ کراہتے ہوئے بولی ۔۔۔ "چنگیز! میرے خون کا انتقام تمہارے سر ہے۔ عیسائی ہمارے دوست نہیں ہو سکتے۔ میں اب زندہ نہیں رہوں گی۔ یہ ہمارا نہیں صلیبیوں کا جاسوس ہے۔"

چنگیز نے جست لگا کر وکٹر پر حملہ کیا۔ وکٹر نے بار بار اُسے کہا کہ وہ دھوکے میں آ گیا ہے اور اس عورت کو قتل کر کے لاش دُور پھینک آئیں گے مگر چنگیز اب جاسوس نہیں وہ مرد بن چکا تھا جس کی محبوبہ کو ایک اور مرد نے پکڑ رکھا تھا اور اُس کے سینے میں خنجر بھی اُتار چکا تھا۔ اُس نے سامنے سے عورت کو اتنی زور سے

دھکا دیا کہ وکٹر پیچھے کو گرا اور عورت اُس کے اُوپر گری۔ چنگیز نے وکٹر پر خنجر کا وار کیا۔ وہ ہوشیار اور پھرتیلا تھا ایک طرف ہو گیا اور اُٹھا۔ چنگیز نے اُس پر ایک اور وار کیا۔ خنجر اُس کے کندھے میں لگا۔

وکٹر نے سنبھل کر جوابی حملہ کیا۔ چنگیز کا بھی زندہ رہنا خطرناک تھا۔ وکٹر کا خنجر چنگیز کے پیٹ میں لگا۔ چنگیز نے خنجر کھا کر وار کیا جو وکٹر کے بازو کو چیر گیا۔ اُس نے چنگیز کے سینے میں خنجر مارا۔ چنگیز شراب کے نشے میں پاؤں پر کھڑا رہنے کے قابل نہیں تھا۔ وکٹر نے ایک اور وار اُس کے سینے پر ہی کیا اور چنگیز گر پڑا۔ اُس نے عورت کے دل پر ہاتھ رکھا۔ دل خاموش تھا۔ وہ مر چکی تھی۔ چنگیز بھی آخری سانس لے رہا تھا۔ وہ ہوش میں نہیں تھا۔

وکٹر کے کندھے اور بازو سے خون بہہ رہا تھا۔ اُس نے عورت کے کپڑے پھاڑے اور بازو پر باندھ لیے۔ کندھے کے زخم میں کپڑا ٹھونس دیا تاکہ خون بند ہو جائے۔ وہ چل پڑا۔ اُس نے رفتار تیز کر لی۔ زخموں پر کپڑا باندھ لینے کے باوجود خون نہ رکا۔ اُس نے پروا نہ کی اور چلتا گیا۔ وہ ایک گلی میں داخل ہو گیا اور وہ ایک موڑ مُڑ کر وہ ایک فراخ گلی میں چلا گیا۔ تریپولی پر گہری نیند طاری تھی۔ گلیاں سنسان تھیں۔ تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ صرف ایک دروازہ کھُلا ہُوا تھا۔ یہ خدا کے گھر کا دروازہ تھا۔ یہ مسجد تھی۔ وہ اس مسجد میں پہلی بار آیا تھا۔ چنگیز نے اُسے بتا رکھا تھا کہ کبھی اس مسجد میں جانے کی ضرورت پڑے تو مسجد کے صحن میں چلے جانا۔ بائیں دیوار میں ایک دروازہ ہے جو امام کے گھر کا ہے۔ وکٹر نے یہ مسجد باہر سے دیکھی تھی۔ یہ سلطان ایوبی کے تریپولی میں موجود جاسوسوں کا خفیہ ہیڈ کوارٹر تھا اور مسجد کا امام مسجد کا ہی نہیں جاسوسوں کے اس گروہ کا بھی امام تھا۔ وکٹر نے کھلے دروازے میں داخل ہو کر جوتے اُتار دیئے۔

☆

رات آدھی گزر چکی تھی۔ امام گہری نیند سویا ہُوا تھا۔ دروازے کی دستک نے اُسے جگا دیا۔ اُس نے دانستہ توقف کیا۔ وہ دستک ایک بار پھر سننے کے انتظار میں تھا۔ دستک پھر ہوئی۔ یہ جاسوسوں کی مخصوص دستک تھی۔ پھر بھی اُس نے لمبا خنجر ہاتھ میں لیا اور دروازہ کھولا۔ دھیمی آواز میں کہا۔ "چنگیز؟"

"وکٹر!" وکٹر نے جواب دیا ۔۔۔ "اندر چلیں۔"

"خون کی بُو کہاں سے آ رہی ہے؟" امام نے اندھیرے میں وکٹر کا بازو تھام کر پوچھا۔

"یہ میرا خون ہے۔" وکٹر نے جواب دیا۔

امام اُسے گھسیٹتا ہُوا اندر لے گیا۔ دیا جلایا تو اُسے نظر آیا کہ وکٹر کے کپڑے خون سے لال اور تر ہو رہے تھے۔ وکٹر کے ساتھ اُس کا وہی تعارف تھا جو چنگیز نے غائبانہ کرا رکھا تھا۔ امام نے اُسے دُور سے دیکھا تھا۔ وکٹر کو وہ پس منظر میں رکھتے تھے جس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ وہ عیسائی تھا بلکہ یہ کہ اُسے انہوں نے اندر کی اطلاعات فراہم کرنے کا کام سونپ رکھا تھا۔ یہ جاسوسی کا ایک طریقہ اور اُن کی اپنی تنظیم تھی۔ اس لحاظ سے امام اور وکٹر ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں تھے۔

"تم آئے ہو؟" امام نے پوچھا ـــ "چنگیز کیوں نہیں آیا؟"

"وہ اب کبھی نہیں آسکے گا"

"کیوں؟" امام نے گھبرا کر پوچھا ـــ "پکڑا گیا ہے؟"

"اُسے اُس کے گناہوں نے پکڑا ہے" وکٹر نے جواب دیا۔ "اور میرے خنجر نے اُسے سزائے موت دے دی ہے۔ آپ میرا خون نہیں دیکھ رہے؟ کیا آپ میرا خون بند کرنے کا بندوبست کر سکتے ہیں؟ آپ گھبرائیں نہیں، خدا کا شکر ادا کریں کہ چنگیز زندہ نہیں ورنہ ہم میں سے ہر کوئی قید خانے کی اذیتوں سے ملا جاتا"

امام نے بہت تیزی سے دوائیاں نکالیں۔ پانی لایا اور اُس کے زخم دھونے لگا۔ وکٹر کو کپڑے بدلنے کو کہا۔

"نہیں" وکٹر نے جواب دیا "میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں انہی کپڑوں میں واپس جاؤں گا۔ میں نے آپ کا نمک کھایا ہے۔ میرا عزیز دوست اور بڑے ہی خطرناک سفر کا ساتھی میرے ہاتھوں قتل ہو گیا ہے۔ میں آپ سب کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ میں اپنی گردن جلاّد کے آگے جُھکا کر آپ سب کو صاف بچا لوں گا"

امام اُس کے زخم صاف کر کے اُن پر سفوف چھڑک رہا تھا اور وکٹر اُسے سارا واقعہ سنا رہا تھا۔ اُس نے ہر ایک تفصیل سنا کر کہا ـــ "مجھے شک ہو گیا تھا کہ یہ عورت فریب کے سوا کچھ بھی نہیں۔ میں نے وہ بوڑھا کمانڈر کبھی نہیں دیکھا تھا جس کی وہ اپنے آپ کو داشتہ بتاتی تھی۔ اُس کا ہر رات چنگیز کے راستے میں آجانا ایک ثبوت تھا کہ وہ قریب ہی کہیں ہوتی ہے اور چنگیز پر نظر رکھتی ہے۔ میں نے چنگیز سے جب بھی کہا کہ وہ اور زیادہ احتیاط کرے وہ غصے میں آگیا۔ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ وہ شراب بھی پینے لگا تھا۔ مجھے شک ہے کہ شراب میں اُسے حشیش ملا کر پلائی جاتی تھی ورنہ چنگیز جیسا سخت آدمی اور ایمان کا پکا اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے اس فریب میں نہ آتا۔ بڑی خوبصورت لڑکیاں اُسے اپنی محبت میں گرفتار کرنے کی کوشش کر چکی تھیں۔ وہ ہنس کر ٹال دیا کرتا تھا۔ اس عورت نے اُسے اپنے حُسن اور حشیش کی آمیزش والی شراب کے طلسم میں جسمانی نہیں ذہنی طور پر گرفتار کر لیا تھا....

"اُس نے جب یہ بتایا کہ اُس نے عورت کو بتا دیا ہے کہ وہ جاسوس ہے تو میرا دل کانپ اُٹھا مجھے جیسے عالمِ غیب سے اشارہ مل رہا تھا کہ چنگیز نے اتنی بڑی لغزش کی ہے جس کی سزا صرف اُس کی نہیں ہم سب کی موت ہے اور اُس کی یہ لغزش شام اور مصر کی آزادی کی موت کا بھی باعث بن سکتی ہے۔ میں نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کی عقل پر عورت نے جو طلسم طاری کر دیا تھا وہ اُسے ہم سے اور اپنے فرائض سے اور اپنے ایمان سے بھی بہت دُور لے گیا تھا۔ میں نے اُسی وقت ارادہ کر لیا تھا کہ اب یہی ایک صورت رہ گئی ہے کہ اس عورت کو قتل کر دیا جائے اور اگر چنگیز کا رویّہ نہ بدلے تو اُسے بھی ختم کر دیا جائے۔ ملک اور قوم کو خطرے سے بچانے کے لیے ایک آدمی کا قتل کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ یہ تو جاسوسی کا اصول ہے کہ گروہ کے کسی آدمی پر غداری کا شک ہو یا اُس کی وساطت سے راز فاش ہونے کا خطرہ ہو تو اُسے ختم کر دیا جائے۔ میں نے پھر بھی اس کے قتل سے گریز کیا مگر وہ مجھے قتل کرنے کے لیے پاگل ہو گیا تھا"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ تم نے اُسے غلط فہمی میں قتل کر دیا ہو" ـــ امام نے کہا ـــ "ہو سکتا ہے کہ لڑکی مسلمان ہی ہو اور وہ سچے دل سے ہمارے لیے کام کر رہی ہو"

"ہو سکتا ہے" وکٹر نے کہا ـــ "لیکن میں نے ثبوت دیکھ لیا تھا۔ میں نے چنگیز کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کیا تھا۔ میں نے اس عورت کو اُس عمارت سے نکلتے اور واپس جاتے دیکھا تھا جہاں ہرمن کے شعبے کی لڑکیاں رہتی ہیں۔ میں نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ یہ عورت کسی کمانڈر کی داشتہ نہیں۔ وہ اس عمارت میں رہتی ہے۔ آج رات میں چنگیز کے پیچھے چلا گیا اور جہاں وہ اس عورت کے ساتھ بیٹھا وہاں سے چند قدم دُور میں ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گیا۔ عورت نے جس انداز سے چنگیز سے راز کی باتیں پوچھیں اور جو باتیں پوچھیں وہ اس شک کو یقین میں بدلنے کے لیے کافی تھیں کہ یہ عورت صلیبیوں کی جاسوس ہے۔ اُس نے تریپولی میں ہمارے چھاپہ ماروں کے متعلق پوچھا اور چنگیز کو بتایا کہ صلیبی فوج کے لیے رسد وغیرہ کا بے انداز ذخیرہ رکھا گیا ہے جس میں آتش گیر سیال کے بے شمار مٹکے ہیں۔ میں بھی جاسوس ہوں۔ مجھے اچھی طرح علم ہے کہ یہاں کہیں بھی اتنا ذخیرہ نہیں رکھا گیا۔ اُس نے جو جگہ بتائی تھی وہاں کچھ بھی نہیں۔ آپ خود کل جا کے دیکھ لینا....

"چنگیز نے اُس کے آگے ہماری ساری جماعت کی نشاندہی کر دی اور اُس نے میرا نام لے کر مجھے بھی بے نقاب کر دیا۔ میں اتنی اہم جگہ پر ہوں جہاں مجھے راز کی گہری باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔ اس عورت نے میرا نام سنا تو وہ اپنی حیرت کو چُھپا نہ سکی۔ وہ بہت دیر خاموش رہی۔ پھر وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہمارا اتنا خطرناک راز یہ عورت لے جا رہی تھی اور یہ راز سیدھا ہرمن کے پاس جا رہا تھا۔ اُس کے نتائج کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ میں نے اُٹھ کر عورت کو پکڑ لیا اور خنجر اُس کے سینے میں گھونپ دیا۔ چنگیز مجھ پر ٹوٹ پڑتا تھا۔ اُسے بہت سمجھایا۔ حقیقت بتائی مگر شراب نے اُسے حیوان بنا رکھا تھا۔ میں نے اس کے خنجر سے زخم کھا کر بھی اُسے سمجھایا مگر وہ سوچنے سمجھنے کی حالت میں تھا ہی نہیں۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ زندہ رہا تو میں اُسے قابو میں نہیں لا سکوں گا اور ہمارا اصل مقصد بُری طرح ختم ہو جائے گا۔ میں نے اُسے بھی ختم کر دیا"

"تم نے اچھا کیا ہے" امام نے کہا ـــ "میں تمہارا فیصلہ قبول کرتا ہوں۔ تم اب تریپولی سے نکل جاؤ میں انتظام کر دیتا ہوں"

"نہیں" وکٹر نے کہا ـــ "صبح چنگیز اور عورت کی لاشیں سب دیکھ لیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ ہرمن کو معلوم ہو چکا ہے کہ چنگیز جاسوس تھا۔ اسی نے اس عورت کو اس کے پیچھے ڈالا تھا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ ان دونوں کو مسلمان جاسوسوں نے قتل کیا ہے، پھر یہاں کے مسلمانوں کے لیے قیامت آجائے گی۔ پہلے ہی حکم مل چکے ہیں کہ کسی پر جاسوسی کا شک ہو تو اُسے قید یا قتل کر دیا جائے۔ اب تو یوں سمجھو کہ یہاں کے ہر مسلمان گھرانے پر ہرمن نے ایک ایک جاسوس مقرر کر دیا ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو ظلم و تشدد کا نشانہ بنانے کے بہانے ڈھونڈ رہے ہیں.... میں واپس اپنی جگہ جا رہا ہوں۔ میں یہ قتل اپنے ذمے لوں گا اور وجہ یہ بتاؤں گا کہ میں اور چنگیز رقیب تھے"

"ہم تم سے اتنی قربانی نہیں لیں گے" امام نے کہا ـــ "میں تمہارے ساتھ ایک آدمی کو بھیجوں گا جو

تمہیں قاہرہ چھوڑ آئے گا۔"

"میں اپنی جان کی قربانی دینا چاہتا ہوں۔" وکٹر نے کہا۔ "مجھے وہ وقت یاد ہے جب میرے شہر میں صلیبی فوج کے دو افسروں نے میری بہن پر ہاتھ ڈالا تھا۔ انہوں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ میری بہن کو اٹھا کر لے چلیں۔ کوئی عیسائی میری مدد کو نہیں آیا۔ تین مسلمان جوانوں نے ان سپاہیوں کا مقابلہ کیا تھا۔ تینوں زخمی ہو گئے تھے لیکن انہوں نے میری بہن کو بچا لیا تھا۔ وہ تو بالائی افسر اچھا تھا جس نے میری شکایت سُن لی تھی ورنہ میری بہن بھی نہ رہتی اور تینوں مسلمانوں کو بھی قتل کرا دیا جاتا۔ اسی واقعہ نے مجھے مسلمانوں کا جاسوس بنایا تھا۔ میں آپ کی قوم کو اس احسان کا صلہ دینا چاہتا ہوں۔ میں اپنی جان جلاد کے حوالے کر کے تریپولی کے مسلمانوں کی جان اور عزت بچاؤں گا۔"

اُس نے امام کو بتایا ــــ "صلیبیوں نے فوجیں جمع کرنی شروع کر دی ہیں اور اُن کا رُخ حلب کی طرف ہو گا۔ وہ سب سے پہلے شام کو تہ تیغ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ابھی یہ پتہ نہیں چلا کہ وہ کب کُوچ کریں گے۔ یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ان کی ساری فوج ایک ہی علاقے پر حملہ کرے گی یا آگے جا کر تقسیم ہو جائے گی اور ایک ہی وقت کئی مقامات پر حملے کرے گی۔ سلطان ایوبی تک یہ اطلاع بہت جلدی پہنچ جانی چاہیے تاکہ وہ مصر میں نہ بیٹھا رہے۔" وکٹر کو جو کچھ معلوم ہو سکا تھا وہ اُس نے امام کو بتا دیا۔

وہ اُٹھا اور امام کے روکنے پر بھی نہ رُکا۔ کہنے لگا ــــ "آپ بالکل مطمئن رہیں۔ آپ کو کوئی نہیں پکڑ سکے گا۔"

اور وہ باہر نکل گیا۔

☆

وہ شہر سے بھی نکل گیا۔ اُس کے زخموں سے خون بند ہو چکا تھا۔ امام نے دونوں زخموں پر پٹیاں باندھ دی تھیں۔ اُس نے اِس خیال سے دونوں پٹیاں اُتار کر پھینک دیں کہ جن کے پاس وہ جا رہا تھا وہ یہ نہ پوچھ بیٹھیں کہ مرہم پٹی کس سے کرائی ہے۔ زخموں سے پھر خون رِسنے لگا۔ وہ اُس جگہ گیا جہاں چنگیز اور عورت کی لاشیں پڑی تھیں۔ رات کے پچھلے پہر کا چاند اوپر اُٹھ آیا تھا۔ وکٹر کو شراب کی صراحی اور دو پیالے پڑے نظر آئے۔ اُس نے عورت کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ موت بھی اُس کے چہرے کا حُسن نہیں بگاڑ سکی تھی۔ اُس کے کُھلے ہوئے ریشمی ملائم بال اُس کے سینے پر بکھر گئے تھے۔ وکٹر نے شراب کی صراحی کو دیکھا اور زیر لب کہا۔ "انسان نے اپنی تباہی کے کیسے کیسے ذریعے اختیار کیے ہیں۔"

اُس نے چنگیز کو دیکھا اور اُس کے پاس بیٹھ گیا۔ چنگیز کا جسم برف کی طرح سرد ہو چکا تھا۔ وکٹر نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا ــــ "تم اچھی طرح جانتے تھے کہ عورت مرد کی کتنی بڑی کمزوری ہے اور شراب نے بادشاہوں کے تختے اُلٹ دیئے ہیں۔ تم نے اس کمزوری کو اپنے اندر ڈال لیا۔ ... میں بھی آ رہا ہوں میرے دوست! جلاد مجھے جلدی ہی تمہارے پاس پہنچا دے گا۔ ہم ایک ہی منزل کے مسافر ہیں۔ میں آ رہا ہوں دوست، میں آ رہا ہوں۔"

وہ اُٹھا اور بہت تیز قدم اٹھاتا اُس عمارت کی طرف چل پڑا جس میں افسر رہتے تھے۔ اُس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے نیام سے خنجر نکالا۔ اُس پر خون جم گیا تھا۔ اُس نے اسے اپنے خون سے تر کیا اور خنجر ہاتھ میں رکھا۔ خون زیادہ نکل جانے سے وہ کمزوری محسوس کرنے لگا تھا ... اُس نے ایک دروازے پر دستک دی۔ اُسے معلوم تھا کہ جس کے پاس اُسے جانا ہے اُس کی رہائش یہی ہے۔ کچھ دیر بعد ایک ملازم نے دروازہ کھولا۔ وکٹر نے افسر کا نام لے کر کہا کہ اُسے جگاؤ اور بتاؤ کہ ایک قاتل آیا ہے۔ ملازم اندر کو دوڑا۔

اندر سے گالیوں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ افسر گالیاں بکتا آیا۔ دروازے پر آ کر قہر بھری آواز میں پوچھا ــــ "کون ہو تم، کسے قتل کر کے آئے ہو؟" ملازم قندیل اٹھائے دوڑا آیا۔ افسر نے روشنی میں وکٹر کو دیکھ کر پوچھا ــــ "تم، کسی سے لڑائی ہو گئی تھی؟"

"میں دو انسانوں کے قتل کا اقبال کرنے آیا ہوں۔" وکٹر نے کہا ــــ "مجھے گرفتار کریں۔"

افسر نے اُس کے منہ پر بڑی زور سے تھپڑ مار کر کہا ــــ "قتل کا تمہیں یہی وقت ملا تھا؟ دن کو کیوں نہ قتل کیا؟ میں تمہارے باپ کا نوکر ہوں جو اس وقت تمہیں گرفتار کروں گا؟ اتنی گہری نیند سے مجھے جگا دیا ہے۔" اس نے اپنے ملازم سے کہا ــــ "اسے لے جاؤ اسے، قید خانے میں بند کر دو۔"

ملازم وکٹر کو بازو سے پکڑ کر چل پڑا تو افسر نے گرج کر کہا ــــ "اوئے، رک جاؤ، جنگلی کہیں کے۔ تم نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہ راستے میں تمہیں بھی قتل کر دے گا۔ اندر لاؤ اسے۔ اس نے کیا کیا ہے؟"

"میں نے ایک آدمی اور ایک عورت کو قتل کیا ہے جناب!" وکٹر بلند آواز سے بولا۔

"قتل کیا ہے؟" ــــ افسر نے حیرت اور گھبراہٹ سے پوچھا ــــ "قتل کیا ہے؟ .... اگر مسلمان کو قتل کیا ہے تو جاؤ اپنی مرہم پٹی کراؤ۔ تم اُسے قتل نہ کرتے تو وہ تمہیں قتل کر دیتا۔ اگر کسی صلیبی کو قتل کیا ہے تو تمہیں بھی قتل ہونا چاہیے۔ اندر آ کر بتاؤ۔"

"آپ نے میرے ساتھ ایک بڑا ہی خوبرو آدمی دیکھا ہو گا" ــــ وکٹر نے اندر جا کر کہا۔ اُس نے چنگیز کا وہ عیسائی نام بتایا جس سے وہ جانا پہچانا جاتا تھا۔ کہنے لگا ــــ "میری دوستی ایک عورت کے ساتھ تھی۔ میرے اس ساتھی نے اس عورت کو ورغلایا اور میرے اور اُس کے تعلقات توڑ ڈالے۔ اس عورت کے ساتھ دوستی کر لی اور اس سے میری بے عزتی کرائی۔ میں اس عورت کی دوستی سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ ان دونوں نے مجھے بہت مشتعل کیا۔ میں نے آج رات انہیں اکٹھے بیٹھے دیکھ لیا۔ میں دراصل انہیں دیکھنے ہی گیا تھا۔ انہیں میں نے ایسی حالت میں دیکھا جو میری برداشت سے باہر تھی۔ میں نے عورت پر حملہ کیا اور اُسے خنجر سے مار ڈالا۔ پھر اپنے رقیب کے ساتھ خنجر بازی ہوئی۔ مجھے یہ دو زخم آئے ہیں۔ اُسے بھی دو ہی زخم آئے ہیں مگر مہلک ثابت ہوئے ہیں۔ میں کہیں بھاگ جانے کی بجائے آپ کے پاس آ گیا ہوں۔"

افسر نے کہا ــــ "عورت کے لیے قتل ہونا یا قتل کرنا عقلمندی تو نہیں۔"

یہ افسر بالکل سنجیدہ نہیں لگتا تھا۔ وہ شاید وکٹر کو چھوڑ دیتا مگر صبح ہوتے ہی لاشیں دیکھی گئیں۔ ہرمن اور

اُس کے ناپ کو پتہ چلا تو دونوں غصے سے پاگل ہونے لگے۔ مقتولہ اُن کی بڑی قیمتی اور کارآمد مُخبر اور جاسوس تھی اور چنگیز اس عورت کا شکار تھا جس سے اس گروہ کا سراغ لگانا تھا۔ یہ گروہ محفوظ ہو گیا تھا۔ وکٹر کے زخموں سے خون بہ رہا تھا۔ کسی نے اُس کی مرہم پٹی کی نہ سوچی۔ ہرمن نے اُسے پیٹنا شروع کر دیا جس سے وکٹر بے ہوش ہو گیا۔ اُس کے بعد وہ کبھی بھی ہوش میں نہ آیا۔ دوسرے دن بے ہوشی کی حالت میں ہی اُسے جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔ جلاد کے کلہاڑے نے ایک ہی وار سے اُس کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

اُس کے سر اور دھڑ کو جب ایک گڑھے میں پھینکا جا رہا تھا، اُس وقت امام کا روانہ کیا ہُوا ایک جاسوس تریپولی سے دُور چلا گیا تھا۔ اُسے اونٹ پر بھیجا گیا تھا کیونکہ قاہرہ تک کا سفر بڑا ہی لمبا اور بڑا ہی کٹھن تھا جسے صرف اونٹ برداشت کر سکتا تھا۔

☆

۵۷۲ ہجری (۱۱۷۷ عیسوی) کے اوائل کا ایک مہینہ تھا۔ قاہرہ کے فوجی علاقے میں غیر معمولی رونق اور چہل پہل تھی۔ کسی میدان میں گھوڑے دوڑائے جا رہے تھے اور کہیں پیادہ سپاہیوں کو ٹریننگ دی جا رہی تھی۔ شتر سواروں کی رونق الگ تھی۔ قاہرہ سے دُور پہاڑی علاقے میں منظر ایسا تھا جیسے جنگ لڑی جا رہی ہو۔ یہ سلطان ایوبی کی فوج کی جنگی مشق تھی۔ ایک وادی میں آتش گیر مادہ پھینک کر آگ لگائی گئی تھی جو بیس پچیس گز تک پھیلی ہوئی تھی۔ سوار گھوڑے دوڑاتے ان شعلوں میں سے گزر رہے تھے۔ ایک جنگی مشق دُور ریگستان میں ہو رہی تھی۔ کسی سپاہی کو پانی اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں تھی۔

یہ بڑی ہی سخت ٹریننگ تھی جو نئے رنگروٹوں کو دی جا رہی تھی۔ بھرتی ابھی جاری تھی۔ فوج کے تمام سالار اور دیگر افسر اس ٹریننگ میں مصروف تھے۔ سلطان ایوبی سلطنت کے دوسرے مسائل اور امور کی طرف رات کو توجہ دیتا تھا۔ اُس کا دن ٹریننگ کی نگرانی کرتے اور سالاروں کو ہدایات دیتے گزرتا تھا۔ اُس نے سب سے کہہ دیا تھا کہ اگر صلیبیوں نے شام پر فوج کشی نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے لڑائی سے توبہ کر لی ہے یا ان کی عقل جواب دے گئی ہے مگر ان دونوں میں سے ایک بھی بات صحیح نہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔

"اس وقت تک کسی نہ کسی مقبوضہ علاقے سے اپنے کسی آدمی کو آنا چاہیے تھا" ــــ سلطان ایوبی نے اپنے پاس کھڑے ایک سالار سے کہا۔ وہ ایک چٹان پر کھڑا جنگی مشق دیکھ رہا تھا۔ اُس نے کہا ــــ "صلیبی آئیں گے ضرور۔ یہ مجھے کوئی جاسوس ہی بتا سکتا ہے کہ وہ کدھر سے آئیں گے، کہاں آئیں گے اور اُن کی نفری کتنی ہو گی؟"

وہ چٹان سے اُتر کر کسی اور طرف جانے لگا تو اُسے دُور سے گرد اُڑتی نظر آئی جو ایک یا دو گھوڑوں کی تھی۔ سلطان رک گیا۔ گرد قریب آئی تو اُس میں سے دو گھوڑے برآمد ہوئے۔ ایک پر علی بن سفیان سوار تھا اور دوسرے کو سلطان پہچان نہ سکا۔ وہ تریپولی سے امام کا بھیجا ہُوا جاسوس تھا جو وہاں سے اونٹ پر روانہ ہُوا تھا۔ بہت دنوں بعد قاہرہ پہنچا تھا۔ علی بن سفیان نے اس سے رپورٹ لی اور اُسے گھوڑا دے کر ساتھ لے آیا تاکہ یہ رپورٹ سلطان ایوبی کو فوراً دے دی جائے۔

جاسوس نے سلطان ایوبی کو بتایا ــــ "صلیبی ایک برق رفتار اور طوفانی حملے کے لیے تیاریاں کر رہے ہیں۔ فوجوں کا اجتماع شروع ہو گیا ہے۔ سب سے زیادہ فوج حوزین کے شاہ رینالٹ کی ہے۔ وہ اس طوفانی یلغار کی قیادت کرنا چاہتا ہے۔"

"وہی رینالٹ جسے نورالدین زنگی نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا تھا" ــــ سلطان ایوبی نے کہا۔

"اسے وہ اپنی شرائط پر رہا کرنا چاہتے تھے مگر زنگی کی بے وقت موت رینالٹ کی رہائی کا باعث بنی۔ اقتدار اور زر و جواہرات کے لالچی اُمرا نے نورالدین زنگی کے کمسن بیٹے کو کٹھ پتلی بنایا اور رینالٹ کو رہا کر دیا۔ آج وہ رینالٹ اسلام کا خاتمہ کرنے آ رہا ہے...... ہاں! تم آگے سناؤ۔ انہیں یلغار کرنی چاہیے تھی، اور کہاں ہو گا؟"

"تریپولی کا ریمانڈ ہو گا۔ زیادہ تر افواج کا اجتماع وہیں ہو رہا ہے اور حملے کی تفصیلات وہیں طے ہو رہی ہیں۔ تیسرا بالڈون ہو گا۔ اُس کی فوج بھی کم نہیں۔ یہ معلوم نہیں کیا جا سکا کہ صلیبی فوج کب کوچ کرے گی۔ حملہ شام پر ہو گا۔ حلب، حران اور حماۃ کے نام سنے گئے ہیں۔ کوچ جلدی ہو گا۔"

"علی بن سفیان!" ــــ سلطان ایوبی نے کہا ــــ "مجھے تریپولی سے آخری اطلاعات کا انتظار رہے گا۔"

"ان اطلاعات کا انتظار نہ کریں جن کی آپ توقع لگائے بیٹھے ہیں۔" علی بن سفیان کی بجائے جاسوس نے جواب دیا ــــ "صلیبیوں کے عسکری ایوان میں ہمارے دو آدمی تھے۔ دونوں مارے گئے ہیں۔" اُس نے راشد چنگیز اور وکٹر کا واقعہ سنا دیا۔ سلطان ایوبی کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ جاسوس نے کہا ــــ "رینالٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ اُس کی فوج میں اڑھائی سو نائٹ ہوں گے۔ اپنے ان دونوں جاسوسوں نے مرنے سے پہلے امام کو بتایا تھا کہ صلیبی آپ کو چھاپہ مار اور شب خون مارنے کا طریقہ استعمال کرنے کی مہلت نہیں دیں گے۔ انہوں نے کچھ ایسی چالیں سوچ لی ہیں جن سے وہ آپ کو مجبور کر دیں گے کہ آپ پوری فوج کو سامنے لا کر دیں۔ انہیں آپ کی اس کمزوری کا علم ہے کہ آپ کے پاس فوج کی کمی ہے۔ اسی کے پیشِ نظر وہ بہت زیادہ فوج لا رہے ہیں تاکہ آپ گھوم پھر کر نہ لڑ سکیں۔"

جاسوس کی یہ اطلاع ملنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی باہر کم نظر آنے لگا۔ وہ کمرے میں بند رہنے لگا۔ کاغذ پر ممکنہ میدانِ جنگ کا نقشہ بنا کر اس پر پیش قدمی اور دیگر چالوں کی لکیریں کھینچتا رہتا۔ کبھی اچانک اپنے سالاروں کو بلا کر اُن کے ساتھ بحث میں اُلجھ جاتا اور انہیں موقع دیتا کہ وہ بھی رائے دیں اور چالیں سوچیں۔ ان سالاروں میں ایک عیسیٰ الہکاری تھا جو ایک قابل سالار ہونے کے علاوہ عالم اور قانون دان بھی تھا۔ اُسے بعض مؤرخوں نے سلطان ایوبی کا دستِ راست بھی کہا ہے۔

ایک روز سلطان ایوبی نے خلافِ توقع کوچ کا حکم دے دیا۔ اس نے فوج کا خاصا حصہ سوڈان کی سرحد کے ساتھ خیمہ زن کر دیا کیونکہ اُدھر سے بھی حملے کا خطرہ تھا۔ اُس کے لیے سب سے بڑی مصیبت یہی تھی کہ وہ پیش قدمی کرتا تھا تو اُس کے عقب میں بھی دشمن ہوتا تھا۔ صلیبیوں کے لیے وہ مصر کی ساری فوج نہیں لے جا سکتا تھا۔ اُس نے کوچ کیا تو مؤرخوں کے اعداد و شمار کے مطابق اس کے پاس جو فوج تھی وہ ایک ہزار پیادہ

تھی۔ یہ سب مملوک تھے (مملوک آزاد کیے ہوئے غلاموں کو کہا جاتا تھا) یہ لڑاکے اور جنگجو تھے۔ ان کے علاوہ آٹھ ہزار گھوڑسوار تھے جن میں مصری بھی تھے اور وہ سوڈانی بھی جنہیں ۱۱۶۹ء میں سلطان ایوبی نے بغاوت کے جرم میں فوج سے نکال کر انہیں زرخیز زمینوں پر آباد کر دیا تھا۔ اب وہ مصر کے وفادار تھے۔ ان پر اعتماد کیا جا سکتا تھا مگر یہ ایک ہزار مملوک اور آٹھ ہزار سوار نئے نئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ انہوں نے ابھی جنگ دیکھی ہی نہیں تھی۔ اُن کی ٹریننگ بمشکل مکمل ہوئی تھی۔

سلطان ایوبی اپنی فوج اپنے بھائی العادل کی زیرِکمان حلب کے مضافات میں چھوڑ آیا تھا۔ اُسے کسی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ صلیبی اتنی جلدی شام تک نہیں پہنچیں گے۔ اُس نے کوچ بہت تیز کرایا اور حلب جا پہنچا۔ وہاں اُسے پتہ چلا کہ صلیبیوں نے حرن کے قلعے کو محاصرے میں لے رکھا ہے۔ آپ نے حرن کا مکمل ذکر پچھلی کہانیوں میں پڑھا ہے۔ سلطان ایوبی نے محاصرہ کرنے والی صلیبی فوج کو محاصرے میں لے لیا۔ اُس کی یہ چال ایسی اچانک تھی کہ صلیبی جم کر لڑ نہ سکے۔ سلطان ایوبی نے بہت سے قیدی پکڑے اور صلیبیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اُس نے پیش قدمی جاری رکھی اور دو اہم مقامات، لِڈّیا اور رملہ، پر قبضہ کر لیا۔

یہ فتوحات قدرے آسان تھیں۔ مصر سے آتے ہوئے نئے سپاہیوں کے حوصلے بڑھ گئے۔ وہ سمجھے کہ جنگ اسی طرح ہوتی ہے جس میں فتح ہماری ہی ہوتی ہے۔ اس سے نئے سپاہی غیر محتاط ہو گئے۔ صلیبیوں نے غالباً دانستہ پسپا ہو کر سلطان ایوبی کو دھوکہ دیا تھا۔ انہوں نے تھوڑی سی فوج کی نمائش کی تھی۔ یہ فرنگی (فرینکس) تھے۔ ریناٹ اور بالڈوِن کی فوجیں ابھی سامنے نہیں آئی تھیں۔ وہ اسی علاقے میں موجود تھیں۔ اب صلیبیوں نے ایسے سخت اقدامات کیے تھے کہ سلطان ایوبی کے جاسوس دشمن کے علاقے سے نکل ہی نہ سکے۔ تریپولی کے جاسوس کے بعد اُدھر سے کوئی آ ہی نہ سکا۔

رملہ کے قریب ایک ندی تھی جس کا پانی تو گہرا نہیں تھا ندی گہرائی میں تھی اور چوڑی بھی۔ عیسٰے الہکاری نے رملہ کو فتح کر کے اپنے دستوں کو رملہ کے اردگرد پھیلا دیا۔ اچانک ندی کے کنارے کی اوٹ میں صلیبیوں کی فوج یوں نکلی جیسے سیلاب کناروں سے باہر آ گیا ہو۔ یہ فوج جانے کب سے وہاں چھپی بیٹھی تھی۔ عیسٰی الہکاری کے دستے بے خبری میں مارے گئے۔ وہ بکھرے ہوئے بھی تھے۔ مقابلہ نہ کر سکے۔ تریپولی کے جاسوس کی یہ اطلاع صحیح ثابت ہوئی کہ صلیبی ایسی چالیں چلیں گے جن سے سلطان ایوبی اپنے مخصوص طریقۂ جنگ سے لڑنے کے قابل نہیں رہے گا۔

اُس وقت کے ایک وقائع نگار ابنِ اسیر نے لکھا ہے۔ ”فرنگی اس طرح ندی سے نکلے جیسے انسانوں اور گھوڑوں کا سیلاب کناروں سے باہر آ کر آبادیوں کو اپنے ساتھ بہائے لے جا رہا ہو۔ سلطان ایوبی کی فوج بیخبری میں مکمل گھیرے میں آ گئی۔“

مشہور مؤرخ جیمز نے لکھا ہے — ”شاہ بالڈوِن صلاح الدین ایوبی سے پہلے اپنی فوج رملہ کے مضافات میں لے آیا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کی فوج نے رملہ کا شہر فتح کر لیا اور اس کے ہراول کے ایک سالار ایولن نے شہر کو آگ لگا دی تھی۔ صلیبیوں (فرنگیوں) کی گھات کامیاب رہی۔ ایوبی گھیرے میں آ گیا۔ اُس کے دستے بکھر گئے۔

اس نے کئی دستے یکجا کر لیے اور اپنی خصوصی چال کے مطابق جوابی حملہ کیا مگر میدان صلیبیوں کے ہاتھ تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا حملہ نہ صرف ناکام رہا بلکہ اُس کے لیے پسپائی بھی ناممکن ہو گئی۔

نئے رنگروٹ جو چند ایک مقامات آسانی سے فتح کر کے یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ انہیں کوئی شکست دے ہی نہیں سکتا وہ ایسے بھاگے کہ انہوں نے مصر کا رُخ کر لیا۔ بھاگنے والوں میں اُن کی تعداد زیادہ تھی جنہیں بعض غیر محتاط فوجی افسروں نے مالِ غنیمت کا لالچ دے کر بھرتی کیا تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہ سب ناتجربہ کار تھے۔ سلطان ایوبی اس کیفیت میں رہ گیا تھا کہ وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر میدانِ کارزار سے نکلا اور اپنی جان بچائی۔

قاضی بہاؤالدین شدّاد جو اس جنگ کا عینی شاہد ہے، اپنی یادداشتوں میں لکھتا ہے — ”سلطان ایوبی نے مجھے اس شکست کی وجہ ان الفاظ میں بتائی تھی — ’صلیبیوں نے میری چال چل کر میری فوج کو اُس وقت جنگ میں گھسیٹ لیا جب میں اسے جنگی ترتیب میں نہیں لا سکا تھا۔ دوسری وجہ یہ ہوئی کہ میری فوج کے پہلوؤں پر جو دستے تھے وہ جگہ آپس میں بدل رہے تھے۔ یہ بہت بڑی نقل و حرکت تھی۔ صلیبیوں نے اس کیفیت میں حملہ کر دیا۔ اُن کا حملہ اتنا شدید اور اچانک تھا کہ میرے نئے سپاہی اور سوار گھبرا کر پیچھے کو بھاگ اٹھے اور انہوں نے مصر کا رُخ کر لیا۔ وہ راستے سے بھٹک گئے اور دُور دُور بکھر گئے۔ میں انہیں یکجا نہ کر سکا۔ دشمن نے میری فوج سے بہت سے جنگی قیدی پکڑے۔ اِن میں عیسٰی الہکاری بھی تھا‘ — سلطان ایوبی نے اپنی فوج کو مروانے کی بجائے حکم دے دیا کہ اپنے اپنے طور پر میدانِ جنگ سے نکلو اور قاہرہ پہنچنے کی کوشش کرو۔“

سلطان ایوبی نے صلیبیوں کو ساٹھ ہزار دینار زرِ فدیہ ادا کر کے عیسٰی الہکاری کو رہا کرا لیا۔ ایک مصری وقائع نگار محمد فرید ابو حدید نے لکھا ہے کہ سلطان ایوبی نے اپنے بھائی شمس الدولہ توران شاہ کو اس جنگ اور اپنی شکست کا حال لکھا تھا جس میں اُس نے عربی کا ایک شعر بھی لکھا تھا۔ اُس کے معنی یہ ہیں۔

”میں نے تمہیں اُس وقت یاد کیا جب صلیبی برچھیاں چل رہی تھیں۔ دشمن کی سیدھی اور گندمی رنگ کی برچھیاں ہمارے جسموں میں داخل ہو کر ہمارا خون پی رہی تھیں۔“

یہ معرکہ جمادی الاوّل ۲، ۵ ہجری (اکتوبر ،، ۱۱ء) میں لڑا گیا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی اس حالت میں قاہرہ پہنچا کہ اُس کا سر جھکا ہُوا تھا۔ اس کے ساتھ کوئی فوج نہیں تھی۔ اُس کا محافظ دستہ بھی ساتھ نہیں تھا۔ اُس نے قاہرہ پہنچتے ہی مزید بھرتی کا حکم دیا۔ شام کے محاذ پر وہ اپنے بھائی العادل اور بڑے قابل سالاروں کو حماۃ کے علاقے میں چھوڑ آیا تھا۔

جب فرض نے محبت کا خون کیا

آج وہ رملہ اسرائیلیوں کے قبضے میں ہے جہاں آٹھ سو سال پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں سے شکست کھائی تھی۔ رملہ جو بیت المقدس سے دس میل دور شمال میں واقع ہے، اردن کے علاقے میں ہے۔ جون، ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلیوں نے اردن کے اس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا تھا جو دریائے اُردن کے مغربی کنارے پر اسرائیل کی سرحد تک پھیلا ہوا ہے۔ دس برس گزر گئے ہیں اسرائیلیوں نے یہ علاقہ خالی کرنے کی بجائے اس پر مکمل قبضہ کر لیا ہے اور کہتے ہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ہمیں یہاں سے نکال نہیں سکتی۔ انہوں نے رملہ کو (اور اس تمام مقبوضہ علاقے کو) اُس وقت بھی قتل گاہ بنایا تھا جب انہوں نے اس پر قبضہ کیا تھا، یہ آج بھی قتل گاہ ہے۔ گذشتہ ایک سال سے رملہ میں جو مسلمان رہ گئے وہ اسرائیل حکومت کے خلاف مظاہرے کر رہے ہیں اور اسرائیلی انہیں ظلم و تشدد اور رائفلوں کی گولیوں سے خاموش کر رہے ہیں۔

اسرائیلیوں کی ہٹ دھرمی اور عربوں کے آپس کے اختلافات بتا رہے ہیں کہ اسرائیلی اس علاقے کو نہیں چھوڑیں گے۔ دس برس تو گزر گئے ہیں لیکن آٹھ سو سال پہلے جب یہ علاقہ اور یہی رملہ صلیبیوں کے قبضے میں آیا تھا تو سلطان صلاح الدین ایوبی ایک دن بھی چین سے نہیں بیٹھا تھا۔ وہ میدانِ جنگ سے بڑی مشکل سے جان بچا کر نکلا تھا۔ اس کی فوج ایسی بُری طرح بھاگی کہ بکھر کر مصر کا رُخ کر لیا۔ فوج کی خاصی نفری صلیبیوں کی قیدی ہو گئی اور کچھ نفری قاہرہ تک بے سرو سامانی کی حالت میں پا پیادہ جاتے صحرا اور سفر کی صعوبتوں کی بھینٹ چڑھ گئی۔ ایسی شکست حوصلے اور جذبے توڑ دیا کرتی ہے۔ سنبھلتے سنبھلتے مدتیں گزر جاتی ہیں، لیکن سلطان ایوبی مصر جا کر نہ صرف سنبھلا بلکہ اُس علاقے میں واپس گیا جہاں سے شکست کھا کر بھاگا تھا اور اُس نے صلیبیوں کے لیے قیامت بپا کر دی۔

رملہ آج پھر صلاح الدین ایوبی کا انتظار کر رہا ہے۔

سلطان ایوبی کے سامنے صرف یہ مسئلہ نہیں تھا کہ شکست کا انتقام لینا ہے اور صلیبیوں کی پیش قدمی کو روکنا ہے، اُسے بہت سے خطروں نے گھیر رکھا تھا۔ اُس کی صفوں میں غداروں کی کمی نہیں تھی۔ سوڈان کی طرف سے حملے کا خطرہ بڑھ گیا تھا۔ سوڈانیوں کو معلوم تھا کہ سلطان ایوبی کے پاس فوج نہیں رہی اور جو ہے وہ شکست خوردہ اور

زخم خوردہ ہے۔ یہ خطرہ تو سب سے بڑا تھا کہ صلیبیوں کے پاس فوج دس گنا زیادہ تھی اور اس فوج کے حوصلے کرک کی فتح نے مضبوط کر دیا تھا۔ ایک یہ خطرہ بھی تھا کہ جو مسلمان امراء سلطان ایوبی کے مخالف تھے وہ اس کی شکست سے فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ وہ ایک بار پھر متحد ہو کر سلطان ایوبی کی اُس فوج کے لیے مصیبت بن سکتے تھے جسے وہ محاذ پر چھوڑ آیا تھا۔ اس فوج کا سالارِ اعلیٰ اس کا اپنا بھائی العادل تھا جس پر سلطان کو مکمل اعتماد تھا۔

اور ایک خطرہ صلیبی جاسوسوں کا بھی تھا۔ پسپائی کے وقت صلیبیوں کے جاسوسوں کا بھی مصری فوج کے بھیس میں مصر پہنچ جانا آسان تھا۔ یہ جاسوس مصر میں افواہیں پھیلا کر قوم کی حوصلہ شکنی کر سکتے تھے۔

اس شکست کے بعد العادل ترونِ حماۃ تک پیچھے ہٹ آیا تھا۔ اس داستان کی پچھلی اقساط میں آپ نے حماۃ کی جنگ کی تفصیل پڑھی ہے۔ یہاں سلطان ایوبی نے اپنے مخالف مسلمان امراء کو شکست دی تھی۔ حماۃ کا قلعہ بھی تھا۔ صلیبی سلطان کو شکست دے کر حماۃ کی طرف بڑھے۔ العادل خود بھی قابل سالار تھا اور اُس کے ساتھ جو سالار تھے وہ مردانِ حُر تھے۔ ان کا دین و ایمان سلطان ایوبی کی طرح پختہ تھا۔ العادل اپنے بھائی سلطان ایوبی کا شاگرد تھا۔ جنگی چالوں کی مہارت اسی سے سیکھی تھی۔ اُسے اندازہ تھا کہ صلیبی اتنی بڑی اور اتنی آسان فتح کے بعد رملہ میں ہی خیمہ زن نہیں ہو جائیں گے۔ اُس نے کسی بہروپ میں اپنے جاسوس پیچھے چھوڑے اور خود فوج کے ساتھ حماۃ کا رخ کیا۔ اُسے پتہ چل گیا تھا کہ سلطان ایوبی مصر چلا گیا ہے۔

اُس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ جاسوسوں نے اُسے اطلاع دی کہ صلیبیوں کی فوج حماۃ کی طرف پیشقدمی کر رہی ہے۔ العادل نے اپنی فوج کی کیفیت دیکھی۔ اچھی نہیں تھی۔ سپاہیوں کا حوصلہ مجروح ہو گیا تھا۔ گھوڑوں اور اونٹوں کی بھی کمی ہو گئی تھی۔ رسد کی کیفیت بھی تسلی بخش نہیں تھی۔ البتہ وہ فوج کو بڑی اچھی جگہ لے آیا تھا جہاں سبزہ، پانی اور علاقہ پہاڑی تھا۔ العادل نے فوج کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ اُس نے دیکھا کہ اونٹوں کی خاصی تعداد زخمی ہے۔ اُس نے ان اونٹوں کو ذبح کرا دیا اور فوج سے کہہ دیا کہ پیٹ بھر کر گوشت کھاؤ۔ اس طرح اُس نے رات کو ایک وسیع وادی میں جشن کا منظر بنا دیا۔ شام کو ہی اُس نے حلب اور دمشق کو اس پیغام کے ساتھ قاصد دوڑا دیئے تھے کہ جس قدر رسد، جانور اور اسلحہ بھیج سکتے ہو بھیجو۔

رات جب سپاہی اونٹ کا گوشت کھا کر سیر ہو چکے تو العادل ایک ٹیکری پر چڑھ گیا۔ اُس کے دائیں بائیں دو مشعل بردار کھڑے تھے۔ اُس نے انتہائی بلند آواز میں کہا ۔۔۔ "اللہ اور رسولؐ کے مجاہدو! اس حقیقت کو قبول کرو کہ ہم شکست کھا کر آئے ہیں۔ کیا تم اس حالت میں اپنی ماؤں، اپنی بہنوں، اپنی بیویوں اور اپنی بچیوں کے سامنے جاؤ گے اور انہیں یہ بتاؤ گے کہ ہم اپنے رسولؐ کے منکروں سے شکست کھا کر آئے ہیں؟ کیا تمہاری مائیں تمہیں دودھ کی دعائیں بخش دیں گی؟ وہ گھروں میں بیٹھی اس خبر کا انتظار کر رہی ہیں کہ ہم نے قبلۂ اوّل کو کفار کے قبضے سے آزاد کرا لیا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ جن علاقوں پر کفار قابض ہیں وہاں وہ مسلمان عورتوں کو بے آبرو کر رہے ہیں۔ ذرا سوچو کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کو کیا جواب دو گے؟ تم میں سے جو یہاں

سے پیچھے جانا چاہتے ہیں الگ کھڑے ہو جائیں۔ میں انہیں نہیں روکوں گا۔ انہیں گھروں کو جانے کی اجازت ہے۔"

العادل خاموش ہو گیا۔ فوج پر بھی خاموشی طاری تھی۔ کوئی ایک بھی سپاہی الگ نہ ہوا۔

"سالارِ اعلیٰ ہمیں اپنا مقصد بتائیں"۔۔۔ کسی سپاہی کی آواز گرجی۔۔۔ "آپ کو کس نے بتایا ہے کہ ہم گھروں کو جانا چاہتے ہیں؟"

"اگر میں پسپائی میں مارا گیا تو یہ میری وصیت ہے کہ میری لاش دفن نہ کی جائے"۔۔۔ ایک اور آواز گرجی۔ "گِدھوں اور بھیڑیوں کے لیے پھینک دی جائے۔"

پھر کئی آوازیں سنائی دیں۔ ہر آواز میں جذبے کا جوش تھا۔ العادل کا سینہ پھیل گیا۔ اُس نے کہا۔ "دشمن تمہارے پیچھے آ رہا ہے۔ تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ رملہ کی فتح اُس کی آخری فتح ہے۔۔۔۔ آج کی رات اور کل کا دن مکمل آرام کرو۔ کل رات تمہیں بتا دیا جائے گا کہ ہم کیا کریں گے۔"

العادل نے فوج سے فارغ ہو کر اپنے سالاروں اور کمانداروں کو اپنے خیمے میں بلایا اور انہیں ہدایات دیں کہ کل رات وہ اپنے دستوں کو کہاں کہاں لے جائیں گے۔ حماۃ کا قلعہ قریب ہی تھا۔

صلیبی بہت تیزی سے پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہ بالڈوین کی فوج تھی۔ اُسے معلوم تھا کہ آگے حماۃ کا قلعہ ہے اور العادل کی فوج اسی قلعے میں ہو گی۔ اُسے جاسوسوں کے ذریعے یہ بھی معلوم تھا کہ جو فوج حماۃ کی طرف پسپا ہو کر گئی ہے اس کا کمانڈر العادل ہے اور العادل سلطان ایوبی کا بھائی ہے۔ یہ تو معمولی سا فوجی بھی سمجھ سکتا تھا کہ تھکی ہوئی اور شکست خوردہ فوج اپنے قریبی قلعے میں ہی جائے گی۔ چنانچہ صلیبی بادشاہ بالڈوین نے برق رفتار پیش قدمی کر کے حماۃ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ قلعے کا دروازہ کھول دیا جائے ورنہ قلعے کو زمین سے ملا دیا جائے گا۔ وہ اس خیال میں تھا کہ العادل کی فوج لڑنے کی حالت میں نہیں۔ اعلان کے جواب میں قلعے کی دیوار سے تیروں کی بوچھاڑیں آئیں۔

بالڈوین نے ایک بار پھر اعلان کرایا کہ یہ خون خرابہ بے مقصد ہو گا۔ تم لڑ نہیں سکو گے۔ قلعہ ہمارے حوالے کر دو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی قیدی کے ساتھ ناروا سلوک نہیں کیا جائے گا۔۔۔۔ قلعے کے اوپر سے آواز آئی۔ "اتنی دور رہو جہاں تک ہمارے تیر نہ پہنچ سکیں۔ قلعہ تمہیں دینے کی بجائے اسے ہم خود زمین سے ملا دیں گے۔ ہمارا خون بے مقصد نہیں بہے گا۔ تم بے مقصد موت مرو گے۔"

قلعے کی دیواروں پر جو کھڑے تھے انہیں صلیبیوں کی فوج یوں دکھائی دے رہی تھی جیسے سمندر کی موجیں ہر طرف سے قلعے کو نرغے میں لیے ہوئے ہوں۔ اس کے مقابلے میں قلعے میں جو فوج تھی وہ نہ ہونے کے برابر تھی لیکن اس قلیل فوج کے کمانڈر ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں تھے۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ صلیبیوں نے اگلی کارروائی صبح تک ملتوی کر دی۔ اُن کی فوج تیز رفتار پیش قدمی کر کے آئی تھی۔ بہت تھکی ہوئی تھی۔ یہ تعاقب تھا۔ بالڈوین اس کوشش میں تھا کہ العادل کو کہیں آرام کرنے اور اپنی فوج کو از سرِ نو منظم کرنے کی مہلت نہ دے۔ وہ العادل کو

زندہ پکڑنا چاہتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کا بھائی ہونے کی وجہ سے العادل بڑا ہی قیمتی قیدی تھا۔ اُس کے عوض صلیبی سلطان ایوبی سے کڑی شرطیں منوا سکتے تھے۔ کوئی علاقہ لے سکتے تھے۔ بالڈوِن کو پوری توقع تھی کہ وہ قلعہ قلعے کی فوج اور العادل سمیت لے سکے گا۔

☆

بالڈوِن نے اپنی فوج کو قلعے سے اتنی دور پیچھے ہٹا لیا تھا جہاں تک قلعے والوں کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اُسے ایسا خطرہ تو تھا ہی نہیں کہ باہر سے کوئی فوج اُس پر حملہ کر دے گی۔ سلطان ایوبی بھی وہاں نہیں تھا۔ اُس کی فوج بھی نہیں تھی۔ بالڈوِن کو حماۃ کا قلعہ اپنے قدموں میں پڑا نظر آ رہا تھا۔ شام کے فوراً بعد وہ اپنے کمانڈروں کو اگلے روز کے احکامات دے کر اپنی ذاتی خیمہ گاہ میں چلا گیا تھا جو فوج سے کچھ دُور پیچھے تھی۔ اُس دور کے جنگجو بادشاہوں کی خیمہ گاہیں شیش محل سے کم نہیں ہوتی تھیں۔ بالڈوِن تو فاتح تھا۔ تین چار صلیبی لڑکیاں اُس کے ساتھ تھیں اور چار وہ مسلمان لڑکیاں تھیں جنہیں صلیبی کمانڈروں نے مفتوحہ علاقے سے پکڑا اور بالڈوِن کو بطور تحفہ پیش کی تھیں۔ یہ لڑکیاں عرب کے حُسن کا شاہکار تھیں۔

صلیبی لڑکیوں نے انہیں ذہن نشین کرا دیا تھا کہ ان کا رونا اور آزاد ہونے کے لیے تڑپنا بیکار ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ وہ خوش قسمت ہیں جو صلیب کے ایک بادشاہ کے حصے میں آئی ہیں۔ جو لڑکیاں صلیبی فوجیوں کے قبضے میں آگئی ہیں ان کا حشر دیکھ کر زمین [illegible]سمان کانپتے ہیں ـــ "تمہیں آخر کسی مسلمان امیر یا حاکم کے حرم میں جانا تھا جہاں تم قیدی ہوتیں۔ دو چار سال بعد جب تمہاری نوجوانی کی کشش ماند پڑنے لگتی تو تمہیں کسی سوداگر کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا۔ تم اگر اپنی فوج کے ہاتھ چڑھ جاتیں تو تمہارے مسلمان بھائی تمہارا وہی حشر کرتے جو ہماری فوج کرتی ہے۔ عورت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ اُسے جس کے ساتھ بیاہ دیا جائے یا وہ جس کے قبضے میں آجائے وہی انسان اُس کا خدا اور اُس کا مذہب بن جاتا ہے۔ پھر کیوں نہ تم اس انسان کے پاس رہو جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے، ایک ملک کا بادشاہ ہے اور دل کا بھی بادشاہ ہے۔"

پہلے روز لڑکیاں بہت تڑپی تھیں۔ اُن پر تشدد نہ کیا گیا۔ انہیں کوئی دھمکی بھی نہ دی گئی۔ بالڈوِن نے جب دیکھا کہ یہ نوجوان ہیں اور خوبصورت بھی ہیں تو اُس نے اپنی ہائی کمانڈ کے جرنیلوں سے کہا تھا کہ ان لڑکیوں کو ٹریننگ دے کر بہتر طریقے سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ایسی قیمتی لڑکیوں کو عیاشی کا ذریعہ بنا کر ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ چنانچہ اُس نے انہیں اپنے پاس رکھ لیا تھا مگر اُس سے یہ توقع نہیں رکھی جا سکتی تھی کہ وہ انہیں بیٹیاں بنا کر رکھے گا۔ اُس نے اُن کے ساتھ وہی سلوک کیا جس کی توقع تھی لیکن انہیں اپنی قوم کی شہزادیوں جیسی اہمیت دی، انہیں سبز باغ دکھائے اور باتوں باتوں میں انہیں آسمان تک پہنچا دیا۔

"ہمیں اپنی عصمت کی قربانی دینی ہی پڑے گی" ـــ ان میں سے ایک لڑکی نے اُس وقت کہا جب چاروں کو تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملا تھا ـــ "ہمیں فرار ہونا چاہیے۔"

"اور انتقام لینا چاہیے" ـــ دوسری نے کہا۔

"لیکن یہ اُس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم ان پہ یہ ظاہر نہ کریں کہ ہم نے ان کی غلامی دل سے قبول کر لی ہے" ـــ پہلی لڑکی نے کہا ـــ "ہمیں اپنا اعتماد پیدا کرنا ہے۔"

"میرے والد سلطان ایوبی کی فوج میں ہیں" ـــ ایک اور لڑکی نے کہا ـــ "آج کل مصر میں ہیں۔ انہوں نے بتایا تھا کہ کافروں کی لڑکیاں اپنی قوم اور صلیب کی خاطر اپنی عزت کی قیمت دے کر ہمارے بڑے بڑے حاکموں کو صلیب کی وفادار بنا لیتی ہیں۔ کسی کو قتل کرنا ہو تو قتل کرا دیتی ہیں۔ ہماری فوج کے راز معلوم کر کے اپنے حاکموں تک پہنچاتی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں" ـــ ایک اور لڑکی بولی ـــ "اُن کی لڑکیاں وہی کام کرتی ہیں جو ہمارے مرد جاسوس دشمن کے ملک میں جا کر کرتے ہیں۔" وہ چپ ہو گئی۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر رازداری سے بولی ـــ "اگر ہم انہیں کہہ دیں کہ ہم اُن کا مذہب قبول کرتی ہیں تو ایسا موقع پیدا ہو سکتا ہے کہ ہم اس بادشاہ کو قتل کر دیں۔"

"اور کچھ نہ ہوا تو فرار کا موقع پیدا کیا جا سکتا ہے" ـــ ایک لڑکی نے کہا۔

جس رات بالڈوِن کی فوج نے حماۃ کے قلعے کو محاصرے میں لے رکھا تھا اس سے دو راتیں پہلے لڑکیوں نے پیش قدمی کے دوران صلیبی لڑکیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ ان کی باتیں سمجھ گئی ہیں اور وہ کسی وقت بھی مذہب تبدیل کر لیں گی۔ بالڈوِن کو بتایا گیا تو اُس نے چاروں لڑکیوں کو بیش قیمت ہار پیش کیے، اور چاروں کے گلے میں چھوٹی چھوٹی صلیبیں لٹکا دیں، مگر اس نے صلیبی لڑکیوں کو الگ کر کے کہا ـــ "میں ان چاروں میں سے کسی کے ہاتھ سے کچھ کھاؤں پیوں گا نہیں۔ ہو سکتا ہے انہوں نے ڈر کی وجہ سے مذہب تبدیل کیا ہو۔ زبان سے مذہب تبدیل کیا جا سکتا ہے، دل کی تبدیلی آسان نہیں ہوتی۔ ان کے دلوں پر قبضہ کرنے کی کوشش کرو۔ مسلمانوں کو خریدنا کوئی مشکل نہیں لیکن مسلمانوں پر بھروسہ کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں۔ جو مسلمان ایمان کے پکے ہیں، وہ ایسی ایسی قربانی دے ڈالتے ہیں جس کا ہماری قوم تصور بھی نہیں کر سکتی۔ یہ لڑکیاں کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتیں لیکن ان پر نظر رکھنا کہ یہ مجھ پر وار نہ کر جائیں۔"

☆

محاصرے کی پہلی رات یہ چاروں لڑکیاں الگ خیمے میں سوئی ہوئی تھیں۔ بالڈوِن بھی اُن کے ساتھ ہنس کھیل کر سو گیا تھا۔ تمام چھوٹے بڑے کمانڈر بے ہوشی کی نیند سوئے ہوئے تھے۔ فوج کو بھی ہوش نہیں تھی۔ صرف سنتری اور بالڈوِن کے باڈی گارڈ کے چار پانچ سپاہی جاگ رہے تھے۔ قرونِ حماۃ کی ایک وادی قلعے کی طرف نکلتی تھی۔ آگے قلعے تک میدان تھا۔ اس وادی میں سے کم و بیش ایک ہزار پیادہ سپاہی دبے پاؤں نکلے۔ ان کے کمانڈر نے انہیں ٹولیوں میں بانٹ کر پھیلا دیا۔ وہ آگے بڑھتے گئے۔ بالڈوِن کی فوج کے خیمے دُور نہیں تھے۔

یہ پیادہ سپاہی العادل کے تھے۔ العادل قلعے میں نہیں تھا۔ اُسے اندازہ تھا کہ صلیبی قلعے کا محاصرہ کریں گے۔ چنانچہ اُس نے اپنے تمام دستے حماۃ کی پہاڑیوں میں چھپا لیے تھے۔ اس نے قلعے میں اطلاع

بھرائی تھی کہ محاصرے سے گھبرائیں نہیں۔ العادل نے قلعہ دار کو اپنی سکیم بتا دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ قلعہ دار صلیبیوں کی للکار کا جواب پوری دلیری سے اور تیروں کی بوچھاڑ سے دے رہا تھا۔ قلعہ دار العادل کا ماموں شہاب الدین الحارمی تھا۔ رات کو العادل کے ایک ہزار پیادوں نے ٹولیوں میں تقسیم ہو کر اور پھیل کر شب خون کے انداز کا حملہ کیا۔ انہوں نے سب سے پہلے خیموں کی رسیاں کاٹیں اور اوپر سے صلیبیوں کو برچھیوں سے چھلنی کرنا شروع کر دیا۔ خیموں کے نیچے پھنسے ہوئے سپاہی کیا مزاحمت کر سکتے تھے۔

یہ جم کر لڑنے والا معرکہ نہیں تھا۔ یہ سلطان ایوبی کا مخصوص طریقۂ جنگ تھا — "ضرب لگاؤ اور بھاگو"۔ اتنی بڑی فوج کے خلاف ایک ہزار سپاہی جم کر لڑ بھی نہیں سکتے تھے۔ ٹولیوں کو مختلف کام دیئے گئے تھے۔ دو تین ٹولیوں نے صلیبیوں کے گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں کے رسّے کھول دیئے۔ یہ ایک ہزار سپاہی بگولے کی طرح آئے اور دائیں بائیں کو نکل گئے۔ صلیبیوں کی فوج میں ایسا شور اٹھا اور ایسی ہڑبونگ مچی کہ زمین و آسمان کانپنے لگے۔

بالڈون کی آنکھ کھل گئی۔ اُس کے کمانڈر بھی جاگ اُٹھے۔ خیمے سے باہر جا کر بالڈون نے دیکھا کہ کہیں آگ لگی ہوئی ہے۔ العادل کے سپاہیوں نے خیموں کو آگ لگا دی تھی۔ حملے کے وقت انہوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگائے تھے۔ یہ نعرے مسلمان لڑکیوں نے بھی سُنے تھے۔ وہ سمجھ گئیں کہ یہ مسلمان فوج کا حملہ ہے۔ ایک لڑکی نے کہا کہ بھاگ چلو لیکن دو لڑکیاں جوش میں آگئیں۔ وہ بالڈون کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئیں۔ وہاں مشعلیں جلا دی گئیں۔ بالڈون کے باڈی گارڈ اس کے ارد گرد گھوڑوں پر سوار کھڑے ہو گئے۔

اتنے میں زمین بڑی زور سے ہلنے لگی اور ہزاروں گھوڑوں کے ٹاپ سنائی دینے لگے۔ یہ العادل کے سوار تھے جن کی تعداد مسلمان مؤرخ دو ہزار بتاتے ہیں اور یورپی مؤرخ چار ہزار سے زیادہ۔ ان گھوڑ سواروں نے پھیل کر بڑا ہی شدید اور خونریز ہلّہ بولا۔ صلیبی مقابلے کی حالت میں نہیں تھے۔ انہیں ابھی معلوم ہی نہیں ہو سکا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور حملہ آور کہاں سے آئے ہیں۔ اُن کے نعروں سے ثبوت ملتا تھا کہ مسلمان ہیں۔ العادل کے سوار صلیبیوں کے محاصرے کو توڑتے ہوئے اور راستے میں جو آیا اُسے گھوڑوں تلے روندتے یا تلواروں اور برچھیوں کا نشانہ بناتے ہوئے قلعے کی طرف نکل گئے۔ کمانڈروں کی پکار پر انہوں نے گھوڑے پیچھے کو موڑے اور ایڑ لگا دی۔ وہ ایک بار پھر افراتفری میں بھاگتے دوڑتے صلیبیوں میں سے گزرے۔

قلعے کی دوسری طرف جو صلیبی فوج تھی اُس پر حملہ نہیں ہوا تھا۔ اس حصے نے اِدھر کا شور و غوغا اور گھوڑوں کی قیامت خیز آوازیں سنیں تو اُن میں بھی بھگدڑ مچ گئی۔ اِدھر کے صلیبی سپاہی اُدھر کو بھاگے۔ اُن کے ہزارہا گھوڑے، اونٹ اور خچریں کھول دی گئی تھیں۔ انہوں نے بھاگ دوڑ کر سپاہیوں کو کچلنا اور خوفزدہ کرنا شروع کر دیا۔ بالڈون کی فوج کا وہ حصہ بھاگ اٹھا۔

اِدھر چاروں مسلمان لڑکیاں لاپتہ ہو گئیں۔ اِن میں سے ایک اس کوشش میں تھی کہ مسلمان سپاہیوں کو بتائے کہ بالڈون یہاں ہے مگر وہاں سب سوار تھے اور سرپٹ گھوڑے دوڑا رہے تھے۔ وہ صلیبیوں کی فوج

سے دُور نکل گئی۔ دو تین سواروں کے ساتھ چیختی چلاتی دوڑی مگر وہاں اس قدر شور تھا کہ کسی نے اُس کی آواز نہ سنی، کوئی اُس کی طرف توجہ نہ دے سکا۔ وہ دُور پیچھے نکل گئی۔ ایک سوار نے گھوڑا روک لیا۔ لڑکی نے اُسے ہانپتی کانپتی آواز میں بتایا کہ وہ مسلمان ہے اور اُس جیسی تین اور مسلمان لڑکیاں صلیبی بادشاہ کے قبضے میں ہیں۔ بالڈون کی خیمہ گاہ جو اُس کا جنگی ہیڈ کوارٹر بھی تھا، فوج سے الگ اور دُور تھی۔ لڑکی کی آواز پر جس سوار نے گھوڑا روکا تھا وہ کوئی کمانڈر تھا۔ اُس نے لڑکی کو گھوڑے پر بٹھایا اور پیچھے لے گیا۔

وہاں العادل کا ایک سالار تھا جس نے لڑکی کی پوری بات سنی۔ لڑکی نے بالڈون کے ہیڈ کوارٹر کی نشاندہی کی۔ سالار نے وہاں شب خون مارنے اور بالڈون کو پکڑنے کے لیے دو جیش تیار کیا اور خود اُن کی قیادت کی۔ اُس نے سرپٹ گھوڑے دوڑا کر بالڈون کی خیمہ گاہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اُن کے ساتھ جلتی ہوئی مشعلیں بھی تھیں۔ سالار نے بالڈون کو للکارا۔ خیموں کو آگ لگانے کی دھمکی دی مگر وہاں بالڈون نہیں تھا۔ اُس کے باڈی گارڈ بھی وہاں نہیں تھے۔ جو لوگ ہتھیار ڈال کر سامنے آئے اُن میں ملازم، صلیبی اور تین مسلمان لڑکیاں اور چند ایک سپاہی تھے۔ ان سب کو پکڑ لیا گیا۔ بالڈون کے متعلق پوچھا گیا مگر کوئی نہ بتا سکا کہ وہ کہاں ہے۔

اُس وقت بالڈون گھبراہٹ کے عالم میں آگے چلا گیا تھا۔ اُسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مسلمان فوج کا شب خون ہے۔ لیکن وہاں اس قدر بھگدڑ تھی اور اتنے زیادہ گھوڑے دوڑ رہے تھے اور زخمی ایسی بُری طرح چیخ رہے تھے کہ صورتِ حال پر قابو پانا بالڈون کے بس کا روگ نہیں تھا۔ وہ واپس اپنی خیمہ گاہ کو چل پڑا۔ اُس کے ساتھ باڈی گارڈز بھی تھے۔ وہ خیمہ گاہ سے ابھی کچھ دُور ہی تھا کہ اُدھر سے ایک سوار گھوڑا دوڑاتا آیا۔ گھوڑا اُس کے سامنے روک کر بالڈون سے کہا کہ وہ کہیں چلا جائے اپنی خیمہ گاہ میں نہ جائے کیونکہ وہاں مسلمان فوج پہنچ چکی ہے۔ بالڈون نے وہیں سے گھوڑے کا رُخ پھیر لیا۔

رات بھر العادل نے "ضرب لگاؤ اور بھاگو" کی کارروائی جاری رکھی۔ جب صبح طلوع ہوئی تو حماۃ کے قلعے کے ارد گرد صلیبیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان میں زخمی بھی کراہ رہے تھے اور ان میں العادل کے شہیدوں کی لاشیں بھی تھیں۔ خچریں، گھوڑے اور اونٹ دُور دُور بکھرے ہوئے چر رہے تھے۔ وہاں بالڈون تھا نہ اُس کی فوج۔ صلیبی اپنی رسد بھی پھینک گئے تھے۔ العادل نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ دشمن کا سامان اکٹھا کرے اور اُس کے جانوروں کو پکڑے۔

☆

العادل کا یہ حملہ دلیری، جذبے، فنِ حرب و ضرب کے لحاظ سے قابلِ تعریف حملہ تھا مگر جنگی نقطۂ نگاہ سے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا جا سکا۔ ضرورت یہ تھی کہ افراتفری میں بھاگتے ہوئے صلیبیوں کا تعاقب کر کے ان کی جنگی قوت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا جاتا، پھر پیش قدمی کر کے اُس علاقے میں داخل ہوا جاتا جو صلیبیوں نے فتح کر لیا تھا۔ قیدی پکڑے جاتے جنہیں اپنے قیدی چھڑانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا، مگر العادل کے لیے ممکن نہ تھا کہ کامیاب شب خون سے کوئی بڑی کامیابی حاصل کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے پاس فوج کی کمی تھی وہ تعاقب

کے قابل نہیں تھا۔ شب خون اور چھاپہ مارنے سے دشمن کو پریشان اور ادھ موا کیا جاتا ہے۔ اُسے شکست دے کر علاقے پر قبضہ کرنے کے لیے پوری فوج حملہ کرتی ہے۔ العادل نے ایک کام تو کر لیا تھا لیکن اگلے مرحلے کے لیے اُس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

البتہ اُس نے یہ کامیابی حاصل کر لی کہ اُس کی اس قلیل فوج کے جذبے پر رملہ کی شکست کا جو بُرا اثر پڑا تھا وہ صاف ہو گیا اور سپاہیوں کے جذبے تر و تازہ ہو گئے۔ اُن کے دلوں میں یہ اعتماد بحال ہو گیا کہ صلیبی اُن سے برتر نہیں اور وہ کسی بھی میدان میں صلیبیوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ ضرورت فوج میں اضافے کی تھی۔ یہ کامیابی بھی حاصل کی گئی کہ حماۃ کے قلعے کو بچا لیا گیا ورنہ صلیبیوں کو ایک قلعہ بند اڈہ مل جاتا۔

العادل اپنے ہیڈکوارٹر میں دانت پیس رہا تھا۔ اس کے سالاروں کی جذباتی حالت اس سے زیادہ مشتعل تھی۔ اگر اُن کے پاس فوج ہوتی تو وہ اس شب خون کے بعد بہت بڑی کامیابی حاصل کر لیتے اور بالڈوِن اپنی فوج کو زندہ نہ لے جا سکتا۔ العادل نے کاتب کو بلایا اور اسے اپنے بڑے بھائی سلطان صلاح الدین ایوبی کے نام خط لکھوانے لگا۔

"برادرِ بزرگوار، سلطانِ مصر و شام!

"اللہ آپ کو سلطنتِ اسلامیہ کے وقار کی خاطر عمرِ طویل عطا فرمائے۔ میں اس اُمید پر خط لکھ رہا ہوں کہ آپ بخیر و عافیت قاہرہ پہنچ چکے ہوں گے۔ کسی نے اطلاع دی تھی کہ آپ شہید ہو گئے ہیں، پھر معلوم ہوا کہ زخمی ہوئے ہیں۔ میں اور میرے سالار فکرمند رہے۔ آپ نے دانشمندی کی جو راستے سے قاصد بھیج کر ہمیں بتا دیا کہ آپ زندہ و سلامت ہیں اور قاہرہ جا رہے ہیں۔ مجھے توقع ہے کہ آپ نے رملہ کی شکست کو دل پر بار نہیں بنایا ہو گا۔ ہم انشاء اللہ شکست کا انتقام لیں گے، کھوئے ہوئے علاقے واپس لیں گے اور بیت المقدس سے بھی آگے جائیں گے....

"آپ شکست کے اسباب پر غور کر رہے ہوں گے۔ میں اس کی ذمہ داری فوج پر عائد نہیں کروں گا۔ ہمیں شکست کے راستے پر اپنے بھائیوں نے اُسی روز ڈال دیا تھا جس روز وہ ہمارے خلاف صف آرا ہوئے تھے۔ جب دو بھائی آپس میں لڑتے ہیں تو اُن کے دشمن ہمدردی کے پردے میں انہیں ایک دوسرے کے خلاف مشتعل کرتے ہیں۔ ہمارے بھائیوں کو بادشاہی کے نشے نے اندھا کیا۔ وہ دولت جس کی ضرورت سلطنتِ اسلامیہ کو تھی، خانہ جنگی میں ضائع ہوئی۔ ہماری فوج کی بہترین اور تجربہ کار نفری تباہ ہو گئی۔ اُن کی فوج جو اسی خلافت کی فوج تھی جس کے ہم ہیں، صرف اس لیے ضائع ہو گئی کہ چند ایک افراد نے تخت و تاج کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے۔ جس قوم کے سربراہوں میں تخت و تاج کا لالچ پیدا ہو گا، اُس کو وہ اپنے اپنے عزائم کے مطابق دھڑوں میں تقسیم کر کے آپس میں ضرور لڑائیں گے۔ ہمیں اس طرف بھی توجہ دینی پڑے گی کہ قوم دھڑوں اور گروہوں میں تقسیم نہ ہونے پائے۔ مذہبی فرقہ بندیاں ہی کیا کم تھیں کہ سلطانی کے حصول کے لیے قوم گروہوں میں تقسیم ہونے لگی ہے۔ ہمیں شکست تک اسی فرقہ بندی نے پہنچایا ہے مگر اس کی سزا آج سالاروں اور سپاہیوں کو مل رہی ہے۔ ہماری بہترین فوج خانہ جنگی میں ضائع ہوئی۔ اس کی کمی کو ہم نے نئی بھرتی سے پورا کیا اور شکست کھائی۔ میدانِ جنگ سے بے ترتیب بھاگنے والے تمام نئے سپاہی تھے....

"میں نے اور میرے سالاروں نے رملہ کی شکست کے فوراً بعد ثابت کر دیا ہے کہ فوج نہیں ہاری۔ میرے پاس وہی پیادہ اور سوار نفری تھی جو آپ نے میری کمان میں دی تھی۔ آپ نے مجھے محفوظہ (ریزرو) میں رکھا مگر میدانِ جنگ کی کیفیت اس قدر تیزی سے بدل گئی کہ مجھ تک آپ کا کوئی حکم نہ پہنچ سکا۔ یہ بھی پتہ نہ چلا کہ آگے کیا ہو رہا ہے اور میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ پسپا ہونے والے ایک کماندار نے جو دائیں پہلو پر تھا مجھے بڑی ہی تشویش ناک اطلاع دی اور مشورہ دیا کہ میں اپنے دستے استعمال نہ کروں اور حملے کی لغزش نہ کروں۔ میں نے یہی بہتر سمجھا کہ کم از کم ان دستوں کو جو معرکے میں ابھی تک شریک ہی نہیں ہوئے بچا لوں۔ میں نے اپنے جذبات پر قابو پا لیا اور عقل سے کام لیا۔ میں نے حماۃ کی طرف کُوچ کا حکم دے دیا....

"میرے دستوں کا جذبہ کسی حد تک مجروح ہو گیا تھا۔ میں دعا کرتا رہا کہ دشمن میرے سامنے آئے اور میں اپنے دستوں کے جذبے میں جان ڈالوں۔ میں نے مخبر پیچھے چھوڑ دیئے تھے۔ حماۃ کے کوہستان میں مجھے مخبروں نے یہ قیمتی خبریں دیں کہ بالڈوِن میرے تعاقب میں آ رہا ہے۔ وہ اس غلط فہمی میں اپنی تمام تر فوج حماۃ کے قلعے کو محاصرے میں لینے کو لے آیا کہ میں قلعے میں ہوں گا لیکن میں نے آپ کے طریقۂ جنگ کے عین مطابق کوہستان کے اندر دستے چھپا دیئے تھے اور قلعہ دار کو صورتِ حال اور اپنی متوقع چال کے متعلق تفصیلاً بتا دیا تھا۔ میری توقع اللہ نے پوری کی۔ بالڈوِن کی فوج پر جس کی قوت ہم سے دس گنا زیادہ تھی، میرے جانباز جیشوں نے بڑا ہی دلیرانہ اور کامیاب شب خون مارا۔ یہ آپ کی اُس فوج کا شب خون تھا جس کے متعلق تاریخ کہے گی کہ اس نے شکست کھائی تھی۔ میری خواہش ہے کہ یہ شب خون تحریر میں لا کر کاغذات میں رکھ لیا جائے تاکہ آنے والی نسلیں یہ نہ کہیں کہ شکست کے بعد قوم مر جاتی ہے....

"اگر آپ وہ منظر دیکھتے جو اگلے روز کے سورج نے ہمیں دکھایا تو آپ شکست کے صدمے کو بھول جاتے۔ مجھے افسوس ہے کہ بالڈوِن میرے پھندے سے نکل گیا ہے۔ اُسے پکڑا نہیں جا سکا۔ میں اس وقت ایک ٹیکری پر کھڑا کاتب سے یہ خط لکھوا رہا ہوں۔ مجھے حماۃ کا قلعہ نظر آ رہا ہے۔ اس پر وحدتِ مصر و شام کا جھنڈا لہرا رہا ہے۔ قلعے کے ارد گرد صلیبیوں کی لاشوں کے علاوہ کچھ اور دکھائی دیتا ہے تو وہ ہزاروں گدھ ہیں جو لاشوں کو کھا رہے ہیں۔ آسمان سے گدھ اُتر رہے ہیں۔ کہیں کہیں سے دھواں اُٹھ رہا ہے۔ یہ آگ گزشتہ رات میرے چھاپہ ماروں نے لگائی تھی۔ بالڈوِن کی فوج جس افراتفری میں بھاگی ہے اس سے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بالڈوِن جوابی حملہ نہیں کر سکے گا۔ تاہم میں اس کے لیے بھی تیار ہوں....

"اگر میرے پاس اتنے ہی دستے اور ہوتے جتنے اب ہیں تو میں صلیبیوں کا تعاقب کرتا اور شکست کو فتح میں بدل دیتا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے سالاروں، کمانداروں اور تمام تر سپاہ کا لڑنے کا جذبہ تر و تازہ ہو گیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ آرام سے نہیں بیٹھے ہوں گے۔ فوج کے لیے بھرتی اور نئی تنظیم میں مصروف ہو گئے ہوں گے۔ آپ اطمینان سے تیاری کریں۔ میں چھاپہ مار جنگ جاری رکھوں گا۔ دشمن کو کہیں بھی آرام سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔ اس طرح میں کسی علاقے پر قبضہ تو نہیں کر سکوں گا البتہ آپ کو تیاری کا وقت مل جائے گا۔ میں نے دمشق بھائی

شمس الدولہ کو پیغام بھیج دیا ہے کہ مجھے چند ایک دستے اور دیگر سامان بھیجے۔ حلب، الملک الصالح کو بھی پیغام بھیج دیا ہے کہ معاہدے کے مطابق مجھے مدد دے۔ میں آپ کو اللہ کے بھروسے پر تسلی دے رہا ہوں کہ میرے متعلق فکر نہ کریں۔ میں اور میرے سالار آپ کی خیریت اور سرگرمیوں کے متعلق جاننے کو بے تاب ہیں۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اُسی کی ذاتِ باری سے مدد مانگتے ہیں اور ہم سب کو اُسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

الملک العادل"

العادل نے خط پڑھوا کر سنا۔ اس پر دستخط کیے اور قاصد کو دے کر قاہرہ کو روانہ کر دیا۔

☆

قاہرہ کی فضا پر مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی وہاں پہنچ چکا تھا۔ شہر میں اور شہر کے مضافات میں یہی ایک آواز اُبھرتی سنائی دیتی تھی۔ شکست، شکست، شکست — شکوک اور شبہات بھی اُبھرنے لگے تھے۔ شکست جیسے حادثات اور ایسے واقعات جن کے متعلق لوگوں کو کچھ پتہ نہ چل سکے ایسی فضا پیدا کر دیتے ہیں جس سے افواہیں پھوٹتی، پھلتی پھولتی اور پھیلتی ہیں۔ یہ عمل قاہرہ کے اندر بھی اور ارد گرد بھی شروع ہو گیا تھا۔ وہاں دشمن کے تخریب کار اور جاسوس بھی موجود تھے جو یورپ کے باشندے نہیں مصر کے رہنے والے مسلمان تھے۔ اس کی انہیں اُجرت ملتی تھی کہ لوگوں میں یہ مشہور کریں کہ صلیبیوں کے پاس اتنی جنگی قوت ہے جس کے سامنے دنیا کی کوئی فوج نہیں ٹھہر سکتی۔ سلطان ایوبی کی ہاری ہوئی فوج کے خلاف یہ مشہور کیا جانے لگا کہ بیکار اور عیاش فوج ہے۔ جہاں جاتی ہے لوٹ مار کرتی اور مسلمان خواتین کی آبرو ریزی سے بھی گریز نہیں کرتی۔ سلطان ایوبی کی جنگی اہلیت کے خلاف بھی باتیں شروع ہو گئیں۔

لوگ جس قدر سیدھے سادے ہوتے ہیں اتنے ہی زیادہ افواہوں اور جذباتی باتوں کو مانتے ہیں۔ مصریوں نے دہشت کو بھی قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ زیادہ تر دہشت وہ سپاہی پھیلاتے تھے جو اکیلے یا دو دو چار چار کی ٹولیوں میں مصر کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ دیہات کے رہنے والے تھے جنہیں بھرتی کر کے اور تھوڑی سی ٹریننگ دے کر میدانِ جنگ میں لے جایا گیا تھا۔ العادل نے ٹھیک لکھا تھا کہ بادشاہی کے لالچی مسلمان اُمراء اپنی اور سلطان ایوبی کی فوج کو خانہ جنگی میں ضائع نہ کرا دیتے تو نئی بھرتی کو میدانِ جنگ میں لے جانے کا خطرہ مول نہ لیا جاتا۔ ایک غلطی بھرتی کرنے والے چند ایک حکام نے کی تھی جو یہ تھی کہ فوج میں کشش پیدا کرنے کے لیے انہوں نے بھرتی ہونے والوں کو مالِ غنیمت کا لالچ دیا تھا جب کہ ضرورت یہ تھی کہ انہیں جہاد کے فضائل اور اغراض و مقاصد بتائے جاتے اور بتایا جاتا کہ اُن کا دشمن کون ہے، کیسا ہے اور اُس کے عزائم کیا ہیں۔

یہ سپاہی پا پیادہ بھی آ رہے تھے، اونٹوں اور گھوڑوں پر بھی آ رہے تھے۔ جب کوئی سپاہی کسی آبادی میں داخل ہوتا تھا لوگ اُسے گھیر لیتے، کھلاتے پلاتے اور میدانِ جنگ کی باتیں پوچھتے تھے۔ یہ گنوار سپاہی شکست کی خفت مٹانے کے لیے اپنے کمانڈروں کو نااہل اور عیاش ثابت کرتے اور صلیبی فوج کے متعلق دہشت ناک باتیں سناتے تھے۔ بعض کی باتوں سے پتہ چلتا تھا جیسے صلیبیوں کے پاس کوئی مافوق الفطرت قوت ہے جس کے زور

پر وہ جدھر جاتے ہیں صفایا کرتے جاتے ہیں۔

ایسے مؤرخوں کی تعداد زیادہ تو نہیں لیکن دو تین نے جن میں ارنول قابلِ ذکر ہے لکھا ہے کہ صلیبی ایک خفیہ ہتھیار لائے تھے اور یہی اُن کی فتح کا باعث بنا تھا۔ تاریخ کی مستند تحریروں میں اس خفیہ ہتھیار کا آگے چل کر کوئی ذکر نہیں ملتا۔ قاضی بہاؤ الدین شداد کی ڈائری میں جو عینی شہادت ہے، ایسے کسی ہتھیار کا ذکر نہیں۔ اُس دور کے دیگر وقائع نگاروں اور کاتبوں کی تحریریں بھی اس پُراسرار ہتھیار کے متعلق خاموش ہیں۔ غالباً یہ ہتھیار اُس پروپیگنڈے کا ایک خیالی ہتھیار تھا جسے مصر (اور دیگر مسلمان علاقوں) میں صلیبیوں کی دہشت پھیلانے کے لیے کیا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے اس کے بہت زیادہ ذکر سے مؤرخوں نے اسے حقیقی سمجھ لیا ہو۔

یہ خفیہ ہتھیار دراصل پروپیگنڈہ تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ قوم کی نظروں میں فوج کو ذلیل و رسوا کر دیا جائے تاکہ سلطان ایوبی کی فوج قوم کے تعاون اور نئی بھرتی سے محروم ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ مسلمانوں پر صلیبیوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ تیسرا یہ کہ سلطان ایوبی کے خلاف عدمِ اعتماد کی فضا پیدا ہو جائے۔ چوتھا یہ کہ کچھ اور لوگ سلطانی کے دعویدار بن جائیں اور ایک بار پھر خانہ جنگی شروع کرائی جائے۔

سلطان ایوبی دشمن کے اس ہتھیار سے اچھی طرح واقف تھا۔ اُس نے قاہرہ پہنچتے ہی اپنی انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر علی بن سفیان، کوتوال غیاث بلبیس اور ان دونوں کے نائبین کو بلا کر پوری وضاحت سے بتا دیا تھا کہ اب وہ دشمن کے اس زمین دوز حملے کو روکنے کے لیے سخت اقدامات کریں اور اپنے جاسوسوں اور مخبروں کو زیرِ زمین کر کے سرگرم کر دیں — مگر لوگ جاننا چاہتے تھے کہ اس شکست کے اسباب کیا ہیں اور اس کا ذمہ دار کون ہے۔

☆

رملہ سے قاہرہ تک کی مسافت بڑی ہی لمبی تھی اور سفر بھیانک اور کٹھن تھا۔ راستے میں پہاڑی علاقے بھی تھے، مٹی اور ریت کے ٹیلوں کی بھول بھلیاں بھی اور صحرا بھی تھا جو بھولے بھٹکے مسافروں کا خون چوس لیا کرتا ہے۔ سلطان ایوبی کے وہ سپاہی جو میدانِ جنگ سے مصر کو چل پڑے تھے وہ اس لمبی اور بھیانک مسافت میں بکھر گئے تھے۔ ان کی واپسی کا منظر ہیبت ناک تھا۔ ان میں جو ریگزار کے سفر سے آشنا نہیں تھے وہ جہاں گرتے وہاں سے اُٹھ نہیں سکتے تھے۔ اُن کی لاشیں صرف ایک روز سالم نظر آتی تھیں، اگلے روز صحرائی لومڑیاں اور بھیڑیئے ان کی ہڈیاں بکھیر دیتے تھے۔ ٹولیوں میں آنے والے اس انجام سے بچے رہتے تھے اور جو اونٹوں، خچروں اور گھوڑوں پر سوار تھے اُن کے زندہ واپس آ جانے کے امکانات زیادہ تھے۔

ایسی ہی ایک ٹولی چلی آ رہی تھی۔ یہ سب سپاہی تھے اور وہ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار تھے۔ راستے میں اُن کے اکیلے دکیلے ساتھی اُن کے ساتھ ملتے گئے اور یہ ٹولی تیس چالیس افراد کا قافلہ بن گیا۔ وہ اُس بھیانک ریگزار میں سے گزر رہے تھے جو آج صحرائے سینائی کہلاتا ہے۔ اکٹھے ہونے کی وجہ سے اُن کا حوصلہ قائم تھا مگر اُفق تک پانی کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ دُور دُور میدانِ جنگ سے زندہ نکلے ہوئے فوجی، ایک ایک دو دو قدم گھسیٹتے جاتے نظر آتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ کوئی مر جاتا تو

اس کا کوئی ساتھی اُسے ریت میں دفن کر دیتا تھا۔

سواروں کا یہ قافلہ چلا آرہا تھا۔ آگے وہ علاقہ آگیا جہاں مٹی کے اونچے نیچے ٹیلے دیواروں، ستونوں اور مکانوں کی طرح کھڑے تھے۔ کسی نے دُور سے ایک ٹیلے پر ایک آدمی کا سر اور کندھے دیکھے اور وہ غائب ہو گیا۔ دیکھنے والے نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس جگہ چل کر رک جائیں گے، وہاں کوئی اور بھی ہے۔ پانی نہ ملا تو سایہ مل جائے گا۔ قافلے میں اکثریت اُن آدمیوں کی تھی جن کے دماغ تھکن اور پیاس سے ماؤف ہوئے جا رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ جنگ کی باتیں کرتے رہے تھے مگر اب اُن کے منہ سے بات بھی نہیں نکلتی تھی۔ ان کے جانوروں میں ابھی جان تھی اور وہ اچھی طرح چلے جا رہے تھے۔

ایک میل دُور کے ٹیلے سو کوس کی مسافت بن گئی۔ قافلہ وہاں پہنچ گیا اور دو ٹیلوں کے درمیان سے اندر چلا گیا۔ اندر ٹیلوں کا سایہ تھا۔ سب جانوروں سے اُترے۔ جانوروں کو سائے میں چھوڑ کر سب ایک عمودی ٹیلے کے سائے میں بیٹھ گئے۔ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ ایک ٹیلے کی اوٹ سے ایک آدمی سامنے آیا اور بُت بن کر کھڑا ہو گیا۔ وہ سر سے پاؤں تک سفید کپڑوں میں ملبوس تھا۔ ایک لبادہ اور سفید چغہ تھا جو کندھوں سے ٹخنوں تک چلا گیا تھا۔ اس کی داڑھی سیاہ تھی۔ لمبی نہیں تھی۔ خوبی سے تراشی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں عصا تھا جو عموماً عالم فاضل یا خطیب ہاتھ میں رکھتے تھے۔ وہ خاموش کھڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر سب پر خاموشی طاری ہو گئی۔ کسی نے آہستہ سے کہا۔۔۔ "حضرت خضرؑ ہیں"۔

"یہ اس زمین کا انسان نہیں"۔۔۔ ایک اور نے سرگوشی کی۔

قافلے والوں کو ڈر محسوس ہونے لگا۔ وہ تو پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ اس پُراسرار آدمی نے اُن کے ڈر میں اضافہ کر دیا۔ کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اُس سے پوچھتا کہ آپ کون ہیں۔ ایسے ظالم صحرا میں اس حیثیت کے کسی آدمی کی موجودگی حیران کن تھی۔ وہ کوئی فوجی ہوتا تو سپاہیوں کے اس قافلے میں سے کوئی بھی نہ ڈرتا۔۔۔۔ اُن کے ڈر میں اُس وقت دہشت آگئی جب اس آدمی کے پہلو میں ایک عورت اس طرح آن کھڑی ہوئی جیسے اس آدمی کے جسم سے نمودار ہوئی ہو۔ وہ اس کے پیچھے سے سامنے ہوئی اور اس کے پہلو میں کھڑی ہو گئی تھی۔ فوراً بعد اسی طرح ایک اور عورت اُس کے دوسرے پہلو میں نمودار ہوئی۔ دونوں عورتیں سر سے پاؤں تک مستور تھیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے جالی کی طرح باریک کپڑا تھا۔ برقعہ نما لبادے سے اُن کے ہاتھ بھی نظر نہیں آتے تھے۔۔

"تم پر اللہ کی رحمت ہو"۔۔۔ اس آدمی نے کہا۔۔۔ "کیا میں آگے آکر بتا سکتا ہوں کہ ہم کون ہیں؟"

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر اس شخص اور عورتوں کی طرف دیکھا۔ کسی نے ڈرے ہوئے لہجے میں کہا۔۔۔ "آپ ہمارے پاس آئیں اور بتائیں کہ آپ کون ہیں اور ہمیں آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی تعمیل کریں گے"۔

وہ ایسی چال چلتا اُن تک پہنچا جو عام انسان کی چال نہیں تھی۔ اُس کے چلنے میں اور سراپا میں جلال سا تھا۔ دونوں مستورات اُس کے پیچھے پیچھے آئیں۔ سب احترام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ احترام میں ڈر بھی شامل تھا۔ وہ ٹیلے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ مستورات بھی اُس کے پاس بیٹھ گئیں۔ جالی میں سے اُن کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔ ان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ خوبصورت عورتیں ہیں لیکن ان میں سے کسی میں بھی اتنی جرأت نہیں تھی کہ ان آنکھوں کا سامنا کر سکتا۔ سفید پوش شخص اور ان مستورات کے کپڑوں پر گرد تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سفر میں ہیں۔

☆

"میں بھی وہیں سے آیا ہوں جہاں سے تم آرہے ہو"۔۔۔ سیاہ ریش نے جاگے ہوئے مصری سپاہیوں سے کہا۔۔۔ "فرق یہ ہے کہ تم جہاں جا رہے ہو وہ تمہارا گھر ہے اور میں جہاں سے آیا ہوں وہ میرا گھر تھا"۔۔۔ اُس کے لہجے میں سنجیدگی اور اداسی تھی۔

"ہم کس طرح یقین کریں کہ آپ انسان ہیں"۔۔۔ ایک سپاہی نے پوچھا۔۔۔ "ہم آپ کو آسمان کی مخلوق سمجھ رہے ہیں"۔

"میں انسان ہوں"۔۔۔ سیاہ ریش بزرگ نے جواب دیا۔۔۔ "اور یہ دونوں میری بیٹیاں ہیں۔ میں بھی تمہاری طرح رملے سے بھاگ کر آرہا ہوں۔ اگر میرا پیرو مرشد مجھ پر کرم نہ کرتا تو صلیبی مجھے قتل کر دیتے اور میری ان دونوں بیٹیوں کو اپنے ساتھ لے جاتے۔ یہ میرے مُرشد کے مزار کی برکت ہے۔ میں رملہ کا رہنے والا ہوں۔ لڑکپن سے مذہب کا علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ میں نے مسجدوں میں اماموں کی بہت خدمت کی اور اُن سے علم حاصل کیا ہے۔ خدا اپنے رسولؐ کے مذہب کے پرستاروں پر بہت کرم نوازی کرتا ہے۔ ایک رات مجھے خواب میں اشارہ ملا کر بغداد چلے جاؤ اور وہاں کے خطیب کی شاگردی میں بیٹھ جاؤ۔۔۔۔

"میں پیدل چل پڑا۔ میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔ ماں باپ بہت غریب تھے۔ چھوٹا سا مشکیزہ بھی میرے نصیب میں نہیں تھا کہ میں راستے کے لیے پانی ساتھ لے جاتا۔ علم کا عشق مجھے گھر سے نکال لے گیا۔ سب نے کہا یہ لڑکا راستے میں مر جائے گا۔ میری ماں بہت روئی تھی اور میرا باپ بھی بہت رویا تھا مگر میں چل پڑا۔ دن کے وقت پیاس اور بھوک میری جان نکال لیتی تھی۔ شام کے بعد جب میں اس اُمید پر کہیں گر پڑتا تھا کہ مر جاؤں گا میرے قریب پانی کا ایک پیالہ اور کھانے کے لیے کچھ نہ کچھ رکھا ہوتا تھا۔ پہلی بار میں بہت ڈرا تھا۔ میں اسے جنات کا دھوکہ سمجھتا تھا۔ لیکن رات کو خواب میں اشارہ ملا کہ یہ کسی مُرشد کی کرامت ہے۔ مجھے یہ پتہ نہ چلا کہ وہ مُرشد کون ہے اور کہاں ہے۔ میں کھا پی کر گہری نیند سو گیا۔ صبح اٹھا تو وہاں پیالہ بھی نہیں تھا اور جس چنگیر میں روٹیاں تھیں وہ بھی نہیں تھی۔۔۔۔

"بغداد پہنچنے تک راستے میں دو نئے چاند طلوع ہوئے۔ بہت لمبا سفر تھا۔ ہر رات مجھے پیالے میں پانی اور چنگیر میں کھانا ملتا رہا۔ بغداد میں جامع مسجد کے خطیب نے مجھے دیکھا تو میری عرض سنے بغیر بولے کہ میں تمہاری راہ دیکھ رہا ہوں۔ وہ مجھے اپنے حجرے میں لے گئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں ایک چنگیر پڑی تھی اور اس پر ایک پیالہ رکھا تھا۔ خطیب نے پوچھا کہ تمہیں ہر رات کھانا اور پانی ملتا رہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ملتا رہا ہے مگر حیران و پریشان ہوں کہ یہ چنگیر اور پیالہ مجھ تک ہر رات کون لے جاتا اور واپس لاتا رہا ہے۔ وہ بولے۔ جو خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد کرنا چاہی تھی تو دریائے نیل کو حکم دیا تھا کہ راستہ دے دے۔ دریا

کا آگے کا پانی آگے اور پیچھے کا پانی پیچھے رہ گیا اور خشکی کی اس گلی سے حضرت موسیٰؑ نکل آئے تھے اور جب فرعون اُن کے تعاقب میں اس گلی میں داخل ہُوا تو دریا کے دونوں حصے آپس میں مل گئے اور دریا اُسی طرح تیزی سے بہنے لگا جیسے بہتا تھا۔ فرعون غرق ہو گیا....

"خطیبِ محترم نے کہا کہ ہم اُس کی ذات کے تابع ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا اور جو ہمیں باری باری اس دنیا سے اُٹھاتا ہے۔ اس کا جو بندہ اس کے علم کے عشق سے دیوانہ ہوتا ہے جیسے تم ہوئے اُسے وہ صحراؤں میں پیاسا نہیں مرنے دیتا اور دریاؤں میں ڈوبنے نہیں دیتا۔ اُسی کی ذاتِ باری نے مجھے اشارہ دیا کہ ہم نے اپنے ایک بندے کے لیے میلوں کے فاصلے اور ان فاصلوں کی صعوبتیں مٹا دی ہیں۔ تمہارے سینے میں جو علم ہے وہ اس لڑکے کے سینے میں منتقل کر دو اور ہم نے تمہاری خدمت کے لیے جو دو جنات مقرر کر رکھے ہیں انہیں کہو کہ اس لڑکے کو راستے میں پانی اور کھانا پہنچاتے رہیں.... میں نے خدائے ذوالجلال کے حکم کی تعمیل کی۔ ہر رات تمہارے لیے یہاں سے کھانا اور پانی جاتا رہا ہے۔ حیران نہ ہو لڑکے! پریشان بھی نہ ہو۔ بہت کم خوش نصیبوں کے دلوں میں علم کا چراغ روشن ہوتا ہے جس کی خواہش تم لے کر آئے ہو۔ ارادہ نیک ہو، دل میں اللہ کی خوشنودی کی خواہش ہو تو جن و انس غلام ہو جاتے ہیں"

"کیا جنات آپ کے غلام ہیں؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"وہ نہیں" اُس نے جواب دیا "میں اُن کا غلام ہوں۔ کوئی کسی کو غلام نہیں بنا سکتا۔ ہم سب ایک خدا کے ایک جیسے بندے ہیں۔ اونچا اور نیچا امیری اور غریبی سے نہیں ہوتا، ایمان کی پختگی اور کمزوری سے انسانوں کی درجہ بندی ہوتی ہے"

اُس کی باتوں میں ایسا تاثر تھا جس نے سب کے دلوں کو موہ لیا اور سب دم بخود ہو کر سُن رہے تھے۔

اُس نے کہا "بغداد کے خطیب نے میری رُوح کو علم سے روشن کر دیا۔ انہوں نے میری شادی بھی کرائی۔ وہیں میری یہ دونوں بچیاں پیدا ہوئیں۔ میں نے بہت چلّے کیے اور قدرت کے کارخانے کے دو تین راز پا لیے۔ تب ایک رات میرے خطیب استاد نے کہا کہ اب جا اور اُن کی خدمت کر جو علم اپنے ساتھ قبروں میں لیے ابدی نیند سو رہے ہیں۔ انہوں نے مجھے واپس اپنے گھر رملہ چلے جانے کا حکم دیا۔ دو اونٹ دیئے۔ زادِ راہ دیا اور کہا کہ گناہ کا کبھی خیال بھی دل میں نہ آنے دینا۔ رملہ پہنچو گے تو ایک رات تم اپنے ارادے کے بغیر اُٹھ کر چل پڑو گے۔ شاید تمہیں بہت دُور جانا نہیں پڑے گا۔ تمہارے قدم اپنے آپ رُک جائیں گے۔ وہ ایک مقدس جگہ ہو گی۔ اس جگہ کو اپنا آستانہ بنا لینا، مگر مجھے ایک وقت جو ابھی مستقبل کی تاریکیوں میں چھپا ہوا ہے، نظر آ رہا ہے کہ گناہ ہوں گے اور تمہیں دوسروں کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ شاید تمہیں ہجرت کرنی پڑے....

"میں جب اپنی بیوی اور ان دو بچیوں کے ساتھ سفر میں تھا تو آفتاب کی تمازت میرے کنبے کے لیے خنک ہو گئی تھی۔ ہمیں اُس جگہ سے بھی پانی مل جاتا تھا جہاں کی ریت کے ذرّے پانی کی ایک بوند کو ترستے جلتے انگاروں کے شرارے بن کر اُڑتے رہتے ہیں۔ میں رملہ پہنچا تو میرے والدین مر چکے تھے۔ میری بیوی نے

اجڑے ہوئے گھر کو آباد کیا.... میں علم و دانش کے سمندر میں غوطے لگاتا رہا۔ میری بچیاں بڑی ہو گئیں اور ان کی ماں کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ بچیوں نے گھر سنبھال لیا اور ایک رات جب میں گہری نیند سویا ہوا تھا میری آنکھ اس طرح کھل گئی جیسے کسی نے جگایا ہو....

"میں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ بغداد کے خطیب کی برسوں پرانی بات یاد آئی کہ تم اپنے آپ جاگ اُٹھو گے اور ارادے کے بغیر چل پڑو گے۔ ایسے ہی ہُوا۔ میرے ذہن میں کوئی ارادہ، کوئی خیال نہیں تھا۔ میں گھر سے نکل گیا۔ آبادی سے بھی نکل گیا۔ کہیں کہیں ایسے لگتا تھا جیسے کوئی میرے آگے آگے جا رہا ہو۔ معلوم نہیں یہ احساس تھا یا حقیقت۔ میں چلتا گیا۔ معلوم نہیں تم نے وہ جگہ دیکھی ہے یا نہیں جہاں گہرائی ہے اور گہرائی میں ندی بہتی ہے۔ صلیبیوں کی فوج اسی گہرائی میں چھپی ہوئی تھی۔ میں نے سنا تھا کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کو زمین کی آخری تہہ میں چھپا ہوا دشمن بھی نظر آ جاتا ہے مگر وہاں اس کی آنکھوں پر خدا نے ایسی پٹی باندھی کہ اُسے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ خود کہاں ہے۔ صلیبی فوج تمہاری فوج کو پھندے میں لا کر گہرائی میں سے نکلی اور حملہ کیا اور تمہارا جو حال ہُوا وہ تم جانتے ہو....

"اس جنگ سے برسوں پہلے میں رات کو اپنے آپ یا غیب کی قوت کے زیرِ اثر اس گہرائی میں پہنچ گیا اور ایک جگہ میرے قدم رک گئے۔ چاندنی رات تھی۔ مجھے ایک قبر نظر آئی جس کے اردگرد پتھروں کی دو ہاتھ اونچی دیوار تھی۔ میں نے آزمانے کے لیے قدم کسی اور سمت کو اُٹھائے لیکن میں قبر کی طرف گھوم گیا اور پتھروں کی دیوار میں اندر جانے کو جو راستہ بنا ہُوا تھا اس میں داخل ہو گیا۔ میرے ہاتھ اپنے آپ فاتحہ کے لیے اُٹھے۔ مجھے ایسے لگا جیسے وہاں چاندنی زیادہ سفید تھی۔ میرے ذہن میں اپنے آپ خیال آیا کہ خطیبِ محترم نے اسی جگہ کی نشاندہی کی تھی۔ میں قبر کے پاس بیٹھ گیا اور قبر پہ ہاتھ رکھ کر عرض کی کہ مجھ غلام کے لیے کیا حکم ہے۔ مجھے اس کے جواب میں کوئی آواز نہ سنائی دی۔ اپنے آپ ہی خیال آیا کہ مجھے جو فیض ملے گا اسی سے ملے گا.... میں نے رات وہیں گزار دی۔ صبح کے وقت ندی میں جا کر وضو کیا اور قبر پر نماز پڑھی۔ وہاں سے جب رخصت ہُوا تو مجھ پر خمار سا طاری تھا جیسے میں نے خزانہ پا لیا ہو....

"اس کے بعد مجھے اس قبر سے اسی طرح اشارے ملنے لگے کہ کوئی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ میرے دل میں کوئی بات آتی جو میرا یقین بن جاتی تھی۔ میں نے قبر کی دیواریں اونچی کر کے اوپر گنبد بنوا دیا۔ میں دُور دُور تک گیا۔ حلب اور موصل کے علاوہ بیت المقدس تک گیا۔ اب کچھ عرصے سے مجھے اس مزار سے جو اشارے مل رہے تھے وہ اچھے نہیں تھے۔ یہ جس برگزیدہ انسان کا مزار ہے اُس کی روح تڑپتی محسوس ہوتی تھی۔ قبر پر میں نے سبز چادر ڈالی تھی۔ ایک رات چادر پھڑ پھڑائی۔ میں ڈر گیا اور میں نے چادر پہ ہاتھ پھیر کر کہا۔ 'مُرشد! میرے لیے کیا حکم ہے؟'....

"مزار کے اندر مجھے آواز سنائی دی ۔ 'تُو دیکھ نہیں رہا کہ مسلمان شراب پی رہے ہیں؟' اس سے پہلے میں نے آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ اُس نے مجھے کہا کہ میں مسلمانوں کو شراب کی تباہ کاریوں سے خبردار کروں۔ میں نے

علم کی تعمیل کی لیکن شراب پینے والے امراء اور حاکم سنتے جن کے کانوں تک میری آواز نہ پہنچ سکی۔ پھر ایک رات قبر کی چادر نے پھڑپھڑا کر مجھے بتایا کہ مصر سے آئی فوج مسلمانوں کی آبادیوں میں مسلمانوں کے ساتھ وہی سلوک کر رہی ہے جو صلیبی فوج کیا کرتی ہے۔ اُس وقت سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج دمشق میں بھی تھی، اور دمشق سے حلب تک اور وہاں سے رملہ تک جگہ جگہ موجود تھی۔ اس فوج کے کمانداروں نے جس مسلمان گھرانے میں کوئی قیمتی چیز اور رقم دیکھی اٹھا لے گئے۔ انہوں نے پردہ نشین خواتین پر دست درازیاں کیں۔ اُن کی دیکھا دیکھی سپاہیوں نے بھی لوٹ مار اور آبروریزی شروع کر دی۔ یہاں تک پتہ چلا کہ سالاروں اور کمانداروں نے مسلمان لڑکیاں اغوا کر کے اپنے خیموں میں رکھی ہوئی ہیں۔ مزار سے مجھے حکم ملتا تھا کہ میں سلطان ایوبی کے پاس جاؤں اور اُسے بتاؤں کہ یہ فوج خلافتِ بغداد کی ہے مصر کے فرعونوں کی نہیں۔ اگر فوج نے یہ گناہ جاری رکھے تو اس کا حشر فرعونِ موسیٰ جیسا ہوگا.....

"اُس وقت سلطان ایوبی حلب کے قریب خیمہ زن تھا۔ میں اتنی لمبی مسافت طے کر کے اُسے ملنے گیا تو اُس کے محافظوں نے مجھ سے پوچھا کہ تم سلطان سے کیوں ملنا چاہتے ہو۔ میں نے بتایا کہ میں رملہ سے آیا ہوں اور ایک پیغام لایا ہوں۔ انہوں نے پوچھا کہ پیغام کس کی طرف سے ہے۔ میں نے بتایا کہ جس نے پیغام دیا ہے، وہ زندہ نہیں۔ محافظوں نے قہقہہ لگایا اور اُن کے کماندار نے بلند آواز سے کہا کہ آؤ تمہیں ایک پاگل دکھاؤں۔ کہتا ہے قبر سے سلطان کے لیے پیغام لایا ہوں۔ ایک نے کہا یہ شیخ سنان کا بھیجا ہوا فدائی ہے۔ سلطان کو قتل کرنے آیا ہے۔ اسے پکڑ لو۔ کسی نے کہا صلیبیوں کا جاسوس ہے، اسے قتل کر دو۔ میں نے گرفتاری سے بچنے کے لیے یہ ظاہر کیا کہ میں پاگل ہوں۔ میں وہاں سے بھاگ آیا۔ میں نے اپنی آنکھوں دیکھا کہ سلطان کے محافظوں کے ایک خیمے میں دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔"

"ہم نے اپنی فوج کے ساتھ کوئی عورت نہیں دیکھی۔" ایک سپاہی نے کہا۔

"کیا تم اُس وقت سے فوج کے ساتھ ہو جب یہ دمشق گئی تھی؟" سیاہ ریش نے کہا۔

"ہم سب پہلی بار اِدھر آئے ہیں۔" سپاہی نے جواب دیا۔ "ہم فوج میں اتنے پرانے نہیں ہیں۔"

"میں پرانی فوج کی بات کر رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ "اس فوج کے کمانداروں اور سپاہیوں کو سزا مل چکی ہے۔ تم نئے تھے۔ تم نے ابھی کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔ اسی لیے تم زندہ وسلامت واپس آ گئے ہو۔ جنہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے گھر لوٹے تھے اور پردہ دار خواتین پر دست درازی کی تھی وہ مارے گئے ہیں۔ جو زیادہ گناہ گار تھے ان میں سے کسی کی ٹانگیں کٹیں اور کسی کے بازو۔ وہ زندہ تھے تو گدھ اُن کی آنکھیں نکال رہے تھے، اور جو اِن سے بھی زیادہ گناہگار تھے وہ صلیبیوں کی قید میں چلے گئے ہیں جو اُن کے لیے جہنم سے کم نہیں ہوگی، اُن کے لیے کبھی ختم نہ ہونے والی اذیتیں ہیں۔ وہ بھوکے پیاسے تڑپتے رہیں گے مگر مریں گے نہیں۔ مرنے کی دعائیں مانگیں گے۔ اُن کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔"

"کیا ہماری شکست کی وجہ یہی ہے؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"مجھے دو سال پہلے اشارہ مل گیا تھا کہ یہ فوج تباہ ہوگی۔" اُس نے کہا۔ "اور یہ فوج کفار کو موقع دے گی کہ وہ اسلام کی تذلیل کریں۔ اب یہ فوج اللہ کی درگاہ سے دھتکاری گئی ہے۔"

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟" کسی نے پوچھا۔

"میں تمہاری طرح اللہ کے قہر سے جو صلیبی فوج کی صورت میں نازل ہوا ہے بھاگ کر آیا ہوں۔" سیاہ ریش نے جواب دیا۔ "صلیبی فوج طوفان کی طرح آئی۔ تمہاری فوج اسے روک نہ سکی۔ اگر صرف میری اپنی جان ہوتی تو میں اپنے مرشد کے مزار پر جان قربان کر دیتا لیکن اپنی جوان بیٹیوں کی آبرو کو میں قربان نہیں کر سکتا تھا۔ صلیبی دو چیزوں کو نہیں چھوڑتے۔ رقم اور خوبصورت مستورات۔ مجھے مزار سے حکم ملا کہ اپنی بیٹیوں کو ساتھ لو اور مصر کی طرف نکل جاؤ۔ میں نے عرض کی کہ میں زندہ کس طرح پہنچوں گا۔ مزار سے آواز آئی کہ تم نے جلالی جو خدمت کی ہے اس کے عوض تم خیریت سے قاہرہ پہنچ جاؤ گے لیکن وہاں خاموش نہ بیٹھنا۔ ہر کسی کو بتانا کہ گناہ کرو گے تو تمہیں ایسی ہی سزا ملے گی جیسی تمہاری فوج نے بھگتی ہے۔ مجھے مزار نے بہت کچھ بتایا ہے جو میں مصر چل کر بتاؤں گا..... تم ایک دوسرے کو دیکھو۔ تمہارے چہرے لاشوں جیسے ہو گئے ہیں۔ تمہارے جسموں میں جان نہیں رہی۔ مجھے دیکھو، میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ پیدل آ رہا ہوں۔ میرے پاس پیٹ کو کھانے کے لیے بھی نہیں کچھ پینے کے لیے بھی نہیں۔"

"کیا آپ ہمیں مصر تک اپنی طرح لے جا سکتے ہیں؟" ایک سپاہی نے پوچھا۔

"اگر تم یہ وعدہ کرو کہ دلوں سے گناہ کا خیال نکال دو گے۔" اس نے جواب دیا۔ "اور یہ وعدہ بھی کرو کہ میں جس مقصد کے لیے مصر جا رہا ہوں اس میں میرا ساتھ دو گے۔"

"ہم سچے دل سے وعدہ کرتے ہیں۔" بہت سی آوازیں سنائی دیں۔ "ہمیں اپنا مقصد بتائیں ہم جب تک زندہ ہیں آپ کا ساتھ دیں گے۔"

"میں صرف اپنی جان اور اپنی بیٹیوں کی عزت بچانے کے لیے رملہ سے نہیں بھاگا۔" اُس نے کہا۔ "مجھے مزار نے حکم دیا ہے کہ مصر جا کر لوگوں کو بتاؤں کہ تم فرعونوں کی سرزمین کی پیداوار ہو۔ اس مٹی میں گناہوں کی تاثیر ہے۔ حضرت یوسفؑ مصر میں نیلام ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی بے ادبی مصر میں ہوئی تھی۔ مصر میں پیغمبروں کے قبیلے فرعونوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے۔ اے مصر والو! اس مٹی کی تاثیر سے اور اس کی فضا کے اثر سے بچو اور خدا کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو۔ تمہاری تباہی اور سزا شروع ہو چکی ہے۔ میں یہ پیغام مصر والوں کے لیے لے جا رہا ہوں۔ تم اگر یہ پیغام سارے ملک میں پھیلانے میں میری مدد کرو گے تو تمہاری دنیا بھی بہشت بنی رہے گی اور آخرت میں بھی تمہارے لیے بہشت کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔"

☆

سورج غروب ہونے میں ابھی بہت دیر باقی تھی۔ رملہ کی طرف سے آنے والے دو تین سپاہی قریب سے گزرے۔ سیاہ ریش نے کہا کہ انہیں روک لو۔ یہ رات تک زندہ نہیں رہیں گے۔ انہیں روک لیا گیا۔ وہ سسکیوں کی طرح پانی مانگ رہے تھے۔ سیاہ ریش نے انہیں کہا۔ "پانی رات کو ملے گا۔ اُس وقت تک اُس خدا کو یاد کرو

جس نے تمہیں ریت سے زندہ نکالا اور نئی زندگی دی ہے۔"

کچھ دیر بعد دو آدمی گھوڑوں پر سوار ادھر سے گزرے۔ وہ فوجی نہیں تھے۔ انہوں نے اس قافلے کو دیکھا۔ پھر سیاہ ریش کو دیکھا۔ انہوں نے گھوڑے روک لیے، کُود کر اُترے، گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر دوڑے آئے۔ دونوں نے سیاہ ریش کے سامنے سجدہ کیا پھر اُس کے ہاتھ چومے اور پوچھا — "یا مُرشد! آپ کہاں؟" اس کا جواب سُن کر ان دونوں نے سپاہیوں کو بتایا کہ وہ کتنے خوش نصیب ہیں کہ اللہ کی بھیجی ہوئی اس بزرگ و برتر شخصیت کا ساتھ انہیں میسر آیا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ سیاہ ریش نے ایک سال پہلے بتا دیا تھا کہ مصر کی گناہگار فوج اس مزار کے علاقے میں آگئی تو تباہ ہو جائے گی۔

"اِدھر اُدھر دیکھو۔" سیاہ ریش نے سب سے کہا — "جہاں کہیں کوئی بھولا بھٹکا — پھرتا جاتا نظر آئے اُسے یہاں لے آؤ۔ رات کو یہاں کوئی بھوکا اور پیاسا نہیں رہے گا۔"

گزرنے کا یہی ایک راستہ تھا۔ باقی تمام علاقہ ٹیلوں کا تھا اور یہ وسیع علاقہ تھا۔ اس کے اندر جانا بیکار تھا۔ باہر سے ہی پتہ چل رہا تھا کہ یہاں پانی کا نام و نشان نہیں۔ سب کو موت نظر آرہی تھی۔ مصر کی سرحد ابھی بہت دُور تھی۔ یہ لوگ سہارے ڈھونڈ رہے تھے۔ وہ سیاہ ریش کے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ اس کی ہر ایک بات اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی تھی مگر پیاس کی شدت سے دو تین سپاہی غشی کی حالت میں چلے گئے تھے۔ سیاہ ریش انہیں تسلیاں دے رہا تھا۔

سورج غروب ہو گیا پھر رات تاریک ہو گئی۔ بہت دیر بعد جب صحرا خاموش تھا ٹیلوں کے اندر سے ایک پرندے کی آواز سنائی دی۔ سب چونک اُٹھے۔ ایسے جہنم میں جہاں پانی کا تصور بھی نہیں تھا اور موت سر پر منڈلا رہی تھی وہاں پرندے کی آواز غیر قدرتی تھی۔ یہ پرندہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ سب کی سانسیں رُک گئیں۔ یہ کوئی بدروح ہو سکتی تھی۔

"اللہ تیرا شکر۔" سیاہ ریش نے سکون کی آہ لے کر کہا — "میری دعا قبول ہو گئی ہے۔" اُس نے اپنے سامنے بیٹھے ہوئے دو سپاہیوں سے کہا — "تم دونوں اُس طرف جاؤ۔ چالیس قدم گنو۔ وہاں سے دائیں کو مُڑ جاؤ۔ چالیس قدم گنو۔ وہاں سے بائیں کو مُڑ جاؤ۔ آگے کہیں آگ جلتی نظر آئے گی۔ اس کی روشنی میں تمہیں پانی نظر آئے گا۔ شاید کھانے کے لیے بھی کچھ ہو۔ جو کچھ وہاں پڑا ہو اُٹھا لانا۔ یہ آواز پرندے کی نہیں غیب کا اشارہ ہے۔"

"میں نہیں جاؤں گا۔" ایک سپاہی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "میں جنات کی جگہ نہیں جاؤں گا۔"

وہ دو آدمی اُٹھ کھڑے ہوئے جو بعد میں گھوڑوں پر سوار آئے تھے اور سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا تھا۔ ایک نے سپاہیوں سے کہا — "مت ڈرو۔ جنات تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ انہیں حکم ملا ہوا ہے کہ یہ بزرگ جہاں جائیں انہیں کھانا اور پانی پہنچاتے رہیں گے۔ ہم ان کے معجزوں سے واقف ہیں..... دو تین آدمی ہمارے ساتھ چلو۔"

وہ دو تین سپاہیوں کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ سیاہ ریش کے کہنے کے مطابق انہوں نے قدم گنے اور

مڑے۔ وہ ٹیلوں کے درمیان سے گزرے تو انہیں ایک جگہ آگ جلتی نظر آئی۔ سب کلمہ طیبہ کا ورد کرتے آگے بڑھے۔ آگ کی روشنی میں پانی سے بھرے ہوئے چار پانچ مشکیزے پڑے تھے اور کپڑے کے ایک تھیلے میں کھجوریں بھری ہوئی تھیں۔ انہوں نے مشکیزے اور تھیلا اٹھایا اور سیاہ ریش کے آگے یہ سامان جا رکھا۔ اُس نے سب میں تھوڑی تھوڑی کھجوریں تقسیم کیں اور دو مشکیزے اُن کے حوالے کر کے کہا کہ ضرورت سے زیادہ پانی نہ پئیں، پانی بچانے کی کوشش کریں — اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہ رہی کہ سیاہ ریش کوئی عام قسم کا درویش نہیں، اللہ کے مصاحبوں میں سے ہے۔ اُس نے سب کو تیمم کرایا اور باجماعت نماز پڑھائی۔ پھر سب سو گئے۔

ابھی سحر تاریک تھی جب اُس نے سب کو جگا دیا اور قافلہ مصر کو روانہ ہو گیا۔ سیاہ ریش کو ایک اونٹ پر اور اُس کی بیٹیوں کو دوسرے اونٹ پر سوار کرا دیا گیا تھا — راستے میں انہیں تین چار سپاہی ملے جو مصر کو جا رہے تھے۔ سیاہ ریش نے انہیں پانی پلایا، کھجوریں کھلائیں اور دو شتر سواروں کے پیچھے انہیں سوار کرا دیا۔ اس قافلے سے دائیں طرف دُور ایک اور قافلہ جا رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ انہیں بھی ساتھ ملا لیا جائے۔ سیاہ ریش نے کہا کہ وہ ہماری طرح بھاگے ہوئے لوگ معلوم نہیں ہوتے۔ اُن کا اور ہمارا کوئی ساتھ نہیں۔

☆

بہت دنوں بعد سپاہیوں کا یہ قافلہ سیاہ ریش کی قیادت میں مصر کی سرحد میں داخل ہوا۔ وہ دو آدمی جنہوں نے سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا تھا راستے میں سپاہیوں کو سیاہ ریش کے معجزے سناتے گئے تھے۔ انہوں نے سپاہیوں سے کہا تھا کہ اسے جو کوئی اپنے گاؤں میں رکھے گا اُسے رزق کی کوئی کمی نہیں ہوگی اور خدا اُس پر ہمیشہ مہربان رہے گا۔ ایک ہی گاؤں کے تین چار سپاہی اُسے وہاں رکھنے کے لیے تیار ہو گئے۔ سیاہ ریش سے کہا گیا کہ وہ اُن کے گاؤں چلے۔ اُس نے کچھ باتیں پوچھیں اور اُن کے گاؤں جانے پر آمادہ ہو گیا۔

یہ ایک بڑا گاؤں تھا جو قاہرہ سے دُور نہیں تھا۔ قافلہ جب اس گاؤں میں داخل ہوا تو سپاہیوں کو دیکھ کر گاؤں کے لوگ اُن کے گرد جمع ہو گئے۔ اُن کے جانوروں کے آگے چارہ ڈالا۔ قافلے والوں کو کھانا اور پانی دیا اور اُن سے محاذ کی باتیں سننے بیٹھ گئے۔ انہیں سیاہ ریش کے متعلق بتایا گیا کہ خدا کے مصاحبوں میں سے ہے اور اسے خدا جنات کے ہاتھوں رزق پہنچاتا ہے۔ لوگوں کو اُس کی مختصر سی داستانِ حیات بھی سنائی گئی۔ اس دوران وہ آنکھیں بند کیے مراقبے میں رہا۔ اُس کی بیٹیوں کو اس گاؤں کا رہنے والا ایک سپاہی اپنے گھر لے گیا۔

"محاذ کا راز مجھ سے پوچھو۔" سیاہ ریش نے کہا — "یہ سپاہی ہیں۔ یہ صرف لڑتے ہیں۔ انہیں کچھ علم نہیں ہوتا کہ انہیں لڑانے والوں کی نیت کیا ہے۔ ان چند ایک سپاہیوں نے جنہیں میں صحرا کی آگ سے زندہ نکال لایا ہوں، اُس فوج کے گناہوں کی سزا بھگتی ہے جو ان سے بہت پہلے ملک شام کو گئی تھی۔ اُس فوج نے ہر میدان میں فتح حاصل کی۔ وہاں کی وادیاں اور وہاں کے صحرا، سلطان ایوبی زندہ باد، کے نعروں سے گونجتے لرزتے رہے۔ اس فوج نے ہر جگہ زر و جواہرات اور عورتیں دیکھیں۔ وہاں کی عورتیں مصر کی عورتوں سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ فتح کے نشے نے اُس فوج میں فرعونیت پیدا کر دی۔ دماغوں میں صرف مالِ غنیمت رہ گیا، پھر اُس فوج کے سالاروں'

کمانداروں اور سپاہیوں نے قوم کی عزت اور غیرت کو خیرباد کہا اور مسلمانوں کے گھروں میں بھی لوٹ مار شروع کر دی۔ جہاں کوئی خوبصورت عورت اور جوان لڑکی نظر آئی اُسے بے آبرو اور اغوا کیا۔ یہ سب مسلمان مستورات تھیں، انہیں خیموں میں رکھا گیا۔"

"کیا سلطان صلاح الدین ایوبی اندھا تھا؟" کسی نے تھرا کر آواز میں پوچھا — "وہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ اُس کی سپاہ کیا کر رہی ہے؟"

"خدا جب سزا دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اماموں، عالموں اور حکمرانوں کی عقل پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے۔" سیاہ ریش نے کہا۔ "سلطان صلاح الدین ایوبی خود فتح کے نشے سے بدمست ہو گیا تھا۔ وہ شاید خدا کے وجود کو اور اُس کی لاٹھی کو بھول گیا تھا۔ اُس کے گرد اُس کے محافظوں اور عیاش سالاروں نے ایسا گھیرا ڈال رکھا تھا کہ کسی مظلوم کی فریاد اُس تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ جو بادشاہ فریادیوں کے لیے انصاف کے دروازے اور اپنے کان بند کر لیتا ہے وہ اللہ کی بخشش سے محروم ہو جاتا ہے۔ مجھے دو سال سے اشارے مل رہے تھے کہ یہ فوج اعمالِ بد سے باز نہ آئی تو تباہ ہو گی۔ مجھے راتوں کو غیب کی آوازیں سنائی دیتی رہیں مگر جن کے لیے آوازیں آتی تھیں اُن کے کان بند تھے.....

"پھر خدا نے یوں کیا کہ اُن کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے اور جسے صلیب کے کفار میدانِ جنگ کا دیوتا کہتے ہیں عقل کا ایسا اندھا ہوا کہ ساری چالیں بھول گیا۔ اُس کی چال دشمن چل گیا اور اُسے ایسی شکست ہوئی کہ تن تنہا مصر پہنچا۔"

"ہم صلیبیوں سے شکست کا انتقام لیں گے۔" ایک جوشیلے دیہاتی نے کہا — "ہم اپنے بیٹوں کو قربان کر دیں گے۔"

"فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے۔" سیاہ ریش نے کہا۔ "اُس کی ذات نے حکم شکست کا دیا ہو تو بندوں کا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ میں بھی اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ مصر کے بچے بچے کو شکست کا انتقام لینے کے لیے تیار کروں لیکن سزا کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا۔ تم اگر اپنے بیٹوں کو فوراً فوج میں بھرتی کرا کے محاذ پر بھیج دو گے تو وہ مریں گے اور شکست کھائیں گے۔ ہر عمل کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ وہ وقت ابھی دور ہے جب شکست کو فتح میں بدل دو گے۔ سب سے پہلے خدا کو یاد کرو۔ اُس سے اپنے اُن بیٹوں کے گناہوں کی بخشش مانگو جنہیں تم نے ملک شام میں بھیجا تھا۔"

☆

"شکست کی ذمہ داری میرے سر پر ڈالو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ وہ اپنے سالاروں، نائب سالاروں، کمانداروں اور شہری انتظامیہ کے حکام سے خطاب کر رہا تھا — "شکست کے اسباب بڑے واضح ہیں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نئی بھرتی لے کر گیا۔ اگر میں زیادہ انتظار کرتا اور مصر میں بیٹھا رہتا تو دشمن سارے شام میں پھیل جاتا۔ میں نے فوج کی جس کمی کو نئے سپاہیوں سے پورا کیا ہے اس کے متعلق تم جانتے ہو کہ اس کا ذمہ دار کون ہے، لیکن میں اب اس بحث میں وقت ضائع نہیں کروں گا کہ اس کا ذمہ دار فلاں ہے اور وہ گناہ فلاں نے کیا ہے۔ اگر جرم عائد کرنے ہیں تو مجھ پر کرو۔ فوج کو میں نے لڑایا ہے۔ اگر چالیں غلط تھیں تو میری تھیں۔ اس کا کفارہ مجھے ادا کرنا ہے اور میں کروں گا۔ فتح اور شکست ہر معرکے کا انجام ہوتا ہے۔ آج ہم اُس انجام سے دوچار ہوئے ہیں جس کے لیے تم ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔ اسی لیے تم سب کے چہروں پر اداسی اور آنکھوں میں بے چینی ہے۔ اگر تم مجھے شکست کی سزا دینا چاہتے ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ میرے کانوں میں یہ آوازیں بھی پہنچ رہی ہیں کہ میری فوج شام میں جا کر آبرو ریزی، لوٹ مار اور شراب خوری کی عادی ہو گئی تھی۔ مجھے یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ میں نے خلیفہ بغداد پر دہشت طاری کرنے کے لیے دانستہ شکست کھائی ہے اور میں شکست کو فتح میں بدل کر خلیفہ کو اپنا مرید بنانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے فرعون تک کہا جا رہا ہے۔ میں کسی بھی الزام کا جواب نہیں دوں گا۔ ان الزامات کا جواب میری زبان نہیں میری تلوار دے گی۔ میں الفاظ سے نہیں عمل سے ثابت کروں گا کہ یہ کس کے گناہ تھے جن کی سزا مجھے اور میرے مجاہدین کو ملی ہے۔"

اتنے میں دربان نے اطلاع دی کہ حماۃ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے فوراً اندر بلایا۔ گرد و غبار سے اَٹے ہوئے اور تھکن سے چُور قاصد نے سلطان ایوبی کو العادل کا پیغام دیا۔ پیغام کھول کر پڑھا تو سلطان ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے پیغام ایک سالار کے ہاتھ میں دے کر کہا — "یہ پڑھ کر سب کو سناؤ۔"

جوں جوں سالار پیغام پڑھتا جا رہا تھا سب کی آنکھوں میں چمک آتی جا رہی تھی۔ سسکیوں کی طرح تین چار سرگوشیاں سنائی دیں — "زندہ باد۔ زندہ باد۔"

"یہ گناہ گاروں کا کارنامہ ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا — "تم میں سے جو قاہرہ میں تھے نہیں جانتے کہ العادل کے پاس کتنی فوج ہے۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ بالڈون کے پاس دس گنا زیادہ فوج تھی۔ اُس کے سوار زرہ پوش ہیں۔ اُس کے پیادے لوہے کے خود پہنتے ہیں۔ کیا العادل کے مجاہدین نے ثابت نہیں کر دیا کہ ہم شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں؟ کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ سر پکڑ کر بیٹھ جاؤں؟ اگلی جنگ کی تیاری کرو۔ مجھے فوج [illegible] بھرتی دو۔ تمہیں قبلہ اوّل پکار رہا ہے۔ میں دشمن کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہیں کروں گا۔"

العادل کے پیغام نے جہاں سلطان ایوبی کو حوصلہ دیا وہاں تمام سالاروں وغیرہ کے بھی مجروح حوصلے تر و تازہ ہو گئے۔ اُن میں سے بعض کے دلوں میں سلطان ایوبی اور اُس کی فوج کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ وہ صاف ہونے لگے۔ العادل نے اسی ایک معرکے پر اکتفا نہیں کی۔ اُس نے اپنے دستوں کو تیس سے چالیس کی نفری کے جیشوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں اُس علاقے میں لے گیا جہاں بالڈون کی فوج خیمہ زن ہو گئی تھی۔ العادل نے اپنے جیشوں کے کمانداروں کو شبخون مارنے اور غائب ہو جانے کی ہدایات دیں۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن کو پریشان رکھا جائے تاکہ وہ پیش قدمی بھی نہ کر سکے اور آرام سے بیٹھ بھی نہ سکے۔

کمانڈروں اور سپاہیوں نے قوم کی عزت اور غیرت کو خیرباد کہا اور مسلمانوں کے گھروں میں بھی لوٹ مار شروع کر دی۔ جہاں کوئی خوبصورت عورت اور جوان لڑکی نظر آئی اُسے بے آبرو اور اغوا کیا۔ یہ سب مسلمان مستورات تھیں جنہیں خیموں میں رکھا گیا۔"

"کیا سلطان صلاح الدین ایوبی اندھا تھا؟" کسی نے تھرائی ہوئی آواز میں پوچھا — "وہ دیکھ نہیں سکتا تھا کہ اُس کی سپاہ کیا کر رہی ہے؟"

"خدا جب سزا دینے کا فیصلہ کرتا ہے تو اماموں، عالموں اور حکمرانوں کی عقل پر بھی پردہ ڈال دیتا ہے۔" سیاہ ریش نے کہا۔ "سلطان صلاح الدین ایوبی خود فتح کے نشے سے بدمست ہو گیا تھا۔ وہ شاید خدا کے وجود کو اور اس کی وحدت کو بھول گیا تھا۔ اُس کے گرد اُس کے محافظوں اور عیاش سالاروں نے ایسا گھیرا ڈال رکھا تھا کہ کسی مظلوم کی فریاد اُس تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی۔ جو بادشاہ فریادیوں کے لیے انصاف کے دروازے اور اپنے کان بند کر لیتا ہے وہ اللہ کی بخشش سے محروم ہو جاتا ہے۔ مجھے دو سال سے اشارے مل رہے تھے کہ یہ فوج اعمالِ بد سے باز نہ آئی تو تباہ ہو گی۔ مجھے راتوں کو غیب کی آوازیں سنائی دیتی رہیں مگر جن کے لیے آوازیں آتی تھیں اُن کے کان بند تھے....

"پھر خدا نے یوں کیا کہ اُن کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دیں اور سلطان صلاح الدین ایوبی جو میدانِ جنگ کا بادشاہ ہے اور جسے صلیب کے کفار میدانِ جنگ کا دیوتا کہتے ہیں عقل کا ایسا اندھا ہوا کہ ساری چالیں بھول گیا۔ اُس کی چال دشمن چل گیا اور اُسے ایسی شکست ہوئی کہ تن تنہا مصر پہنچا۔"

"ہم صلیبیوں سے شکست کا انتقام لیں گے۔" ایک جوشیلے دیہاتی نے کہا — "ہم اپنے بیٹوں کو قربان کر دیں گے۔"

"فتح اور شکست خدا کے اختیار میں ہے۔" سیاہ ریش نے کہا۔ "اُس کی ذات نے حکم شکست کا دیا ہو تو بندوں کا جوش سرد پڑ جاتا ہے۔ میں بھی اسی لیے یہاں آیا ہوں کہ مصر کے بچے بچے کو شکست کا انتقام لینے کے لیے تیار کروں لیکن سزا کا وقت ابھی ختم نہیں ہوا۔ تم اگر اپنے بیٹوں کو فوراً فوج میں بھرتی کرا کے محاذ پر بھیج دو گے تو وہ مریں گے اور شکست کھائیں گے۔ ہر عمل کے لیے ایک وقت مقرر ہوتا ہے۔ وہ وقت ابھی دور ہے جب شکست کو فتح میں بدل دو گے۔ سب سے پہلے خدا کو یاد کرو۔ اُس سے اپنے اُن بیٹوں کے گناہوں کی بخشش مانگو جنہیں تم نے ملک شام میں بھیجا تھا۔"

☆

"شکست کی ذمہ داری میرے سر پر ڈالو۔" سلطان ایوبی نے کہا۔ وہ اپنے سالاروں، نائب سالاروں، کمانڈروں اور شہری انتظامیہ کے حکام سے خطاب کر رہا تھا۔ "شکست کے اسباب بڑے واضح ہیں۔ مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں نئی بھرتی لے کر گیا۔ اگر میں زیادہ انتظار کرتا اور مصر میں بیٹھا رہتا تو دشمن سارے شام میں پھیل جاتا۔ میں نے فوج کی جس کمی کو نئے سپاہیوں سے پورا کیا ہے اس کے متعلق تم جانتے ہو کہ اس کا ذمہ دار کون ہے،

لیکن میں اب اس بحث میں وقت ضائع نہیں کروں گا کہ اس کا ذمہ دار فلاں ہے اور وہ گناہ فلاں نے کیا ہے۔ اگر جرم عائد کرنے ہیں تو مجھ پر کرو۔ فوج کو میں نے لڑایا ہے۔ اگر چالیں غلط تھیں تو میری تھیں۔ اس کا کفارہ مجھے ادا کرنا ہے اور میں کروں گا۔ فتح اور شکست ہر معرکے کا انجام ہوتا ہے۔ آج ہم اس انجام سے دوچار ہوئے ہیں جس کے لیے تم ذہنی طور پر تیار نہیں تھے۔ اسی لیے تم سب کے چہروں پر اداسی اور آنکھوں میں بے چینی ہے۔ اگر تم مجھے شکست کی سزا دینا چاہتے ہو تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔ میرے کانوں میں یہ آوازیں بھی پہنچ رہی ہیں کہ میری فوج شام میں جا کر آبروریزی، لوٹ مار اور شراب خوری کی عادی ہو گئی تھی۔ مجھے یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ میں نے خلیفہ بغداد پر دہشت طاری کرنے کے لیے دانستہ شکست کھائی ہے اور میں شکست کو فتح میں بدل کر خلیفہ کو اپنا مرید بنانے کی کوشش کروں گا۔ مجھے فرعون تک کہا جا رہا ہے۔ میں کسی بھی الزام کا جواب نہیں دوں گا۔ ان الزامات کا جواب میری زبان نہیں میری تلوار دے گی۔ میں الفاظ سے نہیں عمل سے ثابت کروں گا کہ یہ کس کے گناہ تھے جن کی سزا مجھے اور میرے مجاہدین کو ملی ہے۔"

اتنے میں دربان نے اطلاع دی کہ حماۃ سے قاصد آیا ہے۔ سلطان ایوبی نے اُسے فوراً اندر بلایا۔ گرد و غبار سے اٹے ہوئے اور تھکن سے چُور قاصد نے سلطان ایوبی کو العادل کا پیغام دیا۔ پیغام کھول کر پڑھا تو سلطان ایوبی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اُس نے پیغام ایک سالار کے ہاتھ میں دے کر کہا — "یہ پڑھ کر سب کو سنا دو۔"

جوں جوں سالار پیغام پڑھتا جا رہا تھا سب کی آنکھوں میں چمک آتی جا رہی تھی۔ سسکیوں کی طرح تین چار سرگوشیاں سنائی دیں — "زندہ باد۔ زندہ باد۔"

"یہ گناہگاروں کا کارنامہ ہے۔" سلطان ایوبی نے کہا — "تم میں سے جو قاہرہ میں تھے نہیں جانتے کہ العادل کے پاس کتنی فوج ہے۔ تم یہ بھی نہیں جانتے کہ بالڈون کے پاس دس گنا زیادہ فوج تھی۔ اُس کے سوار زرہ پوش ہیں۔ اُس کے پیادے لوہے کے خود پہنتے ہیں۔ کیا العادل کے مجاہدین نے ثابت نہیں کر دیا کہ ہم شکست کو فتح میں بدل سکتے ہیں؟ کیا تم مجھ سے یہ توقع رکھتے ہو کہ سر پکڑ کر بیٹھ جاؤں؟ اگلی جنگ کی تیاری کرو۔ مجھے فوج دو، بھرتی دو۔ تمہیں قبلہ اوّل پکار رہا ہے۔ میں دشمن کے ساتھ کوئی سمجھوتہ اور کوئی معاہدہ نہیں کروں گا۔"

العادل کے پیغام نے جہاں سلطان ایوبی کو حوصلہ دیا وہاں تمام سالاروں وغیرہ کے بھی مجروح حوصلے تروتازہ ہو گئے۔ اُن میں سے بعض کے دلوں میں سلطان ایوبی اور اس کی فوج کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے تھے۔ وہ صاف ہونے لگے۔ العادل نے اسی ایک معرکے پر اکتفا نہیں کی۔ اُس نے اپنے دستوں کو تیس تیس چالیس چالیس کی نفری کے جیشوں میں تقسیم کر دیا اور انہیں اُس علاقے میں لے گیا جہاں بالڈون کی فوج خیمہ زن ہو گئی تھی۔ العادل نے اپنے جیشوں کے کمانڈروں کو شبخون مارنے اور غائب ہو جانے کی ہدایات دیں۔ مقصد یہ تھا کہ دشمن کو پریشان رکھا جائے تاکہ وہ پیش قدمی بھی نہ کر سکے اور آرام سے بیٹھ بھی نہ سکے۔

بالڈون پہلے ہی نقصان اٹھا چکا تھا۔ وہ اِس ارادے سے اتنی زیادہ فوج لے کر آیا تھا کہ دمشق تک کے علاقے پر قبضہ کرے گا۔ اب اُس کی یہ حالت ہو گئی کہ ہر رات خیمہ گاہ کے کسی نہ کسی حصے پر تیروں کی بوچھاڑ ہوتی یا حملہ ہوتا تھا۔ فوج کے بیدار ہونے تک حملہ آور دُور نکل گئے ہوتے تھے۔ بالڈون نے فوج کو تمام تر علاقے میں دُور دُور پھیلا دیا۔ العادل کے چھاپہ ماروں کو پکڑنے کے لیے اُس نے بھی ٹولیاں تیار کیں جو رات کو گشت پر رہتی تھیں مگر ہر صبح بالڈون کو یہ خبر سننی پڑتی تھی کہ آج فلاں کیمپ پر حملہ ہوا ہے یا فلاں ٹولی ماری گئی ہے۔ وہ علاقہ پہاڑی تھا۔ اس سے العادل کے چھاپہ مار جیش خوب فائدہ اٹھا رہے تھے مگر یہ فائدہ العادل کو بہت مہنگا پڑ رہا تھا۔ چھاپہ مار اتنی دلیری سے شب خون مارتے تھے کہ دشمن کے کیمپ کے اندر چلے جاتے اور اُن میں سے چند ایک جانیں قربان کر دیتے تھے۔

اس طریقۂ جنگ اور اس قربانی سے العادل کوئی علاقہ فتح نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دشمن کو وہاں سے پیچھے بھی نہیں ہٹا سکتا تھا لیکن یہ فائدہ کچھ کم نہ تھا کہ صلیبیوں کی اتنی بڑی فوج پیشقدمی کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ اگر بالڈون پیشقدمی کرتا تو آمنے سامنے جنگ میں العادل اتنی قلیل فوج سے اُس کے سامنے دو گھنٹے بھی نہ ٹھہر سکتا۔ اُس نے بالڈون کے کیمپ میں کام کرنے والے مقامی لوگوں میں اپنے جاسوس بھی چھوڑ رکھے تھے۔ وہ دشمن کی ذرا ذرا سی حرکت کی اطلاع العادل کو دے دیتے تھے۔ ایک بار ان جاسوسوں میں سے ایک نے صلیبیوں کے اُس خشک گھاس کے پہاڑ جیسے انبار کو آگ لگا دی تھی جو انہوں نے گھوڑوں کے لیے جمع کر رکھا تھا۔

العادل کو اطلاع مل چکی تھی کہ دمشق سے تھوڑی سی کمک آ رہی ہے۔ حلب سے کمک ملنے کی توقع نہیں تھی۔ الملک العالح نے پیغام کا جواب دیا تھا کہ صلیبی (فرینکس جنہیں فرنگی کہا جاتا تھا) قلعہ حرن کو محاصرے میں لینا چاہتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا ہی کیا تو اُن پر حلب کی فوج سے حملہ کیا جائے گا۔

☆

چند ایک یورپی مؤرخین نے صلیبی جنگوں کے اِس دَور کے متعلق لکھا ہے کہ رملہ کی شکست کے بعد اسلامی فوج کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے جو دستے بچ گئے تھے انہوں نے لوٹ مار کو پیشہ بنا لیا۔ وہ صلیبیوں کے فوجی قافلوں کو لُوٹ لیتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوٹ مار خود صلیبی کرتے تھے۔ زیادہ تر مؤرخ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی اس سلسلے کی کہانیوں میں مؤرخوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ صلیبی فوج مقبوضہ علاقوں میں مسلمان قافلوں کو لوٹ لیا کرتی تھی اور یہ لوٹ مار اِس طرح کی جاتی تھی جیسے یہ کوئی فوجی ڈیوٹی ہو۔ جن مسلمان دستوں کے متعلق چند ایک مؤرخوں نے یہ لکھا ہے کہ وہ لوٹ مار کرنے لگے تھے وہ العادل کے چھاپہ مار جیش تھے جنہوں نے شاہ بالڈون کی اتنی بڑی فوج کو گوریلا آپریشن سے ایک ہی علاقے میں اُلجھا لیا تھا۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ شبخون (گوریلا آپریشن) العادل کو مہنگا پڑ رہا تھا لیکن اُس کے ٹروپس کا جذبہ ایسا تھا کہ کوئی سپاہی منہ نہیں پھیرتا تھا۔ اکثر جیش مسلسل وادیوں وغیرہ میں ہی گھومتے اور بھٹکتے رہتے تھے۔ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی اپنے اڈے پر واپس نہیں آتے تھے۔ اسد الاسدی کی غیر مطبوعہ تحریروں کے مطابق وہ

چیتوں کی طرح شکار کی تلاش میں رہتے تھے، اور جب شکار پر جھپٹتے تھے تو انہیں اپنی جانیں چلی جانے کا کوئی غم نہیں ہوتا تھا۔ وہ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش میں شہید اور شدید زخمی ہو جاتے تھے۔ اُن کی راتیں دشت و بیاباں میں گذرتیں اور وہ من پسند کھانوں سے اپنے آپ کو محروم رکھتے تھے۔

مگر قاہرہ میں یہ پروپیگنڈہ بہت تیزی سے بڑھتا جا رہا تھا کہ اپنی فوج بیکار اور عیاش ہو گئی ہے اور رملہ کی شکست اسی کی سزا ہے۔ قاہرہ کی انٹیلی جنس کو یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ پروپیگنڈہ کہاں سے اُٹھ رہا ہے۔ کیا یہ نئے سپاہیوں کی غیر محتاط باتوں کا نتیجہ ہے یا دشمن کے باقاعدہ ایجنٹ سرگرم ہیں؟ یہ بھی دیکھا گیا کہ لوگ فوج میں بھرتی ہونے سے ہچکچاتے تھے۔ اس شکست سے پہلے مصریوں کا رویہ یہ نہیں تھا۔ علی بن سفیان اور غیاث بلبیس نے اپنے مخبروں اور جاسوسوں کا جال بچھا دیا مگر اس کے سوا کچھ پتہ نہیں چلتا تھا کہ لوگ فوج کو بدنام کر رہے ہیں۔ سلطان ایوبی کے خلاف بھی باتیں سنی سنائی جانے لگی تھیں۔

وہ سیاہ ریش سفید پوش جو دو بیٹیوں کے ساتھ ایک گاؤں میں ٹھہرا تھا وہیں کا ہو کے رہ گیا۔ گاؤں والوں نے اُسے ایک مکان دے دیا تھا۔ اُس نے کُھلی محفل میں بیٹھنے اور باتیں کرنے سے پرہیز شروع کر دیا تھا کہ اُسے مصریوں کے گناہ معاف کرانے کے لیے تین ماہ کا چِلّہ کرنا ہے۔ وہ اب مکان سے باہر تھوڑی سی دیر کے لیے نکلتا، خاموش رہتا، حاضرین کو ہاتھ لہرا کر سلام کرتا اور اندر چلا جاتا تھا۔ اُس کے خاص مصاحبوں میں وہی سپاہی تھے جو اُس کے ساتھ آئے تھے اور وہ دو آدمی تھے جنہوں نے ٹیلوں کے علاقے میں اُس کے آگے سجدہ کیا تھا۔ ان سب نے اُس کی اتنی تشہیر کر دی تھی کہ دُور دُور کے لوگ بھی اُس کی جھلک دیکھنے کو پہنچ جاتے تھے۔

☆

ایک شام علی بن سفیان کا ایک جاسوس اپنی خفیہ ڈیوٹی پر قاہرہ کے مضافات میں کسی بہروپ میں گھوم پھر رہا تھا۔ شام ہو گئی۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد میں چلا گیا۔ نماز کے بعد امام نے دعا مانگی۔ دعا ختم ہوئی تو ایک نمازی نے رملہ کی شکست کی بات شروع کر دی۔ اُس نے سلطان ایوبی کی فوج کے خلاف وہی باتیں کیں جو سیاہ ریش نے کی تھیں۔ اِس نمازی نے سیاہ ریش کا حوالہ اس طرح دیا کہ وہ غیب دان ہے اور جنات اُسے رزق پہنچاتے ہیں۔ اُس نے سفر کی پوری روئیداد سنائی اور بتایا کہ کس طرح غیب سے انہیں پانی اور کھجوریں ملی تھیں۔ تمام نمازی انہماک سے اُس کی باتیں سنتے رہے۔ اُس نے بات ختم کی تو نمازیوں نے اُس سے اس قسم کی باتیں پوچھنی شروع کر دیں — "وہ مرادیں پوری کر سکتا ہے؟.... لاعلاج مریضوں کو شفا دیتا ہے؟.... آنے والے وقت کا حال بتا سکتا ہے؟.... اولاد دیتا ہے؟"

سنانے والے نے انہیں بتایا کہ ابھی وہ سب کو یہی ایک بات بتاتا ہے کہ سلطان ایوبی اور اُس کی فوج میں فرعونوں والی خصلتیں پیدا ہو گئی تھیں اور شکست کی وجہ یہی ہے اور وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ نہ خود فوج میں بھرتی ہونا، نہ کسی کو ہونے دینا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے کیونکہ گناہوں کی سزا کا ابھی وقت پورا نہیں ہوا اور یہ بھی کہ وہ تین ماہ کا چِلّہ کر رہا ہے۔ اُس کے بعد وہ بتائے گا کہ مصر والوں کے گناہ بخشے گئے ہیں یا نہیں۔

یہ آدمی مسجد سے نکل کر گاؤں سے باہر کو چل پڑا۔ علی بن سفیان کا جاسوس اُس کے پیچھے گیا اور اُس سے پوچھا کہ وہ اس عالم سے کس طرح مل سکتا ہے۔ اُس نے اپنا مدعا یوں بیان کیا ــــ "میں فوج میں ہوں۔ تمہاری باتیں سُن کر میرے دل میں یہ ڈر پیدا ہو گیا ہے کہ اپنی فوج کے گناہوں کی سزا مجھے بھی ملے گی۔ میں بھی دمشق اور حلب کے محاذوں پر گیا تھا۔ میں نے بھی وہی گناہ کیے ہیں جن کا ذکر تم کر رہے تھے۔ مجھے اس عالم بزرگ کے پاس لے چلو۔ اگر وہ کہے گا کہ فوج سے بھاگ جاؤ تو بھاگ جاؤں گا۔ وہ جو خدمت کہے گا کروں گا۔ میں خدا کے قہر سے ڈرتا ہوں"۔

اُس نے اتنی منت سماجت کی کہ اُس کے آنسو نکل آئے۔

"میرے ساتھ چلو"۔ اُس آدمی نے کہا ــــ "لیکن کسی سے ذکر نہ کرنا کہ تم اُس کے پاس گئے تھے۔ وہ آج کل چلّے میں ہے کسی کے ساتھ بات نہیں کرتا۔ وہ جو پوچھے صرف اُس کا جواب دینا۔ فالتو بات نہ کرنا"۔

"تم اسی گاؤں کے رہنے والے ہو؟" جاسوس نے پوچھا ــــ "تم نے بتایا تھا کہ تم رملہ کے محاذ سے آئے ہوئے سپاہی ہو"۔

"اسی لیے تو میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہوں کہ یہ بزرگ خدا کے مصاحبوں میں سے ہے"۔ سپاہی نے کہا ــــ "میں نے میدانِ جنگ کا قہر دیکھا ہے اور میں نے سفر کا قہر بھی دیکھا ہے لیکن اس بزرگ نے ریگزار کو گلزار بنا دیا تھا۔ میں اب فوج میں واپس نہیں جا رہا"۔

گاؤں دُور نہیں تھا۔ وہ باتیں کرتے پہنچ گئے۔ رات گہری ہو چلی تھی۔ سپاہی نے جاسوس کو اندھیرے میں کھڑا رہنے کو کہا اور اُس مکان میں چلا گیا جہاں سیاہ ریش سفید پوش رہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد واپس آیا۔ سپاہی نے کہا کہ وہ پیچھے والے دروازے سے اندر چلا جائے۔ وہ خود اُس کے آگے آگے چل پڑا اور دونوں دروازے میں داخل ہو گئے۔ ڈیوڑھی سے گزرے، صحن سے گزرے اور ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ صحن میں روشنی تھی دونوں لڑکیاں جنہیں سیاہ ریش نے اپنی بیٹیاں بتایا تھا ایک اور کمرے میں تھیں۔ انہیں جب صحن میں قدموں کی آہٹ سنائی دی تو دونوں نے دریچے کا کواڑ ذرا سا کھول کر دیکھا۔ ایک لڑکی اتنی چونکی کہ اُس کے مُنہ سے "اوہ" نکل گئی۔

"کیا ہُوا؟" دوسری لڑکی نے پوچھا ــــ "کون ہے یہ؟"

"شاید مجھے دھوکہ ہُوا ہو"۔ اُس نے جواب دیا ــــ "میں نے اس شخص کو کہیں پہلے بھی دیکھا ہے"۔ ــ اور وہ گہری سوچ میں کھو گئی۔

جاسوس نے کمرے میں جا کر سیاہ ریش کے آگے سجدہ کیا۔ اُس کے پاؤں پر ماتھا رگڑا۔ وہ فرش پر دری بچھا کر بیٹھا ہُوا تھا۔ جاسوس نے گڑگڑا کر التجا کی کہ اُسے گناہوں کی بخشش دلائی جائے۔ اُس نے وہی باتیں کیں جو وہ سپاہی کے ساتھ کر چکا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سیاہ ریش نے اپنی تسبیح اُس کے سر پر پھیری اور مسکرا کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"اس سے میری تسکین نہیں ہوگی"۔ جاسوس نے آنسو بہاتے ہوئے کہا ــــ "اپنی زبان سے مجھے تسکین دیں۔ مجھے کوئی حکم دیں جو میں بجا لاؤں۔ مجھے حکم دیں کہ میرا جو ایک ہی بچہ ہے اُسے آپ کے قدموں میں ذبح

کر دوں۔ مجھے حکم دیں کہ سلطان ایوبی کو قتل کر دو تو میں آپ کا یہ حکم بھی بجا لاؤں گا۔ کچھ تو لیں۔ کچھ کہیں پھر دیکھیں میں کیا کرتا ہوں"۔

ایک اور آدمی اندر آ گیا تھا اور وہ جاسوس کی باتیں غور سے سُن رہا تھا اور اُسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اُس نے جاسوس سے کہا ــــ "تم اتنے بیزار اور بے تاب کیوں ہوئے جا رہے ہو؟ تم اب مُرشد کے سامنے میں آ گئے ہو"۔

"میرے گناہ اتنے گھناؤنے ہیں جو مجھے راتوں کو سونے بھی نہیں دیتے"۔ جاسوس نے کہا ــــ "میں نے حماۃ کے قریب ایک گاؤں میں ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی کو اغوا کرنے کے لیے لڑکی کے جوان بھائی کو قتل کر دیا تھا۔ اگر میں فوج میں نہ ہوتا تو مجھے جلاد کے حوالے کر دیا جاتا لیکن مجھے کسی نے پوچھا تک نہیں"۔

سیاہ ریش نے آنکھیں بند کر لیں۔ اُس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ اُس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے پھر جاسوس کی طرف اشارہ کیا۔ ذرا دیر بعد وہ مسکرایا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ جاسوس سے کہا ــــ "بہت مشکل سے تمہارے ساتھ بات کرنے کی اجازت ملی ہے۔ غور سے سنو۔ ہم تمہارے گناہ بخشوا دیں گے۔ تم کل پھر یہاں آؤ۔ کسی کے ساتھ ذکر نہ کرنا ورنہ تمہارے خاندان کا انجام بہت خوفناک ہوگا۔ یہ آدمی (سپاہی) تمہیں گاؤں سے باہر ملے گا اور میرے پاس لے آئے گا۔ تمہارے ماتھے پر لکھا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے جائیں گے بلکہ تمہیں اور تمہارے خاندان کو اتنا رزقِ حلال ملے گا جو تم نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا۔ اب چلے جاؤ، کل آ جانا"۔

سیاہ ریش پھر مراقبے میں چلا گیا۔ سپاہی نے اور دوسرے آدمی نے جاسوس کو اٹھایا اور صحن میں لے جا کر اُسے سیاہ ریش کی ایسی معجزہ نما باتیں سنائیں جنہوں نے جاسوس کو مسحور کر لیا۔ دونوں لڑکیاں دریچے کے کواڑ کی اوٹ سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ جو لڑکی اُسے پہلی بار دیکھ کر چونکی تھی اُس نے دوسری لڑکی سے کہا ــــ "اسے میں نے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ یہ دھوکہ نہیں۔ وہی ہے۔ وہی ہے"۔

☆

"یہ وہی معاملہ معلوم ہوتا ہے جو ہم پہلے بھی پکڑ چکے ہیں"۔ یہ جاسوس اپنے محکمے کے حاکمِ اعلیٰ علی بن سفیان کو بتا رہا تھا ــــ "وہی مراقبہ، چلّہ، جنات اور لوگوں کے جذبات کو قبضے میں لے کر اُن پر اپنا جادو چلانا۔ اپنی فوج کا جو سپاہی مجھے اُس کے پاس لے گیا تھا۔ وہ صرف فوج کے خلاف باتیں کرتا تھا۔ وہ اس قسم کی باتیں مسجد میں نمازیوں کے ساتھ کر رہا تھا۔ اُس نے میرے ساتھ جو باتیں کیں اُن سے پتہ چلتا تھا کہ اُس کے اور بھی کئی ساتھی ہیں اور وہ مسجدوں میں جا کر نمازیوں کو فوج کے خلاف اُکساتے ہیں۔ محاذ کی جھوٹی باتیں سناتے ہیں اور زور اس پر دیتے ہیں کہ فوج میں بھرتی ہونا گناہ ہے"۔

"انہیں ایسی باتیں مسجدوں میں ہی کرنی چاہئیں"۔ علی بن سفیان نے کہا ــــ "مسجد میں کہی ہوئی بات کو لوگ وحی کا درجہ دیتے ہیں۔ لوگ جذبات کے غلام ہیں۔ اسی کو مُرشد مان لیتے ہیں جو اُن کے جذبات کو پہلے بھڑکائے پھر الفاظ میں اُن کی تسکین کر دے۔۔۔۔ تم کل پھر وہاں جاؤ۔ مجھے وہ گاؤں اور مکان سمجھا دو۔ اِدھر اُدھر

دیکھ کر زیادہ سے زیادہ معلومات لانے کی کوشش کرنا۔ تمہاری لائی ہوئی اطلاع کے بعد ہم وہاں چھاپہ ماریں گے۔"

"مجھے ڈر ہے کہ چھاپے سے وہاں کے لوگ مشتعل ہو جائیں گے۔" جاسوس نے کہا۔ "سپاہی نے بتایا تھا کہ گاؤں کا بچہ بچہ اُس کا مرید ہو چکا ہے اور دُور دُور سے لوگ اُس کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔"

"ہمیں لوگوں کے ساتھ نہیں چلنا۔" علی بن سفیان نے کہا۔ "لوگوں کے جذبات کا خیال صرف وہ حکمران رکھا کرتے ہیں جو اُن پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے حکمران لوگوں کے جذبات سے کھیلا کرتے ہیں تاکہ رعایا خوش رہے اور اُن کے آگے سجدے کرے۔ ہمیں سلطنتِ اسلامیہ اور اپنی لوگوں کے وقار کا تحفظ کرنا ہے۔ ہم ان لوگوں کو حقیقت دکھائیں گے۔ ہم انہیں سلطان صلاح الدین ایوبی کا غلام اور مرید نہیں بنانا چاہتے۔ ہم انہیں بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے پاسبان تم بھی اتنے ہی ہو جتنا تمہارا سلطان ہے۔ ہم انہیں اسلام کا دشمن دکھائیں گے۔ ہم قوم پر جذبات پرستی کا نشہ طاری کر کے اُسے سلانا نہیں چاہتے، قوم کو حقائق کے جھٹکے دے کر جگانا ہے۔۔۔۔ تم جا کر وہ بھی دیکھو جو تمہیں ابھی نظر نہیں آیا۔"

جاسوس کے وہاں جانے کا وقت رات کا تھا۔ علی بن سفیان نے بھیس بدلا اور اُس گاؤں میں چلا گیا۔ اُس نے مکان بھی دیکھ لیا اور اُس نے لوگوں کی عقیدت مندی کی بے تابیاں بھی دیکھ لیں۔ لوگوں کی باتیں بھی سُنیں۔ فوج کے خلاف طوفان اٹھایا جا رہا تھا۔ علی بن سفیان نے مکان کے پچھواڑے کو دُور سے دیکھا۔ وہاں چھوٹا سا ایک دروازہ تھا جو بند تھا۔ وہاں درخت تھے اور دائیں بائیں دو مکانوں کے پچھواڑے تھے۔ اُس طرف کوئی انسان نہیں تھا۔ ہجوم مکان کے سامنے تھا۔ دروازہ کھلا اور ایک سفید ریش آدمی پرانے سے چغے میں ملبوس دروازے سے نکلا۔ علی بن سفیان اوٹ میں ہو گیا۔ اُس نے کھلے ہوئے دروازے میں ایک خوبصورت اور جوان لڑکی کو کھڑے دیکھا۔ لڑکی نے فوراً دروازہ بند کر دیا۔

سفید ریش آدمی ہاتھ میں لاٹھی لیے جھکا جھکا گاؤں سے نکل گیا۔ علی بن سفیان اُسے دیکھتا رہا۔ دُور جا کر وہ رک گیا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ایک طرف سے ایک گھوڑ سوار آیا۔ سفید ریش آدمی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور قاہرہ کی طرف چلا گیا۔ جو آدمی گھوڑا لایا تھا وہ گاؤں کی طرف چلا گیا۔ علی بن سفیان اپنے گھوڑے پر سوار ہُوا اور سفید ریش سوار کے پیچھے گیا مگر فاصلہ رکھا۔ سفید ریش نے کئی بار پیچھے دیکھا۔ علی بن سفیان اُس کے پیچھے جاتا رہا۔ آگے جا کر سفید ریش نے قاہرہ کے راستے کی بجائے گھوڑا دوسرے راستے پر ڈال دیا۔ رفتار معمولی تھی۔ علی بن سفیان نے بھی گھوڑا اُسی راستے پر ڈال دیا۔

قاہرہ شہر نظر آ رہا تھا۔ دُور نہیں تھا۔ اِدھر اُدھر ایک دو دو جھونپڑے یا خیمے نصب تھے۔ کہیں خانہ بدوشوں نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ سفید ریش سوار نے کئی راستے بدلے اور وہ پیچھے دیکھتا رہا۔ علی بن سفیان اُس کے پیچھے رہا۔ سفید ریش کی بے چینی صاف ظاہر ہونے لگی تھی۔ آخر اُس نے قاہرہ کا رُخ کر لیا اور گھوڑے کی رفتار ذرا تیز کر لی۔ علی بن سفیان نے بھی باگوں کو جھٹکا دیا، ہلکی سی ایڑ لگائی اور گھوڑے کی چال بدل کر تیز ہو گئی۔ فاصلہ پندرہ بیس قدم رہ گیا۔ وہ اب شہر میں تقریباً داخل ہو چکے تھے۔ سفید ریش سوار نے گھوڑا روک لیا اور علی

بن سفیان کے راستے میں ہو گیا۔ علی بن سفیان نے بھی گھوڑا اُس کے قریب جا کر روکا۔

"تم کوئی رہزن معلوم ہوتے ہو۔" سفید ریش سوار نے کہا اور خنجر نکال لیا۔ بولا۔ "میرا پیچھا کیوں کر رہے ہو؟"

علی بن سفیان نے دیکھا کہ اُس کی سفید داڑھی سے اُس کی عمر ستر برس سے اُوپر لگتی تھی مگر چہرہ، آنکھیں اور دانت بتاتے تھے کہ چالیس سے بہت کم ہے۔ علی بن سفیان بھی بہروپ میں تھا۔ اُس نے اپنے کرتے سے سوا گز لمبی تلوار لٹکا رکھی تھی جو اُس کے چغے میں چھپی ہوئی تھی۔ اُس نے بجلی چمکنے جیسی پھرتی سے تلوار نکال لی۔

"داڑھی اتار دو۔" اُس نے سفید ریش کے پہلو میں تلوار رکھ کر کہا۔ "اور میرے آگے آگے چل پڑو۔"

سفید ریش کی آنکھیں ٹھہر گئیں۔ علی بن سفیان نے تلوار کی نوک اس کی کنپٹی پر رکھ کر داڑھی میں اُلجھائی اور جھٹکا دیا۔ وہاں سے داڑھی چہرے سے الگ ہو گئی۔ آدھا چہرہ ننگا ہو گیا۔ علی بن سفیان نے اپنی داڑھی اتار دی اور بولا۔ "ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ چلو چلیں۔"

وہ شہری انتظامیہ کا کوئی اعلیٰ حاکم تو نہیں تھا لیکن چھوٹا اور غیر اہم بھی نہیں تھا۔ مصر کا رہنے والا تھا۔ اس کے متعلق علی بن سفیان تک یہ اطلاعیں پہنچی تھیں کہ معزول کی ہوئی عباسی خلافت کا زمین دوز کارندہ ہے۔ اس خلافت کو جس کی گدی قاہرہ میں تھی، سلطان ایوبی نے سات آٹھ سال پہلے ختم کر دیا تھا۔ خلیفہ العاضد تھا جس نے حشیشین، صلیبیوں اور سوڈانیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا۔ سلطان ایوبی نے نورالدین زنگی مرحوم کے ساتھ بات کر کے اس خلافت کو معزول کیا اور امامتِ مصر کو خلافتِ بغداد کے تحت کر دیا تھا۔ معزول شدہ خلافت عباسیہ کے پیروکار ابھی تک زمین دوز کارروائیوں میں مصروف تھے۔ رملہ کی شکست اُن کے لیے زرّیں موقع تھا چنانچہ سلطان ایوبی اور اُس کی فوج کو بدکار، عیاش، لٹیری اور شکست کا ذمہ دار ثابت کرنے کی مہم میں مبالغہ خیز طریقوں سے سرگرم ہو گئے تھے۔

علی بن سفیان نے اس آدمی کو حراست میں لے لیا اور اپنے اُس قید خانے میں جا بند کیا جہاں وہ مجرموں سے ابتدائی تفتیش کیا کرتا تھا۔

☆

علی بن سفیان کا جاسوس رات کو سیاہ ریش بزرگ کے بتائے ہوئے وقت پر گاؤں کے باہر جا کھڑا ہوا۔ گزشتہ رات والا سپاہی اُسے لینے آ گیا۔ سپاہی نے اُسے کوئی نئی ہدایات دیں اور ساتھ لے گیا۔ وہ پچھلے دروازے سے اندر گئے مگر جاسوس کو گزشتہ رات والے کمرے کی بجائے ایک اور کمرے میں لے گئے۔ اُسے کمرے میں سیاہ ریش بزرگ نظر نہ آیا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ دروازہ بند ہُوا تو اُس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ سپاہی بھی باہر نکل گیا تھا۔ اُس نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو اُسے پتہ چلا کہ دروازہ باہر سے بند کر دیا گیا ہے۔ اس کمرے کی نہ کوئی کھڑکی تھی نہ روشندان۔ وہ سمجھ گیا کہ اُسے پہچان لیا گیا ہے اور اُسے پکڑ لیا گیا ہے۔ فرار ممکن نہیں تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا کرے۔

خاصی دیر بعد دروازہ کھلا۔ ان لڑکیوں میں سے ایک اندر آئی جنہیں سیاہ ریش اپنی بیٹیاں بتاتا تھا۔ وہ

اب مستور نہیں تھی لیکن یورپی لڑکیوں کی طرح عریاں بھی نہیں تھی۔ اس کا لباس عرب کی مسلمان لڑکیوں جیسا تھا۔ نقش و نگار عرب اور یورپ کے ملے جلے تھے۔ وہ اندر آئی تو باہر سے کسی نے دروازہ بند کر کے زنجیر چڑھا دی۔ کمرے میں قندیل جل رہی تھی۔ جاسوس نے لڑکی کو دیکھا تو اُس کی آنکھیں جیسے حیرت سے ساکن ہو گئی ہوں۔ لڑکی مسکرا رہی تھی۔

"پہچاننے کی کوشش کر رہے ہو؟" لڑکی نے کہا۔ "اتنی جلدی بھول گئے؟ تم میرے شہر سے بچ کر نکل آئے تھے، مگر اپنے شہر میں آ کر میرے قیدی بن گئے۔ اب نہیں نکل سکو گے۔"

جاسوس نے لمبی آہ بھری جس میں سکون بھی تھا اضطراب بھی۔ اُسے تین سال پہلے کے وہ دن یاد آ گئے جب اُسے جاسوسی کے لیے عکرہ بھیجا گیا تھا۔ عکرہ صلیبیوں کے قبضے میں تھا۔ وہاں اُن کا بڑا پادری رہتا تھا جسے صلیبِ اعظم کا محافظ کہتے تھے۔ صلیبی بادشاہ جو اپنی فوجیں عرب علاقوں پر قبضہ کرنے کی غرض سے لے کر آتے عکرہ ضرور جاتے اور صلیبِ اعظم کے محافظ کو سلام کرتے تھے۔ اس لیے جنگی لحاظ سے یہ اہم جگہ تھی۔ علی بن سفیان نے وہاں اپنے جاسوس بھیج رکھے تھے۔ انہوں نے عیسائیوں کے بہروپ میں وہاں ایک خفیہ اڈہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ اِن میں سے تین چار پکڑے گئے اور دو شہید ہو گئے تو وہاں کے زمین دوز کمانڈر نے مزید جاسوس مانگے تھے۔ ان میں اسے بھی بھیجا گیا تھا جو اب مصر میں ایک کمرے میں بند تھا۔

اُس کا رنگ اچھا، قد بُت اور زیادہ اچھا اور چہرہ دل کش تھا۔ دماغی لحاظ سے وہ تیز اور ہوشیار تھا۔ وہ گھوڑے کی سواری کا اتنا ماہر تھا کہ فوجی نمائشوں اور میلوں میں حیران کر دینے والے کرتب دکھایا کرتا تھا۔ اداکاری میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اُس نے سیاہ ریش کے سامنے اپنے آنسو نکال لیے تھے۔ وہ عیسائی نام سے عکرہ میں داخل ہُوا تھا اور اُس نے وہاں کوئی اپنی دردناک کہانی سنائی تھی اور بتایا تھا کہ وہ حلب کی مسلمان فوج میں نئے سپاہیوں کو گھوڑ سواری اور رسالے کی لڑائی کی ٹریننگ دیا کرتا تھا لیکن مسلمانوں نے اُس کی نوجوان بہن کو اغوا کر کے اُسے فوج سے نکال دیا۔

اُس کی اداکاری سے متاثر ہو کر اُسے سواری کی ٹریننگ دینے کے لیے رکھ لیا گیا لیکن اس کے شاگرد فوجی نہیں تھے بلکہ جوان لڑکیاں تھیں اور بڑے بڑے فوجی افسروں کے لڑکے۔ اُسے پتہ چلا کہ ان لڑکیوں کو مسلمان علاقوں میں جاسوسی کے لیے تیار کیا جا رہا ہے۔ پھر مرد بھی اس کے حوالے کیے جانے لگے۔ یہ سب صلیبی جاسوس تھے۔ وہ اِن میں گھُل مِل گیا تھا اور اُن سے اُسے بڑی قیمتی معلومات مل جاتی تھیں۔

یہ لڑکی جو اب قاہرہ کے مضافات کے ایک گاؤں میں اُسے کہہ رہی تھی کہ اب نہیں نکل سکو گے، عکرہ میں اُس کی شاگرد تھی۔ وہ جاسوسی کا تجربہ رکھتی تھی گھوڑ سواری نہیں جانتی تھی۔ علی بن سفیان کا یہ جاسوس اُسے اچھا لگنے لگا تھا۔ پھر استادی شاگردی بڑے گہرے لگاؤ کی صورت اختیار کر گئی۔ لڑکی نے یہاں تک ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اس آدمی کی خاطر جاسوسی جیسا ذلیل پیشہ ترک کر دے گی اور اس کی بیوی بن کر باعزت زندگی گزارنے لگے گی۔ اس مسلمان جاسوس نے محبت کا جواب محبت سے دیا تھا لیکن اپنے فرض کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔ لڑکی

نے اپنے کام میں دل چسپی لینی چھوڑ دی تھی۔ وہ اس آدمی کی ہو کے رہ گئی تھی۔

ایک روز عکرہ میں دو مسلمان جاسوس پکڑے گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے گروہ کے ان تمام آدمیوں کی نشاندہی کر دی جنہیں وہ جانتا تھا۔ ان میں یہ جاسوس بھی تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ اسی لڑکی نے اس سے پوچھا۔ "تم جاسوس تو نہیں ہو سکتے۔ تم مسلمان تو نہیں؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ یہاں کا جاسوسی کا محکمہ تمہارے متعلق تفتیش کر رہا ہے اور تم پر نظر رکھی جا رہی ہے؟"

وہ ہنس پڑا اور الزام کی تردید کی مگر بے چین ہو گیا۔ رات کو وہ اپنے زمین دوز کمانڈر سے ملا۔ کمانڈر نے اسے بتایا کہ گروہ کے بہت سے آدمیوں کی نشاندہی ہو گئی ہے اور بہتر ہے کہ وہ یہاں سے نکل جائے۔ وہ کمانڈر کے گھر سے نکلا تو اُسے پتہ چل گیا کہ دو آدمی اُس کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ یہ تعاقب تھا۔ وہ چلتا گیا اور اصطبل میں گیا۔ ایک گھوڑے پر زین کسی تو دونوں آدمی آ گئے۔ اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ وہ پھرتیلا اور ہوشیار تھا۔ کود کر گھوڑے پر سوار ہُوا اور ایڑ لگا دی۔ ایک آدمی اُس کے گھوڑے تلے کچلا گیا ــــ وہ عکرہ سے نکل آیا۔

☆

"میں نے تمہیں پہچان لیا ہے" ــــ اُس نے لڑکی سے کہا۔ وہ ایک دوسرے کو تین سال بعد دیکھ رہے تھے۔ اُس نے کہا ــــ "مجھے حیران نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ تم آخر جاسوس ہو۔"

"تین سال پہلے میں تمہاری محبت کے دھوکے میں آ کر جاسوسی چھوڑ دینے کا عہد کیا تھا" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "تم اگر مجھے بتا دیتے کہ تم مسلمان ہو اور جاسوس ہو تو بھی تمہیں دھوکہ نہ دیتی، شاید تمہارے ساتھ آ جاتی۔ تمہارے بھاگ آنے کے بعد جب مجھے پتہ چلا تھا کہ تم مسلمان جاسوس تھے تو مجھے دُکھ نہیں ہُوا تھا۔ تمہارے کھو جانے کا بہت غم تھا۔"

"کیا اب تمہارے دل میں میری محبت نہیں رہی؟" ــــ جاسوس نے پوچھا ــــ "تم اب میرے ملک میں ہو۔ میرے ساتھ آؤ۔ یہاں تمہیں دھوکہ نہیں دوں گا۔"

"محبت اب بھی ہے" ــــ لڑکی نے کہا ــــ "مگر اس پر فرض غالب آ گیا ہے۔ یہ تمہارا جرم ہے۔ میں نے تو تمہاری محبت کی خاطر جاسوسی چھوڑ دینے کا ارادہ کر لیا تھا مگر تم نے میرے ارادوں کو کچل ڈالا اور جاسوسی کی غلاظت میں مجھے ڈبو آئے۔ تین سال گزر گئے ہیں۔ اتنی لمبی مدّت میں مَیں اپنے آپ کو بُری طرح ناپاک کر چکی ہوں۔ اسلام کے خلاف نفرت میری روح میں اُتر گئی ہے۔ اب نہیں۔ اب تم میرے قیدی ہو۔ میں اپنے گروہ کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔ میں جس آدمی کے ساتھ آئی ہوں اُسے میں نے ہی بتایا تھا کہ تم جاسوس ہو۔ میں نے اُسے عکرہ کی ساری بات سنا دی تھی۔ اگر میں تمہیں صحن میں سے گزرتے اتفاق سے نہ دیکھ لیتی تو ہم سب گرفتار ہو چکے ہوتے۔ تمہیں میں نے پکڑوایا ہے۔"

"یہ آدمی جو غیب دان اور مُرشد بنا ہُوا ہے مسلمان ہے یا صلیبی؟" ــــ جاسوس نے پوچھا۔

"اب پوچھ کر کیا کرو گے؟" — لڑکی نے پوچھا۔

"جاسوسی ایک عادت بن گئی ہے" — جاسوس نے کہا — "مرنے سے پہلے جاننا چاہتا ہوں۔ اب یہ راز باہر تو نہیں لے جاسکوں گا"

"یہ مسلمان ہے" — لڑکی نے کہا — "مسلمانوں کی کمزوریوں سے واقف ہے۔ استادوں کا استاد ہے"

کمرے کا دروازہ کھلا اور سیاہ ریش ایک آدمی کے ساتھ اندر آیا۔ لڑکی سے بولا — "اگر تمہاری بات پوری ہوگئی ہے تو باہر نکل جاؤ" — لڑکی جاسوس کو گہری نظروں سے دیکھتی باہر نکل گئی۔ سیاہ ریش نے جاسوس سے پوچھا — "مجھے صرف یہ بتادو کہ میرا راز کس کس کو معلوم ہے۔ کیا تم نے علی بن سفیان کو بتادیا ہے کہ میں مشکوک آدمی ہوں؟"

"نہیں" — جاسوس نے جواب دیا — "میں جاسوس مزدور ہوں۔ جاسوسی کے خیال سے یہاں نہیں آیا تھا"

سیاہ ریش کے ہاتھ میں چمڑے کا چابک (ہنٹر) تھا۔ اُس نے پوری طاقت سے جاسوس کو مارا اور کہا — "میں سچی بات سننا چاہتا ہوں"

دروازہ زور سے کھلا۔ وہی لڑکی اندر آئی۔ اُس نے سیاہ ریش کے دونوں بازو پکڑ کر التجا کی — "اسے مارو مت سب کچھ بتادے گا"

"میں کچھ نہیں بتاؤں گا" جاسوس نے کہا۔

سیاہ ریش نے چابک گھمایا تو لڑکی دوڑ کر جاسوس کے آگے ہوگئی۔ چلا کر بولی — "مارو نہیں۔ اس کے جسم کی چوٹ میرے دل کا زخم بن جائے گی"

"تم اسے بچانا چاہتی ہو؟" — دوسرے آدمی نے گرج کر پوچھا۔

"نہیں" — لڑکی نے روتے ہوئے کہا — "یہ کچھ نہ بتائے تو تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا سر تن سے جُدا کردو۔ اذیت دے کر نہ مارو"

لڑکی کو گھسیٹ کر باہر لے گئے پھر جاسوس پر تشدد شروع ہوگیا۔ اُسے رات بھر سونے نہ دیا گیا۔ اس سے بہت کچھ پوچھا جارہا تھا۔ اُسے بہت کچھ بتایا جارہا تھا مگر وہ بُت بنا چوٹ پر چوٹ کھا رہا تھا۔ سحر کا وقت تھا۔ لڑکی پھر اس کمرے میں آگئی۔ اُس وقت جاسوس نیم غشی کی حالت میں تھا۔ وہ فرش پر پڑا تھا۔ اب اُسے تلوار کی نوک جگہ جگہ چھوئی جارہی تھی۔ لڑکی اُس کے اوپر لیٹ گئی اور چیخنے لگی — "یہ میں برداشت نہیں کرسکتی۔ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ یہ میری پہلی اور آخری محبت ہے۔ اس کی اذیت میری اذیت ہے۔ یہ اپنا فرض ادا کر رہا ہے، اپنا فرض ادا کر رہی ہوں۔ ہمارے لیے یہی کافی ہے۔ اسے جان سے مار دو، اذیت نہ دو"

جاسوس نے نیم بیہوشی کی حالت میں اپنے اوپر پڑی لڑکی کو بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا اور مری ہوئی آواز میں بولا — "تم چلی جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اپنے فرض سے بھٹک جاؤں۔ یہ اذیتیں میرے فرض کا حصہ ہیں۔ تم اپنے مذہب پر قربان ہوجاؤ، مجھے اپنے مذہب پر قربان ہوجانے دو"

لڑکی پاگل ہوئی جارہی تھی اُسے ایک بار پھر گھسیٹ کر باہر لے گئے۔ سیاہ ریش نے حکم کے لہجے میں کہا —

"اِس بدبخت لڑکی کو کسی کمرے میں بند کردو"

☆

دن آدھا گزر چکا تھا۔ علی بن سفیان اس جاسوس کے انتظار میں بیزر ہوا جارہا تھا۔ ایک روز پہلے اس نے جس آدمی کو سفید داڑھی کے بہروپ میں پکڑا تھا اُسے بھی گزشتہ رات قید خانے میں ایسی ہی اذیتیں دے کر اُس سے کہلوا لیا گیا تھا کہ یہ سیاہ ریش کون ہے اور اس کی اصلیت اور اس کا مشن کیا ہے۔ دن کے پچھلے پہر علی بن سفیان نے اس شک کی بنا پر کہ اس کا جاسوس پکڑا نہ گیا ہو فوج کا ایک چھاپہ مار جیش تیار کیا۔ اس مکان کے متعلق پتہ چل ہی چکا تھا کہ تخریب کار جاسوسوں کا اڈہ بن گیا ہے۔

چھاپہ مار اس قدر تیزی سے آئے کہ گاؤں میں کسی کو سنبھلنے کا موقع نہ ملا۔ وہ گھوڑوں سے اُتر کر بندروں کی طرح مکان کی دیواریں پھلانگ گئے۔ دروازے توڑ دیئے گئے۔ اندر جتنے آدمی تھے انہیں پکڑ لیا گیا۔ علی بن سفیان کے جاسوس کی اب یہ حالت تھی کہ بے ہوش پڑا تھا اور اس پر نزع کی کیفیت طاری تھی۔ ایک کمرے میں اُسے چاہنے والی لڑکی فرش پر پڑی تھی۔ ایک خنجر اُس کے دل میں اُترا ہوا تھا۔ وہ اتنا ہی کہہ سکی — "میں نے خودکشی کی ہے" — اور وہ مرگئی۔

سیاہ ریش کو اس ہجوم کے سامنے کھڑا کیا گیا جو گاؤں کے اندر اور باہر جمع تھا اور اُسے کہا گیا کہ وہ لوگوں کو بتائے کہ اس کی اصلیت کیا ہے اور وہ کس مقصد کے تحت فوج اور سلطان کو بدنام کر رہا تھا۔ اُس نے بتا دیا۔ ایک لڑکی مرچکی تھی۔ دوسری کو لوگوں کے سامنے کیا گیا اور بتایا گیا کہ یہ لڑکی مسلمان نہیں صلیبی ہے۔ یہ بھی سب کو بتایا گیا کہ ٹیلوں کے علاقے میں آگ کے قریب جو پانی اور کھجوریں پڑی تھیں وہ اس کے گروہ کے آدمیوں نے رکھی تھیں۔ یہ گروہ اُس سے دُور دُور سفر کرتا تھا۔

علی بن سفیان نے اپنے تہ خانے میں اس آدمی اور اس کے گروہ سے جو باتیں اگلوائیں اُن سے پتہ چلا کہ اُس نے محاذ سے بھاگے ہوئے نئے فوجیوں کو اپنے اثر میں لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ اپنے آدمی بھی تھے۔ یہ تمام لوگ مسجدوں میں اور اُن جگہوں پر جہاں لوگ اکٹھے ہوتے تھے مصر کی فوج کے خلاف باتیں کرتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ قوم اور فوج کے درمیان شکوک اور نفرت کی دیوار کھڑی کی جائے۔ اس سے صلیبی بہت فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔ اس مہم میں مصر کی انتظامیہ کے چند ایک حاکم بھی شامل تھے اور معزول شدہ عباسی خلافت کے خفیہ پیروکار بھی۔ مختصر یہ کہ دشمن تو اس مہم میں شریک تھا ہی، خود وہ مسلمان بھی اس میں شامل ہوگئے تھے جن کا کوئی نہ کوئی مفاد وابستہ تھا۔

"جب کبھی فوج اور قوم میں نفرت پیدا ہوگئی سمجھ لو سلطنتِ اسلامیہ کا زوال شروع ہوگیا" — سلطان ایوبی نے کہا۔ اُس نے حکم دیا — "تمام مسجدوں کے اماموں کو رملہ کی شکست کے اصل اسباب بتانے کا انتظام کرو اور امام ساری قوم کو بتائیں۔ اگر کسی کو ذمہ داریاں اور الزامات عائد کرنے سے تسکین ہوتی ہے تو ساری ذمہ داری مجھ پر ڈالو۔ حضرت عیسیٰ نے سُولی پر جان دے کر قوم کے گناہوں کا کفارہ ادا کیا تھا۔ میں فلسطین کے میدانِ جنگ

میں اپنی جان دے کر اپنی قوم کے ہر اُس فرد کے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا جو تخت وتاج کے نشے میں میری فوج اور مقبوضہ فلسطین کے راستے میں حائل ہو رہا ہے اور میرے خون کے قطروں سے آواز آئے گی کہ شکست کی ذمہ دار فوج نہیں تھی اور میرے کسی فوجی نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا۔"

تصادم رُوح بدرُوح کا

حمص پُرسکون قصبہ تھا۔ یہ حلب کے شمال میں آج کے شام اور لبنان کی سرحد کے قریب واقع تھا۔ پُرسکون اس لیے تھا کہ ابھی جنگ کی لپیٹ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے مقامات سے کبھی کبھی صلیبی فوج گذرا کرتی تھی۔ اس کے قریب سے ایک چھوٹا سا دریا گزرتا تھا اس لیے حمص فوجوں کی عام گزرگاہ نہیں بن سکتا تھا۔ اس قصبے میں مسلمانوں کی آبادی اتنی زیادہ تھی کہ اسے مسلمانوں کی بستی کہا جاتا تھا۔ چند ایک گھرانے عیسائیوں کے بھی تھے اور چند ایک یہودیوں کے بھی۔ تجارت عیسائیوں اور یہودیوں کے قبضے میں تھی۔ یہ لوگ دُور کے علاقوں میں کاروبار کے سلسلے میں جاتے رہتے تھے اس لیے وہ باہر کی دنیا کی جو خبریں لاتے تھے انہیں سچ سمجھا جاتا تھا۔ وہ صلیبی اور اسلامی فوجوں کی جنگ کی خبریں لایا کرتے تھے۔ ان خبروں میں مسلمانوں کی شکست کا ذکر زیادہ ہوتا تھا۔ صلیبی فوج کے متعلق وہ ڈراؤنی باتیں سنایا کرتے تھے۔

اُن کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ حمص کے مسلمانوں پر صلیبی فوج کی دہشت طاری رہے اور کم از کم اس بستی کا کوئی مسلمان اسلامی فوج میں نہ جائے لیکن اِس کا اثر اُلٹا ہو رہا تھا۔ مسلمانوں نے ڈرنے کی بجائے جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ انہیں ان تیاریوں سے کوئی حکمآ نہیں روک سکتا تھا۔ یہاں صلیبیوں کی حکمرانی نہیں تھی۔ حمص کے مسلمان گھوڑ سواری، نیزہ بازی، تیغ زنی اور تیر اندازی کی مشق کرتے رہتے تھے۔ یہ تربیت لڑکیوں کو بھی دی جاتی تھی۔ ان کا قائد بڑی مسجد کا خطیب تھا جس کا علم اور عمل جہاد پر مرکوز تھا۔ اُس نے مسلمانوں کو بتا رکھا تھا کہ قبلۂ اوّل کو آزاد کرانا ہے اور صلیبیوں کو عرب کی سرزمین سے بے دخل کرنا ہے۔

"..... اور یہ جنگ کیوں لڑی جا رہی ہے؟" خطیب اپنے خطبوں میں اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دہراتا رہتا تھا۔۔۔ "صلیبی عرب پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی قائم کرنے کی کوشش میں ہیں اور ہم یہاں اللہ کی بادشاہی قائم کرنے کے لیے جان و مال کی قربانیاں دے رہے ہیں۔ انہوں نے عرب کو میدانِ جنگ صرف اس لیے بنایا ہے کہ خدائے ذوالجلال کا عظیم پیغام عرب کو عطا ہُوا ہے اور اس پیغام نے ہم عربوں پر یہ فرض عائد کر دیا ہے کہ ہم یہ پیغام جو ہمارے رسولِ اکرم صلعم کو غارِ حرا میں عطا ہُوا تھا تمام تر بنی نوع انسان تک پہنچائیں۔ طارق بن زیاد نے بحیرۂ روم کے مصروالے ساحل پر کھڑے ہو کر خدائے عزوجل سے کہا تھا۔ اگر تیری ذاتِ باری مجھے ہمت و استقلال عطا فرمائے تو میں تیرا نام سمندر پار لے جاؤں" ۔۔۔ اور اُس کے

سینے سے جذبۂ ایمان کا شعلہ جو اٹھا تو اُس نے گھوڑا سمندر میں ڈال دیا۔ اُس کی فوج کشتیوں میں یورپ کے ساحل پر اُتری۔ زیاد کے بیٹے طارق نے حکم دیا۔ "کشتیوں کو آگ لگا دو، ہم واپس جانے کے لیے نہیں آئے....."

"مگر آج صلیبی اس عزم کے ساتھ اللہ کی اس سرزمین پر آئے ہیں کہ وہ واپس نہیں جائیں گے۔ انہوں نے اس سرزمین کو تہہ تیغ کرنے کا فیصلہ اس لیے کیا ہے کہ خدا کے اس عظیم پیغام کو جو ساری دنیا میں پھیلانے کے لیے رسولِ اکرم صلعم کو عطا ہُوا تھا یہیں ختم کر دیا جائے۔ یاد رکھو مسلمانو! اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو پتھروں کو موم کر دیتا ہے۔ ہمارے مذہب کے بنیادی اصول انسانوں کی روح میں اُتر جاتے ہیں کیونکہ یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ حقوق العباد ایک ایسا اصول ہے جو صرف اسلام نے انسان کو دیا ہے۔ اسلام ایک نظریہ ہے صرف عقیدہ نہیں۔ صلیب کے علمبردار جانتے ہیں کہ اسلام کو فروغ کا موقع ملا تو کرۂ ارض پر پرچم رسالتؐ کے مقدس سائے تلے آجائے گا اور صلیب کا نام و نشان مِٹ جائے گا۔ اسی لیے صلیبی اپنی تمام تر جنگی قوت لے کر یہاں آ گئے ہیں۔ وہ علم و فضل کے اس سرچشمے کو بند کرنے آئے ہیں....

"یہودیوں کے ساتھ اُن کا یہ سودا ہُوا ہے کہ وہ بیت المقدس کو فتح کر کے اُن کے حوالے کر دیں گے تاکہ یہودی مسجدِ اقصٰی کو جو ہمارا قبلۂ اوّل ہے ہیکلِ سلیمانی بنالیں۔ یہ یہودیوں کا ایک پرانا خواب ہے جسے وہ عملی شکل میں لانے کو بے تاب ہیں۔ اس کے لیے انہوں نے اپنی بیٹیاں اور اپنی دولت صلیبیوں کے حوالے کر دی ہے۔ اِن دونوں چیزوں نے ہماری صفوں میں غدار پیدا کر دیے ہیں۔ میں تم سب تک صلاح الدین ایوبی کا پیغام پہنچا رہا ہوں۔ اسے اپنے دلوں پر نقش کر لو۔ رسالتؐ کے پاسبان صلاح الدین ایوبی نے اپنی فوج کو اور قوم کو یہ بتا رکھا ہے کہ یہ دو فوجوں کی نہیں دو مذہبوں کی جنگ ہے۔ یہ قبلۂ اوّل اور ہیکلِ سلیمانی کی جنگ ہے۔ اگر ہم نے آج باطل کو ہمیشہ کے لیے ختم نہ کیا تو ایک روز باطل ہمارے مذہب کو ختم کر دے گا۔ ہماری روحیں دیکھیں گی اور تاریخ دیکھے گی کہ فلسطین پر یہودی قابض ہیں اور مسجدِ اقصٰی ہیکلِ سلیمانی میں تبدیل ہو رہی ہے....

"حمص کے مسلمانو! تم صلاح الدین ایوبی کی فوج کے سپاہی نہیں ہو مگر اللہ کے سپاہی ہو۔ تم پر جہاد فرض کر دیا گیا ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ اپنے وطن اور اپنے مذہب کے دفاع کے لیے گھوڑے اور اسلحہ تیار رکھو اور جہاد کی تیاری میں مصروف رہو.... اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہارے مذہب کا دشمن صرف میدانِ جنگ میں تمہارے خلاف نہیں لڑتا۔ اُس کا ایک محاذ اور بھی ہے۔ وہ افواہوں کے ذریعے تم پر اپنی فوج کی دہشت اور اسلامی فوج کے خلاف وسوسے پیدا کرتا ہے۔ سرکردہ افراد کو حسین لڑکیوں اور سونے کی چمک دمک سے اپنا گرویدہ بناتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی بہت بڑی کمزوری ہیں۔ ان میں جب شراب شامل ہو جاتی ہے تو مسلمان اپنا ایمان اپنے ایمان کے دشمن کے قدموں میں رکھ دیتا ہے۔ ایسا ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ صلیبی ہمیں خانہ جنگی میں اُلجھا کر ہماری جنگی قوت کو کمزور کر چکے ہیں۔ یہ گناہ اُن چند ایک اُمراء کا تھا جو صلیبیوں کے بڑے ہی دلکش سجال میں آ گئے تھے مگر اُن کے گناہوں کی سزا قوم اور فوج کو اور سلطنتِ اسلامیہ کو ملی....

"خانہ جنگی کرانے والے قوم اور فوج کو جذبات میں اُلجھا کر بھڑکاتے اور مرواتے ہیں اور خود اپنے محلات میں اُن حرموں میں بدمست رہتے ہیں جنہیں صلیبیوں اور یہودیوں نے اپنی لڑکیوں سے رونق دی ہے۔ یاد رکھو، یہ ساری چٹانیں سونا بن جائیں اور تمہارے قدموں میں رکھ دی جائیں تو بھی یہ جہاد کا صلہ اور انعام نہیں بن سکتیں۔ جہاد کا انعام روح کو ملا کرتا ہے۔ روح زر و جواہرات سے خوش نہیں ہُوا کرتی۔ جہاد کا انعام خدا کے پاس ہے۔ تم اللہ کی راہ میں جان دے دو گے تو بھی زندہ رہو گے۔ یہ جسم کی ہی لعنت ہے جس نے جسمانی لذت کو شعار بنایا اُس نے اپنے بھائی کا گلا کاٹا اور مُرتد کہلایا۔ قرآن تمہیں روحانی لذت سے سرشار کرتا ہے۔"

اور اس طرح اس خطیب نے حمص کے مسلمانوں کو روحانی لذت سے سرشار کر رکھا تھا۔ جنگی تربیت اُسی کی زیرِ نگرانی اور اُسی کی ہدایات کے تحت ہوتی تھی۔ وہ خود تیغ اور خنجر زنی کا ماہر تھا۔ حمص میں اس تربیت سے رونق رہتی تھی۔ قصبے میں تین مسجدیں تھیں جہاں جہاد کی باتیں ہوتی تھیں مگر وہاں جو صلیبی اور یہودی رہتے تھے، وہ مسلمانوں کے ہمدرد بن کر حوصلہ شکن خبریں سناتے رہتے تھے۔ مسلمان اپنے خطیب اور امام سے ان خبروں کے متعلق پوچھتے اور بے قرار ہوتے رہتے تھے۔ خطیب نے حمص کے ایک جواں سال آدمی، تبریز کو اس مقصد کے لیے دمشق بھیج رکھا تھا کہ وہاں سے صحیح صورتِ حال معلوم کر کے آئے۔

☆

تبریز صحیح صورتِ حال معلوم کر کے حمص کو واپس جا رہا تھا۔ اُسے دمشق تک جانے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ راستے میں ہی اُس کا کام ہو گیا تھا۔ اُس نے حماۃ سے بہت دُور صلیبی فوج دیکھی تھی جو ایک جگہ پڑاؤ کیے ہوئے تھی۔ اُس نے دُور سے جھنڈوں سے پہچان لیا تھا کہ یہ صلیبی فوج ہے۔ پھر اُسے دو شتر سوار ملے تھے جو مسلمان تھے۔ انہوں نے بھی اُسے بتایا تھا کہ یہ صلیبیوں کی فوج ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ یہ فوج مسلمانوں کے ہاتھوں بہت زیادہ نقصان اٹھا کر آئی ہے۔ تبریز نے انہیں بتایا کہ وہ حمص سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ صلیبی فوج کہاں تک پہنچی ہے اور عرب کے کتنے علاقے فتح کر چکی ہے۔

"وہ پہاڑیاں تمہیں نظر آ رہی ہیں؟" شتر سواروں نے اُسے بتایا تھا۔ "یہی راستہ تمہیں ان پہاڑیوں کے اندر لے جائے گا۔ اپنی فوج وہیں ہے۔ دمشق بہت دُور ہے۔ تم اپنی فوج کے کسی بھی آدمی سے پوچھ لینا، تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ ہم اتنا ہی جانتے ہیں کہ رملہ میں لڑائی ہوئی تھی جس میں مسلمان نقصان اٹھا کر اِدھر اُدھر ہو گئے تھے، پھر صلیبیوں سے حماۃ کے قلعے کے قریب لڑائی ہوئی تھی جس میں صلیبی نقصان اٹھا کر بھاگے..... تم آگے چلے جاؤ لیکن کسی صلیبی سپاہی کے قریب نہ جانا۔ اُسے جونہی پتہ چلا تم مسلمان ہو وہ تمہیں قتل کر دے گا۔"

سورج غروب ہونے کو تھا جب وہ حماۃ کی پہاڑیوں میں سے گزر رہا تھا۔ ایک فراخ وادی تھی۔ آگے سے چند ایک سوار آ رہے تھے۔ تبریز راستے سے ہٹا نہیں۔ ایک سوار گھوڑا دوڑاتا آیا اور اُسے غصے سے

کہا کہ وہ راستے سے دُور ہٹ جائے۔ "سالارِ اعلیٰ آ رہے ہیں۔" تبریز ذرا سا الگ ہٹ گیا۔ سوار اُسے اور پرے ہٹا رہا تھا۔ سالارِ اعلیٰ اور اُس کے ساتھ کے سوار تیزی سے آ رہے تھے۔ سالارِ اعلیٰ، سلطان ایوبی کا بھائی العادل تھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کا محافظ ایک مسافر کے ساتھ بہت غصّے سے بول رہا ہے اور مسافر شاید راستے سے ہٹ نہیں رہا۔ العادل قریب آ کر رُک گیا، تبریز کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ وہ کون ہے اور محافظ کے ساتھ کیوں جھگڑ رہا ہے۔

تبریز نے جواب دیا کہ وہ حمص سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی فوج کس حال میں ہے اور صلیبی فوج کو کتنی کچھ کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ حمص کے مسلمان جنگی تیاریوں میں مصروف رہتے ہیں اور وہ سلطان ایوبی کی فوج کا انتظار کر رہے ہیں۔ — "ہماری بہنیں بھی جنگ کے لیے تیار ہیں اور ہمارے بچّے اور بوڑھے بھی۔"

علی بن سفیان کا نائب حسن بن عبداللہ جو انٹیلی جنس کا ذمہ دار تھا العادل کے ساتھ تھا۔ وہ تبریز کو بڑی غور سے دیکھ رہا تھا۔ تبریز جاسوس ہو سکتا تھا۔ اُس کی سادگی بتا رہی تھی کہ وہ جاسوس نہیں لیکن شک لازمی تھا۔ جاسوس ظاہری طور پر اس سے زیادہ گنوار اور سادہ لگتے ہیں۔

"تمہارے خطیب کا نام کیا ہے؟" حسن بن عبداللہ نے اُس سے پوچھا۔

تبریز نے نام بتایا۔ اس وقت کی جو غیر مطبوعہ تحریریں موجود ہیں ان میں یہ نام صاف نہیں اس لیے اُسے ہم خطیب کہیں گے۔ حسن بن عبداللہ نے العادل سے کہا کہ وہ اپنا آدمی ہے اور اس آدمی (تبریز) کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا کام جانفشانی سے کر رہا ہے۔ تبریز کے خلاف جو شک پیدا ہو گیا تھا وہ رفع ہو گیا۔ العادل کے حکم کے مطابق اُسے مہمان کی حیثیت سے خیمہ گاہ میں بھیج دیا گیا جہاں اُس کی خاطر و مدارت کی گئی۔

رات حسن بن عبداللہ نے اُسے اپنے خیمے میں بلایا اور خطیب کے نام یہ پیغام دیا۔ "حالات دشوار ہیں لیکن اتنے نہیں جتنے آپ کو وہاں صلیبی بتا رہے ہیں۔ لوگوں سے کہو کہ سچ اُسے سمجھیں جو اُن کی آنکھوں کے سامنے ہو اور جو انہیں مسجد میں بتایا جائے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں اور خبروں کو سچ نہ سمجھیں۔ آپ لوگ بڑے خطرناک علاقے میں ہیں۔ اپنی بستی کے صلیبیوں اور یہودیوں پر نظر رکھیں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ وہ آپ کی سرگرمیوں پر نظر نہ ڈال سکیں جنہیں آخر دم تک چھپائے رکھنا ہے۔"

حسن بن عبداللہ نے تبریز کو ایسا پیغام دیا جو حمص کے مسلمانوں کے لیے حوصلہ افزا تھا لیکن اُسے یہ نہ بتایا کہ وہ کون سی سرگرمیاں ہیں جنہیں آخر دم تک چھپائے رکھنا ہے۔ حقیقت یہ تھی کہ حمص کے مسلمانوں کو سلطان ایوبی کے حکم کے تحت جنگی تربیت دی جا رہی تھی۔ اُس کا مقصد یہ تھا کہ جب کبھی ضرورت پڑے وہ صلیبی فوج پر عقب سے شبخون ماریں۔ ظاہری طور پر اُن کے وفادار رہیں۔ اس مقصد کے لیے حمص میں تین چار تجربہ کار چھاپہ مار بھیج دیئے گئے تھے جو وہاں اپنے مطلب کی ٹریننگ دے رہے تھے۔ خطیب اُن کا کمانڈر تھا۔ اُن کے ساتھ ابھی باقاعدہ رابطہ نہیں رکھا گیا تھا کیونکہ ابھی اُن لوگوں کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسری صبح تبریز حمص کو روانہ ہو گیا۔

☆

وہ زمانہ قافلوں کی صورت میں چلنے کا تھا۔ لوگ اکیلے اکیلے بھی سفر کرتے تھے۔ ایسے اکیلے مسافروں کو جہاں چند آدمی سفر میں نظر آتے تھے وہ اُن سے جا ملتے اور اس طرح قافلے بنتے اور بڑے ہوتے جاتے تھے۔ تبریز آیا اکیلا تھا۔ واپس جا رہا تھا کہ اُسے مختصر سا ایک قافلہ مل گیا جو حمص کی سمت جا رہا تھا۔ اس میں حمص کے یہودی تاجر بھی تھے۔ دو عیسائی کنبے اونٹوں پر سوار تھے اور کچھ لوگ پیدل جا رہے تھے۔ تبریز اس قافلے میں شامل ہو گیا۔ قافلہ چلتا گیا۔ راستہ لمبا تھا۔ دو رات انہیں قیام کرنا پڑا۔ تیسرا دن سفر کا آخری دن تھا۔ آدھی رات سے پہلے قافلے کو حمص پہنچ جانا تھا۔ آگے ایک دریا تھا جو بہت بڑا نہیں تھا۔ اس کی گہرائی زیادہ سے زیادہ کمر تک رہتی تھی۔ لوگ اس میں آسانی سے گزر جایا کرتے تھے۔

سفر کے آخری روز کا سورج سر پر آیا تو اُفق سے سیاہ گھٹا اٹھتی نظر آئی۔ قافلہ اور تیز چلنے لگا تاکہ بارش سے پہلے منزل تک پہنچ جائے یا چٹانی علاقے میں پہنچ کر چھپنے کی جگہ ڈھونڈلی جائے اور اگر ممکن ہو تو طغیانی آنے سے پہلے ہی دریا پار کر لیا جائے۔ یہ اُن لوگوں کی حماقت تھی۔ گھٹا کی رفتار قافلے کی نسبت زیادہ تھی اور گھٹا جانے کہاں سے برستی آ رہی تھی۔ وہ تمام علاقہ چٹانی اور پہاڑی تھا۔ قافلہ دریا کے قریب پہنچا تو گھٹا دنیا کو تاریک کر چکی تھی اور مینہ ایسا موسلا دھار برسنے لگا تھا کہ آنکھیں کھول کر چلنا ممکن نہ رہا۔ ایک بوڑھے عیسائی نے کہا کہ دریا چڑھ رہا ہے، ابھی گزر سکتے ہیں۔ فوراً پار ہو جاؤ۔

اس بوڑھے کے ساتھ والے اونٹ پر ایک جوان اور خوب صورت عیسائی لڑکی سوار تھی۔ قافلہ دریا کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ اس کا پانی مٹیالا ہو گیا تھا اور اس کی روانی میں طغیانی والا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ گہرائی کا کوئی اندازہ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ بارش بہت تیز تھی۔ گھٹا نے گہری شام کا منظر بنا رکھا تھا۔ سورج غروب ہونے کو ہی تھا۔ ایک آدمی نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔ چند قدم آگے جا کر اُس نے چلّا کر کہا۔ "آجاؤ۔ پیدل چلنے والے بھی آجاؤ۔ پانی گہرا نہیں۔"

یہ کسی نے بھی نہ دیکھا کہ شدید اور خطرناک طغیانی کا ریلا آ رہا ہے۔ اوپر کی طرف بہت مینہ برسا تھا اور وہ پہاڑی علاقہ تھا جس کی طغیانی بہت ہی تیز ہوا کرتی ہے۔ اونٹ اور گھوڑے شاید اس خطرے کو محسوس کر رہے تھے۔ یہی جانور بڑے آرام اور اطمینان سے دریا میں سے گزر جایا کرتے تھے مگر بارش میں وہ دریا میں بدک رہے تھے، حالانکہ پانی گہرا نہیں تھا۔ اچانک دریا بپھر گیا۔ اونچی اونچی لہریں کسی کو سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر آ گئیں۔ دریا کے کنارے ڈوب گئے۔ پانی گہرا ہو گیا۔ پیدل چلنے والے ڈوبنے لگے تو وہ تیرنے لگے۔ اونٹوں نے واویلا بپا کر دیا۔ قافلہ دریا میں بکھر گیا۔ دوسرا کنارہ دُور تو نہیں تھا لیکن طغیانی جو بڑھتی جا رہی تھی آگے جانے ہی نہیں دے رہی تھی پھر قافلے والوں کو ایک دوسرے کا ہوش نہ رہا۔

عیسائی لڑکی کی چیخ سنائی دی۔ تبریز کہیں قریب تھا۔ اُس نے چیخ سن لی اور یہ بھی دیکھ لیا کہ وہ

گئے۔ طغیانی نے اُسے گرا دیا۔ اُس کی پیٹھ پر بیٹھی لڑکی دریا میں جا پڑی۔ طغیانی کا یہ عالم تھا کہ کبھی لہریں اُوپر کو اٹھتی اور گرتی تھیں اور کبھی بھنور بن جاتی تھیں۔ شور اتنا زیادہ تھا کہ کسی کو کسی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اگر تبریز قریب نہ ہوتا تو لڑکی کی چیخ کوئی بھی نہ سن سکتا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور گھوڑا سیدھا تو نہیں جا رہا تھا لیکن طغیانی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ تبریز نے لڑکی کو پانی میں گرتے دیکھا تو اُس نے گھوڑے کو دریا کے رُخ پر ڈال دیا لیکن گھوڑا اتنی تیزی سے تیر نہیں سکتا تھا۔

تبریز گھوڑے سے کود گیا اور بہت تیزی سے تیرتا لڑکی کے پیچھے گیا۔ ایک لہر نے لڑکی کو اُوپر اٹھایا تو تبریز نے دیکھ لیا۔ طغیانی کا زور بھی تھا اور تبریز کے جوان بازوؤں کی قوت بھی تھی کہ اُس نے تھوڑی ہی دور لڑکی کو جا پکڑا۔ وہ ابھی ڈوبی نہیں تھی لیکن وہ تیر بھی نہیں رہی تھی۔ تبریز کے لیے اُسے سنبھالنا بہت مشکل ہو گیا۔ اسی کوشش میں پانی انہیں بہت آگے لے گیا۔ تبریز نے اُسے اپنے اوپر ڈالا اور کنارے کی طرف تیرنے لگا۔ لڑکی دوبارہ اُس کی پیٹھ سے ڈھلک گئی۔ وہ ہوش میں نہیں تھی۔ اگر تبریز کے جسم میں طاقت اور دل میں بے خوفی نہ ہوتی تو وہ لڑکی کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی فکر کرتا۔ طغیانی کا زور اور اُس کا شور حوصلے پست کر رہا تھا۔

جس جگہ سے قافلہ دریا میں اُترا تھا وہاں سے کم و بیش دو میل دور تبریز لڑکی کو سنبھالے کنارے سے جا لگا۔ وہاں چٹانیں تھیں۔ بارش ابھی تھمی نہیں تھی۔ تبریز نے لڑکی کو ایک چپٹی چٹان پر لٹایا۔ وہ زندہ تھی، ہوش میں نہیں تھی۔ اُسے معلوم نہیں تھا کہ بے ہوش کو کس طرح ہوش میں لایا جاتا ہے۔ وہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی بے ہوشی میں از خود ہی پیٹ کے بل ہو گئی۔ پیٹ پر زور پڑا تو منہ سے دریا کا پانی نکلنے لگا۔ تبریز نے اُس کی کمر پہ ہاتھ رکھ کر دبایا تو بہت سا پانی منہ کے راستے باہر نکل آیا۔ اُس نے اور زور سے دبایا۔ پہلوؤں سے بھی پیٹ کو دبایا۔ اس سے لڑکی کا پیٹ پانی سے خالی ہو گیا۔

گھٹا چھٹنے لگی۔ بارش کا زور کم ہو گیا اور کچھ روشنی بھی ہو گئی۔ تبریز نے لڑکی کو سیدھا کیا۔ لڑکی نے ذرا سی آنکھ کھولی اور بند کر لی۔ تبریز کا جسم شل ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنا گھوڑا دریا میں چھوڑ دیا تھا۔ وہ دریا سے نکل گیا ہو گا۔ تبریز کو معلوم نہیں تھا کہ گھوڑے کا انجام کیا ہُوا۔ تبریز کی تھکن کم ہو گئی تھی۔ سورج غروب ہونے کو تھا۔ اُسے خیال آیا کہ رات آ رہی ہے اور پناہ ڈھونڈنا ضروری ہے۔ اُسے اُمید تھی کہ یہ چٹانی علاقہ ہے، اس میں کہیں نہ کہیں گُف یا غار مل جائے گی۔ لمبی مسافت کے مسافر مٹی کے ٹیلوں اور ریتلی چٹانوں میں غاریں بنائے رکھتے تھے جو دوسرے مسافروں کے بھی کام آتی تھیں۔

☆

اُس نے لڑکی کو پیٹھ پر ڈالا اور چٹانوں کے درمیان چل پڑا۔ پناہ ملنے کا اُسے یقین نہیں تھا، اُمید تھی۔ وہ دل میں خدا سے مدد مانگتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر گھومتے پھرتے وہ ایک کشادہ سی جگہ جا

پہنچا جہاں ایک چٹان کے ساتھ اُسے تین چار اونٹ کھڑے نظر آئے۔ یہ کسی مسافر کے نہیں ہو سکتے تھے کیونکہ اُن پر زینیں وغیرہ نہیں تھیں۔ اونٹوں تک گیا تو اُسے آوازیں سنائی دیں۔ اُدھر دیکھا تو چٹان میں اُسے ایک فراخ اور اونچا دہانہ نظر آیا۔ اس میں تیرہ چودہ سال عمر کے دو لڑکے کھڑے تھے۔ وہ دونوں بارش میں دوڑے آ گئے۔

"تم دریا سے نکل کر آ رہے ہو؟" ایک لڑکے نے پوچھا— "وہاں آ جاؤ۔ بہت اچھی جگہ ہے۔"

وہ جگہ واقعی بہت اچھی تھی۔ چٹان جھربھری تھی۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ مسافروں نے یا قریب کہیں رہنے والے گڈریوں نے اسے کاٹ کاٹ کر کمرہ بنا دیا ہے۔ یہ ایک کشادہ گُف تھی۔ اندر سے بالکل خشک تھی۔ لڑکوں نے وہاں آگ بھی جلا رکھی تھی۔ تبریز نے لڑکی کو فرش پر ڈال دیا۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ ایک طرف خشک گھاس اور درختوں کی خشک ٹہنیوں کا ڈھیر پڑا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" تبریز نے لڑکوں سے پوچھا۔

"ہمارا گھر دریا کے پار ہے۔" ایک لڑکے نے جواب دیا— "ہم کبھی کبھی اونٹوں کو اِدھر لے آتے ہیں۔ گھاس تو اُدھر بھی بہت ہے لیکن ہم یہاں کھیلنے کے لیے آتے ہیں اور اونٹوں کو بھی چرنے چگنے کے لیے ساتھ لے آتے ہیں۔ ایک جگہ سے دریا چوڑا ہے۔ وہاں پانی ہمارے گھٹنوں تک ہوتا ہے۔ آج بھی ہم آ گئے اور بارش شروع ہو گئی۔ یہیں آگ جلا کر کھیلتے رہے۔"

"گھر کس طرح جاؤ گے؟" تبریز نے پوچھا— "دریا چڑھا ہُوا ہے۔"

"اس دریا کا زور زیادہ دیر نہیں رہتا۔" ایک لڑکے نے بڑے اطمینان سے کہا— "ہم جہاں سے گزرتے ہیں وہاں طغیانی میں خطرہ نہیں ہوتا۔ پانی پھیل جاتا ہے۔"

بارش تھم گئی تھی۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ لڑکے اپنے اونٹوں کو لے کر چلے گئے۔ تبریز نے اُن سے مدد نہ مانگی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ لڑکی کو اُٹھا کر اُن کے گاؤں چلا جائے۔ لڑکوں کے جانے کے بعد اُس نے آگ پر خشک ٹہنیاں پھینکیں۔ شعلہ اُٹھا تو اُس نے اپنا کُرتہ اُتارا جو گلے سے ٹخنوں تک لمبا تھا۔ اُسے آگ پر خشک کرنے لگا۔ وہ دل میں شکر ادا کر رہا تھا۔ خدا نے اُسے ایسی طوفانی بارش میں ان لڑکوں کو آگ جلانے کے لیے بھیج دیا تھا۔

اس دوران لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ اُس کے چہرے پر خوف کا تاثر نظر آیا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر تبریز کو دیکھا تو اُس کا منہ دہشت سے کُھل گیا۔ تبریز نے اپنا چغہ نما کُرتہ اُتار رکھا تھا اور طغیانی کے مٹیالے اور گدلے پانی نے اُس کے بالوں اور چہرے کو خوفناک بنا رکھا تھا۔

"ڈرو نہیں۔" تبریز نے اُسے کہا— "مجھے پہچانتی نہیں ہو؟ میں تمہارا ہمسفر تھا۔"

"مگر تم مسلمان ہو۔" لڑکی اُٹھ بیٹھی اور بولی— "مجھے تم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے جانے دو۔"

"جاؤ۔" تبریز نے کہا۔ "چلی جاؤ۔"

وہ اٹھی۔ اُس سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ گُف کے باہر ایک قدم رکھا تو باہر تاریک رات کے سوا کچھ نظر نہ

آیا۔ اندر آگ کی روشنی تھی۔ اُس نے گھوم کر تبریز کو دیکھا جو ٹہنیوں کی آگ کی روشنی میں پُراسرار سا انسان نظر آرہا تھا۔ وہ لڑکی کو دیکھتا رہا۔ لڑکی پاؤں پر کھڑی نہ رہ سکی۔ ایک دو قدم آگے آکر گر پڑنے کے انداز سے بیٹھ گئی اور بے بسی سے تبریز کو دیکھنے لگی۔

"تمہاری نسبت مجھے وہ گھوڑا زیادہ عزیز تھا جسے میں نے دریا میں چھوڑا اور تمہیں ڈوبنے سے بچایا۔" تبریز نے کہا۔

"میری قیمت بیس گھوڑوں سے زیادہ ہے۔" لڑکی نے نقاہت زدہ آواز میں کہا۔ "تم نے مجھ جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔ مجھے ذلیل و خوار کرکے بیچ ڈالو گے۔ تمہیں کون روک سکتا ہے۔"

"مجھے خدا روک سکتا ہے۔" تبریز نے کہا۔ "اور خدا نے مجھے روک رکھا ہے۔ یہ ایک معجزہ ہے کہ میں نے تمہیں اس طغیانی سے بچایا ہے جس میں اونٹ اندھا ہو گیا تھا۔ پھر یہ معجزہ نہیں تو اور کیا ہے کہ ہمیں سر پہ چھت اور جلتی ہوئی آگ مل گئی۔ میں نے خدا سے مدد مانگی تھی۔ خدا صرف اُن کی مدد کرتا ہے جن کی نیت صاف ہوتی ہے۔ یہ آگ دو لڑکے جلا گئے ہیں۔ وہ فرشتے تھے۔ میں اپنے مذہب کی روشنی میں بات کر رہا ہوں۔ تم اس لیے ڈرتی ہو کہ تمہارا مذہب باطل ہے اور تم اس لیے ڈرتی ہو کہ تمہاری نگاہ اپنے جسم پر ہے جو بہت دل کش ہے اور تمہاری نظر میں اپنا چہرہ ہے جو بہت حسین ہے۔ میری نگاہ میری اپنی روح پر ہے جو تمہارے جسم سے زیادہ دل کش اور تمہارے چہرے سے زیادہ حسین ہے۔ میں جانتا ہوں تھوڑی دیر بعد تم مجھے اپنا جسم پیش کرکے کہو گی کہ مجھے منزل پر پہنچا دو۔ کان کھول کر سُن لو۔ میں اپنی روح کو ناپاک نہیں ہونے دوں گا۔ میرے دل میں یہ خرافات ڈالنے کی کوشش نہ کرو کہ میں نے تم جیسی لڑکی کبھی نہیں دیکھی ہوگی۔"

تبریز کے بولنے کے انداز میں کوئی ایسا اثر تھا جس نے لڑکی کے ہونٹ سی دیئے اور وہ حیرت اور خوف سے بھری ہوئی آنکھوں سے تبریز کو دیکھ رہی تھی۔ تبریز کی باتوں میں جو خلوص اور عزم تھا، وہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔

"آگ کے قریب سرک آؤ۔" تبریز نے کہا۔ وہ کُرتہ آگ پر خشک کر رہا تھا۔ لڑکی یوں سرک کر آگ کے قریب ہو گئی جیسے اُس میں حکم عدولی کی جرأت نہیں تھی۔ تبریز نے کُرتے کا ایک سرا اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اسے پکڑو اور آگ کے اوپر رکھو۔" اُس نے کُرتے کو دوسری طرف سے پکڑے رکھا اور دونوں کُرتے کو آگ پر ہلانے جلانے لگے۔ لڑکی کے کپڑے بھیگے ہوئے تھے۔ "کُرتہ خشک ہو جائے تو تم پہن لینا، پھر تمہارے کپڑے خشک کر لیں گے۔"

"نہیں۔" لڑکی نے گھبرا کر کہا۔ "میں اپنے کپڑے نہیں اُتاروں گی۔"

"تم اپنی کھال بھی اُتار کر آگ پر رکھ دو گی۔" تبریز نے کہا۔ "میرے فرض کے رستے میں آنے کی کوشش نہ کرو لڑکی! میں تم پر ثابت کروں گا کہ وحشی مسلمان ہوتے ہیں یا عیسائی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم کتنی پاکدامن ہو۔ تم میری پناہ میں ہو۔ میں تمہیں کوئی سخت بات نہیں کہہ سکتا۔ تم عورت ہو۔ میرا مذہب حکم دیتا ہے کہ مجبور عورت پر

ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔"

"تم نے مجھے کس طرح طغیانی سے نکالا تھا؟" لڑکی نے پوچھا۔ "کیا باقی لوگ پار ہو گئے تھے؟"

تبریز نے اُسے تفصیل سے بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ اُسے باقی لوگوں کے متعلق بالکل معلوم نہیں۔ لڑکی کا ڈر دُور نہ ہوا، کچھ کم ہو گیا تھا اور اُس کی جسمانی حالت بھی اچھی ہوتی جا رہی تھی۔ تبریز کے پوچھنے پر اُس نے بتایا کہ وہ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ حمص جا رہی ہے۔ وہ دو تو اُس علاقے سے نقل مکانی کرکے آرہے تھے جو مسلمانوں کی حکمرانی میں تھا۔ حمص میں اُن کے رشتہ دار رہتے تھے۔ لڑکی اپنے باپ کے لیے پریشان تھی۔

☆

قافلہ طغیانی میں سے نکل گیا تھا۔ کوئی کہیں جا کنارے لگا کوئی کہیں جا لگا۔ وہ ایک دوسرے کو پکارتے اکٹھے ہونے لگے۔ لڑکی اور تبریز ان میں نہیں تھے۔ وہ اونٹ بھی لاپتہ تھا جس پر لڑکی سوار تھی اور تبریز کا گھوڑا کنارے لگ گیا تھا۔ وہ دُور کھڑا تھا۔ قافلے کا ایک آدمی اُسے پکڑ لایا اور سب نے یقین سے کہہ دیا کہ حمص کا اتنا خوبصورت جوان جو راستے میں قافلے سے ملا تھا گھوڑے سے گر کر ڈوب گیا ہے۔ تبریز کا کسی کو دکھ نہیں تھا لڑکی کے غم میں اس کا بوڑھا باپ، دو عیسائی اور ایک یہودی نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ وہ آگے جانے کی بجائے دریا کے کنارے دُور تک جانے کی سوچ رہے تھے۔ قافلے کے کچھ اور لوگ کہتے تھے کہ بے کار ہے، وہ ڈوب گئی ہوگی۔ وہ چاروں سوار ہوئے اور دریا کے ساتھ چل پڑے۔ اُس وقت تبریز لڑکی کو طغیانی سے نکال چکا تھا اور اُسے چپٹی چٹان پر لٹا کر اُس کا پیٹ پانی سے خالی کر رہا تھا۔ وہاں دریا کا موڑ تھا۔ چٹانیں بھی تھیں اس لیے لڑکی کی تلاش میں آنے والے تبریز اور لڑکی کو دیکھ نہ سکے۔ وہ جب اس جگہ آئے اُس وقت تبریز لڑکی کو پیٹھ پر اٹھائے چٹانوں کے اندر چلا گیا تھا۔ تلاش کرنے والے آگے نکل گئے۔ وہ پھر واپس نہیں آئے۔ سورج غروب ہو گیا تو حمص کے راستے پر ہو لیے۔

"اتنی قیمتی لڑکی ضائع کرنے پر انہوں نے ہمیں سزائے موت نہ دی تو ہم سمجھیں گے کہ وہ بہت ہی رحمدل ہو گئے ہیں۔" بوڑھے نے کہا۔ "کیا جواب دو گے وہ کس طرح ڈوبی؟"

"کہہ دیں گے طغیانی میں اُس نے من مانی کی۔" یہودی نے کہا۔ "کہتی تھی کہ الگ اونٹ پر دریا پار کروں گی۔ اُس نے ضد کی اور طغیانی کا زور اُسے ہم سے دُور لے گیا..... وہ دریا سے نکل آتی تو ہمیں مل جاتی۔ مر گئی ہے۔"

"جو جی میں آئے کہو۔" ایک عیسائی نے کہا۔ "ہماری یہ کوتاہی بخش بھی دی جائے تو کیا تم سب کو افسوس نہیں کہ اتنی کارآمد لڑکی ضائع ہو گئی ہے؟ دوسری لڑکی لاتے ایک مہینے سے زیادہ عرصہ لگے گا۔"

"میں نے کئی بار مشورہ دیا تھا کہ اس کام کے لیے دو لڑکیوں کی ضرورت ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "حمص کے مسلمان جوش سے پھٹے جا رہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ وہ جو جنگی تربیت حاصل کر رہے

ہیں وہ کوئی جذباتی یا وقتی جوش نہیں۔ میں نے اُن کی تربیت بہت غور سے دیکھی ہے۔ میرا تجربہ کہتا ہے کہ یہ شبخون اور چھاپے مارنے کی باقاعدہ تربیت ہے۔ میں نے اُن کے چاروں استاد دیکھے ہیں۔ وہ قاہرہ سے بھیجے گئے ہیں یا دمشق سے اور وہ ماہر چھاپہ مار معلوم ہوتے ہیں۔"

"اگر یہ لوگ ہماری حکمرانی میں ہوتے تو ہم دیکھتے کہ یہ کس طرح جنگی تربیت لیتے ہیں"۔۔۔ ایک عیسائی نے کہا۔

"تم کیا سمجھتے ہو یہاں یہ اپنی تربیت مکمل کر لیں گے؟"۔۔۔ یہودی نے کہا۔۔۔ "ہم انہیں آپس میں ٹکرا دیں گے۔"

"اسی مقصد کے لیے میں اس لڑکی کو دمشق سے لا رہا تھا۔" بوڑھے نے کہا۔۔۔ "حمص میں فساد پیدا کرنے کا کام مجھے سونپا گیا تھا۔ میں نے اس لڑکی کا نام لیا تھا۔ انہوں نے مجھے ہی حکم دیا کہ لڑکی کے باپ بن جاؤ اور حمص لے جاؤ۔ کوئی پوچھے تو بتاؤ کہ نقل مکانی کر رہا ہوں۔"

رات کے اندھیرے میں وہ چلتے جا رہے تھے اور اپنی اُس خفیہ مہم کے متعلق باتیں کرتے جا رہے تھے جس کے لیے انہیں حمص جانا تھا۔ بوڑھا صلیبیوں کا تجربہ کار جاسوس تھا اور نفسیاتی تخریب کاری کا ماہر۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔۔۔ "مسلمان تو ہر جگہ جنگی تربیت حاصل کرتے ہیں۔ دمشق میں نورالدین زنگی کی بیوہ لڑکیوں کو باقاعدہ جنگی تربیت دے رہی ہے۔ بستی بستی یہ کوشش دیکھنے میں آیا ہے مگر حمص اور اس کے گرد و نواح کے علاقے کو ایسی اہمیت حاصل ہے کہ یہاں مسلمانوں کے چھاپہ ماروں کو اڈہ نہیں ملنا چاہیے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ صلاح الدین ایوبی کا ایک خفیہ منصوبہ ہے۔ اسے کامیاب نہیں ہونا چاہیے۔"

"حمص سرحد پر ہے۔" یہودی نے کہا۔۔۔ "اگر مسلمانوں نے یہاں اڈہ بنا لیا تو ہمارے لیے خطرناک ہوگا۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہاں کے مسلمانوں کو صلاح الدین ایوبی کے خلاف کر دیا جائے اور اُن کے دلوں پر قبضہ کر لیا جائے۔"

"یہ ممکن نظر نہیں آتا۔" بوڑھے نے کہا۔۔۔ "مجھے بتایا گیا ہے کہ ہمارے آدمیوں نے بہت افواہیں پھیلائی ہیں مگر مسلمان اِن پر کان نہیں دھرتے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اُن کے خطیب کا اُن پر بہت اثر ہے اور یہ بھی پتہ چلا ہے کہ جنگی تربیت اُسی کی ہدایات کے مطابق ہو رہی ہے۔ مجھے حمص نہیں جانا چاہیے تھا کیونکہ ہم لڑکی گم کر بیٹھے ہیں۔ میں اب اس لیے وہاں تک جانا چاہتا ہوں کہ خطیب کو دیکھوں کہ وہ کون ہے اور کیا وہ عالم ہے یا کوئی فوجی کمانڈر۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ اسے اپنے ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مجھے اور تم سب کو حمص کے عیسائی اور یہودی گھرانوں میں سے ایک یا دو لڑکیوں کا انتخاب کرنا ہے جو اس مہم میں ہماری مدد کر سکیں۔ تم جانتے ہو لڑکیوں کو کیا کرنا ہے۔"

"میں نے تمہیں یہ دمشق میں بھی بتایا تھا کہ یہاں کے مسلمان ایمان کے پکے ہیں۔" ایک عیسائی نے کہا۔۔۔ "ابھی تک ہم کسی ایک کو بھی نہیں خرید سکے۔"

"میں ساری عمر اس دریا پر لعنت بھیجتا رہوں گا جس نے ہمیں دیرا سے محروم کر دیا ہے۔"

☆

"میرا نام دیرا ہے۔" لڑکی نے تبریز کے پوچھنے پر بتایا۔۔۔ "ہم غریب لوگ ہیں۔ مسلمانوں نے دمشق میں ہمارا جینا محال کر دیا تھا۔ خدا غریب کی بیٹی کو حسن نہ دے۔ بڑے بڑے امیر مجھے خریدنے کی کوشش کرتے تھے۔ ایک نے تو مجھے اغوا کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔ میرا باپ مجھے قاضی کے پاس لے گیا۔ اُس نے ہماری فریاد سن لی اور میری حفاظت کا انتظام کر دیا مگر وہاں حکومت مسلمانوں کی تھی۔ ہم ڈرتے رہے۔ میرے باپ نے یہی بہتر سمجھا کہ دمشق سے نکل ہی جائیں۔ حمص میں ہمارے رشتے دار ہیں۔ اب ہم اُن کے پاس جا رہے تھے۔ معلوم نہیں میرا باپ زندہ ہوگا یا نہیں۔۔۔۔ کیا تم ایک مظلوم اور مجبور لڑکی پر رحم نہیں کرو گے؟"

رات گزرتی جا رہی تھی۔ بوڑھا عیسائی جسے دیرا اپنا باپ کہتی تھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ بہت دُور نکل گیا تھا۔

"میرا چغہ خشک ہو گیا ہے۔" تبریز نے کرتہ اُس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔۔۔ "میں باہر نکل جاتا ہوں۔ اُٹھو، اپنے کپڑے اُتارو اور یہ پہن لو۔ تمہیں سر سے پاؤں تک ڈھانپ لے گا۔ پھر اپنے کپڑے خشک کر کے پہن لینا۔"

"میں تمہارے ہاتھ میں مجبور ہوں۔" دیرا رندھی ہوئی آواز میں بولی۔۔۔ "میرے ساتھ اُس درندے کا سا سلوک نہ کرو جو شکار کو مارنے سے پہلے اُس کے ساتھ کھیلتا ہے۔"

"میں کہہ رہا ہوں یہ بھیگے ہوئے کپڑے اُتار دو۔" تبریز نے غصے سے کہا اور باہر کو چل پڑا۔

دیرا نے اُسے باہر جاتے اور ایک طرف ہوتے دیکھا۔ وہ اوٹ میں ہو گیا جہاں سے دیرا کو نظر نہیں آتا تھا۔ دیرا نے ذرا آگے ہو کر دیکھا۔ وہ گُف کی طرف پیٹھ کیے کھڑا تھا۔ آگ اتنی زیادہ تھی کہ روشنی تبریز کی پیٹھ پر پڑ رہی تھی۔ دیرا نے اپنے فراک کے اندر ہاتھ ڈالا۔ اُس نے اندر کمر کے گرد کپڑا لپیٹ رکھا تھا۔ اُس نے کپڑے میں خنجر اُڑسا ہوا تھا۔ دیرا نے خنجر نکال لیا اور دبے پاؤں آگے بڑھی۔ تبریز بے خبر کھڑا تھا۔ دیرا اُس سے ایک قدم دُور رہ گئی تو اُس نے خنجر دائیں طرف کر کے پہلو میں گھونپنے کو وار کیا۔ تبریز بجلی کی تیزی سے گھوما اور لڑکی کے دائیں ہاتھ کی کلائی اتنی زور سے مروڑی کہ لڑکی گھوم گئی اور اُس کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔

تبریز کے بچنے کا باعث یہ تھا کہ وہ جہاں کھڑا تھا وہاں سے چند ہی قدم آگے ایک اور چٹان تھی۔ آگ تبریز کے پیچھے تھی۔ تبریز کو سامنے والی چٹان پر اپنا سایہ نظر آیا۔ اُس نے پیچھے نہ دیکھا کیونکہ سائے کا دایاں بازو دائیں کو پھیلا تو اُسے خنجر کا سایہ صاف نظر آ گیا۔ دیرا پہلو میں وار کر کے پیٹ چاک کرنا چاہتی تھی۔ سائے کی حرکت دیکھ کر تبریز پیچھے کو گھوما اور لڑکی کی کلائی پکڑ لی۔ خنجر گرا تو اُس نے دیرا کی کلائی چھوڑ کر خنجر اٹھا لیا۔ اُس نے نوک لڑکی کی طرف کی تو وہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور ہاتھ جوڑ کر التجا کی۔۔۔ "جو کہو گے مانوں گی۔ مجھے قتل نہ کرنا۔"

"میں اس کے سوا تمہیں کچھ نہیں کہوں گا کہ یہ کپڑے اتار دو اور میرا کُرتہ پہن لو۔" تبریز نے حکم کے لہجے میں کہا۔ "تم نے دیکھ لیا ہے کہ تم مجھے قتل نہیں کر سکتیں۔ میری آنکھیں آگے ہیں کھوپڑی کے پیچھے نہیں۔ یہ میری روح کی آنکھیں ہیں جن سے میں نے تمہیں دیکھ لیا تھا...... کیا میں اپنے سامنے تمہارے کپڑے نہیں اتروا سکتا؟ میں تمہیں کپڑوں کے بغیر نہیں دیکھنا چاہتا۔"

وہ ایک دفعہ پھر وہیں جا کھڑا ہوا۔ ویرا گُٹ کے ایک کونے میں چلی گئی۔ اُس نے بڑی تیزی سے اپنا فراک اتارا، پھر زیر جامہ بھی اتار دیا اور تبریز کا کُرتہ پہن لیا جس میں وہ گردن سے پاؤں تک مستور ہو گئی۔ اس نے تبریز کو آواز دے کر کہا — "آجاؤ۔"

تبریز اندر گیا۔ ویرا کا فراک اٹھا کر ایک طرف سے اُس کے ہاتھ میں دیا اور آگ پر خشک کرنے لگا۔ ویرا اُسے کنکھیوں سے دیکھتی رہی۔ تبریز نے کوئی بات نہ کی۔ ویرا کو اُس کی خاموشی پریشان کر رہی تھی۔ اُس کا دل مان نہیں رہا تھا کہ یہ جوان آدمی اُسے بخش دے گا۔ اب تو خنجر بھی اس جوان کے پاس تھا...... وہ خاموشی سے کپڑے خشک کرتے رہے۔ جب خشک ہو گئے تو تبریز لڑکی کو یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ یہ پہن لو۔ لڑکی نے ایک بار پھر ڈرتے ڈرتے کپڑے بدلے اور تبریز کو اندر بلا لیا۔

"یہ خنجر اپنے پاس رکھو" — تبریز نے خنجر اُس کی طرف پھینک کر کہا — "اور سو جاؤ۔ صبح روانہ ہوں گے۔"

"تم مجھے دھوکہ دے رہے ہو" — ویرا نے کہا — "یا تم بے حس اور مُردہ انسان ہو۔"

"یہ مجھے تمہاری قوم کے سامنے ثابت کرنا ہے کہ میں بے حس اور مُردہ نہیں۔ میرے دل میں تمہارے خلاف کوئی دشمنی نہیں۔ میں تمہارے اُن بادشاہوں کا دشمن ہوں جو میرے وطن پر قبضہ کرنے آئے ہیں، اور جو ہمارے قبلۂ اوّل پر قابض ہو چکے ہیں۔"

"تمہیں غلط باتیں بتا کر بھڑکایا جا رہا ہے" — ویرا نے کہا — "تم کچھ نہ جاننے والے دیہاتی ہو۔ جسے تم قبلۂ اوّل کہتے ہو، وہ دراصل یہودیوں کا معبد ہے۔ وہ ہیکلِ سلیمانی ہے۔ صلاح الدّین ایوبی اپنی سلطنت کو بہت دُور تک پھیلانا چاہتا ہے۔ تم جیسے سیدھے سادے مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو بھڑکانے کے لیے وہ کہہ رہا ہے کہ وہ قبلۂ اوّل ہے اور وہ مسجد ہے۔"

"ہم اپنے خطیب کے سوا کسی کی بات نہیں سنا کرتے" — تبریز نے کہا — "تم سو جاؤ۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔"

"مجھے نیند نہیں آئے گی" — ویرا نے کہا — "میں تم سے ڈرتی ہوں۔ باتیں کرتے رہو...... تمہارا خطیب حمص کا رہنے والا ہے یا کہیں باہر سے آیا ہے؟"

"حمص کا رہنے والا ہے" — تبریز نے جواب دیا اور اپنا کُرتہ پہن کر لیٹ گیا۔

ویرا کو جاسوسی اور کردار کُشی کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ دمشق میں اُسے اسی مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا اور اب اسی مقصد کے لیے اُسے حمص لے جایا جا رہا تھا۔ اس نے حمص کے خطیب اور وہاں کے مسلمانوں

کے متعلق تبریز سے معلومات لینے کے لیے بہت باتیں کیں لیکن تبریز نے کوئی دلچسپی نہ لی اور بے رُخی کا اظہار کرتا رہا۔ ویرا کا جسم ٹوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کوشش میں تھی کہ اُسے نیند نہ آئے مگر اُس کی آنکھ لگ گئی۔

☆

ویرا کی آنکھ کھُلی تو وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی۔ باہر صبح کا دھندلکا تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا تبریز سجدے میں پڑا تھا۔ وہ سجدے سے اُٹھا پھر سجدہ کیا اور کھڑا ہو گیا۔ وہ صبح کی نماز پڑھ رہا تھا۔ ویرا نے اپنے لباس کا جائزہ لیا۔ اُسے رات نیند نے نہ سونے کے ارادے کے باوجود دبوچ لیا تھا۔ آنکھ کھُلی تو وہ تبریز سے ڈر گئی لیکن وہ جس حالت میں سوئی تھی اُسی حالت میں جاگی اور اُس نے تبریز کو خدا کے حضور سجدے میں پڑے دیکھا۔ اُسے وہ خواب سمجھنے لگی۔ مسلمانوں کے متعلق اُس کی رائے یہ تھی کہ وحشی قوم ہے لیکن تبریز جیسا تنومند جوان اس کی طرف توجہ ہی نہیں دے رہا تھا۔ جس لڑکی نے ناز و انداز سے سرکردہ مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس لیا تھا، اُس کے لیے تبریز خواب کی دنیا کا ہی آدمی ہو سکتا تھا۔

ویرا پاک دامن نہیں تھی۔ بچپن سے اُسے ابلیسیت کی تربیت دی گئی تھی۔ اس کے حسن اور جسم کی کشش کو جادو اثر بنانے کا خاص انتظام کیا گیا تھا۔ جوان ہونے تک بدی اس کی فطرت میں شامل ہو چکی تھی مگر انسانی فطرت کا یہ خاصہ ہے کہ برسوں کی مسلسل عرق ریزی کے بغیر اس کی اصلیت بدل نہیں سکتی، اس پر بہروپ چڑھایا جا سکتا ہے۔ ویرا کو طغیانی نے جو تھپکیاں دی تھیں اور جس طرح موت کے منہ میں پھینکا تھا، اس سے اس کے جذبات اس پر غالب آ گئے۔ وہ طغیانی سے تو زندہ و سلامت نکل آئی تھی مگر اس کی دہشت سے ابھی تک نہیں نکلی تھی۔ اُس کے ساتھ اُس پر تبریز کی دہشت طاری ہو گئی تھی۔ اس مسلمان جوان سے اسے اور کوئی ڈر نہیں تھا۔ خوف یہ تھا کہ یہ کوئی خانہ بدوش یا بدو ہوا تو اُسے کسی کے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ وہ بِک جانے کے بعد کی اذیت ناک زندگی سے ڈر رہی تھی۔

رات گزر گئی۔ تبریز نے اُس کے اتنے دلکش جسم کی طرف توجہ ہی نہ دی۔ وہ بے ہوشی کی نیند سو گئی تو بھی تبریز اُس سے دُور رہا۔ صبح طلوع ہوئی تو اُس کی تھکن ختم ہو چکی تھی اور تبریز کا خوف بھی۔ رات تک وہ اُسے گنوار، بے حس اور مُردہ سمجھتی رہی تھی۔ اب وہ اُسے غور سے دیکھنے لگی۔ تبریز کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ ویرا کو یوں محسوس ہونے لگا جیسے یہ شخص براہِ راست خدا سے ہمکلام ہو۔ اُسے تبریز کے یہ الفاظ یاد آنے لگے کہ خدا صرف اُن کی مدد کرتا ہے جن کی نیت اور روح پاک ہوتی ہے۔ تب اُسے خیال آیا کہ اس کی اپنی نیت پاک نہیں۔ وہ تبریز کی قوم کے لیے ایک حسین دھوکہ بنی ہوئی ہے۔ اُس لڑکی نے رات کو یہ بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنا آپ تبریز کے حوالے کر کے اُسے کہے گی کہ اس کے عوض حمص پہنچا دو۔

اور روح؟ — ویرا کو زندگی میں پہلی بار احساس ہوا کہ اس کا جسم روح سے محروم ہے اور اگر روح ہے بھی تو وہ کردار کی غلاظت میں دب گئی ہے لیکن روح مرا نہیں کرتی۔ ویرا پر جو گزری تھی اس سے اُس کی روح بیدار ہو گئی تھی جو اُسے شرمسار کر رہی تھی۔ اُسے تبریز کی شکل و صورت بدلی ہوئی نظر آنے لگی۔ اُس کی نگاہ میں